

# تفسیر قرطبی

PDFBOOKSFREE.PK

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمہ اللہ

ترجمہ قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بحیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

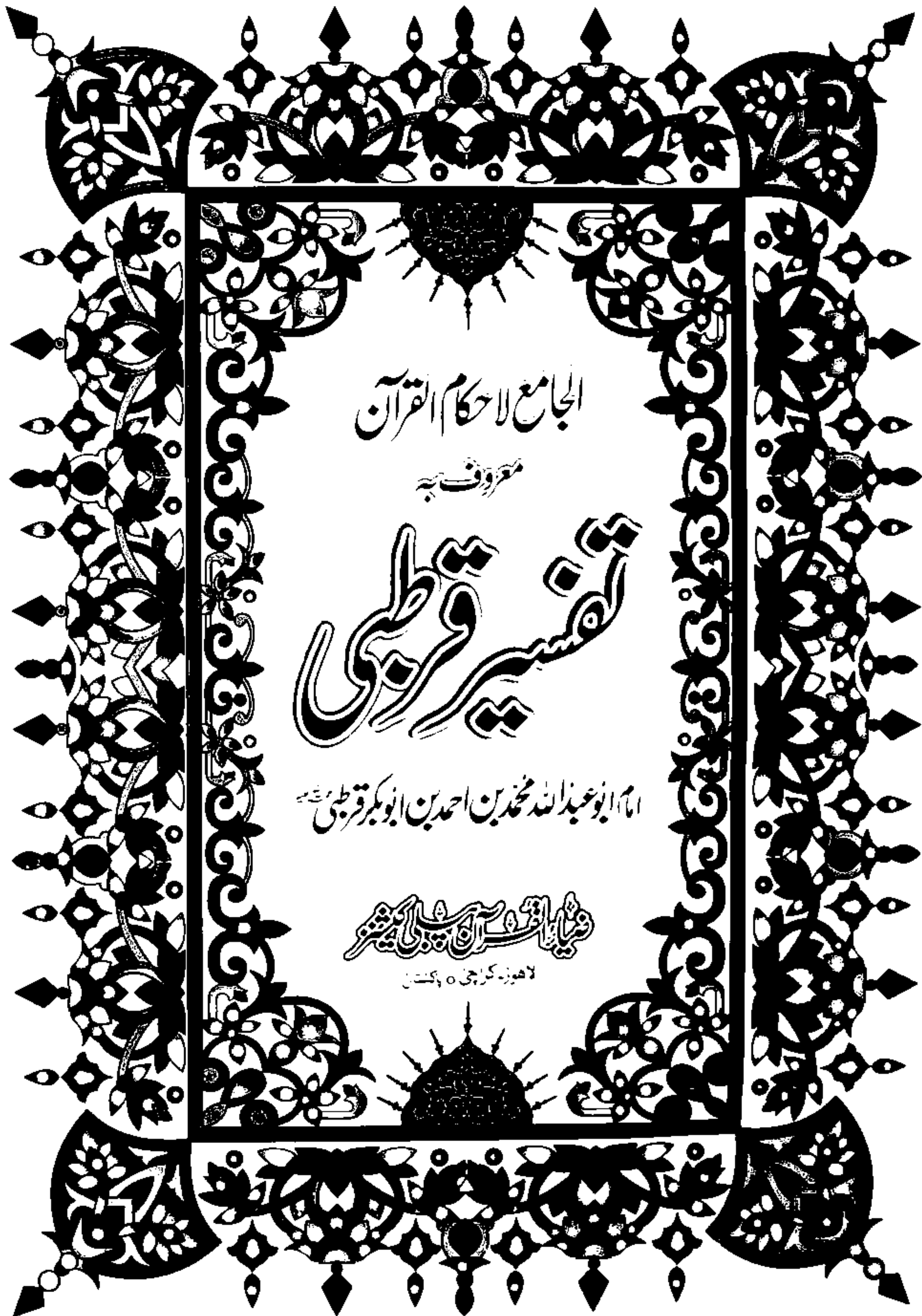
## ایک ضروری گزارش!

معزز قارئین کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالب دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری

[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



الجامع لاحکام القرآن

معروف ہے

تحفہ قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی

مشاعیر القرآن

لاہور، کراچی، پاکستان

# الجامع لاحکام القرآن معروف بہ

## تفسیر قرطبی جلد نہم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

مُترجمین

مولانا ملک محمد بوستان مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی مولانا شوکت علی حشتی

زیر اہتمام:

ادارہ ضیاء المصطفین بحیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

|                   |                                                                                                            |
|-------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| نام کتاب          | تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد نہم)                                                        |
| مفسر              | امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ                                              |
| متن قرآن کا ترجمہ | حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ                                                               |
| مترجمین           | مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی<br>مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی |
| زیر اہتمام        | من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف<br>ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف                             |
| ناشر              | محمد حفیظ البرکات شاہ<br>ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور                                                     |
| سال اشاعت         | اکتوبر 2012ء، باراول                                                                                       |
| کمپیوٹر کوڈ       | QT54                                                                                                       |

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس: 042-37238010

9۔ انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350 فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com



## فہرست مضامین

## سورة ق

15

- 15 ق وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ بَلْ عَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَاذِبُونَ هَذَا شَيْءٌ ۝ آیت 5۳1
- 19 أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ ۝ آیت 11۳6
- 21 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ آیت 15۳12
- 22 وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ نَفْسُهُ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ۝ آیت 19۳16
- 27 وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ ۝ آیت 22۳20
- 29 وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَتِيدٍ ۝ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝ آیت 29۳23
- 32 يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۝ وَأَزْلَفَتْ الْجَنَّةُ ۝ آیت 35۳30
- 36 وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۚ هَلْ مِنْ ۝ آیت 38۳36
- 38 فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ آیت 40-39
- 40 وَاسْتَبِشْ يَوْمَ يَنَادِلُ الْمَآدِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۝ آیت 45۳41

44

## سورة ذاریات

- 44 وَالذَّرِيَّتِ ذُرِّوَاهُ ۝ فَاخْلَعْ لَهَا عِظْلًا ۝ فَانْجُرِيَتْ يُسْرًا ۝ فَالْمَقَسِمَتِ أَمْرًا ۝ آیت 6۳1
- 46 وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُلِ ۝ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُخْتَلِفٍ ۝ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝ آیت 14۳7
- 50 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ اخْذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ ۝ آیت 19۳15
- 55 وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ ۝ آیت 28۳20
- 62 فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَاقَتِهَا وَقَالَتِ لَهَا كَيْفَ تَحْبَبِينَ ۝ قَالُوا كَذَلِكَ ۝ آیت 30-29
- 63 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ آیت 37۳31
- 65 وَفِي مِثْرَىٰ إِذَا أُرْسِلْتُمْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ يُلُظُنُّ مِنْكُمْ ۝ فَتَوَلَّوْا مِنْهُ وَكُنْهٖ وَقَالَ سَجِرٌ ۝ آیت 40۳38
- 66 وَفِي عَادٍ إِذَا أُرْسِلْتُمْ عَلَيْهِمُ الرِّيحُ الْعَقِيمُ ۝ مَا تَذَرُونَ مِنْ شَيْءٍ ۚ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا ۝ آیت 42-41
- 67 وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَسْعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ ۝ آیت 45۳43
- 68 وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ وَالسَّمَاءِ بَنَيْنَاهَا بِسَبْعٍ ۝ آیت 49۳46



- 69 فَعْرِضْ إِلَى اللَّهِ إِنْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۖ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ ..... آیت 50 تا 55
- 71 وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا يُرِيدُ مِنْهُمْ لِيُعْبُدُونِي ۚ ..... آیت 56 تا 60
- 73 سورة الطور
- 73 وَالطُّورِ ۚ وَكَتَبَ مُسْطُورًا ۚ فِي رَاقٍ مُنْشُورًا ۚ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۚ ..... آیت 1 تا 8
- 78 يَوْمَ تَوُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۚ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۚ قَوْلٌ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ فِيهِ حُكْمٌ ۚ ..... آیت 9 تا 16
- 79 إِنَّ الشَّاقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ۚ فَكَيْفَ يُنَبِّئُهُم بِمَا أَتَتْهُمْ رَأْيُهُمْ ۚ وَقَدْ رَأَوْهُمْ رَبَّهُمْ عَذَابَ ..... آیت 17 تا 20
- 81 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ ..... آیت 21 تا 24
- 85 وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۚ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۚ ..... آیت 25 تا 28
- 86 قَدْ كَرِهْنَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ كَاهِنٌ وَلَا مَجْنُونٌ ۚ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ تَتَكَبَّرُ بِ ۚ ..... آیت 29 تا 34
- 89 أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخُلِقُونَ ۚ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ ..... آیت 35 تا 43
- 92 وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ۚ قَدْ رَأَوْهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا ..... آیت 44 تا 46
- 93 وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ ..... آیت 47 تا 49
- 98 سورة النجم
- 98 وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۚ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ ..... آیت 1 تا 10
- 108 مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَآيَرٍ ۚ وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أَخْرَىٰ ۚ ..... آیت 11 تا 18
- 115 أَفَرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ ۚ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۚ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۚ ..... آیت 19 تا 22
- 119 إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ ..... آیت 23 تا 26
- 120 إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمُؤْنَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً الْأُنثَىٰ ۚ وَمَالَهُمْ ..... آیت 27 تا 30
- 121 وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ ..... آیت 31-32
- 126 أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَتَوَلَّىٰ ۚ وَاعْطَىٰ قَلِيلًا وَكَذَىٰ ۚ أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرَىٰ ۚ ..... آیت 33 تا 35
- 127 أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۚ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۚ أَلَا تَرَوْا زُرَّاقًا ..... آیت 36 تا 42
- 131 وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۚ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزُّوجَيْنِ ..... آیت 43 تا 46
- 133 وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشَاطَةَ الْآخِرَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَعْلَىٰ وَأَقْنَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ ..... آیت 47 تا 55
- 135 هَذَا نَذِيرٌ مِنَ النَّذِيرِ الْأُولَىٰ ۚ أَزَلَمَتِ الْأَرْفَةُ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ ..... آیت 56 تا 62



## سورة القمر

139

139 اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ آیت 1 تا 8

144

144 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْذُونٌ وَازْدُجِرَ ۝ فَقَدْ عَارَبْتَنَا ۝ آیت 9 تا 17

148

148 كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَنُذِيرِ ۝ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رايْحًا صَرَّافِي ۝ آیت 18 تا 22

151

151 كَذَّبَتْ ثمودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا ابْشِرِ امْتًا وَاجِدْ اَنْتُمُ الْعَرَبُ ۝ اِنَّا اِذَا نْفِى ضَلَّيْ وَسُعْرٍ ۝ آیت 23 تا 26

153

153 اِنَّا مَرْسِلُو السَّاعَةِ فَتَنَّا لَهُمْ فَاَرْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئُهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۝ آیت 27 تا 32

156

156 كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّا اَل لُّوطِ ۝ نَجَّيْنَاهُمْ ۝ آیت 33 تا 40

158

158 وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَآخَذْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ ۝ آیت 41 تا 46

160

160 اِنَّا الْمَجِرِ مَتْنًا فِي ضَلَّيْ وَسُعْرٍ ۝ يَوْمَ يُسْعَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوْهِهِمْ ۝ آیت 47 تا 49

162

162 وَمَا أَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدٌ ۝ كَلِمَةً بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ ۝ آیت 50 تا 55

164

## سورة الرحمن

165

165 الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ آیت 1 تا 13

172

172 خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ ۝ آیت 14 تا 18

173

173 مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْنَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا ۝ آیت 19 تا 23

176

176 وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالِأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ آیت 24 تا 28

177

177 يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ آیت 29-30

179

179 سَفَرٌ لَّكُمْ آيَةُ الْفَقْلِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ لِيَعْلَمَ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ ۝ آیت 31 تا 36

184

184 فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ آیت 37 تا 40

186

186 يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا ۝ آیت 41 تا 45

187

187 وَلِسَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتِيْنَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ آیت 46-47

188

188 ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ فِيْهِمَا عَيْنِيْنَ تَجْرِيْنَ ۝ فَبِأَيِّ ۝ آیت 48 تا 51

189

189 فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجِيْنَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ مُّغْبِيْنَ عَلَى فُرُشٍ ۝ آیت 52 تا 55

191

191 فِيْهِمْ قُصُورٌ الْغُرُفُ لَمْ يَطْمِئُنْ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا ۝ آیت 56-57

192

192 كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِيْنَ ۝ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ ۝ آیت 58 تا 61



- 193 وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٢﴾ مُدْهَآ مَثْنٍ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ ..... آیت 62 تا 65
- 195 فِيهِمَا عَيْنَتْنِ نَضَاحَتَيْنِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٦﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ ..... آیت 66 تا 69
- 196 فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَنٌ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٧٠﴾ ..... آیت 70-71
- 198 حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٧٢﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ ..... آیت 72 تا 75
- 199 مُتَكَبِّرِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضِرَ وَعَبْقَرِيٌّ حَسَنٌ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٧٦﴾ ..... آیت 76 تا 78

## سورة واقعه

- 203 إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۚ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۖ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿١﴾ إِذَا رَجَعْتَ ..... آیت 1 تا 6
- 206 وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۚ فَأَصْحَبُ الْيَمِينِ ۚ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينَةَ ﴿٧﴾ وَأَصْحَبُ ..... آیت 7 تا 12
- 209 ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَيْنِ ۚ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۚ عَلَى سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۚ مُتَكَبِّرِينَ ..... آیت 13 تا 16
- 211 بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ ۚ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۚ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْفِقُونَ ﴿١٧﴾ ..... آیت 17 تا 26
- 215 وَأَصْحَبُ الْيَمِينِ ۚ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۚ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۚ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ﴿٢٧﴾ ..... آیت 27 تا 40
- 220 وَأَصْحَبُ الشِّمَالِ ۚ مَا أَصْحَبُ الشِّمَالِ ۚ فِي سُوْرٍ وَحِيدٍ ۚ وَظِلٍّ مِّنْ يَحُومٍ ﴿٤١﴾ ..... آیت 41 تا 56
- 223 نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٥﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿٥٦﴾ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ ..... آیت 57 تا 62
- 225 أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٦٠﴾ ءَأَنْتُمْ تَرْعَوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦١﴾ لَوْ نَشَاءُ ..... آیت 63 تا 67
- 228 أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ..... آیت 68 تا 74
- 230 فَلَا أَقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّا تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ ..... آیت 75 تا 80
- 235 أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِونُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ ..... آیت 81 تا 87

## سورة الحديد

- 243 سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ ..... آیت 1 تا 3
- 244 هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ ..... آیت 4 تا 6
- 245 آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۚ قَالِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ..... آیت 7 تا 9
- 247 وَمَالَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَن ..... آیت 10
- 249 الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ ۚ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ ..... آیت 11-12
- 252 يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُفْسِقُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا نَارَ الْفِتْنَةِ مِنْكُمْ ..... آیت 13 تا 15



- 255 اَلَمْ يَكُنْ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا  
259 اِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لِّضَعْفِ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ  
261 اَعْلَمُوا اَنَّهَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ  
263 مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ نُّبْرَاَهَا  
266 لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ  
268 ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاتَيْنَاهُ الْاِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِيْ  
272 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرُسُوْلِهِ يُؤْتِكُمْ كُفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَلَ  
275 **سورة المجادلہ**  
275 قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كَمَا  
278 الَّذِيْنَ يُظْهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِّسَاءٍ بِهِمْ مَا هُنَّ اُمَّهَاتُهُمْ ۚ اِنَّ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اَيُّ وَلَدْنَهُمْ  
284 وَالَّذِيْنَ يُظْهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاءٍ بِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۚ مِنْ قَبْلِ  
284 بارہ مسائل اور فصل میں چھ مسئل  
293 اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرُسُوْلَهُ كُفُّوا كَمَا كُفِّتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ  
294 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ  
295 اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ هُوَ اَعْنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا هُمْ اَعْنٰهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْاِلٰهِ  
299 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِلٰهِ وَالْعُدُوِّ اِنْ وَّ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ  
300 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فَاَفْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا  
305 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ الرَّسُوْلَ فَقَدِمْوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةٌ  
306 ۚ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَتْ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ  
307 اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۚ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ  
308 لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ  
310 اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرُسُوْلَهُ اُولٰٓئِكَ فِي الْاٰذِلِيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَا غُلْبَةَ  
310 لَا تَجِدُوْا قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرُسُوْلَهُ ۚ



## سورة المحشر

314

314

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَ..... آیت 1-2

318

وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ..... آیت 3-4

319

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمْ هَاقًا يَهْتَ عَلَى اُصُوْلِهَا فَاِذَنْ اللّٰهُ وَلِيُخْرِیَ الْفٰقِیْنِ ۝ آیت 5

323

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا اَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَاكِبٍ وَلَا رَاكِبٍ وَلَكِنَّ اللّٰهَ..... آیت 6-7

323

در اہم مسائل

331

لِلْفَقْرِ اِنَّهُمْ هٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ..... آیت 8

333

وَالَّذِيْنَ تَبَوُّوْا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُخْرِجُوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ..... آیت 9

333

گیارہ اہم مسائل

343

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ..... آیت 10

343

چار اہم مسائل

345

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَيْنٌ..... آیت 11-12

346

لَا اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهِبَةً فِیْ صُدُوْا بِرَهِمٍ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝..... آیت 13-14

348

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا ذٰقُوْا وَاَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ آیت 15

348

كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ..... آیت 16-17

354

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ..... آیت 18-19

355

لَا یَسْتَوِیْ اَصْحَبُ النَّارِ وَاَصْحَبُ الْجَنَّةِ ۚ اَصْحَبُ الْجَنَّةِ هُمْ الْفَاكِهُوْنَ ۝..... آیت 20-21

357

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلِیْمُ الْغُیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝..... آیت 22-23

359

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۚ یَسْبَحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ..... آیت 24

361

## سورة الممتحنة

361

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ..... آیت 1

366

اِنْ یُشْفَوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءٌ وَیَبْطِطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَالسُّوْءُ..... آیت 2-3

367

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ ۚ اِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بَرِءٌ مِّنْكُمْ..... آیت 4-5

369

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُو اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ وَمَنْ یَّمُوْلَ..... آیت 6-7



370 لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ ۚ آیت 8

371 إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا بِكُمْ ۚ آیت 9

372 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۚ آیت 10

372 سورہ مسائل

379 وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَرْوَاحُهُمْ مِثْلَ ۚ آیت 11

381 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا ۚ آیت 12

381 آئندہ مسائل

386 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَیْسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبُوءُ ۚ آیت 13

388 سورۃ الصف

388 سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ۚ آیت 1 3۴

392 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَتْهُمْ بُيُوتٌ مَرْصُومًا ۝ وَإِذْ قَالَ ۚ آیت 4-5

393 وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ ۚ آیت 6

395 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ ۚ آیت 7-8

396 هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۚ آیت 9

397 تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِمَا مَوْلَاكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۚ ذَلِكَ ۚ آیت 11 13۴

399 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِنَحْوَارِئِهِ مَنْ أَنْصَارِي ۚ آیت 14

402 سورۃ الجمعہ

402 يَسْبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ السَّلَامُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِي ۚ آیت 1-2

403 وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۚ آیت 3

404 ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ ۚ آیت 4

405 مِثْلَ الَّذِينَ خَلَوْا الشُّرُكَةَ لَمْ يَخْلَوْا كَشَلِّ الْجَمَارِ يَخُولُ أَسْفَارًا ۚ بَشَسْ مِثْلَ ۚ آیت 5

407 قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن رَعَيْتُمْ أَوَّلِيَاءُ اللَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَسُوْا الْمَوْتَ ۚ آیت 6 8۴

408 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَادَاكُمُ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمٍ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ آیت 9

408 اس میں تیرہ مسائل ہیں



419 11-10 آیت ..... اذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا ..... آیت 10-11  
اس میں سترہ مسائل ہیں

420

431

### سورة المنافقون

431 1 آیت ..... اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا اَنْشَهِدْ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ ۚ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ ..... آیت 1

434 2 آیت ..... اِتَّخَذُوْا اٰیٰتِہُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّہُمْ سَاءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ آیت 2

435 3-4 آیت ..... اِذَا رَاٰیْتَهُمْ ..... آیت 3-4

437 5 آیت ..... وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کُوْذِبُوْا رُءُوْسُہُمْ وَرَاٰیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَہُمْ سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَہُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ ۚ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَہُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی ..... آیت 5

439 6-8 آیت ..... اِنَّا لِلّٰهِ لَا یُہْدِی ..... آیت 6-8

440 9-11 آیت ..... اِنَّا لِلّٰهِ ..... آیت 9-11

443

### سورة التغابن

443 1-2 آیت ..... یَسْبِیْہِ اللّٰہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحُکْمُ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ ..... آیت 1-2

445 3 آیت ..... خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَ کُمْ فَاَحْسَنَ صُوْرَکُمْ ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝ آیت 3

446 4-6 آیت ..... یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذٰتِ ..... آیت 4-6

447 7-9 آیت ..... زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ۚ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّیُوْنَ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ ..... آیت 7-9

450 10-11 آیت ..... وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا ۚ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ۚ وَہُمْ ..... آیت 10-11

451 12-13 آیت ..... وَاطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ ۚ قُلْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ آیت 12-13

452 14 آیت ..... یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاولَادٍ کُمْ عَدُوٌّ لَّکُمْ فَاَحْذَرُوْہُمْ ۚ وَاِنْ تَعَفَّوْا ..... آیت 14

452 15 آیت ..... پانچ مسائل

454 15 آیت ..... اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ آیت 15

455 16-17 آیت ..... فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاَسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا اِلَّا نَفْسِکُمْ ۚ وَمَنْ یُّوقِ ..... آیت 16-17

455 18 آیت ..... پانچ مسائل

458 18 آیت ..... عَلِیْمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ آیت 18

459

### سورة الطلاق

459 1 آیت ..... یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ مِنْ اَعْدَیْتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّکُمْ ۚ ..... آیت 1



- 459 چودہ مسائل
- 468 قَاذًا بَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ ... آیت 2-3
- 469 چھ مسائل
- 473 وَالَّتِي يَكُونُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ امْرَأَتُهُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالَّتِي ... آیت 4-5
- 474 سات مسائل
- 477 أَتَكُونُ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُجْدٍ كُمْ وَلَا تُضَايَرُونَ مِنْهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ ... آیت 6
- 478 چار مسائل
- 482 لِيُتَفَقَّحُوا فِي دِينِهِمْ وَمَنْ قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُفَقِّحْهُمَا اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ ... آیت 7
- 484 وَكَاتِبِينَ مِنْ قَرِيبَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا حَسَابًا شَدِيدًا ... آیت 8-11
- 486 اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ ... آیت 12
- 489 سورة التحريم
- 489 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبَتَّغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ آیت 1
- 489 پانچ مسائل
- 497 قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَجَارَةً يَأْتِيَكُمُ وَاللَّهُ مُؤْتِكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ آیت 2
- 497 تین مسائل
- 499 وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلْيَتَنَبَّأْ بِهِ وَأَظْهَرُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ ... آیت 3
- 501 إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ ... آیت 4
- 505 عَلَى رَأْيِهِ إِنْ طَلَّقَكُنْ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنْ مُسَلِّمًا مُوسَمًَّا قَتَلْتِ نَفْسَكَ ... آیت 5
- 506 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْوُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ ... آیت 6
- 509 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَدُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ ... آیت 7-8
- 512 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَهِيَ الْبَصِيرَةُ ○ آیت 9
- 513 ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَاتِ نُوحٍ وَامْرَأَاتِ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ ... آیت 10
- 514 وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَاتِ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا ... آیت 11
- 515 وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عَزْرَ الْبَنِي إِصْرَ إِذْ خَصَّصَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا ... آیت 12



## سورة الملك

517

517

518

520

521

522

523

525

526

527

528

529

530

531

532

533

534

534

538

539

541

542

546

547

تَبْرَكَ الَّذِي يَدِيَهِ الْمُلْكُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ آیت 1

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَفُورُ ۝ آیت 2

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوتٍ ۚ فَإِذَا رَجِعَ الْبَصَرُ ۚ آیت 3

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝ آیت 4

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَابِغٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا ۝ آیت 5-6

إِذَا انْقَرَضُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورٌ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۚ كُلَّمَا ۝ آیت 7-11

إِنَّا إِلَهِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ آیت 12-14

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۚ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ آیت 15

ۚ أَمِنتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ آیت 16

أَمْ أَمِنتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝ آیت 17

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ ۝ آیت 18-20

أَمِنْ هَذَا الَّذِينَ يَمُرُّونَ بِالْمَرْءِ عَلَى أَنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝ آیت 21-22

قُلْ هُوَ الَّذِي بَنَىٰ أُنثَاكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ آیت 23-27

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا ۚ فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ آیت 28

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ قُلْ ۝ آیت 29-30

## سورة القلم

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنتَ بِمُعْجِزٍ مِمَّنْ يَسْجُدُ لِلَّهِ ۚ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَسْنُونٍ ۝ آیت 1-3

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ آیت 4

فَسَتُبْصَرُ وَتُبْصَرُونَ ۝ بِأَسْفُوفٍ أُنْفُسُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ آیت 5-7

فَلَا تُطِيعُ الْكُذِّبِينَ ۝ وَذُوالْوُدِّ هُنَّ ۝ آیت 8-9

وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَهْدٍ ۝ هَٰذَا نَرَىٰ مَشَٰءِمْ يَرْثِي ۝ مَنَاءُ الْخَيْرِ مُعْتَبَرٌ أَثِيمٌ ۝ آیت 10-13

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ آیت 14-15

سَنَسِفُهُ عَلَىٰ الْحُطُوطِ ۝ آیت 16

- 549 اِنَابَلُوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اِذَا اَقْسَمُوا لِيَصْرُ مِنْهَا مُصْحِحِينَ ۝ وَلَا آیت 17 19۳
- 552 فَاصْبَحْتُ كَالْضَرِيْمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْحِحِينَ ۝ اَنْ اَعْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَنَصٰلَتُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ آیت 20 25۳
- 554 كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ آیت 33 39۳
- 556 سَلٰهُمْ اَتَيْتُمْ بِذٰلِكَ رَعِيْمًا ۝ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فُلْيَا تُؤْوِيْنَهُمْ كَا يَهُودِ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ آیت 40-41
- 558 يَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعُوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ۝ آیت 42 43۳
- 561 قَدْ رَفِئْتُ وَمَنْ يَكْذِبْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۚ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ آیت 44 4۵
- 562 اَمْ تَسْأَلُهُمْ اَجْرًا فَاَنْتُمْ مِنْ مُّعْرِِمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ آیت 46-47
- 563 فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۚ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْلَا اَنْ آیت 48 50۳
- 564 وَاِنْ يَكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْكَ بِاَبْصَارِهِمْ لِنَاسٍ يَسْعُوْنَ الَّذِيْ كَرِهَ وَيَقُوْلُوْنَ آیت 51-52

## سورة الحاقة

- 567 اَلْحَاقَّةُ ۝ مَا لِحَاقَّةٌ ۝ آیت 1-2
- 568 كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَاعَادَ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ آیت 4-5
- 569 وَاَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صٰرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةٍ اَيَّامٍ ۝ آیت 6-7
- 571 فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ ۝ بِالْغَاطِثَةِ ۝ آیت 8-9
- 572 فَخَسَّرَ اَرْسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذًا رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَنَاطِقُهَا لَبَآءٌ حَمَلْنٰكُمْ فِيْ آیت 10 12۳
- 573 فَاِذَا الْفَوْخُ فِي الصُّوْرِ ۚ تَفْحَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ آیت 13
- 574 وَخُيِّلَتْ اِلَآ اَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَ مَيِّدٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ آیت 14 17۳
- 577 يَوْمَ مَيِّدٍ تَعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ يَمِيْنًا ۚ فَيَقُوْلُ ۝ آیت 18 34۳
- 582 فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غُسْلِيْنٍ ۝ لَا يَأْكُلُهُ اِلَّا الْغَاطِطُوْنَ ۝ آیت 35 37۳
- 583 فَلَا اَقْرَبُ مِنْهُمْ شَرْهُوْدُنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ آیت 38 42۳
- 584 تَنْزِيْلٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَا خُذْنَا مِنْهُ ۝ آیت 43 46۳
- 585 فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حُجْرٰتٌ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ آیت 47 52۳



## سورة المعارج

587

584

592

594

595

597

598

600

603

604

605

606

## سورة نوح

606

607

608

609

611

612

613

614

615

618

619

621

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۚ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۚ مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۖ ١ آیت 1 تا 4

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ۖ ٥ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۖ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۖ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ ۖ ٥ آیت 5 تا 10

يُبْصَرُ وَتُهُمَّ يَوْمَ تَوُفِّقُنِي مِّنْ عَذَابٍ يَوْمَ يُنْفَخُ ٱلْبَنِيَّةُ ۖ ١١ آیت 11 تا 14

كَلَّا ۚ إِنَّمَا نَطَّلُ ۖ نَزَّاعَةً لَّشْوَى ۖ تَدْعُو أَمِنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ۖ وَجَعَلَ قَاوُغَى ۖ ١٥ آیت 15 تا 18

إِنَّ ٱلْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ إِذْ أَمْسَهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْغَيْرُ مَنُوعًا ۖ ١٩ آیت 19 تا 21

إِلَّا الْمُسْلِمِينَ ۖ ٱلَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأٰ يَمُونَ ۖ ٢٢ وَٱلَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ ۖ ٢٢ آیت 22 تا 35

فَمَالِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَٱقْبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۖ عَنِ ٱلْيَمِينِ وَعَنِ ٱلشِّمَالِ عِزِّينَ ۖ ٣٦ آیت 36 تا 39

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ إِنَّا لَنَقْدِرُونَ ۖ ٤٠ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۖ ٤٠ آیت 40 تا 42

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ ٱلْأَجْدَاثِ سِرَاحًا كَانَتْهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِصُونَ ۖ ٤٣ آیت 43

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذُلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ ٱلْيَوْمُ ٱلَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ ٤٤ آیت 44

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ ١ آیت 1

قَالَ يَقُومُ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۖ ٢ أَنِ اعْبُدُوا ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَٱطِيعُوا ۖ ٢ يَغْفِرْ لَكُمْ ۖ ٢ آیت 2 تا 4

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۖ ٥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِي إِلَّا فِرَارًا ۖ ٥ آیت 5 تا 9

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۖ ١٠ يُرْسِلُ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۖ ١٠ آیت 10 تا 12

مَالَكُمْ لَا تَرْجُونَ بِٱللَّهِ وَقَارًا ۖ ١٣ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۖ ١٣ آیت 13-14

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ ٱللَّهُ سَبْعَ سَوَاتٍ طِبَاقًا ۖ ١٥ وَجَعَلَ ٱلْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ۖ ١٥ آیت 15-16

وَٱللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ ٱلْأَرْضِ نَبَاتًا ۖ ١٧ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۖ ١٧ آیت 17-18

وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ ٱلْأَرْضَ بِسَاطًا ۖ ١٩ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۖ ١٩ آیت 19 تا 22

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ ٱلْهَيْكَلَةَ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۖ ٢٣ وَلَا يَهُودَىٰ وَيَعْقُوبَ وَئِسْرًا ۖ ٢٣ آیت 23-24

خَطِّبْتَهُمْ أُغْرِقُوا فَأَذْخَلُونَا ۖ ٢٥ فَلَمْ يَجِدُوا ٱللَّهَ أَنصَارًا ۖ ٢٥ آیت 25

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى ٱلْأَرْضِ مِن ٱلْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۖ ٢٦ إِنَّكَ إِن تَذَرْنِي ۖ ٢٦ آیت 26-27

رَبِّ ٱغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَلَا تَزِدِ ۖ ٢٨ آیت 28

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سورہ ق

﴿سورة ق﴾ ﴿٥٠ سورة ق مكية ٣٦﴾ ﴿٣٦ سورة ق مكية ٣٦﴾

یہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطاء، مکرّمہ اور حضرت جابر کے نزدیک تمام سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مکی نہیں، وہ یہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ۝ صحیح مسلم میں امّ ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے مروی ہے کہا: ہمارا تنور اور رسول ﷺ کا تنور ایک ہی تھا یہ سلسلہ دو سال تک رہا یا ایک سال اور اس کا کچھ حصہ۔ میں نے ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۝ سورت نبی کریم ﷺ کی زبان سے سیکھی آپ اسے ہر جمعہ و منبر پر مینو کر خطبہ میں پڑھا کرتے تھے، جب آپ لوگوں کو خطاب فرمایا کرتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو واقد لیثی سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ عید قربان اور عید الفطر میں کیا تلاوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: آپ ﷺ ان میں ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۝ اور اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالنَّشْأَةُ الْقَوْمِ ۝ (القدر) تلاوت کیا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کی نماز مختصر ہو گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۝ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَاْفِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝

”قاف، قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے) مگر یہ (نادان) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے، تو کہنے لگے کفار یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ (وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کیے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے، بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس اس وجہ سے وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں۔“

ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۝ عام قرأت قاف میں جزم کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور نصیر بن عاصم



نے قاف پڑھا ہے کیونکہ کسرہ، جزم کا بھائی ہے جب اس کا آخر ساکن ہو تو کسرہ کے ساتھ اسے حرکت دی۔ عیسیٰ ثقفی نے فاء کو فتح دیا ہے اسے خفیف ترین حرکت دی ہے۔ ہارون اور محمد بن سميع نے قاف ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ عموماً یہ مبنی کی حرکت ہوتی ہے جس طرح منذ، قط، قبل اور بعد ہے۔ ق کے معنی میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟

ابن زید، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہ ایسا پہاڑ ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے جو سبز مرد کا ہے اس کی وجہ سے آسمان سبز ہے۔ آسمان کے دونوں کنارے اس پر ہیں۔ آسمان اس پر قبہ کی صورت میں ہے لوگوں کو جو مرد ملتا ہے وہ اسی پہاڑ سے گرا ہے۔ ابو جوزاء نے اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فراء نے کہا: اس تعبیر کی صورت میں ق پر اعراب کو ظاہر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اسم ہے حروف تہجی میں سے نہیں ہے شاید اس کے اسم میں سے صرف قاف کو ذکر کیا گیا ہے جس طرح شاعر کا قول ہے:

قَدْتُ لَهَا قَفِي فَقَالَتْ قَافٌ (1) میں نے اسے کہا: تو ٹھہر جا، تو اس نے کہا: قاف یعنی میں ٹھہر گئی۔

یہ اچھی تعبیر ہے اس کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وہیب نے کہا: ذوالقرنین نے جبل قاف سے جھانکا اس نے اس کے نیچے چھوٹے پہاڑ دیکھے۔ ذوالقرنین نے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں قاف ہوں۔ پوچھا: یہ تیرے ارد گرد کون سے پہاڑ ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ میری رگیں ہیں کوئی شہر نہیں مگر اس میں میری رگوں میں سے ایک رگ ہے جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مجھے حکم دیتا ہے تو میں اس رگ کو حرکت دیتا ہوں تو اس علاقہ میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: اے قاف! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں کچھ بتا۔ اس نے کہا: میرے رب کی شان عظیم ہے، میرے پیچھے زمین ہے، جس کی مسافت پانچ سو سال ضرب پانچ سو سال کی مسافت ہے، یہ پہاڑ برف کے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو جہنم کی آگ اس زمین کو جلا کر رکھ دیتی۔ یہ تعبیر اس امر پر دال ہے کہ جہنم روئے زمین پر ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ زمین کے کس کونہ میں ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: میرے لیے اور کچھ بیان کرو۔ کہا: جبریل امین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہے وہ سخت گھبرایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر دفعہ کی کپکپی سے ایک لاکھ فرشتے پیدا فرماتا ہے، وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں کلام کا اذن دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا) سے یہی مراد ہے یعنی وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا: ق کا معنی ہے فیصلہ ہو چکا جس طرح حم کا معنی ہے معاملہ گرم ہو چکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ ان سے یہ بھی منقول ہے: یہ قرآن کے ناموں میں سے نام ہے (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ قرظی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں قدیر،

قاہر، قریب، قاضی اور قابض کا آغاز ہے (1)۔ شعبی نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے ہمارے امر اور ہماری نہی پر رک جا اور ان سے تجاوز نہ کر۔ محمد بن عاصم انطاکی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے قرب ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت میں بھی ہے وَنَحْنُ أَقْدَبُ إِلَيْهِ مِنَ حَبْلِ الْوَرِيدِ ① ابن عطاء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے دل کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ اس دل نے خطاب کا بوجھ اٹھایا یعنی حامل قرآن بنا۔ اور آپ کے دل کی حالت کی بلندی کی وجہ سے اس میں کسی گرانی کا اثر نہ چھوڑا۔

وَالْقُرْآنُ الْحَبِيبُ بلند شان والا۔ ایک قول یہ کیا ہے: الْحَبِيبُ کا معنی الکَرِیم ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی کثیر ہے، یہ قدر و منزلت کی کثرت سے ماخوذ ہے (3)، یہ کثرت تعداد سے ماخوذ نہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: کثیر فلان فی النفوس اس ضمن میں مشہور ضرب المثل ہے فی کل شجر نار واستمجد السرخ والعفار یعنی ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ اور عفار تمام درختوں پر بڑھ گئیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اس کے جواب قسم کے بارے میں یہ قول کیا گیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ یعنی لام مقدر کا ارادہ کیا اصل کلام یوں تھی لقد علمنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا ہے؛ یہ ترمذی محمد بن علی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: قی ایسے اسم کے ساتھ قسم ہے جو عظیم اسماء میں سے ہے جو بندوں کے لیے ظاہر ہوئے وہ قدرت ہے نیز قرآن مجید کی قسم اٹھائی، پھر اسے بیان کیا جو قدرت سے ظاہر ہوا یعنی آسمانوں، زمین، بندوں کے رزقوں، انسانوں کو پیدا کرنا، یوم قیامت کی صفت، جنت اور دوزخ سب قدرت کے کرشمہ ہیں۔ پھر فرمایا: إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ تو قسم اس کلمہ پر واقع ہوئی گویا فرمایا: ق یعنی قدرت اور قرآن مجید کی میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اس سورت میں جو میں نے بیان کیا ہے یہ نصیحت ہے اس کے لیے جس کا دل مینا ہو یا وہ توجہ سے سنے اور حاضر دماغ بھی ہو۔ ابن کیسان نے کہا: اس کا جواب مَا يَكْفُظُ مِنْ قَوْلٍ ہے۔

اہل کوفہ نے کہا: اس کا جواب قسم بَلَّ عَجَبًا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا جواب محذوف ہے گویا فرمایا ق وَالْقُرْآنُ الْحَبِيبُ لتبعثن اس جواب پر یہ قول دلالت کرتا ہے: إِذَا مَثْنَا وَكُنَّا تُرَابًا۔

بَلَّ عَجَبًا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ، أَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لان جاءهم، مُنْذِرٌ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے ہم ضمیر کفار کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین اور کفار سب کے لیے ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ انہیں الگ الگ کیا۔ فَقَالَ الْكَافِرُونَ، قالوا انہیں فرمایا بلکہ ان کے حال، فعل کی قباحت کو بیان کیا اور کفر کے ساتھ ان کا وصف ذکر کیا جس طرح تو کہتا ہے: جاعن فلان فاسعن المکر وہ وقال لی الفاسق أنت کذا وکذا۔ میرے پاس فلاں آیا اس نے مجھے ناپسندیدہ باتیں سنائیں اور مجھے فاسق نے کہا: تو ایسا، ایسا ہے۔

هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ② عجیب امر وہ ہوتا ہے جس سے تعجب کیا جائے اسی طرح عجاب ہے عجاب تشدید کے ساتھ اس سے زیادہ عجیب ہوتا ہے اسی طرح أعجوبہ ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کا تعجب اس بارے میں تھا کہ انہیں ایک معبود کی طرف



دعوت دی گئی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں دوبارہ اٹھائے جانے کی جو خبر دی گئی اس پر انہوں نے عجب کا اظہار کیا۔ قرآن حکیم نے جس کی تصریح کی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔

وَإِذَا مَثَلْنَا وُكُنَّا تُرَابًا یعنی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اس میں اضمار ہے ذَلِكُمْ رَجْعٌ بَعِيدٌ، رجوع کا معنی لوٹنا ہے یعنی وہ لوٹنا محال ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَجَعْتُهُ اَرْجَعُهُ رَجْعًا، رجوع یرجع رجوعا۔ اس میں ایک اور اضمار ہے یعنی انہوں نے کہا: کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب ہم مرجائیں گے بعث کا ذکر اگرچہ یہاں نہیں ہوا۔ اس کا ذکر کئی مواقع پر ہو چکا ہے قرآن ایک سورت کی طرح ہے نیز بعث کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلِّغُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرًا مِّنْهُمْ کے تحت موجود ہے کیونکہ وہ آخرت میں عقاب اور حساب سے خبردار کرتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ یعنی زمین جو ان کے جسموں کو کھاتی ہے ہم سے کوئی چیز گم نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوبارہ لوٹنا ہم پر مشکل ہو۔ قرآن حکیم میں ہے قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ⑤ قَالَ عَلِمْنَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ⑥ (طہ) صحیح میں ہے ”انسان کے ہر حصہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر دم گزا اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور اس سے ترکیب دیا جائے گا“ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت کتاب التذکرہ میں کر دی ہے۔ اور اس کتاب میں بھی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سدی نے کہا: نقص سے یہاں مراد موت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان میں سے جو مرے گئے اور جو باقی رہیں گے ان کو ہم نے جان لیا۔ کیونکہ جو مرتا ہے اسے دفن کیا جاتا ہے گویا زمین لوگوں کو کم کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد مشرکوں میں سے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ⑦ وہ کتاب ان کی تعداد اور ناموں کو یاد کرنے والی ہے یہ فعل بمعنی فاعل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی وہ شیاطین سے محفوظ ہے یا اس میں ہر شے محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب کا معنی علم اور شمار کرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: کتبت علیک هذا یعنی میں نے اسے محفوظ رکھا۔ یہ ضرورت کے بغیر ظاہر معنی کو ترک کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو انسانوں کے اعمال کی حفاظت کرتی ہے تاکہ ان اعمال پر ان کا محاسبہ کریں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ تَمَامِ كَقَوْلِ فِي حَقِّ سَعْدِ قُرْآنِ ہے: ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: حق سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

فَهُمْ فِي أَمْرٍ مُّوَيَّجٍ ⑧، مویج کا معنی خلط ملط ہے (3)۔ ایک دفعہ وہ کہتے ہیں: جادوگر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: کاہن ہے: یہ ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔

قادر نے کہا: اس کا معنی مختلف ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ملتبس ہے۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی، فاسد ہے اسی معنی میں یہ جملہ ہے مرجث امانات الناس۔ لوگوں کی امانتیں فاسد ہو گئیں۔ مرجہ الدین والامریۃ یعنی دین اور امر خلط ملط ہو گیا۔ ابوداؤد نے کہا:

مَرَجَ الدِّينَ فَأَعْدَدْتُ لَكَ مُشْرِفَ الْحَارِكِ مَحْبُوكَ الْكَتَدِ

دین خلط ملط ہو گیا تو میں نے اس کے لیے مضبوط کندھوں اور انٹھی ہوئی پیٹھ والا تیار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مرج سے مراد عجیب و غریب امر ہے۔ عمران بن ابی عطاء نے اس سے یہ نقل کیا ہے:

مَرَجٌ كَمَعْنَى خَلَطَ مِلَطَ هِيَ أَوْ يَشْعُرُ بِهَا:

فَجَالَتْ فَالْتَسَتْ بِهِ حَشَاهَا فَخَرَّ كَأَنَّهُ خُوْطٌ مَرِجٌ

وہ گھومی میں نے اس کے پیٹ میں تیر تلاش کیا وہ گرا گویا خلط ملط ٹہنیاں ہیں۔

عوفی نے ان سے یہ نقل کیا ہے: گمراہی کے امر۔ وہ ان کا یہ قول تھا کہ وہ ساحر، شاعر، مجنون اور کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا

گیا ہے: اس کا معنی متغیر ہے۔ مرج کا اصل معنی اضطراب اور قلق ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مرج امر الناس، مرج امر الدین و مرج الخاتم فی أصبعی۔ جب کمزوری کی وجہ سے انگلی مضطرب ہوئی۔

حدیث میں ہے: ”اے عبد اللہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تو اس قوم میں ہوگا جن کے وعدے اور امانتیں خلط ملط ہو گئیں وہ

اختلاف کا شکار ہو گئے تو وہ اس طرح اس طرح تھے۔ اور اپنی انگلیوں کا جال بنایا۔“ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب الحدیث میں کیا ہے۔

أَقْلَمَ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوَقَّهْمُ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ① وَالْأَرْضُ رَضٌ

مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَلْبَسْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ② تَبْصِرَةٌ وَذِكْرٌ لِّ

لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ③ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا فَأَلْبَسْنَا بِهِ جَنَّتٍ وَحَبَّ

الْحَصِيدِ ④ وَالنَّخْلَ لَبِقًا لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ⑤ رِزْقًا لِلْعِبَادِ ⑥ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً

مَيِّتًا ⑦ كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ⑧

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے

آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شکاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جمادے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور

اگادی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے

کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے

باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے لیے بے درخت جس کے گچھے (پھل سے) گندھے



ہوتے ہیں، بندوں کی روزی کیلئے اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر، یونہی (روز محشر ان کا) نکلنا ہوگا۔  
 أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ عبرت اور تفکر کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ ذات جو انہیں پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

كَيْفَ بَنَيْنَاهُمْ نے انہیں بغیر ستونوں کے بلند کر دیا ہے۔ وَزَيَّنَّهَا اور ہم نے انہیں ستاروں سے مزین کیا ہے۔ وَمَالَهَا مِنْ فُرُوجٍ ① فُرُوج، فراہ کی جمع ہے جس کا معنی شق ہے۔  
 امرء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

تَسْدِيهَ فَرْجَهَا مِنْ دُبُرٍ

کسائی نے کہا: اس میں کوئی تفاوت، اختلاف اور پھٹن نہیں۔ وَالْأَرْضُ مَدَدُ نُهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَاسِي۔ سورہ رعد میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَأَنْتَبِثْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ یعنی نباتات کی تمام انواع سے۔ بَهِيمِجٌ ② حسین جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔ سورہ حج میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تَبْصِرَةٌ یعنی ہم نے اسے تبصرہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے کمال قدرت پر دلالت کریں۔ وَذِكْرُ اس کا عطف تَبْصِرَةٌ پر ہے۔ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنے والا۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ السَّمَاءِ سے مراد بادل ہے۔ مَاءً مُلْبَرًگاز یادہ برکت والا پانی۔ فَأَنْتَبِثْنَا فِيهَا جَنَّتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ③ تقدیر کلام یہ ہے وحب النبت الحصيد مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کاٹا جاتا ہے؛ یہ بھریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: یہ شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرنا ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: مسجد الجامع، ربیع الاول، حق الیقین، جبل الورد وغیرہ؛ یہ فراء کا قول ہے اصل میں الحب الحصيد تھا الف، لام کو حذف کر دیا گیا اور منعوت کو نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حب الحصيد سے مراد گندم اور جو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ دانہ جسے کاٹا جاتا ہے، ذخیرہ کیا جاتا ہے اور روزی بنایا جاتا ہے۔

وَالنَّحْلُ بِسِقْتٍ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ وَحَبَّ الْحَصِيدِ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بِسِقْتٍ حال ہے۔ بِسِقْتٍ سے مراد طویل ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ قتادہ اور عبد اللہ بن شداد نے کہا: ان کے بسوق سے مراد طوالت میں مستقیم ہونا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی مستویات ہے (2)۔

حضرت حسن بھری، عکرمہ اور فراء نے کہا: معنی ہے بھاری، حاملہ بکری کو کہا جاتا ہے (3) بسقت جب وہ بچہ جن دے؛ شاعر نے کہا:

فَلَمَّا تَرَكْنَا الدَّارَ ظَلَّتْ مُنِيفَةً بِقَرَّانٍ فِيهِ الْبَاسِقَاتُ الْمَوَاقِرُ (4)

جب ہم نے گھر کو چھوڑا تو وہ قرآن میں نمایاں ہو گیا اس میں لمبی پھل دار کھجوریں تھیں۔  
پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور مشہور ہے یہ کہا جاتا ہے: بسق النخل جب وہ لمبی ہو جائے۔  
شاعر نے کہا:

لَنَا خَمْرٌ وَلَيْسَتْ خَمْرٌ كَزَيْمٍ وَلَكِنْ مِنْ بَتَاجِ الْبَاسِقَاتِ

ہمارے پاس شراب ہے یہ انگور کی نہیں یہ لمبی کھجوروں کے پھل سے بنائی گئی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: بسق فلان علی أصحابہ فلاں اپنے ساتھیوں پر بلند ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبسقت الناقة جب بچہ جننے سے پہلے اونٹنی کی کھیری میں دودھ آ گیا۔ اس سے اسم فاعل مبسوق آتا ہے نوق مباسیق دودھ والی اونٹنیاں۔  
حضرت قطبہ بن مالک نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو باصقات یعنی صاد کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا: یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔  
میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت قطبہ بن مالک سے روایت مروی ہے کہ میں نے نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی (1) اور یہ قرأت کی قیاسی القُرْآنُ الْحَیُّ الَّذِیْ عَلَّمَ الْقُرْآنَ بَلْ عَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكُفْرُؤُنَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۚ إِذَا مَثْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذَٰلِكَ رَاجِعُ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضُ مَدَدْنَاهَا ۚ وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِیَ ۚ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ ۝ تَبَصَّرْنَا وَذَكَرْنَا لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِیْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَبْتًا وَحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ ۝ مِمَّنْ دَبْرَانِ لَکَ مِنْ نَظْمِ الْقُرْآنِ ۝ اے کفار! تم نے اسے کفر سے کہتے ہوئے جو کھجور کا پہلا پھل نکلتا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے طلع الطلع طلوعا واطلعت النخلة اس کے طلع سے مراد اس کا غلاف ہے جو ابھی پھنا نہ ہو۔ نُضِیْدٌ پھل جب تک غلاف میں ہوں۔ اس کا معنی ہے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جب وہ اپنے غلاف سے نکل آئے تو وہ نُضِیْدٌ نہیں کہلاتا۔

لَهَا طَلْعٌ نُضِیْدٌ ۝، طلع اے کہتے ہیں جو کھجور کا پہلا پھل نکلتا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے طلع الطلع طلوعا واطلعت النخلة اس کے طلع سے مراد اس کا غلاف ہے جو ابھی پھنا نہ ہو۔ نُضِیْدٌ پھل جب تک غلاف میں ہوں۔ اس کا معنی ہے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جب وہ اپنے غلاف سے نکل آئے تو وہ نُضِیْدٌ نہیں کہلاتا۔  
نَهْذًا لِلْعِبَادِ یعنی ہم نے بندوں کو رزق دیا۔ تَرْزُقًا مفعول مطلق ہے یا اس کا معنی ہے انبتنا رزقنا ہم نے اے بطور رزق اگایا۔ کیونکہ انبات، رزق کے معنی میں ہے یا رزقنا مفعول لہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی انبتنا ہا الرزق ہم۔ رزق اے کہتے ہیں جو انتفاع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَأَخْبَيْنَا لَهُمْ بَلَدًا مَّيْمَنًا ۚ كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝ یعنی قبروں سے نکلنا ہو گا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح تمہیں موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ كَذَٰلِكَ کاف محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ مَیْمَنًا فرمایا کیونکہ مقصود مکان ہے اور مِیْمَنَہ ہوتا تو بھی جائز تھا۔

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَشُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝



وَأَصْحَابُ الْآيَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلُّ كَذَّابٍ ۝۱۳  
الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝۱۴

” (حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل فارس اور ثمود نے اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے، (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں۔“

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ عَنِ جِسْرِ طَرَحٍ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جِسْرٌ عَلَيْهِمْ فَتَوَلَّوْا مِنْهُ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاهْوَا. ان کے سامنے ان جھٹلانے والوں کا ذکر کیا اور جس عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لیا تھا اس سے انہیں ڈرایا۔ ہم نے ان کے واقعات کئی مواقع پر ذکر کیے ہیں، جہاں بھی ان کا تذکرہ ہوا۔ کُلُّ كَذَّبَ الرُّسُلَ یعنی ان جھٹلانے والی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَحَقَّ وَعَيْبٍ تَوَانٍ پر میری وعید اور میرا عقاب ثابت ہو گیا۔

أَفَعَيَّنَّا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے کہ ہم دوبارہ اٹھانے سے تھک جائیں گے۔ یہ بعث کے منکروں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہے اور ان کے قول ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ کا جواب ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے عِیْتُ بِالْأَمْرِ جب تو اس کی صحیح توجیہ نہ جانے۔

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٥٠﴾ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں حیرت میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے لبس علیہ الأمر یلبسه لبسا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝١١ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَكَلِّمِينَ مِنَ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝١٢ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝١٣ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝١٤

”اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شرگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔ اور آپہنچی ہے موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا۔“

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ، الْإِنْسَانَ ۖ مراد لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وَنَعْلَمُ مَا

تَوَسَّوْا نَفْسَهُ یعنی اس کے سر، اس کے دل اور ضمیر میں جو کھٹکتا ہے۔ اس میں ان نافرمانیوں پر جھڑکا جا رہا ہے جن کو انسان چھپاتا ہے۔ جس نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو نفس نے جو دوسو سو ڈالا تھا وہ درخت سے کھانا تھا۔ پھر ان کی اولاد کے لیے عام ہے۔ دوسو سے مراد حدیث نفس ہے جو خفی کلام کے قائم مقام ہوتی ہے۔  
اعمش نے کہا: تسمع للحدی و سواسا إذا انصرفت جب وہ واپس جاتی ہے تو تو زیورات کی خفی آواز سنتا ہے۔ سورہ الاعراف میں معنی گزر چکا ہے۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ⑤ یہ کندھے کی رگ ہے یہ اس کے حلق کے کنارے سے اس کے کندھے تک پھیلی ہوئی ہے وہ دائیں اور بائیں جانب سے دو رگیں ہیں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے اور یہی لغت میں معروف ہے۔ حَبْل سے مراد ورید ہی ہے اسے اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ دونوں لفظ مختلف ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ورید سے مراد دل کی رگ ہے یہ ایسی رگ ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے یہ قرب کی تمثیل ہے یعنی شہ رگ جتنی اس کے قریب ہے اور ہم اس کے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ قرب مسافت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی شہ رگ کو اس پر جو غلبہ ہوتا ہے ہم اس پر اس سے بھی زیادہ ملکیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایسی رگ ہے جو دل کے ساتھ ملی ہوتی ہے یہ قرب علم اور قدرت کا قرب ہے۔ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے چھپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

إِذْ يَسْتَلْقِي الْمُتَّقِينَ ⑥ یعنی جب دونوں فرشتے اس کے عمل کو لیتے ہیں تو ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ دو فرشتے ہیں جو اس پر مقرر ہیں یعنی ہم اس کے احوال سے آگاہ ہیں ہم کسی فرشتے کے محتاج نہیں جو اسے خبر کرے لیکن دونوں فرشتوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے مقصد دلیل قائم کرنا اور امر کو موکد کرنا ہے؛ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔

الْمُتَّقِينَ دو ایسے فرشتے جو تیرے عمل کو لیتے ہیں ان میں سے ایک تیری دائیں جانب ہے جو تیری نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو تیری برائیاں لکھتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تیرا نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تجھے قیامت کے روز کہا جائے گا: إِقْدَأْ كِتَابَكَ ⑦ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ⑧ (اسراء) اللہ کی قسم اس ذات نے تیرے ساتھ عدل کیا جس نے تیرا محاسب تیری ذات کو بنایا ہے۔

مجاہد نے کہا: اللہ نے انسان کے احوال جاننے کے باوجود دو فرشتے رات کے لیے اور دو فرشتے دن کے لیے مقرر کیے جو اس کے اعمال یاد رکھتے ہیں اور اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں: مقصد حجت قائم کرنا ہے ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ⑨ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نیکیاں لکھنے والا، برائیاں لکھنے والے پر امین ہے جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ دوسرے کو کہتا ہے: جلدی نہ کر ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ



سے بخشش طلب کرے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی معنی مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نیکیاں لکھنے والا آدمی کی دائیں جانب اور برائیاں لکھنے والا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امین ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں سمت والا اس نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو دائیں سمت والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے کو کہتا ہے: سات ساتوں تک نہ لکھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے یا استغفار کر لے“ (1)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرے دونوں فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیرے سامنے کے دانت ہیں تیری زبان ان کا قلم ہے، تیری تھوک ان کی روشنائی ہے جب کہ تو بے مقصد کاموں میں شروع رہتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے حیا نہیں کرتا“۔ ضحاک نے کہا: ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ سامنے کے دانتوں کے نیچے نچلے جڑے پر ہے؛ اسے عوف نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کو یہ بات خوش کرتی تھی کہ اپنی داڑھی کو صاف کریں۔ یہاں آیت میں قَعِيدٌ فرمایا ہے قَعِيدٌ انہیں فرمایا جب کہ دانت دو ہیں کیونکہ یمن سے مراد ایک قَعِيدٌ اور شمال سے مراد بھی ایک قَعِيدٌ ہے پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

نَحْنُ بَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفٌ (2)

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے جب کہ رائے مختلف ہے۔  
محل استدلال راض ہے، یہاں راضیان نہیں فرمایا۔

اس طرح فرزدق کے شعر میں غدورین کی جگہ غدور مذکور ہے۔

إِنِّي ضَعِيفٌ لِّسْنًا أَتَانِي مَا جَنَى وَأَبَى فَكَانَ وَكَانَتْ غَيْرَ غَدُورِ

مبرد کا مذہب ہے تلاوت میں پہلا ہے بطور مجاز اسے دوسرا بنا لیا گیا ہے دوسرے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلا اس پر دلالت کرتا ہے۔ انفش اور فراء کا مذہب ہے کہ تلاوت میں جو لفظ ہے یہ دو اور جمع کو اداء کرتا ہے کلام میں کوئی حذف نہیں۔  
قعید، قاعد کے معنی میں ہے جس طرح سمیع، علیم، قدیر اور شہید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قعید، مقاعد کے معنی میں ہے جس طرح اکیل اور ندیم یہ مواکل اور مناد م کے معنی میں ہے۔

جوہری نے کہا: فاعیل اور فاعول میں واحد، ثنئیہ اور جمع سب برابر ہیں؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنْ أَسْأَلُكَ رَبِّي الْعِلْمَ ۖ (شعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْمَلَكُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۖ (تحریم) دونوں آیات میں محل استدلال رسول اور ظہیر ہے۔ شاعر نے جمع کے بارے میں کہا ثعلبی نے اسے پڑھا ہے:

أَلَيْكُنِي إِلَيْهَا وَخَيْرُ الرُّسُولِ أَعْلَمُهُمْ بَنَوَاحِي الْخَبَرِ

مجھے اس کی طرف بھیج اور بہترین قاصد وہ ہوتا ہے جو ان میں سے خبر کی اطراف کو ہر اعتبار سے جانتا ہو۔ یہاں قعید سے

مراد ملازم اور ثابت ہے یہ قائم کی ضد نہیں۔

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ⑤ وہ کوئی بات نہیں کرتا مگر اسے اس کے حق میں لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ الطعام سے ماخوذ ہے اس کا معنی منہ سے باہر نکلنا ہے۔ رقیب میں تین وجوہ ہیں (1) (ا) امور کی نگہبانی کرنے والا (2) حفاظت کرنے والا، یہ سدی کا قول ہے (3) مراد شاہد ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے عَتِيدٌ میں دو وجوہ ہیں۔ (ا) ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حاضر ہو غائب نہ ہو (2) حفاظت کرنے والا جسے حفاظت کے لیے یا شہادت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ جوہری نے کہا: عَتِيدٌ سے مراد ایسی شے ہے جو حاضر ہو اور تیار کی گئی ہو۔ یوں کہا جاتا ہے: عَتِدَہ تعتیداً واعتدہ اعتاداً اسے دن کے لیے تیار کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَعْتَدْتُ لَهُنَّ مُثَنًّگًا (یوسف: 31) اسی طرح فرس عَتِدٌ اور عَتِيدٌ ہے۔ یعنی تاء پر فتح اور کسرہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی حضور ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا شعر ہے:

لَيْسَ كُنْتُ مِثْلِي فِي الْعِيَانِ مُغَيَّباً فذكرت عندی فی الفؤادِ عَتِيدُ

اگر تو ظاہر میں مجھ سے غائب ہے، تیرا ذکر میرے دل میں موجود ہے۔

ابو جوزاء اور مجاہد نے کہا: انسان پر ہر چیز لکھی جا رہی ہے یہاں تک کہ اس کی مرض میں اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ بھی لکھی جاتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: صرف وہی چیز لکھی جاتی ہے جس پر اجر دیا جاتا ہے یا جس پر گناہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کچھ وہ کلام کرتا ہے وہ اس پر لکھا جاتا ہے جب دن کا آخری پہر ہوتا ہے تو جو مباح تھا وہ مٹا لیا جاتا ہے جس طرح یہ الفاظ ہیں انْطَلِقْ، اُقْعِدْ اور كُلْ۔ جس کے ساتھ کوئی اجر اور گناہ متعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دونوں محافظ فرشتے ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیفہ کے آغاز میں نیکی اور ان کے آخر میں بھی نیکی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے: گواہ رہو میں نے اپنے بندے کو اس وجہ سے بخش دیا ہے جو صحیفہ کے دونوں طرفوں میں ہے۔“

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کے پاس سفید صحیفے ہیں ان فرشتوں نے ان کے آغاز اور آخر میں نیکی لکھی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے بخش دیتا ہے۔

ابو نعیم حافظ نے نقل کیا ہے کہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ، ابو نعیم حافظ سے وہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ سے وہ محمد بن اسحاق سے وہ محمد بن موسیٰ حرشی سے، وہ سہیل بن عبد اللہ سے وہ اعش سے وہ زید بن وہب سے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب دونوں محافظ فرشتے بندے یا امت پر نازل ہوتے ہیں تو ان کے پاس مہر لگی کتاب ہوتی ہے بندہ یا امت جو منہ سے کلمہ نکالتی ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں جب وہ دونوں اٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا ہے: مہر لگی کتاب کو کھولو جو تیرے



پاس ہے، تو وہ اسے کھولتا ہے تو اس نے جو کچھ لکھا ہوتا ہے اس کتاب میں اس کے برابر ہوتا ہے، ”اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٥﴾ یہ اعمش کی حدیث جو زید سے مروی ہے غریب ہے ان سے صرف سہیل نے روایت کی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کا عمل لکھتے ہیں۔ جب وہ آدمی مرتا ہے دونوں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! فلاں آدمی مر گیا ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھ آئیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم زمین میں قیام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میری تسبیح کر رہی ہے۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم دونوں میرے بندے کی قبر پر رہو دونوں تکبیر کہو، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھو اور میری تسبیح بیان کرو اور یہ عمل میرے بندے کے لیے لکھتے رہو یہ سلسلہ قیامت تک جاری رکھو۔“

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، سَكْرَةُ سے مراد سختی ہے انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو اس کے اقوال اور افعال اس پر لکھے جاتے ہیں تاکہ ان اعمال پر اس کا محاسبہ کیا جائے پھر موت آ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جو وعدہ اور وعید کیا ہوتا ہے وہ اسے سب کچھ عیاں دیکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق سے مراد موت ہے اسے حق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ یقینی ہے یا وہ دار حق کی طرف منتقل کر دیتی ہے (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وجاءت سكرة الحق بالموت؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ جس نے قرآن پر طعن کیا ہے اس نے گمان کیا اور کہا: میں مصحف کی اسی طرح مخالفت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابو بکر صدیق نے مخالفت کی اور پڑھا وجاءت سكرة الحق بالموت۔

اس کے خلاف یوں استدلال کیا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق سے اس بارے میں دو روایات مروی ہیں ان میں سے ایک مصحف کے موافق ہے اسی پر عمل ہوگا اور دوسری ترک کر دی گئی ہے وہ بھلا دیئے جانے کے قائم مقام ہے اگر آپ نے کہا بھی ہو یا یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جنہوں نے اسے نقل کیا ہے۔

ابو بکر انباری نے کہا اسماعیل بن اسحاق قاضی، علی بن عبد سے وہ جریر سے وہ منصور سے وہ ابو دائل سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا جب حضرت عائشہ صدیقہ ان کے پاس حاضر ہوئیں تو عرض کی یہ تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح شاعر نے کہا:

إِذَا حَشَا جَثَّ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ (2)

جب کسی روز گھٹنگھرو بولنے لگا اور سینہ تنگ ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے وہ کیوں نہیں کہا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٦﴾ اور حدیث ذکر کی۔ سَكْرَةُ یہ سکرات کی واحد ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے چھاگل یا کوئی چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرتے اور اپنے چہرے پر پھیرتے اور یوں کہتے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، إِنَّ لِمَوْتِ سَكْرَاتٍ اللَّهُ تَعَالَى كِي ذَاتِ كِ سَوَا كُوِي مَعْبُودِ نَحِيْسُ هِي بِي شَكِ مَوْتِ كِي سَخْتِيَا هِي“۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے اور یوں کہنے لگے: ”فِي الرَفِيقِ الْاَعْلَى“ یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ مڑ گیا؛ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”نیک بندہ موت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس کے جوز ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: السلام علیک میں قیامت کے روز تک تجھے اور تو مجھے چھوڑ رہا ہے“ (1)۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کہا: اے حواریوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تم پر جنت کی سختی آسان کر دے۔ روایت بیان کی گئی ہے موت تلوار کے وار، آری کے چیرنے اور قینچی کے ساتھ کاٹنے سے زیادہ سخت ہے۔

ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ① جس پر موت کی سختی طاری ہو اسے یہ کلمات کہنے جانے چاہئیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے تو نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ تو ایک طرف ہو سکتا ہے۔ یوں اس کا باب چلایا جاتا ہے حَادٍ عَنِ الشَّيْءِ يَحِيدُ حَيِدًا وَحِيدَةً وَحِيدٌ وَدَّةٌ اس سے اعراض کیا اور اس سے مائل ہوا۔ اس کی اصل حَيْدٌ دودہ ہے یعنی یا متحرک ہے اسے ساکن کر دیا گیا کیونکہ صَعْفُوقِ كِ عِلَاوِہِ كَلَامِ مِيں كُوِي فَعْلُولِ كَا وَزَنِ نَحِيْسُ۔ تو اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے: حَدَثَ عَنِ الشَّيْءِ وَأَحِيدٌ حَيِدًا وَمَحِيدًا۔ جب تو اس سے اعراض کرے۔ طرفہ نے کہا:

أَبَا مِنْذِرٍ رُمْتُ الْوَفَاءَ فَهَيْبَتُهُ وَحِدْتُ كَمَا جَارَ الْبَعِيدُ عَنِ الدَّخْضِ

اے ابو منذر! تو نے وفا کا قصد کیا تو تو اس سے ڈر گیا اور تو نے اعراض کیا جس طرح اونٹ پھسلنے کی جگہ سے اعراض کرتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ① ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ② وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ③

لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكْشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ④

”اور صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہوگا اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو عمر بھر غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بیٹائی بڑی تیز ہے۔“

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اس نغمے سے مراد دوسرا نغمہ ہے جو دوبارہ اٹھانے کے لیے ہوگا۔ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ② یعنی وہ دن جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دی ہے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ صور پھونکنے کے بارے میں گفتگو پہلے مفصل گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ③، سَائِقٌ اور شَهِيدٌ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سائق فرشتوں سے اور شہیدان کی ذاتوں میں سے ہاتھ اور پاؤں ہیں (2)؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس سے



روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سائق سے مراد فرشتہ اور شہید سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: سائق سے مراد جو اسے ہانک کر لے جائے گا اور شاہد اس سے مراد جو اس کے عمل کے بارے میں گواہی دے گا۔ ابن مسلم نے کہا: سائق سے مراد شیاطین میں سے اس کا قرین ہے۔ اسے سائق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کے پیچھے رہتا ہے اگرچہ اسے برا بیچتے نہ کرے۔

مجاہد نے کہا: سائق اور شہید دو فرشتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ ارشاد فرمایا: سائق سے مراد فرشتہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ہانک کر لے جاتا ہے اور شہید سے مراد وہ ہے جو اس کے عمل کے بارے میں اس پر گواہی دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے بندے کے حق میں جو کچھ پیدا کیا ہے انسان اس کے بارے میں غفلت میں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کا رزق، اس کا عمل، موت کا وقت لکھو اور یہ بھی لکھ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے۔ پھر وہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیج دیتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیج دیتا ہے جو اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں جب موت اس کے پاس آتی ہے تو وہ دونوں فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں پھر اس پر موت کا فرشتہ آتا ہے پھر اس کے پاس قبر والے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کا امتحان لیتے ہیں پھر وہ اوپر چلے جاتے ہیں جب قیامت برپا ہوتی ہے تو نیکیوں اور برائیوں والا فرشتہ اترتا ہے تو وہ کتاب جو اس کے گلے میں باندھی گئی ہوتی ہے اسے کھولتے ہیں پھر وہ دونوں اس کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک ہانکنے والا اور دوسرا گواہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ①۔ فرمایا تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ضرور چڑھ جاؤ گے“ یہاں طبق سے مراد رحال ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تمہارے سامنے عظیم امر ہے اللہ تعالیٰ جو عظیم ہے اس سے مدد لو“۔ اسے ابو نعیم حافظ نے روایت کیا ہے یہ جعفر بن محمد بن علی کی حدیث جابر سے مروی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ جعفر کی حدیث غریب ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو جابر جعفی نے ان سے تنہا نقل کیا ہے اور ان سے مفصل نے تنہا نقل کیا ہے۔

آیت میں دو قول ہیں (۱) یہ کافر اور مسلمان کے بارے میں عام ہے (۱)؛ یہ جمہور کا قول ہے (۲) یہ کافر کے بارے میں خاص ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ ابْن زید نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (۲) یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ دور جاہلیت میں قریش میں رسالت کے بارے میں ناواقف تھے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: مراد مشرک ہیں وہ امور کے انجام کے بارے میں غفلت میں تھے۔ اکثر مفسرین

نے کہا: مراد نیک اور فاجر ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! تو اس بارے میں غفلت کا شکار تھا کہ ہر نفس کے ساتھ ایک سائق اور شہید ہے کیونکہ اس کا علم نصوص الہیہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ هَم نے تیرے اندھے پن کو ختم کر دیا۔ اس میں چار وجوہ ہیں (۱) وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کی پیدائش ہوئی؛ یہ سدی کا قول ہے (۲) جب وہ قبر میں تھا تو اسے اٹھایا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس کے قول کا معنی ہے (۳) قیامت میں پیشی کے وقت؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۴) یہ وحی کا نزول اور رسالت کی ذمہ داری اٹھانا ہے؛ یہ ابن زید کے قول کا معنی ہے (۱)۔

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ اس سے مراد دل کی نظر ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: وہ فقہ میں بصیرت رکھتا ہے۔ دل کی آنکھ اور بصیرت سے مراد یہ ہے کہ اس کا افکار کے شواہد اور عبرت کے نتائج کا دیکھنا ہے جس طرح آنکھ اشخاص اور اجسام میں سے جو سامنے آتے ہیں ان کو دیکھتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے۔ یہ معنی ظاہر ہے یعنی آج تیری آنکھ کی نظر تیز ہے، یعنی قوی ہے اور جو چیز تجھ سے حجاب میں تھی اس کو دیکھنے والی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد جب تیری برائیاں اور نیکیاں وزن کی جا رہی ہوں گی اس وقت تیری نظر ترازو کی زبان کی طرف ہوگی؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ثواب و عقاب کو دیکھ رہا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو اٹھایا جائے گا اس کی نظر تیز ہوگی وہ آنکھ نیلی ہو جائے گی اور وہ اندھا ہو جائے گا اسے لقد كنت، عند اور فبصرک پڑھا گیا ہے۔ خطاب نفس کو ہے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۝ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مِّنَّا

لَتَخْبِرُنَّ مُعْتَدٍ مَّرِيٍّ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ اَلْقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنِّي وَ

قَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ ۝ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدُنِّي وَمَا أَنَا بِظَلَمٍ وَلَا عَظِيمٍ ۝

”اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی: یہ نامہ اعمال جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس بد بخت کو عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی شیطان بولے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا (اللہ) فرمائے گا: مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں میرے ہاں حکم بدلائیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔“



وَقَالَ قَرِينُهُ، قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ⑩ یعنی اس کے اعمال جو لکھے گئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ اور تیار ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ کہے گا یہ وہ چیز ہے جس کی تو نے مجھے بنی آدم کے متعلق ذمہ داری سونپی تھی میں نے اس انسان اور اس کے نامہ اعمال کو حاضر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے میرے پاس جو عذاب ہے حاضر ہے۔ مجاہد نے یہ قول بھی کیا ہے: اس کے قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو اس پر مسلط کیا گیا (1)۔

ابن زید نے کہا: ابن وہب نے اسے روایت نقل کی ہے مراد انسانوں میں سے اس کا دوست ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھی سے فرمائے گا: اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ۔ خلیل اور خفش نے کہا: یہ عربوں کا فصیح کلام ہے کہ تو ایک کو تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کرے تو کہے: ویلک ارحلاہ واذ جراہ وخذ اذ اطلقا۔ یہ سب واحد کے لیے ہیں۔

فراء نے کہا: تو ایک آدمی کو کہتا ہے قوماعنا اس اسلوب کی اصل یہ ہے کہ انسان کے اعموان (مددگار) میں سے اس کے سفر میں اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور ساتھیوں میں سے دو فرد ہوتے ہیں تو انسان کی کلام اس کے دو ساتھیوں کے متعلق ہوتی ہے اس معنی میں شعر میں ان کا قول ایک فرد کے لیے یوں ہوتا ہے خلیلی۔ اے میرے دو دوستو! پھر وہ کہتا ہے: یا صاحب۔ اے میرے ساتھی! امراء القیس نے کہا:

خَلِيلِي مُرَّابٍ عَلٰی اَمْرِ جُنْدٍ

اے میرے دو دوستو! مجھے ام جند کے پاس سے گزارو۔

اس میں محل استدلال خلیلی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

قَفَانَبِكَ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٍ وَ مَنْزِلٍ بِسَقَطِ اللَّوِيِّ بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

تم دونوں ٹھہرو ہم حبیب اور اس کی رہائش جو دخول اور حومل کے درمیان سقط اللوی میں ہے کو یاد کر کے رو لیں۔ محل استدلال قفا ہے۔

ایک اور نے کہا:

فَإِنْ تَزْجُرَانِ يَا بَنَ عَفَّانَ أَنْزَجِرُ (2) اے ابن عفان! اگر تم مجھے روکو گے تو میں رک جاؤں گا۔

یہاں بھی محل استدلال تزجران ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسی طرح آیا ہے کیونکہ قرین جماعت اور دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مازنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْقِيَا، اَلْقِ اَلْقِ پر دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو تاکید کے لیے ہے معنی ہے اَلْقِ اَلْقِ، اَلْقِيَا تکرار کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اَلْقِيَا تثنیہ کا صیغہ ہو اور حقیقی معنی پر ہو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں سے خطاب کر رہا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سائق اور حافظ فرشتوں کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ اَلْقِيَا تثنیہ کا صیغہ ہے

وقف میں الف سے بدل دیا گیا وصل کو وقف پر محمول کیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے القین نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح ہے وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الصَّغِيرَيْنِ ⑤ (یوسف) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنَسْفَعًا (العلق: 15)

كُلُّ كَفَّارٍ عَنِيدٌ ⑥ عَنِيدٌ کا معنی معاند ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: عَنِيدٌ سے مراد حق سے اعراض کرنے والا ہے یوں کہا جاتا ہے: عند، یعنی حق کی مخالفت کی اور اس کو رد کیا جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہے پس وہ عنید اور عاند ہے عنید کی جمع عنُود ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

مَتَّاءٌ لِلْخَيْرِ خیر سے مراد فرض زکوٰۃ اور ہر واجب حق ہے۔ مُعْتَبٍ گفتگو، سیرت اور اپنے معاملہ میں ظالم ہے۔ مُرِيْبٌ توحید کے بارے میں شک کرنے والا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (1)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ارباب الرجل فهو مربب جب وہ شک کرے۔ وہ مشرک ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور مَتَّاءٌ لِلْخَيْرِ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتا تھا۔ فَالْقِيَةُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ⑦ یہ پہلے امر کی تاکید ہے۔ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتُهُ قَرِين سے مراد شیطان ہے جو اس سرکش کافر کے لیے معین کہا گیا تھا وہ اس کافر سے براءت کا اظہار کرے گا اور اس کو جھٹلائے گا۔ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ⑧ وہ حق سے بہت دور تھا وہ اپنے اختیار کے ساتھ سرکشی کرنے والا تھا میں نے تو صرف اسے دعوت دی تو اس نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: قرین سے مراد فرشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اس فرشتے کے بارے میں کہے گا جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا: اے میرے رب! اس نے جلدی کی ہے۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کے بارے میں کوئی جلدی نہیں کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: کافر عرض کرے گا: اے ہمارے رب! اس نے میرے بارے میں زیادہ اعمال لکھے ہیں۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کا کوئی زائد عمل نہیں لکھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: لَا تَخْصِمُوا الدِّينَ یعنی کفار اور شیاطین میں سے ان کے ساتھی میرے ہاں جھگڑانہ کرو۔ قشیری نے کہا: یہ تو جیہہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ ⑨ میں نے رسولوں کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب دو افراد کو ہے اور صیغہ جمع کا آیا ہے۔

مَا يَهْدِي الْقَوْلُ لَدَيَّ ⑩ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلُهَا (الانعام: 160) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لَا تُلَاقِيَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑪ (ہود) معنی ہے فراء نے کہا ہے: میرے پاس جھوٹ نہیں بولا جاسکتا، یعنی قول میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور غیب کا علم ہونے کی وجہ سے اس میں کمی نہیں کی جاسکتی۔ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ⑫ یعنی جو جرم نہیں کرتا اس کو میں



عذاب نہیں دیتا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (2)۔ اس کے بارے میں گفتگو سورہ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۝ وَ أُرِلَتْ الْجَنَّةُ  
لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ  
بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ لَهُمْ مَا  
يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝

”(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہوگئی ہے وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ اور قریب کر دی جائے گی جنت پر ہیزگاروں کے لیے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی۔ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یاد الہی کی طرف متوجہ تھا داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے یہ ہمیشگی کا دن ہے، انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی ذہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لیے) اس سے بھی زیادہ ہے۔“

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۝ نافع اور ابو بکر نے یوم یقول یعنی یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ اسے لا تَخْصُوا الدَّيْءَ پر قیاس کرتے ہیں باقی نے نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہے یہ عظمت کا نون ہے۔ حضرت حسن بصری نے یوم اقول پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے اسے یوم یقال پڑھا ہے یوم کو نصب دی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے میرے ہاں اس روز قول نہیں بدلا جائے گا جس روز ہم جہنم سے کہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل فعل مقدر ہے وہ منذر ہم ہے کیونکہ پہلے وعدہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھرے گا۔ اس استفہام کا یہ مدعا ہے کہ خبر کی تصدیق کی جائے، وعدہ کو ثابت کیا جائے، دشمنوں کو خبردار کیا جائے اور تمام بندوں کو متنبہ کیا جائے۔ جہنم کہے گی: کیا کوئی اور بھی ہے میرے اندر تو کوئی جگہ باقی نہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ یا گھر چھوڑا ہے“ یعنی کچھ نہیں چھوڑا۔ کلام کا معنی انکار ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استفہام، استہزاء کے معنی میں ہو، یعنی کیا کوئی اور ہے کہ میں زیادہ ہو جاؤں؟ یہ دونوں وجوہ کے لیے مناسب ہے کیونکہ استفہام میں انکار کی کوئی صورت موجود ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی قول نہیں ہوگا یہ ضرب المثل کے طریقہ پر کلام ہے یعنی اس کی جو حالت ظاہر ہوگی وہ اس کے ناطق ہونے کے قائم مقام ہوگی؛ جس طرح شاعر نے کہا:

امتلأ الحوض وقال قطنی مَهْلًا رُوِيْدًا قَدْ مَلَأَتْ بَطْنِي (1)

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو تحقیق تو نے میرے پیٹ کو بھر دیا ہے۔

یہ مجاہد اور دوسروں کی تفسیر ہے یعنی کیا مجھ میں کوئی راستہ ہے میں بھر چکی ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ آگ کو قوت گویائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ بولے گی جس طرح اعضاء بولیں گے۔ یہ صحیح ترین قول ہے جس طرح ہم نے سورۃ فرقان میں بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ”جہنم میں لگا تار پھینکا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کیا کوئی اور ہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں رکھے گا تو اس کا بعض بعض کی طرف لپٹ جائے گا اور وہ کہے گی تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس۔ جنت میں لگا تار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصے میں انہیں سکونت عطا فرمائے گا“ (1)۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: ”جہاں تک جہنم کا تعلق ہے وہ نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا رجل رکھے گا تو وہ عرض کرے گی بس بس۔ اس موقع پر وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض بعض کی طرف سمٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا“ (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک یہاں قدم کا تعلق ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ کی طرف پہلے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ جنہی ہیں۔ اسی طرح رجل ہے اس سے مراد لوگوں اور دوسروں کی کثیر تعداد ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے:

رأیت رجلاً من الناس ورجلاً من جراد

میں نے لوگوں کی کثیر تعداد اور مٹی کی کثیر تعداد دیکھی۔

شاعر نے کہا:

فمؤننا رجلاً من الناس و النّوى إليهم من الحى البانين أوجل

ہمارے پاس سے لوگوں کی کثیر تعداد گزری اور ان کے ساتھ یعنی قبائل کی کثیر تعداد شامل ہو گئی۔

اس معنی کی وضاحت وہ روایت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جہنم میں کوئی گھر، زنجیر، ہنٹر اور تابوت نہیں مگر اس پر جہنمی نام لکھا ہوا ہے۔ ہر داروغہ اس جہنمی کا انتظار کرتا ہے جس کا نام اور اس کی صفت اس نے پہچان رکھی ہے۔ جب ان میں سے ہر کوئی اس کو پورا پورا لے لیتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا اور جس کا وہ انتظار کر رہا تھا اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو داروغوں نے کہا: بس بس ہمیں کافی ہے، ہمیں کافی ہے۔ اس وقت جہنم ان پر سمٹ جائے گی جو اس میں ہوں گے اور جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا تو وہ سکڑ جائے گی۔ وہ جماعت جس کا انتظار کیا جا رہا تھا اسے قدم اور رجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تاویل کی تائید حدیث بھی کرتی ہے ”جنت میں لگا تار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصے میں انہیں سکونت عطا کرے گا“ (3)۔ ہم نے اس کی اور



وضاحت کی ہے اور کتاب الاسماء والصفات میں اس کو بیان کیا ہے جو الکتاب الاسمی کا حصہ ہے۔ الحمد للہ۔  
نضر بن شمیل نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: حتی یضع الجبار فیہا قدمہ کا یہ معنی کیا ہے جس کے بارے میں پہلے سے علم ہے کہ وہ جہنمی ہے۔

وَأُزِلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ⑤ یعنی جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا میں ہی جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت ان کے قریب کر دی جائے گی، یعنی ان کے دلوں کے اسے قریب رکھا گیا ہے جب انہیں کہا جائے گا: معاصی سے اجتناب کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت میں داخل ہونے کے بعد اس کے مواضع اس کے قریب کر دیئے جائیں گے وہ دور نہ ہوں گے۔ غَيْرَ بَعِيدٍ وہ ان سے دور نہ ہوں گے۔ یہ کلام تاکید ہے۔  
هَذَا مَا تُوعَدُونَ یعنی انہیں کہا جائے گا: یہ وہ جزا ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبانوں سے وعدہ کیا گیا تھا عام قرأت تُوَعَدُونَ ہے۔ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے، ابن کثیر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا ذکر متقین کے بعد آیا ہے۔

لِكُلِّ أَزَافٍ حَفِیْظٌ ⑥، اَوَّاب سے مراد معاصی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (وہ پھر لوٹتا ہے) اور گناہ کرتا ہے اور پھر گناہ سے توبہ کرتا ہے؛ ضحاک اور دوسرے علماء نے یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطاء نے کہا: اَوَّاب سے مراد تسبیح کرنے والا ہے (1)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے لِیَجِبَالَ آتَوْنِ مَعَهُ (سبا: 10) حکیم بن عتبہ نے کہا: اس سے مراد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ سے عفو کا طالب ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مجلس میں نہیں بیٹھتا یہاں تک کہ وہ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے ہم یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اَوَّاب حَفِیْظ سے مراد وہ ہے جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ سبحان اللہ و بحمدہ کہتا ہے اور یوں دعا کرتا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس گناہ پر بخشش کا طالب ہوں جو میں نے اس مجلس میں کیے ہیں۔ حدیث میں ہے ”جب کوئی آدمی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت کہے: سبحانک اللہم و بحمدک لا إله إلا أنت أستغفرک و أتوب إلیک تو اس مجلس میں اس سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے“ (2)۔ نبی کریم ﷺ یہی دعا کیا کرتے تھے۔ ایک عالم نے کہا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں کہوں اَسْتَغْفِرُکَ وَاَسْأَلُکَ التَّوْبَةَ اور میں یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں کہوں: وَاَتُوبُ إِلَیْکَ مگر میں جب حقیقی توبہ کروں۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھا ہے اور اس میں حدیث کی اتباع ہے۔ ابو بکر و راق نے کہا: اداب سے مراد خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہے۔ قائم نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی میں دل نہیں لگاتا۔  
حَفِیْظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے گناہ یاد رکھے یہاں تک کہ ان سے

رجوع کیا (1)۔ قتادہ نے کہا: حَفِظَ سے مراد یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اور نعمت عطا کی اور اسے اس پر امین بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت کرنے والا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اعتراف کر کے اور شکر کر کے اس کی نعمت کو یاد کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وصیت کو قبول کر کے وصیت کو یاد رکھنے والا ہے۔ مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے دن کے پہلے پہر میں چار رکعت نماز (نفل) پر مواظبت اختیار کی تو وہ ادب و حفیظ ہے“ (2) یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْعَلِيمَ، مَنْ حَلَّ جَرَمٍ يَسْتَعِظُ بِأَوَّلِهِ حَفِظَ سے بدل ہے یا یہ ادب سے صفت ہے۔ نئے جملہ کے طریقہ پر یہ محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی خبر اذْخُلُوْهَا ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی کہ جواب شرط حذف ہو گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فَيَقَالُ لَهُمْ ادْخُلُوْهَا۔

خشية بالغیب سے مراد ہے کہ تو اس سے ڈرے جب کہ تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔ ضحاک اور سدی نے کہا: یعنی وہ خلوت میں ڈرے جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ پردہ لٹکا دے اور دروازہ بند کر دے (3)۔ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۖ مُّنِيبٌ سے مراد طاعت پر توجہ کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مخلص ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: منیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو جاننے والا ہو، اس سے دوستی رکھنے والا ہو، اس کے جلال کے سامنے تواضع کرنے والا ہو اور اپنی خواہش نفس کو ترک کرنے والا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہو کہ قلب منیب سے مراد قلب سلیم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ (شعراء) جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اذْخُلُوْهَا اس صفت کے حامل افراد کو کہا جائے گا: اذْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ یعنی عذاب سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی جانب سے ان پر سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کے زوال سے سلامتی ہے فرمایا: اذْخُلُوْهَا۔ کلام کے شروع میں ہے مَنْ خَشِيَ کیونکہ مَنْ جمع کے معنی میں ہے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا یعنی ان کے نفوس جو چاہیں گے اور اس کی آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گے۔ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ یعنی ان کے لیے زائد نعمتیں ہوں گی جو ان کے دل میں کھنکی تک نہیں۔ حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”مَزِيْدٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بغیر کیفیت کے دیدار کرنا ہے“۔ احادیث مرفوع میں بھی اس کی یہی تعبیر آئی ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے؛ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام دونوں نے ذکر کیا ہے۔ مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلے میں ظہور فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے نوازے جاتے ہیں“۔ ابن مبارک



نے کہا: اس کا قرب اس قدر ہوگا جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جس قدر تیزی کیا کرتے تھے۔ اور یہ زائد ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کرامت میں سے ان کے لیے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی ہوگی۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ سے سنا کہ وہ اپنی روایت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا اضافہ کرتے وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ۔

میں کہتا ہوں: روایت میں فی کشیب سے مراد ہے کہ جنتی کافور کے سفید ٹیلے پر ہوں گے، جس طرح حضرت حسن بصری سے ایک مرسل روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے جب کہ وہ کافور کے ٹیلے پر ہوں گے“ (1)۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ”مَزِيدٌ“ سے مراد ہے کہ ان کی شادیاں حور عین سے کردی جائیں گی“ اسے حضرت ابوسعید خدری نے مرفوع نقل کیا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ۝

إِنِّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا سَنَآ مِنْ لُّغُوبٍ ۝

”اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کر دیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں وہ گھومتے رہتے شہروں میں، کیا انہیں عذاب الہی سے کوئی پناہ ملی۔ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الہی) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور ہمیں تھکن نے چھو تک نہیں۔“

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ یعنی اے محمد! ﷺ آپ کی قوم سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقت اور قوت والے تھے۔ فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ وہ شہروں میں چلے تاکہ بھاگ جانے کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں اثرات چھوڑے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے سفر کیا اور چکر لگایا۔ نصر بن شمیل نے کہا: انہوں نے چکر لگایا۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے طواف کیا۔ معرج نے کہا: وہ دور تک چلے گئے؛ اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے:

وَقَدْ نَقَبْتُ فِي الْأَفَاقِ حَتَّى رَضِيتُ مِنَ الْغَنِيَةِ بِالْإِيَابِ (2)

میں آفاق میں دور تک گیا یہاں تک کہ میں غنیمت کی بجائے لوٹ آنے پر راضی ہو گیا۔

پھر یہ کہا گیا: انہوں نے تجارت کی غرض سے دور دراز شہروں میں چکر لگایا، کیا انہوں نے موت سے بچنے کی کوئی جگہ پائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں چکر لگایا وہ موت سے بچنے کی کوئی پناہ چاہتے تھے۔ حارث بن حلزہ نے کہا:

نَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ مِنْ حَذَرِ الْمَوْتِ وَجَالُوا فِي الْأَرْضِ كُلِّ مَحَالٍ (3)

وہ موت کے ڈر سے شہروں میں گھومے پھرے اور زمین میں ہر جگہ چکر لگایا۔

حضرت حسن بصری اور ابوالعالیہ نے فنقبوا پڑھا ہے۔ نقب کا معنی پھاڑنا اور کسی شے میں داخل ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نقب کا معنی پھاڑ میں راستہ ہے؛ اسی سے منقب اور منقبہ ہے۔ یہ ابن سکیت سے مروی ہے نقب الجدار نقب اس نے دیوار کو پھاڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نقبہ کا نام نقب بھی ہے نقب کی جمع نقوب بھی ہے۔ سلمیٰ اور یحییٰ بن یعمر نے فنقبوا پڑھا ہے صیغہ امر کا ہے اور دھمکی کے لیے ہے یعنی شہروں میں گھومو پھرو اور اس میں چلو اور دیکھو۔

هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ۝ کیا موت سے بھاگ جانے کی کوئی جگہ ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے اسے فنقبوا قاف کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ اس میں زیادہ چلے یہاں تک کہ ان کی ساریوں کے پاؤں گھس گئے۔ جوہری نے کہا: نقب البعید جب اس کے پاؤں گھس جائیں۔ انقب الرجل جب آدمی کے اونٹ کے پاؤں گھس جائیں۔ نقب الخف السلبوس جب پہنا ہوا موزہ پھٹ گیا۔ محیص یہ خاص یحیص کا مصدر ہے اس کا مصدر حیصا، حیوصا، محیاصا، محاصا اور حیصانہ بھی آتا ہے معنی پھر جانا، بھٹک جانا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماعنه محیص یعنی کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔ انحیاص بھی اس کی مثل ہے حمایتوں کے لیے کہا جاتا ہے: حاصوا عن العدو اور دشمنوں کے لیے کہا جاتا ہے: انہزموا دونوں کا معنی بھاگ گئے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ يَعْنِي جِسْمٌ كِي عَقْلٌ ہو جس کے ساتھ وہ سوچ و بچار کرے۔ قلب، عقل سے کنایہ ہے کہ دل عقل کی جگہ ہے؛ یہ معنی مجاہد اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی زندگی اور امتیاز کرنے والا نفس ہو۔ زندہ نفس کو دل سے تعبیر کیا ہے کیونکہ دل نفس کا وطن اور زندگی کا معدن ہے؛ جس طرح امراء القیس نے کہا:

أَغْرَاكَ مِنِّي أَنَّ حُبَّكَ قَاتِي وَأَنَّكَ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلُ (1)

مجھے میرے بارے میں اس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کرنے والی ہے اور تو دل کو جو حکم دے گی وہ کر گزرے گا۔

قرآن حکیم میں ہے: لِيُذْكَرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (یسین: 60) یعنی بن معاذ نے کہا: دل دو قسم کے ہیں (۱) جو دنیا کے مشاغل سے بھرا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب امور آخرت میں سے کوئی امر اسے لاحق ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے (۲) اور دوسرا ایسا دل ہے جو آخرت کی ہولناکیوں سے بھرا ہوتا ہے جب امور دنیا میں سے کوئی اسے لاحق ہوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے کیونکہ اس کا دل آخرت میں گم ہوتا ہے۔

أَوَّلُ لَقَى السَّمْعِ یعنی وہ قرآن سے عرب کہتے ہیں أَلْقَى الی سَمْعَكَ یعنی میری بات سنو۔ سورہ طہ میں سننے کی کیفیت اور اس کا ثمرہ گزر چکا ہے۔



وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ یعنی دل حاضر ہو۔ زجاج نے کہا: جو سن رہا ہے اس میں دل حاضر ہو۔ سفیان نے کہا: ایسا نہیں ہوتا چاہیے کہ خود حاضر ہو اور دل غائب ہو۔ پھر یہ کہا گیا ہے: آیت اہل کتاب کے لیے ہے؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ یہودیوں اور نصاریٰ کے بارے میں خاص ہے (1)۔ محمد بن کعب اور ابوصالح نے کہا: یہ اہل قرآن کے بارے میں خاص ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ۝ سورہ اعراف اور دوسری سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔ لُغُوب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ تو اسی معنی میں کہتا ہے: لَغَب يَلْغِب لَغُوبًا اور لَغَب يَلْغِب لَغُوبًا۔ اس میں ضعیف لغت ہے الغبتہ انالغبتی میں نے اسے تھکا دیا۔ قتادہ اور کلبی نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ان میں سے پہلا دن اتوار اور آخری جمعہ تھا اور ہفتہ کے روز آرام کیا تو انہوں نے اسے راحت بنا دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارے میں جھٹلایا۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝  
وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝

”پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔“  
اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے مشرک جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرنے کا حکم دیا، یعنی ان کے امر کو اپنے اوپر آسان کر دیجئے۔ یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی یہ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے لیے ثابت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہودی جو کہتے ہیں ان کے قول پر صبر کیجئے کہ ان کا قول یہ تھا: اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز آرام کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ ابوصالح نے کہا: طلوع شمس سے پہلے صبح کی نماز ہے، غروب سے پہلے عصر کی نماز ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ نے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہا ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا فرمایا: ”خبردار! تم اپنے رب کا دیدار یوں کرو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو تم اس کے دیدار کے لیے باہم بھیڑ نہیں کرو گے۔ اگر تم طاقت رکھو کہ سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے کی نماز پر تم مغلوب نہ ہو۔ یعنی عصر اور فجر کی نماز“ (3)۔ پھر جریر نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ حضرت ابن عباس

بہت جانے کہا: قَبْلَ الْعُرُوبِ سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تسبیح بالقول سے مراد سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے (1)؛ یہ عطا خراسانی اور ابوالاحوص کا نقطہ نظر ہے۔ بعض علماء نے کہا: قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں اور قَبْلَ الْعُرُوبِ سے مراد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتیں ہیں۔ ثمامہ سے روایت مروی ہے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ مغرب کے فرائض سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم مدینہ طیبہ میں تھے جب موزن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ ستونوں کی طرف جلدی کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے یہاں تک کہ اجنبی آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا تو وہ گمان کرتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ سلمی کے سوا کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَذْبَاهَا الشُّجُودِ ۝ اس میں چار قول ہیں (1) رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا؛ یہ ابوالاحوص کا قول ہے (2) یہ تمام رات کی نماز ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (3) یہ صبح کی دو رکعتیں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (4) یہ عشاء کی نماز ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد رات کے وقت تسبیح ہے تو اس کی تائید صحیح روایت کرتی ہے ”جو رات کو جاگا اور کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شء قدير سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم“ (2) جس نے کہا: یہ رات کی نماز ہے نماز کو تسبیح کہتے ہیں کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہوتی ہے اس معنی میں سبحة الضحیٰ (چاشت کے نوافل) ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد فجر یا عشاء کی نماز ہے کیونکہ دونوں رات کی نمازیں ہیں اور عشاء ان میں سے واضح ترین ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَأَذْبَاهَا الشُّجُودِ ۝ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم، حضرت حسن بصری، امام نخعی، امام شعبی، امام اوزاعی اور زہری نے کہا: أَذْبَاهَا الشُّجُودِ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں اور ادبار النجوم سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، حضرت ابن عباس نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں أَذْبَاهَا الشُّجُودِ ہے“۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے اور ماوردی کے الفاظ ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے نبی کریم ﷺ کے ہاں ایک رات گزاری تو آپ نے فجر کے فرائض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کی طرف نکلے فرمایا: ”اے ابن عباس! فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم ہیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں أَذْبَاهَا الشُّجُودِ ہیں“ (3)۔



حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مغرب کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھ لی گئی“۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ پڑھی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق احمر غائب نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: مراد نماز وتر ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ فرائض کے بعد نوافل ہیں یعنی ہر فرض نماز کے بعد دو رکعات ہیں۔ نحاس نے کہا: ظاہر اس قول پر دلالت کرتا ہے مگر زیادہ موزوں اکثر کی اتباع ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح ثابت ہے۔ ابواحوص نے کہا: اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو نظر و فکر میں قوی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے: لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجند منك الجند (1)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے اس کے لیے بادشاہی ہے، وہی حمد کے لائق ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی صاحب مال کو مال نفع دینے والا نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم فرائض کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں، اسے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے اَدْبَارُ السُّجُودِ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ادبر الشیء سے مصدر ہے جب وہ پھرے۔ باقی نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ دبر کی جمع ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ اس کی مثل طنب اور اطناب ہے یا یہ دُبُر کی جمع ہے جس طرح قفل اور اقفال آتی ہے۔ علماء نے اسے ظرف کے طور پر استعمال کیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتک فی دبر الصلوة فی ادبار الصلوة سورہ طہ کے آخر میں جو ادبار النجوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس سے مراد اس کی روشنی کا چلے جانا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو۔ فجر ثانی سے مراد وہ سفیدی ہے جو رات کی سیاہی سے پھوٹی ہے۔

وَاسْتَبْعِ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ  
ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ ۚ وَاِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشَقُّ  
الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرُ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا  
اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدَ ۝

”اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرج دار آواز بآیقین وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے، یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے۔“

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝۱، اِسْتَمِعْ کا مفعول محذوف ہے مراد ہے ندا اور آواز کو سنو یا صیحہ کو سنو۔ اس سے مراد صیحہ قیامت ہے اور وہ نوحہ ثانیہ ہے ندا کرنے والے جبریل امین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت اسرافیل ہیں۔ زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور حضرت جبریل امین منادی کریں گے، وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے، وہ کہیں گے: حساب کے لیے آؤ۔ اس تعبیر کی بنا پر نداء میدان حشر میں ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِسْتَمِعْ کا مفعول بہ نداء الکفار ہے وہ ویل اور ہلاکت کی ندا کریں گے یعنی قریب سے اس ندا کو سنو، یعنی سب اس آواز کو سنیں گے کوئی بھی اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔ عکرمہ نے کہا: رحمن کا منادی ندا کرے گا گویا وہ ان کے کانوں میں ندا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکان قریب سے مراد بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہی زمین کا وسط ہے اور زمین کا یہ حصہ آسمان سے دوسری جگہ کی نسبت بارہ میل قریب ہے۔ کعب نے کہا: اٹھارہ میل قریب ہے۔ پہلا قول زمخشری اور قشیری نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جبریل امین یا حضرت اسرافیل صخرہ پر کھڑے ہوں گے وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے فنا ہونے والے کفنو! اے خالی دلو! اے ناسد بدنو! اے بنے والی آنکھ! رب العالمین کے حضور پیشی کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جو صور والے ہیں۔

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ، الصَّيْحَةُ سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے کا صیحہ ہے خردجہ کا معنی حساب کے لیے جمع ہونا ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝۲ یعنی یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ یعنی ہم زندوں کو موت دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہاں حقیقت کو ثابت کیا۔ يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ يَرَاءُ عَائِلِيهِمْ وہ منادی جو صور پھونکنے والا ہے وہ اس کی آواز پر جلدی سے بیت المقدس کی طرف جائیں گے۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝۳ یعنی آسان ہے۔ کوفیوں نے پڑھا تشقق یعنی شین تخفیف کے ساتھ ہے اور پہلی تاء محذوف ہے باقی قراء نے تاء کو شین میں مدغم کیا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور یعقوب نے المنادی کی یا، کو اصل پر دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے نافع اور ابو عمرو نے فصل میں ثابت رکھا ہے کسی اور صورت میں ثابت نہیں رکھا۔ باقی قراء نے



دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سنت نے اس آیت کی مزید وضاحت کر دی ہے امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہا: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا فرمایا: ”یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں جمع کیا جائے گا تم سوار اور پیدل ہو گے، قیامت کے روز تمہیں منہ کے بل گھیٹا جائے گا، تمہارے مونہوں پر فدام (وہ چیز جو جانوروں کے منہ پر چڑھا دی جاتی ہے تاکہ وہ چرنہ سکے) ہو گا تم سترامتوں کو پورا کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین اور معزز ہو گے تمہاری جانب سے سب سے پہلے جو چیز حقیقت حال کا اظہار کرے گی وہ تمہاری ران ہوگی۔“ ایک دوسری روایت میں ہے ”تمہاری ران اور تمہاری ہتھیلی ہوگی۔“

علی بن سعید نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس میں ہے: ”اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل سے فرمائے گا دوبارہ اٹھانے کا نفع پھونکو وہ صور پھونکیں گے تو روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکل پڑیں گی وہ زمین و آسمان کو بھریں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میری عزت و جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو روحیں زمین میں اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی پھر وہ ناک کے بانسوں میں داخل ہوں گی تو وہ روحیں جسموں میں یوں سرایت کر جائیں گی جس طرح زہر اس ذات میں سرایت کرتی ہے جس کو ڈسا گیا ہو پھر زمین پھاڑ دی جائے گی میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی تم زمین سے نوجوانوں کی طرح اٹھو گے سب کی عمریں تیس 23 سال کی ہوں گی اس روز زبان سریانی ہوگی“ اور حدیث بیان کی میں نے ان کا اور دوسرے لوگوں کا ذکر اپنی کتاب ”التذکرہ“ میں مفصل کیا ہے۔ الحمد للہ۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کہ آپ انہیں اسلام کی طرف زبردستی لے آئیں یہ آیت جہاد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ جبار جبر سے مشتق ہے۔ جبار کو مجبور کے معنی میں نہیں لایا جاتا۔

جس طرح ختاہ مخراج کے معنی میں نہیں ہوتا؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے آپ انہیں مجبور کرنے والے نہیں یہ سراسر غلطی ہے کہ افعیل سے مفعول کے معنی میں نہیں ہوتا۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے فعال کا صیغہ مفعول کے معنی میں آتا ہے جب کہ یہ شاذ ہے جبار، مجبور کے معنی میں دُزاک، مدرك کے معنی میں، سماع، مسمع کے معنی میں ہنگام، مہلک کے معنی میں اور عذاب، معذب کے معنی میں ہے۔ رشاد، مرشد کے معنی میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی طرح اَمَّا السُّوفِيَّةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ (الکہف: 79) پڑھا گیا ہے جو مسکین کے معنی میں ہے۔ ابو حامد خازن نجی نے کہا: عرب کہتے ہیں سیف سقاط یہاں سقاط، مسقط کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار کا معنی مسطر ہے، جس طرح سورہ غاشیہ میں ہے لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِصَبُورٍ ⑩۔ فراء نے کہا: میں نے

ایک عرب سے سنا جو کہہ رہا تھا جبکہ علی الامر یعنی اس پر سختی سے لازم کیا۔ اس لغت کی بنا پر جبار کو قہر کے معنی میں لینا صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے جبکہ علی الامر فلاں نے اسے مجبور کیا۔ یہ لغت کنانیہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ جوہری نے کہا: اجبرتہ علی الامر یعنی میں نے اسے امر پر مجبور کیا۔ اجبرتہ کا معنی ہے میں نے اسے جبر کی طرف منسوب کیا جس طرح تو کہتا ہے: اکفرتہ یعنی تو نے اسے کفر کی طرف منسوب کیا۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَصِدْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں ڈراتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو میری نافرمانی کرے گا میں نے اس کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے (1)۔ وعید سے مراد عذاب اور وعد سے مراد ثواب ہے۔ شاعر نے کہا:

وَلَوْ أَنَّ أَوْعَدْتُهُ أَوْ وَعَدْتُهُ لَمُخِلَفُ إِيعَادِي وَ مُنْجِزُ مَوْعِدِي

اگر میں اسے دھمکی دوں یا اس سے وعدہ کروں میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرنے والا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہوں۔

قنادہ یوں دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو تیری دھمکی سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدہ کی امید رکھتے ہیں۔ یعقوب نے دونوں حالوں میں وعیدی کی یا کو ثابت رکھا ہے۔ ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے اور وقف میں گرا دیا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



## سورہ ذاریات

﴿اٰیٰتھا ۲۰﴾ ﴿سُوْرَةُ الدَّٰرِیٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۱﴾ ﴿مَرْکُوْعَاتُهَا ۲﴾

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذَّٰرِیَّاتِ ذُرَّوٰٓاۥ ۱۱ فَالْحٰیِلَتِ وُقُرَّآ ۱۲ فَالْجَبْرِیَّتِ یُسْرَآ ۱۳ فَالْمُقَسَّمَتِ اٰمُرًا ۱۴ اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ لَصَادِقٍ ۱۵ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۱۶

”قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیرنے والی ہیں پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والی ہیں پھر فرشتوں کی جو حکم (الہی) سے بانٹنے والے ہیں بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے اور یقیناً جزاء و سزا کا دن ضرور آئے گا۔“

وَالذَّارِیَّاتِ ذُرَّوٰٓاۥ ۱۱ ابوبکر انباری نے کہا عبد اللہ بن ناجیہ، یعقوب بن ابراہیم سے وہ مکی بنی ابراہیم سے وہ جعید بن عبد الرحمن سے وہ یزید بن خصیفہ سے وہ سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا وہ مشکل القرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس پر قدرت دے۔ ایک روز وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ لباس اور عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے جب آپ قرآن پڑھنے سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! وَالذَّارِیَّاتِ ذُرَّوٰٓاۥ کیا ہے؟ حضرت عمر اٹھے اپنی آستینیں چڑھائیں اور اسے کوڑے مارنے لگے پھر فرمایا: اسے کپڑے پہناؤ، اسے سواری پر سوار کراؤ اور اسے اس کے قبیلہ تک پہنچا دو پھر ایک خطیب کو چاہیے وہ اٹھے اور کہے کہ صبح نے علم کی طلب کی اور علم اسے نصیب نہ ہوا یہ اپنی قوم میں سردار تھا تو وہ اپنی قوم میں ذلیل و رسوا ہو گیا۔

عامر بن وائل سے مروی ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا عرض کی: اے امیر المؤمنین! وَالذَّارِیَّاتِ ذُرَّوٰٓاۥ کیا چیز ہے؟ فرمایا: تجھ پر افسوس سمجھنے کے لیے پوچھو سرکشی کے طور پر نہ پوچھو۔ وَالذَّارِیَّاتِ ذُرَّوٰٓاۥ سے مراد ہوا کی ہیں۔ فَالْحٰیِلَتِ وُقُرَّآ ۱۲ سے مراد بادل ہیں۔ فَالْجَبْرِیَّتِ یُسْرَآ ۱۳ سے مراد کشتیاں ہیں۔ فَالْمُقَسَّمَتِ اٰمُرًا سے مراد فرشتے ہیں۔

حرف نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: وَالذَّهَابُ ذُرْوَا سے مراد ہوائیں ہیں (1)۔ فَالْحُمْلُتِ وَقَرًا ① سے مراد بادل ہیں جو پانی اٹھاتے ہیں جس طرح چوپائے بوجھ اٹھاتے ہیں (2)۔ فَالْجَبْرِيَّتِ يُسْمَرًا ② سے مراد کشتیاں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں۔ فَالْمَقْسَمَتِ أَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں جو مختلف امور بجالاتے ہیں۔ حضرت جبریل امین سختیاں لاتے ہیں، حضرت میکائیل رحمت کے حامل ہیں اور ملک الموت موت لاتے ہیں۔ فراء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مختلف امر لاتے ہیں اس سے مراد خوشحالی، خشک سالی، بارش، موت اور حوادث ہیں۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ذَرَبَ الرِّيحِ تَذْرُوهَ ذُرْوَا وَتَذْرِيبُهُ ذَرِيَا۔

پھر یہ کہا گیا ہے: وَالذَّهَابُ اور مابعد قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو اس کے لیے شرف کو ثابت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ذاریات کے رب کی قسم! اس کا جواب اِنَّمَا تُوعَدُونَ ہے یعنی جس خیر، شر، ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ لَصَادِقٌ ③ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ لَصَادِقٌ کا معنی صدق ہے اسم مصدر کی جگہ واقع ہے وَ اِنَّ النَّارَ لَوَاقِعٌ ④ یعنی جزا تم پر واقع ہو رہی ہے۔ پھر دوسری قسم اٹھائی اور فرمایا: وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْجُبُلِ ⑤ اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ⑥ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذاریات سے مراد بچے جننے والی عورتیں ہیں (3) کیونکہ ان کے جننے سے ہی مخلوق پھیلتی ہے کیونکہ وہ اولاد کو نکھیرتی ہیں تو وہ ذاریات ہو گئیں ان کی قسم اٹھائی کیونکہ ان کے سینے کی ہڈیوں میں اس کے صالح بندوں میں سے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے عورتوں کو خاص کیا مردوں کا ذکر نہیں کیا اگرچہ اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس کی دو وجہیں ہیں (1) کیونکہ وہ ہی ان کی حفاظت کے برتن ہیں جب کہ مردوں کی یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں کے نطفے ان عورتوں کے رحم میں جمع ہوتے ہیں اس لیے ان کا خصوصاً ذکر کیا (2) ان میں نطفہ طویل وقت تک رہا اور مباشرت میں ان کا زمانہ قریب ہے۔ فَالْحُمْلُتِ وَقَرًا ① اس سے مراد بادل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حاملات سے مراد عورتیں ہیں جب وہ حاملہ ہوتی ہیں (4)۔ وَقَرًا ذُرْوَا کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کسی وزنی چیز کو پیٹھ یا پیٹ میں اٹھانا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاء يحمل دقرة۔ وہ بوجھ اٹھائے ہوئے آیا۔ قد أودق بعيرة اس نے اپنے اونٹ پر بوجھ لاد ا۔ دقر کا لفظ عموماً خمر اور گدھے کے سامان اور وسق کا لفظ اونٹ کے سامان کے لیے بولا جاتا ہے۔ هذه امرأة موقرة جب اس عورت نے بھاری بوجھ اٹھایا ہوا ہو۔

ادقرت النخلة یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کا پھل زیادہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: نخلة موقرة و موقرة موقرة۔ موقر بھی ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل نخلة کے لیے ہے۔ اسے موقر کہا گیا ہے یہ قیاس کے مطابق ہے جس طرح تیرا قول امرأة حامل ہے کیونکہ درخت کا پھل عورتوں کے حمل کے مشابہ ہے۔ جہاں تک موقر کا تعلق ہے یہ خلاف قیاس ہے۔ لبید کے قول میں یہی روایت کیا گیا ہے وہ کھجور کی تعریف کرتا ہے:



عَصَبٌ كَوَارِغُ فِي خَلِيجٍ مُخَلِّمٍ حَمَلَتْ فَنَهَا مَوْقِعٌ مَكْنُومٌ

محل استدلال موقر ہے۔ اس کی جمع موقر ہے۔ جہاں تک وقرا کا تعلق ہے تو اس سے مراد کان کا بوجھل ہونا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے قَدَوِقَاتِ اُذْنُهُ تَوَقَّرَ وَقَرًا، یعنی وہ بہرا ہو گیا۔ اس کے مصدر میں قیاس تو یہ ہے کہ قاف متحرک ہوتا مگر وہ سکون کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بارے میں بحث سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

فَالْجَبْرِیَّتِ یُسْرًا ① مراد کشتیاں ہیں جو ہوا کے ساتھ آسانی سے چلتی ہیں جہاں بھی انہیں چلایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بادل ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے آسانی سے چلنے کی دو صورتیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ انہیں جہاں بھی چلائے وہ شہر ہوں یا قطعہ زمین (۲) ان کا آسانی سے چلنا عربوں کے ہاں یہی معروف ہے جس طرح اُغشی نے کہا:

كَأَنَّ مَشِيَّتَهَا مِنْ بَيْتٍ جَارَتْهَا مَشَى السَّحَابَةِ لَارِثٌ وَلَا عَجَلُ (1)

گویا اس کا اپنی پڑوسن کے گھر سے چلنا بادل کا چلنا ہے نہ ست روی سے اور نہ تیزی سے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ② اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ③ يُؤَفِّكُ عَنْهُ مِنَ الْفِكَ ④ قُتِلَ

الْخَرَصُونَ ⑤ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمَرَةٍ سَاهُونَ ⑥ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ⑦ يَوْمَ

هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ⑧ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ⑨ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُونَ ⑩

”قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیا ناس ہوا نکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت کے نشہ میں بے سدھ پڑے ہیں وہ پوچھتے ہیں روز جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہو گا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔“

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ② ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السَّمَاء سے مراد بادل ہیں جو زمین کو سایہ کیے ہوتے ہیں۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: مراد بلند آسمان ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ساتواں آسمان ہے (2)؛ اسے مہدوی، طعلبی،

ماوردی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ الْحُبُكِ میں سات قول ہیں (۱) یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد اور ربیع کا قول

ہے (3)۔ یعنی خوبصورت و کامل مخلوق والا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے کہا: کیا تو کپڑا بننے والے کو نہیں دیکھتا جب وہ کپڑا بنتا ہے اور اس

کو اچھی طرح بنتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: حَبَكَ الثُّوبُ بِحَبْكِهِ جس نے اس کی اچھی طرح بنائی کی۔ ابن

اعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو مضبوط بنائے اور اس کے عمل کو اچھا کرے تو اس کے لیے کہیں گے اَحَبَكْتَهُ۔ (۲)

خوبصورت؛ یہ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: مراد ستاروں

والا (4)۔ یہ تیسرا قول ہے (۴) ضحاک نے کہا: راستوں والا۔ پانی اور ریت پر جب ہوا چلے تو اس میں تو جو دیکھتا ہے اسے

حک کہتے ہیں۔ اس کی مثل فراء کا قول ہے، کہا: حبک ہر شے کی شکن کو کہتے ہیں جس طرح ریت جس پر پرسکون ہوا چلے، کھڑا پانی جس پر ہوا چلے، لوہے کی زرہ کی شکنوں کو حبک کہتے ہیں۔ دجال کے متعلق حدیث میں ہے ان شعرا حبک اس کے بال ٹھٹھکریا لے ہیں۔ زہیر نے کہا:

مُكَلِّلٌ بِأَصُولِ الثَّجَمِ تَنْسِجُهُ رِيحٌ خَرِيْقٌ لِضَائِ مَائِهِ حُبُّكَ

لیکن وہ بندوں سے دور ہوتا ہے وہ اسے نہیں دیکھتے۔

(۵) مضبوط: یہ ابن زید کا قول ہے اور اس آیت کو پڑھاؤ بَيْنَمَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شَدَادًا ⑤ (النبا) محبوب سے مراد وہ چیز ہے جو مضبوط جسم والی ہو جس طرح گھوڑا وغیرہ۔ امراء القیس نے کہا:

قَدْ غَدَا يَحْمِلُ لِي أَنْفِهِ لَاحِقُ الْإِطْلَاقِ مَحْبُوكٌ مُنْزَ

ایک اور شاعر نے کہا:

مَرَجَ الَّذِينَ فَأَعْدَدْتُ لَهُ مُشْرِفَ الْحَارِكِ مَحْبُوكَ الْكَتْدِ

دونوں شعروں میں محبوب کا لفظ مضبوط و محکم کے معنی میں ہے۔

حدیث طیبہ میں ہے ان عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تحت حبک تحت الدرع علی الصلاة۔ (1)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز میں تہبند کو مضبوطی سے باندھا کرتی تھیں۔

(۶) مضبوط بتائی والا: یہ خصیف کا قول ہے اس سے ثوب صفیق اور وجہ صفیق ہے۔

(۷) طری سے مراد آسمان میں کہکشاں ہے اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ گویا یہ کھینچنے کا نشان ہے۔ حبک، حباک کی جمع ہے۔ راجز نے کہا:

كَأَنَّمَا جَلَّلَهَا الْخُؤَاكُ طَنْفَسَةٌ لِي وَشَيْهَا جِهَاكُ (2)

حباک اور حبیکہ سے مراد ریت وغیرہ میں راستہ ہے۔ حباک کی جمع حبک ہے اور حبیکہ کی جمع حباک آتی ہے جب کہ یہ حبیکہ کی طرح ہے یہ ستو کا دانا ہے: یہ جوہری سے مروی ہے۔ حضرت حسن بھری سے مروی ہے: ذات الحبک، الحبک، الحبک الحبک، الحبک اور انہوں نے اسے الحبک پڑھا ہے۔ عکرمہ اور ابو مجلہ سے الحبک مروی ہے الحبک اس کا واحد حبیکہ ہے اور الحبک اسی سے مخفف ہے۔ الحبک اس کا واحد حبیکہ ہے جس نے اسے الحبک پڑھا ہے اس کا واحد حبیکہ ہے جس طرح ہرقہ کی جمع ہرقہ ہے یا یہ حبیکہ کی جمع ہے جس طرح ظلمۃ کی جمع ظلم آتی ہے۔ جس نے اسے الحبک پڑھا ہے تو یہ اہل اور اطل کی طرح ہے الحبک یہ مخفف ہے جس نے اسے الحبک پڑھا تو یہ شاذ ہے کیونکہ کلام عرب میں فعل کا وزن نہیں یہ داخل لغات پر محمول ہے گویا حاء کو کسرہ دیا گیا تا کہ باء کو کسرہ دیا جائے پھر الحبک کا تصور کیا تو باء کو ضمہ دیا: یہ سب تعبیریں مہدوی نے ذکر کی ہیں۔



إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ① یہ قسم کا جواب ہے جو دالساء ہے یعنی اے اہل مکہ! تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن کے بارے میں مختلف رائے رکھنے والے ہو کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باہم مال تقسیم کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ آپ جادوگر ہیں نہیں بلکہ شاطر ہیں نہیں بلکہ بہتان لگانے والے ہیں نہیں بلکہ مجنون ہیں نہیں بلکہ کاہن ہیں نہیں بلکہ پہلے لوگوں کے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حشر کی نفی کی، ان میں سے کچھ نے شک کا اظہار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد بتوں کے پجاری ہیں جو یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے جب کہ عبادت غیروں کی کرتے ہیں (1)۔

يُؤْفِكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ① یعنی حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان سے اسے پھیر دیا جاتا ہے جسے پھیر دیا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے ان کے قول کا یہ ارادہ کیا کہ یہ جادو ہے، کہانت ہے اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ان کو ایمان سے پھیر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے جسے محفوظ رکھا اسے اس اختلاف سے پھیر لیا گیا۔ اُفِكَ، يَأْفِكُ افكا۔ یعنی اسے کسی شے سے پھیر دینا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَجْتَنَّا لِمَأْفِكِنَا (الاحقاف: 22) مجاہد نے کہا: يُؤْفِكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ① کا معنی ہے يُؤْفِنُ عَنْهُ مَنْ أُفِنَ، اُفِنَ سے مراد عقل کا فاسد ہونا ہے یعنی جس کا عقل فاسد ہو جاتا ہے اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے۔ زحشری نے کہا: اسے يُؤْفِنُ عَنْهُ مَنْ أُفِنَ پڑھا گیا ہے یعنی اسے محروم رکھا جاتا ہے جسے محروم رکھا گیا۔ یہ اُفِنَ الضَّرْعَ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے کھیری کا تمام دودھ دوہ لیا۔ قطرب نے کہا: معنی ہے اسے دھوکہ میں رکھا جاتا ہے جسے دھوکہ دیا گیا (2)۔ یزیدی نے کہا: اس سے دور رکھا جاتا ہے جسے دور رکھا گیا۔ معنی ایک ہی ہے سب معانی پھیرنے کے معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔

قُتِلَ الْخَرَضُونَ ① تفسیر میں ہے کذابوں پر لعنت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شک کرنے والے قتل ہوں۔ مراد کاہن ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (3)۔ قُتِلَ کا معنی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی بددعا کرنا واجب ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: قتل کا معنی ہے اس پر لعنت ہو۔ کہا: الْخَرَضُونَ سے مراد جھوٹے ہیں جو اس چیز کے بارے میں گمان کرتے ہیں جس کو جانتے نہیں وہ کہتے ہیں: حضرت محمد ﷺ مجنون، کذاب، جادوگر اور شاعر ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ان کے بارے میں بددعا ہے کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ مقتول اور ہلاک ہونے والے کے معنی میں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: ہم نے ان کے لیے بددعا کی تعلیم دی یعنی یہ کہو قُتِلَ الْخَرَضُونَ۔ یہ عبارص کی جمع ہے خراص کا معنی جھوٹ ہے اور خراص سے مراد کذاب ہے اس کا باب یوں چلتا ہے خَرَصَ يَخْرَصُ خراسا۔ یعنی اس نے جھوٹ بولا۔

کہا جاتا ہے: خَرَصَ، اخْرَصَ، خَلَقَ، اخْتَلَقَ، بَشَكَ، اِبْتَشَكَ اور مَانَسَب کا معنی جھوٹ بولنا ہے؛ یہ نحاس نے

بیان کیا ہے۔ خرص کا معنی یہ بھی ہے کہ کھجور کے درخت پر جو تر کھجوریں ہیں ان کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ سے بیچنا۔ اس کے لیے یہ جملہ بولتے ہیں: وقد خرصت النخل اس کا اسم خرص ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کم خرص نخلک خرص اسے کہتے ہیں جو اس کا اندازہ لگاتا ہے یہ لفظ مشترک ہے۔ خرص کا اصل معنی قطع کرنا ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے؛ اسی سے ایک خریص ہے جو خلیج کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف پانی الگ ہو جاتا ہے۔ خرص اور خرص بال کے ایک دانہ کو کہتے ہیں جب وہ الگ ہو کیونکہ وہ دوسروں سے منقطع ہوتا ہے خرص کا معنی عود ہے کیونکہ وہ اپنی عمدہ خوشبو کی وجہ سے اپنی مثل سے ممتاز ہوتا ہے۔ خرص اسے بھی کہتے ہیں جسے بھوک اور سردی لگی ہو کیونکہ اس کے ساتھ وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرص الرجل فهو خرص یعنی وہ بھوک اور ٹھنڈک کا شکار ہے بھوک ہو سردی نہ ہو اسے خرص نہیں کہتے سردی ہو بھوک نہ ہو اسے خرص کہتے ہیں۔ خرص جب خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد سونے یا چاندی کا حلقہ ہے اس کی جمع خرصان ہے۔ خرص میں نجومیوں کا قول بھی داخل ہوتا ہے اور ہر اس آدمی کا قول بھی داخل ہوتا ہے جو حدس اور تخمینہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں کو باہم تقسیم کیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

الَّذِينَ هُمْ فِي عَمَاقٍ سَاهُونَ ⑩ عَمَاقٍ سے کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈھانپ دے اسی سے نہر غمر ہے یعنی جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ نہر اسے ڈھانپ لیتی ہے؛ اسی سے موت کی سختیاں ہیں۔ سَاهُونَ وہ آخرت کے معاملہ میں لا پرواہی کرنے والے اور غافل ہیں۔

يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ⑪ وہ سوال کرتے ہیں یوم حساب کب ہوگا؟ وہ یہ بات استہزاء اور قیامت میں شک کے طور پر کرتے ہیں۔ يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُقْتَتُونَ ⑫ لفظ یوم کو نصب الجزاء کے مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی هذا الجزاء يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُقْتَتُونَ ⑬ یعنی انہیں جلد بلایا جائے گا۔

یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فتنت الذہب میں نے سونے کو جلایا تا کہ تو اسے آزمائے۔ فتنہ کا اصل معنی اختیار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہنم ہے کیونکہ یہ جہنم کی طرف مضاف ہے اس پر نصب سابقہ تقدیر کی بنا پر ہے یا یہ يَوْمُ الدِّينِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: وہ کہتا ہے یعجبنی یوم انت قائم ویوم انت تقوم۔ اگر تو چاہے تو تو یوم کو نصب بھی دے سکتا ہے یہ محل رفع میں ہے یہ منصوب ہوگا اگرچہ معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يُقْتَتُونَ کا معنی ہے انہیں عذاب دیا جائے گا (1)؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

كُلُّ امْرِئٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مُضْطَهَدٌ بِبَطْنِ مَكَّةَ مَقْهُوْرٌ وَ مَفْتُوْرٌ

مکہ کی وادی میں اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ مظلوم، مغلوب اور عذاب دیا جا رہا ہے۔

فَذُقُوا فُسْكَتُكُمْ انہیں کہا جائے گا: اپنا عذاب چکھو (2)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اپنی آگ کا مزا چکھو۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو تم جھٹلاتے رہے ہو اس کا مزا چکھو۔ فراء نے کہا: اپنا عذاب چکھو۔  
 هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٥﴾ یعنی تم دنیا میں جس کی جلدی مچاتے رہے ہو۔ مذکر کی ضمیر ذکر کی مونث کی ضمیر ذکر نہیں کی کیونکہ یہاں فتنہ عذاب کے معنی میں ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٦﴾ اخْذِينَ مَا آتَاهُمْ رَأْبُهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ  
 ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٧﴾

”البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکو کار تھے۔“

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٦﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے انجام کا ذکر کیا تو مومنوں کے انجام کا بھی ذکر کیا یعنی مومن ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں جاری چشمے ہوں گے یعنی انتہائی پاکیزہ ہوں گے۔ اخْذِينَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

مَا آتَاهُمْ رَأْبُهُمْ ان کے رب نے انہیں جو ثواب اور مختلف قسم کی عزتیں عطا فرمائیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبر نے کہا: معنی ہے وہ فرائض پر عمل کرنے والے ہیں۔ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٧﴾ یعنی جنت میں داخل ہونے سے قبل دنیا میں وہ فرائض بجالانے والے تھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے فرائض کے لازم ہونے سے قبل وہ اپنے اعمال میں احسان کرنے والے تھے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٨﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٩﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ  
 حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٠﴾

”یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے۔“  
 اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٨﴾ يَهْجَعُونَ کا معنی ہے وہ سوتے ہیں۔ هَجُوعٌ کا معنی رات کو سونا ہے۔ تہجاء سے مراد ہلکی نیند ہے؛ ابوقیس بن اسلت نے کہا:

قَدْ حَصَّتِ الْبَيْضَةُ رَأْسِي لَمَّا أَطْعَمْتُ نَوْمًا غَيْرَ تَهْجَاعٍ

خود نے میرے سر کے بال مونڈ دیئے ہیں۔ میں تہجاء (ہلکی نیند) کے علاوہ کوئی نیند نہیں کرتا۔

عمرو بن معدیکرب اپنی بہن کے لیے شوق کا اظہار کرتا ہے جسے صمہ ابودرید بن صمہ نے گرفتار کر لیا تھا:

أَمِنْ رَيْحَانَةِ الدَّاعِي السَّيِّئِ يُوزِقُنِي وَأَصْبَحَانِي هُجُوعٌ

کیا ریحانہ کی جانب سے سنانے والا داعی (شوق) مجھے بیدار رکھتا ہے اور میرے ساتھی سوئے ہوئے ہیں۔  
یہ کہا جاتا ہے: هَجَعٌ يَهْجَعُ هَجُوعًا، هَبْطٌ، يَهْبِطُ هَبُوطًا۔ جب وہ سو جائے؛ یہ جوہری نے کہا۔ صاکی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائد ہے؛ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہے کَانُوا قَلِيلًا مِنَ الدَّلِيلِ يَهْجَعُونَ یعنی وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور اس کا اکثر حصہ نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

عطانے کہا: یہ اس وقت ہوا جب انہیں رات کے قیام کا حکم ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کمر کس لیتے تھے، عصا پکڑ لیتے تھے اس پر سہارا لیتے یہاں تک کہ رخصت نازل ہوئی قُمْ الْيَلَّ إِلَّا قَلِيلًا ① (مزل) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما زائد نہیں بلکہ قَلِيلًا پر وقف ہے پھر قُمْ الْيَلَّ مَا يَهْجَعُونَ سے کلام کا آغاز ہوگا۔ تو مانا فیه ہوگا ان سے نیند کی مطلقاً نفی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ رات کے وقت ہی تھوڑا سویا کرتے تھے بعض اوقات ان کی طبیعتوں میں نشاط ہوتی تو وہ سحری تک ذکر اذکار میں مشغول رہتے (1)۔ یعقوب حضری سے مروی ہے انہوں نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: کَانُوا قَلِيلًا اس کا معنی ہے ان کی تعداد تھوڑی تھی، پھر کلام کی ابتدا کی اور فرمایا: قُمْ الْيَلَّ مَا يَهْجَعُونَ یعنی وہ رات سے سوئے ہوئے ہیں۔ ابن الانباری نے کہا: یہ تعبیر فاسد ہے کیونکہ آیت ان کی نیند کی کمی پر دلالت کرتی ہے ان کی تعداد کی کمی پر دلالت نہیں کرتی اس کے بعد اگر ہم قُمْ الْيَلَّ مَا يَهْجَعُونَ سے آغاز کریں جس کا معنی ہے وہ رات سے بیدار رہتے ہیں اس میں ان کے لیے مدح نہیں کیونکہ تمام لوگ رات سوتے رہتے ہیں مگر اس صورت میں مانا فیه ہو۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگوں نے جو تاویل کی ہے یہ ضحاک کا قول ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی تھی تو کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہوگی جو ماقبل کلام یہ ہے اَلَهُمْ كَانُوا قَلِيلًا ذَلِكَ مُخْصِنِينَ یعنی وہ محسن تھوڑے تھے۔ پھر کلام کو شروع کیا فرمایا: قُمْ الْيَلَّ مَا يَهْجَعُونَ پہلی اور دوسری تاویل کی بنا پر کَانُوا قَلِيلًا قُمْ الْيَلَّ نیا خطاب ہوگا جب کہ پہلا خطاب مکمل ہو چکا تھا اور وقف مَا يَهْجَعُونَ پر ہوگا۔ اسی طرح جب تو قَلِيلًا کو کان کی خبر بنائے اور ماقبل کی وجہ سے محل رفع میں ہو، گویا فرمایا: رات کے وقت ان کی نیند تھوڑی ہوتی ہے۔ صا کے بارے میں جائز ہے کہ وہ تافیه ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کان کے اسم سے بدل ہونے کی بنا پر محل رفع میں ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی کان هَجَعَهُمْ قَلِيلًا مِنَ الدَّلِيلِ اگر تو ما کو زائد تسلیم کیا جائے قَلِيلًا کو نصب یهجعون کے ساتھ ہوگی، تقدیر کلام یہ ہوگی کَانُوا قَلِيلًا قَلِيلًا او هَجَعُوا قَلِيلًا یهجعون۔ اگر ما کو زائد نہ مانا جائے تو قَلِيلًا کان کی خبر ہوگی اور اسے یهجعون کے ساتھ نصب دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جب اس کی نصب یهجعون کے ساتھ ما کو مصدر یہ مقدر ماننے سے ہو تو صلہ موصول سے پہلے آتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ نے آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نہیں سوتے؛ یہ ابن وہب کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے بارے



میں نازل ہوئی۔ وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے پھر وہ قبا چلے جاتے۔ حضرت محمد بن علی بن حسین نے کہا: وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: گویا ان کی نیند کو نماز کے لیے ان کی بیداری کے مقابلہ میں قلیل شمار کیا۔ حضرت ابن عباس اور مطرف نے کہا: کوئی رات کم ہی ایسی ہوگی جو ان پر آتی ہو جس میں وہ نماز نہ پڑھتے ہوں وہ اس کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں یا آخری حصہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** رات کے وقت نماز پڑھنے والوں میں ایک سے یہ روایت مروی ہے کہ حالت نیند میں ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

وکیف تنام الدلیل عین قریباً ولم تدبر فی أئی البجالیس تنزل

مراد پانے کی خواہش رکھنے والی آنکھ کیسے رات کو سو سکتی ہے وہ نہیں جانتی کہ کون سی مجلس میں جا ترے گی۔

بنو ازد کے ایک بندے سے مروی ہے اس نے کہا: میں رات کو نہیں سوتا تھا میں رات کے آخری پہر سویا تو اچانک میں دونوں جوانوں کے پاس تھا جو میں نے لوگ دیکھے تھے ان میں سے وہ حسین ترین تھے ان کے پاس حلے تھے وہ ہر نمازی کے پاس کھڑے ہوئے اور اسے ایک حلہ پہنایا پھر وہ سونے والوں کے پاس پہنچے اور انہیں حلہ نہ پہنایا۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ان حلوں (کپڑوں کا جوڑا) میں سے ایک حلہ مجھے بھی پہنادو۔ انہوں نے مجھے کہا: یہ لباس کا حلہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حلہ ہے جو ہر نمازی پر اترتا ہے۔

ابوخلاد سے مروی ہے اس نے کہا: میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ میرے لیے قیامت کا منظر پیش کیا گیا میں نے اپنے بھائیوں میں سے کچھ کو دیکھا ان کے چہرے روشن تھے، ان کے رنگ چمک رہے تھے اور ان پر حلے تھے جو عام مخلوق کے لباس نہیں تھے میں نے کہا: کیا وجہ ہے یہ لوگ لباس پہنے ہوئے ہیں جب کہ لوگ ننگے ہیں، ان کے چہرے روشن ہیں جب کہ لوگوں کے چہرے غبار آلود ہیں؟ تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا: جن کو تو نے لباس میں دیکھا ہے وہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھتے تھے، جن کے چہرے روشن ہیں وہ بیداری اختیار کرنے والے اور تہجد پڑھنے والے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو عمدہ سواریوں پر دیکھا میں نے پوچھا ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ سوار ہیں جب کہ لوگ پیدل اور ننگے پاؤں ہیں؟ تو ایک کہنے والے نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین بدلہ دیا تو میں نے نیند میں چیخ ماری۔ عبادت گزاروں کے لیے مبارک ہو ان کا مقام کتنا معزز ہے پھر میں نیند سے بیدار ہوا تو میں خوفزدہ تھا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** وَاللَّيْلُ سَحَابُهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٥٠﴾ یہ دوسری مدح ہے وہ اپنے گناہوں کی استغفار کرتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ سحری کا وقت ایسا وقت ہے جس میں دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحری کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو اس نماز کو

استغفار کا نام دیا گیا (1)۔ حضرت حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّذِينَ صَافَّوْا** کے بارے میں کہا: انہوں نے رات کے پہلے پہر سے سحری تک نماز کو لمبا کیا پھر سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ ابن وہب نے کہا: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی وہ قبا سے آتے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے۔ ابن وہب، ابن لہیعہ سے وہ یزید بن ابی حبیب سے روایت نقل کرتے ہیں: مراد وہ لوگ ہیں جو پھل کی شرط پر ڈولوں کی مدد سے کچھ انصاریوں کے باغوں کو پانی دیتے پھر تھوڑا سو جاتے اور رات کے آخری پہر نماز پڑھا کرتے تھے۔

ضحاک نے کہا: مراد صبح کی نماز ہے۔ احنف بن قیس نے کہا: میں نے اپنے عمل کو جنتیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جو ہم سے بہت ہی دور تھے ہم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ راتوں کو کم سوتے تھے۔ میں نے اپنے عمل کو جہنمیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جن میں کوئی بھلائی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلاتے ہیں ہم نے اپنے میں سے بہترین افراد کو ایسی قوم پایا جنہوں نے اچھے اور برے عمل کو خلط ملط کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ** ⑤ یہ تیسری مدح ہے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ نے کہا: حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں حق سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس کے ساتھ وہ صلہ رحمی کرتا ہے، مہمان کی ضیافت کرتا ہے، بے کس کا بوجھ اٹھاتا ہے یا محروم کو غنی کرتا ہے (2)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: اس آیت کے بارے میں قوی قول زکوٰۃ ہے کیونکہ سورۃ سائل سائل میں ہے **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ** ⑤ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ ہی ہے شرع نے جس کی مقدار، اس کی جنس اور اس کے وقت کو بیان کیا ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو اس کو کہتا ہے وہ معلوم نہیں کیونکہ اس کی مقدار، اس کی جنس اور وقت معلوم نہیں۔

**مسئلہ نمبر 5۔** **لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ** ⑤ سائل اسے کہتے ہیں جو اپنے فاقہ کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ محروم سے مراد وہ ہے جسے مال سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء نے کہا: محروم سے مراد وہ مجبور آدمی ہے جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: محروم سے مراد وہ محنت مزدوری کرنے والا ہے جس کو اس کی کمائی کفایت نہ کرتی ہو یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل محارف محدود مسائل والا محروم، یہ تیرے اس قول کی ضد ہے؛ مبارک یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد حُورِفَ كَسْبُ فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی روزی میں سختی کر دی گئی ہو، گویا اس کا رزق اس سے پھیر دیا گیا ہے۔

قتادہ اور زہری نے کہا: محروم سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا اور اپنی حاجت سے آگاہ بھی نہیں



کرتا۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن حنفیہ نے کہا: محروم وہ آدمی ہے جو غنیمت کے حاصل ہونے کے بعد کرتا ہے اور اس مال غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا (1)۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہوں نے دشمن کو پالیا اور مال غنیمت حاصل کیا جب یہ ہم سے فارغ ہو گئے تو کچھ لوگ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال باقی نہ ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پھل، بھیتی یا جانوروں کی نسل میں کوئی آفت واقع ہو گئی ہو۔ قرطبی نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جسے مصیبت پہنچی پھر اس نے یہ کلمات تلاوت کیے اِنَّا لَمَعْرُومُونَ ﴿۱﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲﴾ (الواقہ)

ابو قلابہ نے کہا: اہل یمامہ کا ایک آدمی تھا جس کا مال تھا سیلاب آیا تو اس کا مال برباد کر دیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: یہ محروم ہے اس کے لیے حصہ مقرر کر دو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو دنیا طلب کرتا ہے اور وہ اس سے اعراض کرتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ عبدالرحمن بن حمید نے کہا: محروم سے مراد مملوک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کتا ہے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھے ایک کتا آیا حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بکری کا ایک بازو نکالا اور اس کتے کی طرف پھینک دیا فرمایا: لوگ کہتے ہیں یہ محروم ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: محروم وہ ہے جس کے فقر کی وجہ سے اس کا نفقہ اس کے رشتہ داروں پر لازم کر دیا گیا ہو کیونکہ اس کو اس کی ذات کی کمائی سے محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفقہ غیر کے مال میں سے لازم ہو جاتا ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد وہ ہے جسے رزق سے محروم کر دیا گیا ہو۔ یہ اچھا قول ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

امام شعبی نے کہا: جب سے میں بالغ ہوا ہوں آج مجھے ستر سال ہو چکے ہیں میں محروم کے بارے میں سوال کرتا رہا ہوں آج میں اس دن سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ شعبہ نے عاصم احول سے وہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لغت میں اس کا اصل معنی ممنوع ہے جس کو روک دیا گیا ہو۔ یہ حرمان سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا ہے۔ علقمہ نے کہا:

وَمُطْعَمُ الْغَنَمِ يَوْمَ الْغَنَمِ مُطْعَمُهُ اَنْ تَوَجَّهَ وَالْمَحْرُومُ مَحْرُومُهُ

جس کو غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہو غنیمت والے دن اسے غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہے وہ جہاں بھی جائے جب کہ جسے روک دیا جائے وہ محروم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فقراء کی جانب سے اغنیاء کے لیے ہلاکت ہے فقراء کھڑے ہوں گے وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہمارے ان حقوق کو روک لیا جو تو نے ہمارے حق

میں ان پر فرض کیے تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری عزت و جلال کی قسم! میں تمہیں قریب کروں گا اور انہیں دور کروں گا۔ (1)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا:

وَلِيَّ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْزُومِ ۝ اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّمَّا أَنْتُمْ تُخِطُّونَ ۝

”اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لیے اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو۔“

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ جب دونوں فریقوں کے معاملہ کا ذکر کیا تو اس امر کو بیان فرمایا کہ زمین میں ایسی علامات ہیں جو بعثت اور نشور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے تو پھر وہاں نباتات اگ آتی ہے، ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں رزق کو مقدر کیا جو حیوانات کے لیے سہارا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے وہ مختلف علاقوں میں جاتے ہیں جن میں ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں جو جھٹلانے والی قوموں پر ہلاکت واقع ہوتی تھی۔ موقنین ہی حقیقت میں رب العالمین کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کی صداقت کو پہچاننے والے اور ثابت کرنے والے ہیں ان کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہی ان آیات اور ان کے نتائج سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے: وَفِي الْأَرْضِ وَفِي أَنْفُسِكُمْ آیات لِّلْمُوقِنِينَ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے جو آدمی زمین میں گھومتا پھرتا ہے تو وہ آیات اور عبرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اپنی ذات میں غورو فکر کرتا ہے تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ اسے اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ ابن زبیر اور مجاہد نے کہا: مراد بڑی، چھوٹی حاجت کا راستہ ہے (2)۔

سائب بن ثریک نے کہا: انسان کھاتا پیتا ایک جگہ سے ہے اور یہ چیزیں دو جگہ سے نکلتی ہیں جو آدمی خالص دودھ پیتا ہے تو اسی سے پانی اور اسی سے براز نکلتا ہے۔ یہ نفس آیت ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل بنادیے کہ اِذَا أَنْتُمْ يَسْتَشِيرُونَ ۝ (الروم)

سدی نے کہا: وَفِي أَنْفُسِكُمْ سے مراد ہے تمہاری زندگی اور تمہاری موت میں اور جو کچھ تم میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ تم سے نکلتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: شباب کے بعد بڑھاپے میں، قوت کے بعد ضعف میں، سیاہ بالوں کے بعد سفید بالوں میں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے تمہیں پیدا کرنے میں یعنی نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کا لوتھڑا اور ہڈی یہاں



تک کہ اس میں روح پھونکی، زبانیں، رنگ اور صورتیں مختلف بنائی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ظاہری اور باطنی نشانیاں ہیں تیرے لیے دل، ان میں جو عقول رکھ دیئے گئے ہیں، ان میں معانی اور فنون کی جو انواع خاص کر دی گئی ہیں، زبانیں، قوت گویائی، حروف کے مخارج، آنکھیں اور باقی ماندہ تمام اعضاء، ان امور کو بجالانا جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا، جوڑوں سے اعضاء میں جو یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک طرف مڑ جاتے ہیں اور دوسرے ہو جاتے ہیں جب ان میں سامنے کوئی چیز خشک ہو جائے تو ان میں عجز واقع ہو جاتا ہے اور جب وہ ڈھیلے ہو جائیں تو بے بسی ڈیرا لگالیتی ہے۔ فَتَلَوُّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلْقِينَ ⑩ (المومنون)

اَفَلَا تُبْصِرُونَ ⑪ کیا تمہارے دلوں میں بصیرت نہیں کہ تم اس کی کمال قدرت کو پہچان لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کیا تم عاجز کی کامیابی اور محتاط کی محرومی نہیں دیکھتے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ عبرت حاصل کرنے میں مراد ہے ہم نے سورہ بقرہ کی آیت توحید میں یہ بحث ذکر کر دی ہے کہ بدن انسانی جو عالم صغیر ہے اس میں جو کچھ ہے عالم کبیر میں اس کی مثال موجود ہے ہم نے وہاں قیام کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے حوالے سے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور جو آدمی غور و فکر کرتا ہے وہ اسے دوسری بحث سے بے نیاز کر دے گا۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ⑫ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: یہاں رزق سے مراد وہ چیز ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسے بارش اور برف جس کے ذریعے کھیتی اگتی ہے اور مخلوق زندگی پاتی ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد ہر جاری چشمہ ہے کیونکہ یہ برف سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے جب آپ بادل دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارے لیے رزق ہے مگر تم اپنی غلطیوں کی وجہ سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔ علماء معانی نے کہا: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ کا معنی ہے بارش میں تمہارے لیے رزق ہے۔ بارش کو سماع کا نام دیا کیونکہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إِذَا سَقَطَ السَّمَاءُ بِأَرْضٍ قَوْمٍ رَعِينَاهُ وَإِنْ كَانُوا غَضَابًا

جب کسی قوم کی سرزمین میں بارش نازل ہوتی ہے تو ہم اس کی گھاس کو چرتے ہیں اگرچہ وہ لوگ بہت ہی غصیلے ہوں۔ ابن کسیر نے کہا: معنی ہے آسمان کے ذمہ تمہارا رزق ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور تمہارے لیے جو کچھ ہے وہ ام الكتاب میں لکھا ہوا ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے (2) کہ واصل احدب نے ان کلمات وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ کو پڑھا کہنے لگے: خبردار! میں اپنے رزق کو آسمان میں پاتا ہوں اور اسے تلاش زمین میں کرتا ہوں۔ وہ ایک کھنڈر میں داخل ہوئے وہ تین دن تک وہاں

رہے کسی چیز کو نہ پایا تیسرے دن انہوں نے تر کھجوروں کی ایک ٹوکری پائی اس کا ایک بھائی اچھی نیت والا تھا وہ اس کے ساتھ داخل ہوا تو وہ دو ٹوکریاں ہو گئیں ان کا یہی طریقہ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کی۔ ابن محصین اور مجاہد نے اسے پڑھا وَفِي السَّمَاءِ مِزْقُكُمْ اسی طرح اس کے آخر میں پڑھا ان اللہ هو الرزاق۔

وَمَا تَوْعَدُونَ مجاہد نے کہا: مراد خیر اور شر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں نے کہا: یہاں اس سے مراد صرف خیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف شر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد جنت ہے یہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: وَمَا تَوْعَدُونَ سے مراد جنت اور دوزخ ہے (1)۔ ابن سیرین نے کہا: وَمَا تَوْعَدُونَ سے مراد قیامت ہے: یہ ربیع کا بھی قول ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ

اللہ تعالیٰ نے انہیں بعث بعد الموت اور آسمان میں جس رزق کی تخلیق فرمائی ہے اس کی جو خبر دی تھی اس کو موکد کیا اس پر یہ قسم اٹھائی کہ یہ حق ہے اور پھر اس فرمان فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَحَقٌّ ۝ کو موکد کیا اور حواس میں سے نطق کو خاص کیا کیونکہ اس کے علاوہ جو حواس ہیں ان میں مثل (شبہ) متحقق ہو سکتی ہے جس طرح آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے جب صفراء کا غلبہ ہو تو چکنا محال ہو جاتا ہے، اسی طرح کانوں میں دوتی اور طنین (بھنھناہٹ) واقع ہو سکتی ہے، قوت گویائی اس سے محفوظ ہوتی ہے۔ صدائے بازگشت سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب گفتگو کرنے والا کلام کر لے اس میں ایسی چیز کی آمیزش نہیں ہوتی جو اس پر معاملہ کو مشتبہ کر دے۔

ایک حکیم نے کہا: جس طرح ہر انسان خود بات کرتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کی زبان سے بات کرے اسی طرح ہر انسان اپنا رزق کھاتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کا رزق کھائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا قاتل اللہ اقواما اقسام لهم ربهم بنفسه ثم لم يصدقوه، قال اللہ تعالیٰ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ (2) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی ذات کی قسم اٹھائی پھر بھی انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ۔

اصمعی (3) نے کہا: ایک دفعہ میں بصرہ کی مسجد سے آیا کہ ایک بدو جو اکھڑ مزاج، ترش رو اپنی سواری پر موجود تھا اس نے تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں کمان تھی وہ قریب ہوا اور سلام کیا اس نے پوچھا: تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میں نے کہا: میں بنی اصمعی سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس نے پوچھا: تو اصمعی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا: اس جگہ سے آیا ہوں جہاں رحمن کے کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: رحمن کا کلام ہے جسے لوگ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس میں سے کچھ مجھ پر پڑھو تو میں نے اس پر اس سورت کو وَفِي السَّمَاءِ مِزْقُكُمْ تک پڑھا اس نے کہا: اے اصمعی! کافی ہے۔ پھر اپنی اونٹنی کی طرف اٹھا اسے ذبح کیا اس کی جلد اتاری اور



کہا: اس کے تقسیم کرنے میں میری مدد کرو۔ ہم نے اس کا گوشت آنے جانے والے پر تقسیم کر دیا پھر اس نے تلوار اور کمان کا قصد کیا ان دونوں کو توڑ دیا اور ان دونوں کو کجاوے کے نیچے رکھ دیا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ کہہ رہا تھا: **وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ** ⑩ میں نے اپنے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو ملامت کی۔ پھر میں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اسی اثنا میں کہ میں طواف کر رہا تھا تو میں ایک کمزوری آواز کے پاس تھا میں متوجہ ہوا تو میں اسی بدو کے پاس تھا وہ انتہائی کمزور اور زرد رنگ والا ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: مجھ پر رحمن کا کلام پڑھو اور مقام ابراہیم کے پاس مجھے بٹھالیا، تو میں نے سورۃ الذاریات پڑھی یہاں تک کہ **وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ** ⑩ تک پہنچا اس بدو نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہم نے اسے حق پایا ہے۔ اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی کلام ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ** ⑪ بدو نے چیخ ماری کہا: سبحان اللہ! کس نے رب جلیل کو غضبناک کیا ہے یہاں تک کہ اس نے قسم اٹھائی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تصدیق نہ کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قسم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یہ بات تین دفعہ کہی تو اس کی روح نفس غصری سے پرواز کر گئی۔

یزید بن مرشد نے کہا: ایک آدمی کو ایسی جگہ بھوک لگ گئی جہاں کوئی چیز نہ تھی اس نے عرض کی: اے اللہ! جس رزق کا تو نے وعدہ کیا ہے تو وہ مجھے عطا کر تو وہ اسی وقت سیر ہو گیا۔ کھانے اور پینے کے بغیر اس کا پیٹ بھر گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ فَنَ مِنْ رِزْقِهِ لَتَبِعَهُ كَمَا يَتَّبِعُ السَّمُوتُ أَكْرَمَ مِمَّنْ سَمُوَتْ** اگر تم میں سے کوئی اپنے رزق سے بھاگتا ہے تو رزق اس کا پیچھا کرتا ہے جس طرح موت اس کا پیچھا کرتی ہے: اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حبہ اور سواء جو خالد کے بیٹے ہیں سے مروی ہے، دونوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کوئی کام کر رہے تھے ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی آپ نے فرمایا: **لَا تَيَاسَا مِنَ الرِّزْقِ مَا تَهْزَتُ رُؤُوسُكُمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ تَلَدًا أَمَّهُ أَصْرُ لَيْسَ عَلَيْهِ قِسْمٌ يَرْزُقُهُ اللَّهُ (1)** جب تک تمہارے سر حرکت کرتے ہیں (یعنی تم زندہ ہو) تم رزق سے مایوس نہ ہو کیونکہ انسان تلدہ انسان کو اس کی ماں گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں جنتی ہے اس پر لباس بھی نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق باہم پہنچاتا ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ بدو لوگوں میں سے ایک قوم نے کھیتی کاشت کی اسے ایک آفت نے آیا وہ اس وجہ سے قتل ہوئے ایک بدوی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا: کیا وجہ ہے تم نے اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں، تمہارے سینے تنگ ہو چکے ہیں جب کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے، ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے وہ ہمیں عطا فرماتا ہے جہاں سے چاہتا ہے پھر وہ یہ شعر پڑھنے لگی:

لَوْ كَانَ فِي صَعْرَةٍ فِي الْبَحْرِ رَاسِيَةً صَعْرًا مُلْتَمِئَةً مَلَسًا نَوَاجِيهَا  
رِزْقِي لِنَفْسٍ بَرَاهًا لَانْفَلَقَتْ حَتَّى تَوْدَى إِلَيْهَا كُلَّ مَا فِيهَا  
أَوْ كَانَ بَيْنَ طَبَاقِ السَّيَمِ مَسْلُكُهَا لَسَهَّلَ اللَّهُ فِي الْمَرْقِ مَرَاقِيهَا  
حَتَّى تَنَالَ الَّذِي فِي الدُّومِ حُطٌّ لَهَا إِنَّ لَمْ تَنَلْهُ وَإِلَّا سَوْفَ يَأْتِيهَا

اگر ایسی چٹان جو سمندر میں گڑھی ہوئی ہو اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اس کے اطراف بڑے چکنے ہوں اس میں کسی نفس کا رزق ہو جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ وہ نفس کو تمام کچھ دے گی جو اس میں ہوگا یا وہ رزق وہاں ہو جس تک پہنچنے کے لیے نفس کو سات آسمان چڑھنا پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نفس کے لیے وہاں چڑھنا آسان بنا دے گا یہاں تک کہ وہ وہ پالے گا جو لوح محفوظ میں اس کے لیے لکھا ہوگا اگر اس نے ابھی تک اسے نہیں پایا تو عنقریب وہ رزق خود اس کو تلاش کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں اشعریوں کا قصہ بھی ہے جب انہوں نے اپنا قاصد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ يَرْزُقُهَا (ہود: 6) وہ لوٹ آیا اور نبی کریم ﷺ سے گفتگو نہ کی اور کہا: اشعری اللہ تعالیٰ کے چوپاؤں سے زیادہ ذلیل نہیں۔ ہم نے اس کا ذکر سورہ ہود میں کیا ہے۔ لقمان نے کہا: يٰٓأَيُّهَا إِنَّا نَكُنْ وَثِقَالٌ حَمَقٌ خَرَدَلٌ فَكُنْ فِي صَحْرَةٍ (لقمان: 16) یہ بحث سورہ لقمان میں گزر چکی ہے ہم نے یہ بحث کتاب قصص الحرام بالذهد والقناعة میں مفصل بیان کی ہے۔ الحمد للہ۔

یہی وہ حقیقی توکل ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں، یہی رب العالمین کے ساتھ لو لگا کر غیر سے دل کو فارغ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اپنے احسان اور کرم کے ساتھ اپنے سوا کسی اور کے حوالے نہ کرے۔

وَمَثَلُ مَا أَلْكُمْ تُنْطِقُونَ ۝ عام قرأت مثل کے نصب کے ساتھ ہے یہ کاف حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کشل نطقکم اس میں مازائدہ ہے: یہ بعض کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے تاکید کے طور پر منصوب ہو، تقدیر کلام یہ ہو لحن حقاً مثل نطقک گویا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

سیبویہ کا قول ہے: یہ جہنی ہے کیونکہ یہ جہنی کی طرف مضاف ہے اور مازائدہ ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ مازنی نے کہا: مثل، مع کے ساتھ مل کر ایک شے کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے یہ جہنی برفتحہ ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: کیونکہ عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مثل کو ہمیشہ منصوب بناتے ہیں تو کہتا ہے: قَالَ لِي رَجُلٌ مَثَلٌ، مردت ہر رجل مَثَلٌ۔

ابو بکر، حمزہ، کسائی اور اعش نے مثل کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ حق کی صفت ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے کیونکہ مثل کے لفظ میں اضافت کے باوجود اختصاص پیدا نہیں ہوتا۔

مثل کا لفظ أَلْكُمْ کی طرف مضاف ہے اور مازائدہ ہے اس کا ما بعد مصدر کے حکم میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ساتھ



کوئی ایسا فعل نہیں جس کے ساتھ مل کر وہ مصدر ہو جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لَحَقَّ سے بدل ہو۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٦٠﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ

سَلَامٌ ۖ قَوْمٌ مُّنتَكِرُونَ ﴿٦١﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَبِينٍ ﴿٦٢﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ

قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٦٣﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٦٤﴾

”اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا: کھاتے کیوں نہیں؟ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے وہ بولے ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی۔“

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٦٠﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تا کہ اس کے ساتھ اس امر کی

وضاحت کرے کہ وہ آیات کو جھٹلانے والے کو ہلاک کر دے گا جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔

هَلْ أَتَاكَ يٰ اِيْمَانُ يٰ اِيْمَانُ کے معنی میں ہے یعنی کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ۔ قد کے معنی

ہیں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الانسان: 1) حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو سورہ ہود اور سورہ حجر میں گزر چکی ہے۔

الْمُكْرَمِينَ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلِّ عِبَادَ هٰٓؤُلَاءِ مُؤَنَ ﴿٦٠﴾ (الانبياء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل ہیں۔ عثمان بن حصین نے یہ

زائد ذکر کیا ہے اور حضرت رفاہیل علیہم السلام۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت جبریل امین اور ان کے نو ساتھی مراد ہیں۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: یہ تین فرشتے

تھے حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں مکرمین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ خوف زدہ نہیں تھے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ

نے انہیں مکرمین اس لیے کہا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ان کی خدمت کی تھی۔ عبد الوہاب نے کہا: علی بن عیاض

نے مجھے کہا میرے ہاں ہر یہ (ایک کھانا جو گندم اور گوشت کو کوٹ کر بنایا جاتا ہے) ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا:

میری اس بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔ کہا: ہمارے ساتھ چلو، میں گھر میں داخل ہوا آپ نے غلام کو بلایا تو وہ غائب

تھا مجھے کسی امر نے مضطرب نہ کیا مگر اس چیز نے کہ انہوں نے پانی والا برتن اور تھال اٹھایا ہوا تھا اور ان کے کندھے پر

رومال تھامیں نے بے ساختہ کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، کاش! میں جانتا اے ابائکسن کہ معاملہ اس طرح ہے۔ فرمایا:

اپنے اوپر آسانی لاؤ آپ ہمارے ہاں بڑے معزز ہیں۔ مکرم اسے کہتے ہیں جس کی ذاتی طور پر خدمت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کو دیکھیے: **هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمُونَ** ③۔

اِذْ خَلَوْا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا سوره جمر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

**قَالَ سَلَامٌ** یعنی کہا: تم پر سلام ہو، یہ تقدیر بھی جائز ہے امری سلام یا ردی لکم سلام۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے **سَلَمٌ** پڑھا ہے یعنی سین مکسور ہے۔

**قَوْمٌ مُّكْرَمُونَ** ④ تقدیر کلام یہ ہے اتم قوم منکرمون یعنی تم اجنبی لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ نے انہیں انسانی شکل میں نہیں دیکھا تھا اور یا انہیں ان فرشتوں کے علاوہ صورت میں دیکھا تھا جنہیں آپ پہچانتے تھے تو آپ نے اجنبی خیال کیا کہا: **قَوْمٌ مُّكْرَمُونَ**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے انہیں اجنبی اس لیے خیال کیا کیونکہ وہ اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس زمانہ اور اس علاقہ میں ان کے سلام کو عجیب خیال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ ان سے ڈر گئے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکرتہ۔ میں اس سے ڈر گیا۔ شاعر نے کہا:

**فَأَنْكَرْتَنِي وَمَا كَانَ الَّذِي نَكَرْتُ مِنْ الْحَوَادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ الضَّلْعَا (1)**

اس نے مجھے ڈرا دیا جب کہ وہ بڑھا پے اور گنچے پن کے علاوہ کسی چیز سے ڈرنے والا نہیں تھا۔

**فَرَأَاهُ إِلَى أَهْلِهِ زَجَاجَ** نے کہا: آپ اپنے اہل کی طرف گئے۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ کہا جاتا ہے: اراغ اور ارتاغ دونوں کا معنی طلب کرنا ہے۔ ما ذاترہ جو کیا ارادہ کرتا ہے اور تو کیا طلب کرتا ہے۔ اراغ الی کذا وہ رازداری سے اس کی طرف مائل ہوا اور راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر اراغ اور ارتاغ دونوں لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے۔

**فَجَاءَ بِعُجْلٍ سَمِينٍ** ⑤ آپ مہمانوں کے پاس ایسا بچھڑا لائے جس کو ان کے لیے بھونا تھا جس طرح سورۃ ہود میں ہے۔ **فَمَا لِهَکَ أَنْ جَاءَ بِعُجْلٍ حَنِینٍ** ⑥ (ہود) یہ کہا جاتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کی طرف گئے جس طرح مہمان سے چوری چھپے کام کرنا چاہ رہے ہوں تاکہ ان کے لیے جو کھانا بنانا چاہتے ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

**فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ** بھونا ہوا بچھڑا انہیں پیش کیا۔ **قَالَ لَا تَأْكُلُون** ⑦ قنادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمومی مال گائے کی نسل سے تھا آپ نے ان کی زیادہ تعظیم بجالانے کے لیے ایک موٹا بچھڑا لیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک لغت میں **عُجْلٌ** کا معنی بکری ہے، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ صحاح میں ہے: **عُجْلٌ**، گائے کے بچے کو کہتے ہیں **عُجُولٌ** اسی کی مثل ہے جمع **عُجُلٌ** ہے، مونث **عُجْلٌ** ہے۔ ابو جراح سے مروی ہے: ہقراہ معجل یعنی بچھڑے دالی گائے۔ **عُجْلٌ**، ربیعہ کا ایک قبیلہ ہے۔

**فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً** ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو دل میں خوف ہوا۔ لوگوں کا طریقہ یہ تھا جو انسان کسی کا کھانا کھا لیتا تو اس کی جانب سے امن خیال کیا جاتا۔ عمرو بن دینار نے کہا: فرشتوں نے کہا ہم قیمت دے کر ہی کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا: کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت ادا کر دینا۔ انہوں نے



پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ فرمایا: جب تم اسے کھاؤ تو اللہ کا نام لو اور جب تم فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورہ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیمؑ میں خوف کے آثار دیکھے تو کہا: لَا تَخَفْ اور آپ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور قاصد ہیں۔

وَبَشِّرُوهُ بِالْعِلْمِ عَلِيمٌ ﴿۷۱﴾ آپ کو ایسے بچے کی بشارت دی جو آپ کی زوجہ حضرت سارہ سے پیدا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے یہ بتایا کہ وہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان کی تصدیق نہ کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کو زندہ کر دیا جو آپ نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ عون بن ابی شداد نے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل امینؑ نے بچھڑے کو اپنا پر مارا وہ چلنے لگا یہاں تک کہ اپنی ماں تک جا پہنچا اور بچھڑے کی ماں گھر میں تھی۔ عَلِيمٌ کا معنی ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا عالم ہوگا۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ جس بچے کی بشارت دی گئی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا: وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَلَبِثُمْ لَهَا يَوْمًا سَاعَةً (سورہ ہود: 71) یہ نص ہے۔

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوا كَذَلِكِ

قَالَ رَبُّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۷۳﴾

”پس آئی آپ کی بیوی چپیں بجیں ہو کر اور (فرط حیرت) سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرے پر اور بولی (میں)

بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا: ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے، بے شک وہی

بڑا داناسب کچھ جاننے والا ہے۔“

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ۔ صَرَّةٌ کا معنی چیخ اور شور ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اسی سے صریح الباب ہے، جس سے مراد دروازے کی آواز ہے عکرمہ۔ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اوہ کا کلمہ کہنا ہے۔ یہاں اقبال سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقبل یشتبہی وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورتوں کی ایک جماعت میں آئیں تاکہ فرشتوں کی گفتگو سنیں۔ جوہری نے کہا: صرہ کا معنی شور و غل کرنا اور چیخنا ہے اور صرہ کا معنی جماعت ہے اور صرہ کا معنی سخت مصیبت ہے۔ امرء القیس نے کہا:

فَأَلْحَقَهُ بِالْهَادِيَاتِ دُونَهُ جَوَّاحِرُهَا فِي صَرَّةٍ لَمْ تَزَلِ (1)

یہ گھوڑا جب جنگلی گائیوں کے ابتدائی حصہ تک پہنچا اس کے پیچھے والی گالیاں جماعت میں تھیں جو بکھری نہیں۔

یہ شعر تینوں مذکورہ وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ صرۃ القیظ سے مراد اس کی گرمی کی شدت ہے۔ جب حضرت سارہ نے بشارت کو سنا تو اپنے چہرے پر ضرب لگائی یعنی جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے وہ تعجب کے وقت اپنے چہرے پر ہاتھ مارتی ہیں؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا اس نے اپنے

منہ پر طمانچہ مارا۔ صک کا اصل معنی مارتا ہے۔ صکھ اس نے اسے مارا۔ راجز نے کہا:  
یا کر وانا صک فاکبانا

کرو ان بھورے رنگ کا پرندہ جو رات کو نہیں سوتا۔

اموی نے کہا: کَبَنَ الظبی یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ہرن زمین سے چمٹ جائے۔ الْبَان کا معنی بھی یہی ہے۔  
وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝ یعنی کیا بوڑھی بانجھ عورت بچہ جنے گی؟ زجاج نے کہا: معنی ہے میں بوڑھی اور بانجھ ہوں میں  
کیسے بچہ جنوں گی؟ جس طرح کہا: یُولِیْئِیْءُ الْہٰدِ وَاَنَا عَجُوزٌ (ہود: 72)  
قَالُوا کَذٰلِکَ یعنی بات اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے اور ہم نے تجھے خبر دی ہے۔ قَالَ رَبُّکَ تِیْرٌ رَّبٌّ  
کافر مان ہے تو اس میں شک نہ کر۔

بشارت اور ولادت کے درمیان ایک سال کا طویل عرصہ تھا حضرت سارہ کی اس سے پہلے اولاد نہ ہوئی تھی۔ انہوں  
نے اس وقت بچا جننا جب ان کی عمر نو اسی سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو سال تھی۔ یہ بحث  
پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّہٗ ہُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝ جو کچھ وہ عمل کرتا ہے اس میں حکیم ہے اور مخلوق کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔  
قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ اَیُّہَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ۝  
لِنُرْسِلَ عَلَیْہِمُ حَمَآرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ۝  
فَاَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِیْہَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِیْہَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ  
السُّلَیْمِیْنَ ۝ وَتَرٰکُمْ فِیْہَا اٰیۃً لِّلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝

”آپ نے پوچھا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم  
پیشہ ہے تاکہ ہم برسا کیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف  
سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال دیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو۔ پس  
نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی ایک نشانی ان لوگوں (کی  
عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ اَیُّہَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں کیونکہ انہوں نے  
پچھڑے کو زندہ کر دیا تھا اور بچے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا: فَمَا خَطْبُکُمْ تمہارا کیا معاملہ  
اور کیا قصہ ہے اے بھیجے گئے فرشتو!؟

قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ۝ قوم سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں مجرم



قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ جَنَّاتًا مِّنْ طِينٍ ۖ یعنی ہم ان پر مٹی کے بنے پتھر برسائیں۔ مُسَوَّمَةً جن پر نشان لگے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر سیاہ اور سرخ خط لگے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اس میں معروف تھے کہ یہ عذاب کے پتھر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر پتھر پر اس کا نام لکھا ہوا تھا جس نے اس کے ساتھ ہلاک ہونا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر مہریں سی لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب بحث سورہ ہود میں گزر چکی ہے۔ پتھر ان کے مسافروں اور بکھرے ہوئے الگ تھلگ لوگوں کا پیچھا کرتے تو ان میں سے کوئی مخبر بھی نہ بچا۔

عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے رجم کا فیصلہ کیا تھا اس کو رجم کرنے کے لیے انہیں تیار کیا۔ پھر کہا گیا: وہ اس طرح کپے ہوئے تھے جس طرح اینٹ پکائی جاتی ہے، یہ ابن زید کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: جَنَّاتًا مِّنْ سِجِّيلٍ ۖ (الحجر) کا یہی معنی ہے۔ جس کی وضاحت سورہ ہود میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے ہم دیکھتے ہیں جس کی اصل مٹی ہوتی ہے۔ یہ پتھر اس طرح بنتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سورج اسے جلا دیتا ہے۔ اسے طین کہا گیا تاکہ یہ علم ہو یہ پانی سے بنا ہوا پتھر نہیں جو اولہ ہوتا ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

فَاُخْرِجْنَا مِنْهَا مَنِ الْكَافِرِينَ ۖ جب ہم نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے جو مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا تاکہ مومن ہلاک نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاسْرِ يَا هَٰذَا (الحجر: 65) سے یہی مراد ہے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۖ الْمُسْلِمِينَ سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور اس کی بیٹیاں ہیں۔ اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یہ ہے فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ اَهْلِ بَيْتٍ کَہی یہ کہا جاتا ہے بیت شریف اس سے مراد اہل ہوتا ہے۔ فیہا یہ قریہ سے کفایہ ہے اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ معنی ذہن میں موجود ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۚ قریہ پر دال ہے، کیونکہ وہ قوم قریہ میں ہی رہائش پذیر تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاء کی ضمیر جماعت کے لیے ہے۔ مومنوں اور مسلموں یہاں برابر ہیں جنس کا ذکر کیا تاکہ تکرار کی ضرورت نہ پڑے، جس طرح فرمایا: اِنَّمَا اَشْكُوْا بَٰئِنِیْ وَحٰوِلٰی اِلٰی اللّٰهِ (یوسف: 86)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے۔ ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں۔ پہلی آیت میں مومنین کہا کیونکہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اِمَّا ظَنُّوْا (الحجرات: 14)

یہ ایمان اور اسلام میں فرق پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب میں مذکورہ حدیث جبریل کا مقتضا بھی یہی ہے ہم نے اس کی وضاحت کئی مقامات پر کی ہے۔

وَتَرٰکُنَا فِیْهَا اٰیَةً ۚ ہم نے اس زمانہ اور ان کے بعد کے زمانہ کے لوگوں کے لیے عبرت اور علامت رکھ دی ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَقَدْ تَرٰکُنَا مِنْهَا اٰیَةً ۚ بَٰئِنَہٗ لَقَوْمٌ یَّعْقِلُوْنَ ۖ (العنکبوت) ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیۃ

مترکہ سے مراد برباد ہستی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ڈھیر لگے پتھر جن کے ساتھ انہیں رجم کیا گیا وہی آیت ہے۔  
لَئِنْ يَنْ يَخَافُونَ خَوْفَ كَرْنِ وَالْوَلُوكَ اس لیے خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

وَفِي مُوسَى إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَى فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ فَتَوَلَّى بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ  
مَجْنُونٌ ۝ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلَيَّمٌ ۝

”اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا: یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا۔“

وَفِي مُوسَى یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی چھوڑی ہے۔ فراء نے کہا: اس کا عطف و فی الارض آیات پر ہے۔

إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَى فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ سلطان مبین سے مراد واضح حجت ہے وہ عصا کا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد معجزات ہیں جو عصا اور دوسرے معجزات ہیں۔

فَتَوَلَّى بِرُكْنِهِ ضمیر فاعل سے مراد فرعون ہے اس نے ایمان سے اعراض کیا۔ بِرُكْنِهِ یعنی اپنی جمعیت اور اپنے لشکروں کے ساتھ، یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوَاوِيَ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ (ہود) یہاں رکن سے مراد قوت اور قبیلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اپنی قوت کے بل بوتے پر اس معنی میں عنترہ کا قول ہے۔

فَمَا أَدْحَىٰ مِرَاسُ الْخَرْبِ رُكْنِي (1) جنگ کی شدت نے میری قوت کو کمزور نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِرُكْنِهِ سے مراد اس کی ذات ہے۔ انفس نے کہا: مراد اس کی جانب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَعْرَضَ وَتَأَيَّجَانِهِمْ (فصلت: 51) یہ مورخ کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: کسی شے کا رکن اس کی اقویٰ جانب ہوتی ہے۔

أَوَاوِيَ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ (ہود) معنی وہ طاقت و سہارا کی پناہ لیتا ہے۔ قشیری نے کہا: رکن سے مراد بدن کی جانب ہے۔ یہ کسی شے سے اعراض کرنے میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ یہاں او، واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ انہوں نے یہ دونوں باتیں کیں: یہ مورخ اور فراء کا نقطہ نظر ہے اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

أَتَغْلِبَةُ الْفَوَارِسِ أَوْ رِيَاخًا عَدَلْتُ بِهِمْ طَهْيَةً وَالْخَشَابَا (2)

اس شعر میں او، واؤ کے معنی میں ہے۔



او کو واؤ کے معنی میں رکھا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُطِغْ مِنْهُمْ أَيْمَانًا أَوْ كُفُورًا ۝ (الانسان) اس میں او، واؤ کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَنكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء: 3) یہ سب گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَخَذْنَاهُ وَجُودًا اِنْ كَفَرَا وَاِيْمَانًا سَمَاعِطُ كَبَعَثْنَاهُمْ لَشُكْرٍ كَوَافِرًا۔  
فَقَبَضْنَاهُمْ اَيْمَانًا اَوْ كُفُورًا۔ یعنی فرعون ملامت کیا گیا کیونکہ اس نے وہ اعمال کیے جن پر ملامت کی جاتی ہے۔

وَفِي عَادٍ اِذَا ارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالْاَرْمِیْمِ ۝

”اور (قصہ) عاد میں نشان عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔“  
وَفِي عَادٍ ہم نے عاد میں ان لوگوں کے لیے نشانی چھوڑی جو غور و فکر کریں۔

اِذَا ارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ الرِّيحُ الْعَقِيمُ سے مراد وہ ہوا ہے جو نہ بادلوں کے بننے کا باعث بنتی ہے نہ درختوں میں ملائی کا عمل کرتی ہے نہ اس میں رحمت، برکت اور منفعت ہوتی ہے اسی سے امراۃ عقیم ہے جو نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنمتی ہے۔ پھر یہ کہا گیا ہے: اس سے مراد وہ ہوا ہے جسے جنوب کہتے ہیں۔ ابن ابی ذؤب نے حرث بن عبد الرحمن سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”ريح عقیم سے مراد جنوب (۱) ہے“ (۱)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد دبور ہے، جس طرح صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے ”میری مدد صبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور (۲) سے ہلاک کی گئی“ (۲)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد نکباء (۳) ہے، عبید بن عمیر نے کہا: اس ہوا کا مسکن چوتھی زمین ہے عاد پر صرف اس قدر اسی کو کھولا گیا جس طرح بیل کا نتھنا ہوا کرتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول بھی نقل کیا ہے: اس سے مراد صبا ہے (۳)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالْاَرْمِیْمِ ۝ یعنی ایسی چیز کی طرح جسے ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہو۔ جب نباتات خشک ہو جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے کہتے ہیں: رمیم، مشیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایسی چیز کی طرح جو ہلاک ہونے والی ہو اور بوسیدہ ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَكْتَنِي حِينَ كَفَّ الدَّهْرُ مِنْ بَصَرِي مَا ذُ بَقِيْتُ كَعَظِمِ الزَّمَةِ الْبَالِي

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

2۔ صحیح بخاری، کتاب ہدایہ الخلق، ما جاء في قوله تعالى هو الذي ارسل الرياح، جلد 1، صفحہ 455

(۳) بزمی چلنے والی ہوا

(۲) پھواری ہوا

(۱) جنوب کی جانب سے چلنے والی ہوا

تو نے مجھے چھوڑا جب زمانہ نے میری نظر کو روک لیا۔ اور جس میں بوسیدہ ہڈی کی طرح باقی تھا۔  
 قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے خشک نباتات سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ابو العالیہ اور سدی نے کہا: باریک مٹی کی طرح۔ قطرب نے کہا: رمیم سے مراد راکھ ہے۔ یمان نے کہا: مراد ہے چوپائے جس گھاس کو پھینک دیتے ہیں۔ ہونٹ کو مرمة اور مقہہ کہتے ہیں۔ مرمة بھی اس میں لغت ہے کلمہ کی اصل ر م العظم ہے جب وہ بوسیدہ ہو جائے۔ تو اسی سے یہ باب ذکر کرتا ہے ر م العظم یر مة فہو رمیم۔ شاعر نے کہا:

وَرَأَى عَوَاقِبَ خُلْفٍ ذَاكَ مَذْمَةً تَبَقَّى عَلَيْهِ وَالْعِظَامُ رَمِيمٌ

اس نے اس وعدہ کے توڑنے کے انجام میں مذمت دیکھی جو اس پر باقی رہنے والی تھی جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں۔  
 رمة جب راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں اس کی جمع رمم اور رمائم ہے اس کی مثل یہ آیت ہے تَدْمُرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف: 25) جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَفِي شُؤْدٍ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَسْعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝۱۰ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ

الصَّعِقَةُ ۖ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝۱۱ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ۝۱۲

”اور واقعہ شمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے دریاں حالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ (ہم سے) انتقام لے سکے۔“

وَفِي شُؤْدٍ یعنی شمود میں بھی عبرت اور نشانی ہے جب انہیں کہا گیا: تم دنیا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زندگی گزارو۔  
 حَتَّىٰ حِينٍ ہلاکت کے وقت تک۔ یہ تین دن ہیں۔ جس طرح سورۃ ہود آیت 65 میں ہے تَسْعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ  
 ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَسْعُوا کا معنی ہے اسلام لے آؤ اور اپنی اجل کے پورا ہونے تک لطف اندوز ہولو۔

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ صَاعِقَةً سے مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر قسم کا مہلک عذاب ہے۔  
 حسین بن واقد نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی صاعقہ کا لفظ ہے اس سے مراد عذاب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حمید، ابن محسن، مجاہد اور کسائی نے الصَّعِقَةُ پڑھا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صَعَقَ الرَّجُلُ صَعِقَةً وَتَصَعَّقَا اس پر غشی چھا گئی۔ صَعَقْتَهُمُ السَّمَاءُ جب آسمان ان پر عذاب نازل کرے۔ صاعقہ کا معنی عذاب کی چیخ ہے۔ سورۃ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝۱۱ وہ دن کے وقت اسے دیکھ رہے تھے۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیام کا معنی اٹھنا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا سکیں اور اس کے ساتھ اٹھ سکیں اور اپنی ذاتوں سے اسے دور کر سکیں۔



تو کہتا ہے: لَا أَقُومُ لِهَذَا الْأَمْرِ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے جسم ختم ہو جائیں گے اور ان کی روہیں عذاب میں باقی رہیں گی۔

وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٣٧﴾ جب انہیں ہلاک کیا جائے گا تو وہ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿٣٨﴾

”اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے۔“  
وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے اسے وقوم نوح پڑھا ہے یعنی قوم کے لفظ کو جردی ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی نشانی ہے۔ باقی قراء نے اس پر نصب پڑھی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وأهلکنا قوم نوح یا اس کا عطف أخذتہم کی ہم ضمیر پر ہے یا أخذناہ کی ضمیر پر ہے۔ معنی یہ بنے گا انہیں صاعقہ نے پکڑ لیا اور اس نے قوم نوح کو پکڑ لیا یا ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اور قوم نوح کو پھینک دیا یا یہ اذکر کے معنی میں ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَدَيَّوَا إِنَّا الْمُبْسِعُونَ ﴿٣٩﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْبَهِدُونَ ﴿٤٠﴾

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلْقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤١﴾

”اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے فرش بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو۔“  
وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَدَيَّوَا جب ان آیات کو بیان کیا تو فرمایا: آسمان میں آیات اور عبرتیں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صانع کمال پر قادر ہے۔ سماء کے امر کو قوم نوح کے قصہ پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں آیات ہیں۔ یأیدو کا معنی ہے قوت اور قدرت کے ساتھ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَإِنَّا الْمُبْسِعُونَ ﴿٣٩﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم قادر ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم وسعت والے ہیں انہیں اور غیر کو پیدا کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں ہوتا جس کو پیدا کرنے کا ہم ارادہ کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اپنی مخلوق پر اپنا رزق وسیع کرنے والے ہیں؛ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ہم اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہم بارش کے ذریعے رزق کو وسیع کرنے والے ہیں (2)۔ ضحاک نے کہا: ہم نے تمہیں غنی کر دیا ہے؛ اس پر دلیل عَلَى الْمُبْسِعِ قَدْرًا (البقرہ: 236) ہے۔ قتبی نے کہا: ہم اپنی مخلوق پر وسعت والے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے آسمان اور زمین کے درمیان وسعت رکھ دی ہے۔ جوہری نے کہا: أوسع الرجل سے مراد ہے وہ وسعت اور غنا والا ہوگا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَدَيَّوَا إِنَّا الْمُبْسِعُونَ ﴿٣٩﴾ (الذاریات) یعنی ہم غنی اور قادر ہیں؛ تو یہ تمام اقوال کو شامل ہے۔

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا یعنی ہم نے زمین کو پانی پر بچھا دیا جس طرح بستر بچھایا جاتا ہے اور ہم نے اسے پھیلا دیا۔ فَنَعْمَ الْبَهْدُونَ ۝ یعنی ہم اس کو کتنا اچھا بچھانے والے ہیں۔ سب میں تعظیم کا معنی پایا جاتا ہے۔ مہدت الفراش مہدا میں نے بستر کو بچھا دیا۔ تمہید الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلْقْنَا زُجْجُنْ یعنی دو مختلف صنفیں اور نوعیں بنائیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی مذکر اور مونث، میٹھا اور کھٹا اور اسی کی مثل بنایا (1)۔ مجاہد نے کہا: مذکر اور مونث، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، نور اور ظلمت، میدان اور پہاڑ، جن اور انسان، خیر اور شر، صبح اور شام اور ایسی اشیاء جو مختلف ہیں ذائقوں، خوشبوؤں اور رنگوں میں یعنی ہم نے اسے اسی طرح بنایا ہے یہ ہماری قدرت پر دال ہیں۔ جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلْقْنَا زُجْجُنْ تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ جوڑوں کا خالق فرد ہے اس کی صفت میں حرکت و سکون، ضیاء و ظلمت، قعود و قیام، ابتدا و انتہا کو مقدر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ أَتَوَصَّوهُمْ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ۝ وَذَكَرْنَا لِلَّذِينَ تَتَّبِعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں (اس کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود، بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ عکس ہیں پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں اور آپ سمجھاتے رہے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے۔“

فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ امتوں نے انبیاء کی جو تکذیب کی اور ان امتوں کو ہلاک کیا گیا اس کا ذکر ہو چکا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: اے محمد! انہیں کہو یعنی اپنی قوم سے کہو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو میں تمہیں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ یعنی اس کے معاصی سے اس کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس سے اس کی طرف بھاگو اور اس کی اطاعت کرو۔ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نے کہا: فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ سے مراد ہے مکہ مکرمہ کی طرف نکلو۔



حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بچو جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کی طرف بھاگا تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔

ابوبکر وراق نے کہا: شیطان کی طاعت سے رحمن کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا: شیطان باطل کی طرف دعوت دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو وہ تمہیں شیطان سے بچالے گا۔ ذوالنون مصری نے کہا: جہالت سے علم کی طرف، کفر سے شکر کی طرف بھاگو۔ عمرو بن عثمان نے کہا: اپنے نفوس سے اپنے رب کی طرف بھاگو۔ یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے حق میں جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی طرف بھاگو اپنی حرکتوں پر اعتماد نہ کرو۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو (1)۔

إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ⑤ کفر اور معصیت پر میں تمہیں اس کے عقاب سے ڈراتا ہوں۔  
وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ یہ لوگوں سے کہیں جب کہ آپ نذیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو خطاب ہے۔ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ لَيَعْنِي (اللہ) تمہیں محمد ﷺ اور اس کی تلواروں سے نذیر یعنی میں تمہیں اس کی پکڑ اور تلوار سے خبردار کرنے والا ہوں اگر تم میرے ساتھ شرک کرو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ يٰۤاٰیہِیْمُ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی جس طرح تیری قوم نے تجھے جھٹلایا اور کہا: آپ ساحر و مجنون ہیں ان سے قبل لوگوں نے بھی جھٹلایا اور اسی کی مثل قول کیا۔ كَذَلِكَ میں جو کاف ہے اس کو نصب اس تقدیر کی بنا پر ہو اُنذر کم انذار کما انذار من تقدّم منی من الرسل الذین اُنذر واقوامهم یا یہ مرفوع ہو تقدیر کلام ہو الامر کذلک۔

پہلی صورت میں ان لوگوں کو ڈرانا ہے جنہوں نے موحد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ دوسری صورت میں ملحدین میں سے جنہوں نے شرک کیا۔ کذلک کے بارے میں گفتگو یعقوب وغیرہ سے مروی ہے۔  
اَتَوَاصُوْا بِهِم یعنی پہلوں نے بعد والوں کو جھٹلانے کی وصیت کی (2) اور اس پر موافقت کی یہاں ہمزہ استفہام تو بیخ اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ⑥ یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو وصیت نہیں کی بلکہ طغیان نے سب کو جمع کر دیا۔ یہ کفر میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

فَقُتِلَ عَنْهُمْ اِنْ سَیْءٌ اَعْرَضَ سِجِّیْ اور ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِرٍ ⑦ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملامت کیے گئے نہیں کیونکہ رسالت کی تبلیغ کا جو فریضہ آپ پر لازم تھا اس کو آپ نے ادا کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہے وَذَكَرْنَاكَ الَّذِیْ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑧ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔  
پہلا قول نحاک کا ہے کیونکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ نصیحت کرنے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ مجاہد نے کہا: فَقُتِلَ

عَنْهُمْ ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِرٍ آپ کا رب آپ پر کسی کو تباہی کی وجہ سے ملامت نہیں کرے گا جو آپ سے صادر ہوئی۔ وَذِكْرُ نَصِيحَتِ انہیں یاد دلائیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔ قتادہ نے کہا: قرآن ان کے سامنے پڑھیے کیونکہ قرآن پڑھنا مومنوں کو نفع دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں عذاب اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ یاد دلائیے۔ یہاں مومنوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ⑤۱ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ⑤۲ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ⑤۳ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ⑤۴ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ⑤۵

”اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں طلب کرتا ہوں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا اور زور والا ہے۔ پس ان ظالموں کے لیے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے۔“

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ⑤۱ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد ان کو خاص ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لفظ عام ذکر کیا اور مراد خاص ہے۔ معنی ہے میں نے جن وانس میں سے اہل سعادت کو پیدا نہیں کیا مگر اسی لیے کہ وہ میری توحید کا اقرار کریں۔ قشیری نے کہا: آیت میں تخصیص قطعی طور پر داخل ہے کیونکہ مجنوں اور بچوں کو عبادت کا حکم نہیں دیا گیا یہاں تک کہ یہ بات کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت کا ارادہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ (الاعراف: 179) جو لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ عبادت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ پس مذکورہ آیت ان میں سے مومنین پر محمول ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس فرمان کی طرح ہے: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا (الحجرات: 14) یہ بات بدوؤں میں سے ایک جماعت نے کہی تھی: اس کا ذکر ضحاک، بکبی، فراء اور قتبی نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں وما خلقت الجن والانس من المومنین إلا ليعبدون ہے۔

حضرت علی شیر خدا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: معنی ہے میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں (1): زجاج نے اس قول پر اعتماد کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا



إِلَهًا وَاحِدًا (توبہ: 31) اگر یہ سوال کیا جائے۔ انہوں نے کفر کیسے کیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اس کے امر اور مشییت کے سامنے عاجزی کرنے کے لیے پیدا کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جو قضا کا فیصلہ کیا اس کے سامنے وہ سراقندہ ہوئے کیونکہ اس کی قضا تو ان پر جاری ہے وہ اس سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس نے کفر کیا اس نے ان کی اس عمل میں مخالفت کی جس کے بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا جہاں تک اس کی قضا کے سامنے عجز کا اظہار ہے اس کی جانب سے غیر ممتنع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کا معنی ہے مگر وہ میرے لیے خوشی سے یا مجبوراً عبادت کا اقرار کریں (1)؛ اسے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کمرہ سے مراد ہے جو ان میں اس کی صنعت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس لیے تاکہ وہ میری پہچان کریں (2)۔ ثعلبی نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کے وجود اور اس کی توحید کی پہچان نہ ہوتی۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (الزخرف: 87) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ① (الزخرف) اور اسی طرح کی دوسری آیات ہیں۔

مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مگر اس لیے کہ میں انہیں حکم دوں اور انہیں نبی کروں۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے جس شقاوت اور سعادت پر انہیں پیدا کیا گیا جنوں اور انسانوں میں سے سعادت مند عبادت کے لیے پیدا کیے گئے اور ان میں سے بد بخت معصیت کے لیے پیدا کیے گئے (3)۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری وحدانیت کو بیان کریں۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ صرف سختی اور مصیبت میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے انعام اور خوشحالی کے زمانہ میں اس کی توحید بیان نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَإِذَا غَشِيَهمْ مَوَجُّ الْظُلَمِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (لقمان: 32)

عکرمہ نے کہا: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں اور اطاعت کریں پس میں عبادت گزار کو بدلہ دوں گا اور منکر کو عذاب دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ میں انہیں اپنا بندہ بنالوں۔ معنی قریب قریب ہے۔ عبودیت کا اصل معنی عاجزی ہے اور تعبیر کا معنی کسی کو مطیع بنانا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: طریق معبود وہ راستہ جس پر عام چلا جائے۔ شاعر نے کہا:

وَلِظِيفًا وَظِيفًا فَوْقَ مَوْبِدِّ مُعْبِدٍ اس نے ہموار راستہ پر قدم پر قدم رکھا۔

تعبد کا معنی استبعاد بھی ہے جن سے مراد اسے بندہ بنالینا ہے اسی طرح اعتباد ہے عبادت کا معنی طاعت ہے اور تعبد کا

مَا أَمَّا يُدْ مِنْهُمْ قَنْ تَرْدُقِ، قَنْ زَاعِدَ هَ فِي مِ ان سَ رَزَقِ كَا ارَادَه نَبِيس كَرْتَا بَلَكَه مِ رَازِقِ اور عَطَا كَرْنِ وَالَا  
ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالجوزاء نے کہا: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ میں  
یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھلائیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ میرے بندوں  
کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ انہیں کھلائیں۔

ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ⑤ یعنی شدید اور قوی۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب اور نخعی نے المتین کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ قوت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ رزاق یا ذو کی صفت ہے یا یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے یا یہ ان کے اسم کی صفت ہے اس کے محل کے اعتبار سے یا یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ فراء نے کہا: حق تو یہ تھا کہ لفظ المتینہ ہوتا اسے مذکر ذکر کیا کیونکہ یہ مضبوط و محکم شی کی طرف لے جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: جبل متین۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

مِنْ رِيطَةٍ وَالْيُمْنَةُ الْبُعْثَبَا (2)

یہاں المعصوب کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ یسینۃ پڑے کی ایک قسم ہے اسی باب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ (بقرہ: 275) مَوْعِظَةٌ سے مراد وعظ ہے وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ (ہود: 67) الصَّيْحَةُ سے مراد صیاح اور خوبصورت (آواز) ہے۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ فِي هَذِهِ سِتْرًا ۚ لَكُمْ بِهِمْ ذُنُوبٌ وَمَا كُنْتُمْ عَلِيمِينَ ۚ ذُنُوبًا قَلِيلًا ۖ غُلُوبًا كَثِيرًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ

میں سے کفار کا حصہ ہوتا تھا۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یوم ذنوب ایسا دن جس کا شرطویل ہو جو ختم نہ ہو۔ لغت میں ذُنُوب کا اصل معنی عظیم ڈول ہے۔ وہ پانی نکالتے اور اسے حصہ پر تقسیم کر دیتے پس ذنوب سے مراد حصہ لیا گیا؛ راجز نے کہا:

لَنَا ذَنْبٌ وَلكُمْ ذَنْبٌ فَإِنْ أَيْسَرْتُمْ فَلَنا الْقَلِيبُ (3)

ہمارے لیے حصہ ہے اور تمہارے لیے حصہ ہے اگر تم انکار کرو تو ہمارے لیے کنواں ہے۔

جوہری نے کہا: ذنوب سے مراد ایسا گھوڑا ہے جس کی دم لمبی ہو۔ ذنوب کا معنی حصہ ہے اور ذنوب سے مراد پشت کے نیچے والے حصہ کا گوشت ہے۔ ذنوب سے مراد ایسا ڈول ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ ابن سکیت نے کہا: ایسا ڈول جس میں پانی ہو بھرنے کے قریب ہو۔ یہ مونٹ اور غہ کر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جب وہ پانی سے خالی ہو تو اسے ذنوب نہیں کہتے۔ اس کی جمع قلت أذنبہ اور جمع کثرت ذنائب آتی ہے جس طرح قلوص اور قلائص ہے۔



فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ وہ اپنے اوپر عذاب کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥٢﴾ (الاعراف) غزوہ بدر کے موقع پر ان پر وہ چیز نازل ہوئی جس نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ان سے جلدی انتقام لے لیا۔ پھر ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب اور ہمیشہ رہنے والی رسوائی ہے جو ختم نہ ہوگی اور جس کی نہ کوئی انتہا ہے۔

## سورۃ الطور

﴿سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ ٤١﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ٢٩﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ٢٩﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ٢٩﴾

تمام علماء کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی انچاس آیات ہیں۔ ائمہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا (1)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۝ فِي رَاقٍ مَّنْشُورٍ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝ وَالسَّقْفِ

الْمَرْفُوعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝

”قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے کھلے ورق پر اور قسم ہے بیت معمور کی اور بلند چھت کی اور

سمندر کی جو لبالب بھرا ہے یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ماننے والا نہیں۔“

وَالطُّورِ ۝ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی اس کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے، اس کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس میں جو آیات ہیں انہیں یاد دلانے کے لیے۔ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔

اسماعیل بن اسحاق، اسماعیل بن ابی رویس سے وہ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، چار دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہیں، چار میدان جنت کے میدانوں میں سے ہیں“ (2)۔ پوچھا گیا: پہاڑ کون سے ہیں؟ فرمایا: ”جبل احد جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، طور جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے، لبنان جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے، جودی جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔“ حدیث کا ذکر کیا ہے ہم نے اسے کتاب اللہ میں بیان کر دیا ہے۔

مجاہد نے کہا: سریانی زبان میں طور سے مراد پہاڑ ہے اس سے مراد طور سینا ہے (3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: دو طور ہیں ان میں سے ایک کو طور سینا اور دوسرے کو طور زینا کہتے ہیں (4)۔ کیونکہ یہ دونوں پہاڑ انجیر اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الجہلی المغرب، جلد 1، صفحہ 105

2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 311، حدیث 35121۔ (زائد الفاظ کے ساتھ)

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 376

4۔ البحر الوعیر، جلد 5، صفحہ 185



زیتون کو اگاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدین میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام زبیر ہے۔ زبیر وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔

میں کہتا ہوں: مدین ارض مقدسہ میں ہے یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا گاؤں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طور سے مراد ہر وہ پہاڑ ہے جو کسی چیز کو اگائے اور جو کسی چیز کو نہ اگائے طور نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَكَتَبَ قَسْطُورًا ① مسطور کا معنی مکتوب ہے (1) یعنی قرآن جسے مومن مصاحف سے پڑھتے ہیں اور ملائکہ لوح محفوظ سے پڑھتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ② فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ③ (الواقعة) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام سماوی کتب ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔ ہر کتاب کا غد میں لکھی ہوتی جسے پڑھنے کے لیے کتاب والے کھولتے۔ کلبی نے کہا: مراد وہ تورات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے دست قدرت سے لکھا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے (2)۔ فراء نے کہا: مراد اعمال کے صحیفے ہیں کچھ اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑیں گے اور کچھ اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑیں گے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَنُخَوِّجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ④ (الاسراء) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑤ (التکویر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان میں لکھا وہ اس میں پڑھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے: مراد ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے اولیاء کے دل میں جو کچھ لکھا اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ: 22)

میں کہتا ہوں: اس قول میں حجازی قاعدہ جاری ہو رہا ہے کیونکہ قلوب کو رق سے تعبیر کیا۔ مبرد نے کہا: رق سے مراد وہ جلد ہے جسے باریک کیا جاتا ہے تاکہ اس پر لکھا جائے۔ منشور کا معنی ہے جس کو پھیلا یا جائے۔ جوہری نے صحاح میں اسی طرح کہا ہے کہا: رق جب فتح کے ساتھ ہوا سے کہتے ہیں جس میں لکھا جائے یہ باریک چمڑا ہوتا ہے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِي رَاقٍ مَّنشُورٍ ⑥ (الطور) الرق کا معنی بڑا کچھوا بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کی جمع رقوق آتی ہے معنی وہی مراد ہے جو فراء نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ہر صحیفہ رق ہوتا ہے کیونکہ اس کے حواشی رقیق ہوتے ہیں۔ اسی سے متکلم کا قول ہے:

فَكَثَا مِنْ تَقَادُمِ عَهْدِهَا رَقِي أُتِيحَ كِتَابُهَا مَسْطُور

جہاں تک رقی کا تعلق ہے اس سے مراد ملک ہے کہا جاتا ہے: عبد مرقوق۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رقی فتح کے ساتھ ہوتا اس سے مشرق و مغرب کا درمیان ہے (4)۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آسمان میں بیت اللہ شریف کے بالمقابل ایک گھر ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر اس سے نکلتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ چھٹے آسمان میں گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ چوتھے آسمان میں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے چوتھے آسمان میں لایا گیا تو ہمارے لیے بیت معمور کو اٹھایا گیا یہ کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر گرے تو کعبہ شریف پر گرے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جب اس سے نکلتے ہیں تو واپس نہیں آتے“ (2)۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت بیان کی ہے: یہ آسمان دنیا میں ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا: بیت معمور کیا ہے؟ فرمایا: سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے بیت ہے جسے ضراح کہتے ہیں؛ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ضراح ضمہ کے ساتھ آسمان میں ایک کمرہ ہے جسے بیت معمور کہتے ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے مکین فرشتے ہیں۔

مہدوی نے ان سے روایت نقل کی ہے؛ یہ عرش کے بالمقابل ہے۔

حدیث اسراء میں صحیح مسلم میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”پھر مجھے بیت معمور کی طرف بلند کیا گیا، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ بیت معمور ہے، ہر روز اس سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکلتے ہیں تو آخر وقت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے“ (4)۔ اور حدیث ذکر کی۔

حضرت ثابت کی حدیث جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سیرے پاس براق لایا گیا“ اس میں ہے ”ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا حضرت جبریل امین نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ جواب دیا: جبریل۔ پوچھا گیا: تیرے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا وہ بیت معمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں وہ دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتے“ (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے پندرہ گھر ہیں سات آسمانوں میں اور سات زمینوں میں ہیں اور ایک کعبہ ہے وہ سب گھر کعبہ کے بالمقابل ہیں۔



حضرت حسن بصری نے کہا: بیت معمور سے مراد کعبہ ہی ہے بیت معمور وہی ہے جسے لوگ آباد کرتے ہیں ہر سال ساٹھ ہزار افراد اس کی زیارت کرتے ہیں اگر لوگ یہ تعداد پوری کرنے سے عاجز آجائیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ ان کی تعداد کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں عبادت کے لیے معین فرمایا ہے (1)۔

ربیع بن انس نے کہا: بیت معمور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں کعبہ مشرفہ کی جگہ پر تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت معمور کا حج کریں تو لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کی نافرمانی کی جب پانی سرکش ہو گیا تو بیت معمور کو اٹھالیا گیا تو اسے اسی کے بالمقابل آسمان دنیا میں رکھ دیا گیا ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں پھر صور پھونکنے تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ جہاں یہ بیت تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں ہی ٹھکانہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهَّرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** (الحج)

**وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ** (2) اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا** (الانبیاء: 32) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عرش ہے جو جنت کی چھت ہے۔

**وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ** (3) مجاہد نے کہا: مراد روشن کیا گیا ہے (3)۔ حدیث میں آیا ”سمندر کو قیامت کے روز گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ آگ ہو جائے گا“ (4)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی بھرا ہوا ہے۔ نحو یوں نے نمر بن ثواب کا شعر پڑھا:

إِذَا شَاءَ طَالَعَ مَسْجُورَةً تَرَى حَوْلَهَا النَّبْعَ وَالسَّاسَا (5)

جب وہ چاہتا ہے وہ بھرے ہوئے چشمے پر جا پہنچتا ہے تو اس چشمہ کے گرد نبع اور ساسم کے درخت اگے ہوئے دیکھے گا۔ شاعر پہاڑی بکرے کا ارادہ کرتا ہے جو ایسے چشمے پر وارد ہوتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ آگ سے بھرا ہوا ہو۔ تو یہ پہلے قول کی طرح ہوگا۔ ضحاک، ثمر بن عطیہ، محمد بن کعب اور خفش نے اسی طرح کہا ہے کہ وہ گرم چولہا ہوگا جس طرح روشن تنور ہوتا ہے اس معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے کہ مسعر، مسجر ہے اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَإِذَا الْهَارُ سُجِّرَتْ** (الکوثر) جب سمندروں کو روشن کیا جائے گا۔ یہ جملہ بولتے ہیں: سجرت النور اسجرہ سجر میں نے تنور کو گرم کیا۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے فرمایا جہنم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: سمندر میں (6)۔ فرمایا: میں تجھے سچا خیال کرتا ہوں اور یہ آیت تلاوت کی **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ** (7)، **وَإِذَا الْهَارُ سُجِّرَتْ** (8) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سمندر سے وضو نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ جہنم کا ایک طبق ہے۔ کعب نے کہا: قیامت کے روز

سمندر کو گرم کیا جائے گا تو جہنم کی آگ میں اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسجور اس سمندر کو کہتے ہیں جس کا پانی ختم ہو چکا ہو؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ عطیہ اور ذورمہ شاعر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ایک لونڈی پانی لانے کے لیے نکلی اس نے کہا: اِنَّ الْحَوْضَ مَسْجُورٌ حَوْضٌ خَالٍ ہے۔ ابن ابی داؤد نے کہا: ذی رمہ کی کوئی روایت نہیں مگر یہی روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مسجور کا معنی ہے جس کو کھول دیا گیا ہو، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۖ (الانفطار) زمین اس کا پانی چوس لے گی تو اس میں پانی نہیں رہے گا۔ ایک تیسرا قول ہے جو حضرت علی شیر خدا اور عمرہ سے مروی ہے ابو یکین نے کہا: میں نے عمرہ سے بحر مسجور کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا عرش کے نیچے سمندر ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: یہ عرش کے نیچے ہے جس میں گاڑھا پانی ہے (1)۔ اس کو بحر حیوان کہتے ہیں جس سے بندے نفع اولی کے بعد چالیس دن تک نیچے اترتے رہیں گے تو وہ اپنی قبروں میں جنم لیں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: مسجور سے مراد ہے جس میں میٹھانمک کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں: فُجِّرَتْ کا معنی دونوں تاویلوں میں سے ایک میں اس طرف لوٹنا ہے یعنی اس کا میٹھا اس کے نمکین میں ملایا جائے گا (2)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مسجور کا معنی محبوس ہے۔

إِنَّ عَذَابَ مَا بَيْنَ يَدَيْكَ لَواقعٌ ۖ یہ جواب قسم ہے یعنی عذاب مشرکوں میں واقع ہونے والا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تاکہ میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں تو میں نے آپ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے پایا یہاں تک کہ آپ نے یہ آیت تلاوت کی إِنَّ عَذَابَ مَا بَيْنَ يَدَيْكَ لَواقعٌ ۖ قَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۖ گویا میرا دل پھٹ گیا تو میں عذاب کے نزول کے ڈر سے مسلمان ہو گیا مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میں یہاں سے اٹھ سکوں گا یہاں تک کہ مجھ پر عذاب نازل ہو جائے گا (3)۔

ہشام بن حسان نے کہا: میں اور مالک بن دینار، حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس ایک آدمی سورہ طور کی تلاوت کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا إِنَّ عَذَابَ مَا بَيْنَ يَدَيْكَ لَواقعٌ ۖ قَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۖ تو حضرت حسن بصری رونے لگے اور آپ کے ساتھی بھی رونے لگے (4)۔ مالک بن دینار بے چین ہو گئے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ جب بکار کو منصب قضا دیا گیا تو دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک پر قسم آتی تھی بکار دونوں میں صلح کی رغبت رکھتے تھے آپ اپنی جانب سے قسم کے بدلے اس کے خصم کو عوض دینا چاہتے تھے تو اس نے قسم کے سوا کسی چیز پر بھی انکار کر دیا تو آپ نے سورہ طور کی ابتدائی آیات کے ساتھ اس سے قسم اٹھوائی یہاں تک کہ اسے فرمایا:



کہہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تیرے رب کا عذاب واقع ہو اس آدمی نے یہ کلمات کہے وہ باہر نکلتا تو اسی لمحہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

يَوْمَ تَمُوتُ السَّمَاءُ مَوَرًا ۝۱ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۲ قَوْلٌ يُؤْمِنُهُ الْمَلَائِكَةُ بِئِنَّ ۝۳  
الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝۴ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا ۝۵ هَذِهِ النَّارُ  
الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝۶ أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝۷ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا  
أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۝۸ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۹

”جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو محض تفریح طبع کے لیے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں اور اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی اس میں (تشریف لے) چلو اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے لیے تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔“

يَوْمَ تَمُوتُ السَّمَاءُ مَوَرًا ۝۱ یوم میں عامل ”واقع“ ہے یعنی قیامت کے روز ان پر عذاب واقع ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں آسمان تھرتھرائے گا۔ اہل لغت نے کہا: مار الشئ یومور اس نے حرکت کی وہ آیا اور وہ گیا۔ جس طرح کھجور کا لمبا درخت حرکت کرتا ہے تئور اس کی مثل ہے۔ ضحاک نے کہا: ان میں سے بعض بعض میں موجیں مار رہے ہوں گے (1)۔ مجاہد نے کہا: وہ چکر لگا رہے ہوں گے (2)۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: وہ جھول رہے ہوں گے اور اعشیٰ کا شعر ذکر کیا:

كَأَن مَشِيَّتَهَا مِنْ بَيْتٍ جَارَتِهَا مَوْرُ السَّحَابَةِ لَا رَيْثٌ وَلَا عَجَلُ (3)

اس کی چال اس کے پڑوس کے گھر سے بادل کے جھولنے کی طرح ہوتی ہے نہ بہت سست اور نہ بہت تیز۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تیزی سے چلتے ہیں؛ اس معنی میں جریر کا قول ہے:

وَمَا زَالَتِ الْقَتْلَى تَمُورُ دِمَاؤُهَا بِدَجَلَةٍ حَتَّىٰ مَاءُ دَجَلَةٍ أَشْكَلُ (4)

مقتولوں کے خون دجلہ میں تیزی سے بہتے ہیں یہاں تک کہ دجلہ کا پانی رنگین ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس روز آسمان حرکت کریں گے اور مضطرب ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اس کے اہل گردش کریں گے اور ایک دوسرے میں موجزن ہوں گے۔ مور کا معنی راستہ ہے اس معنی میں طرفہ کا قول ہے: ناقة مَوْرَاة البید ایسی اونٹنی جو تیز رفتار ہو۔ البعید ریور عضداۃ ایسا اونٹ جس کے دونوں بازو متردد ہو جائیں۔ عربوں کا قول ہے: لا أدري أغار أم مار میں نہیں جانتا کہ وہ گہرائی کی طرف گیا ہے یا گھوم گیا اور بلند جگہ کی طرف لوٹ گیا۔ مور جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ہوا کے ساتھ غبار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السماء سے مراد فلک ہے (5) اس

کے مور سے مراد اس کے نظم کا مصطرب ہونا ہے اور خیال میں اختلاف واقع ہونا ہے؛ یہ ابن بحر نے کہا ہے۔ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سِيرًا ۝ مقاتل نے کہا: وہاں جگہوں سے چلتے ہیں یہاں تک کہ زمین کے ساتھ برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آج اس طرح چلتے ہیں جس طرح بادل دنیا میں چلتے ہیں؛ اس کی وضاحت ہے وَتَسِيرُ الْجِبَالُ تَحْسِبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَتَرَمَّزُ السَّحَابَ (النمل: 88) ہیں۔ یہ کہف میں گزر چکی ہے۔

قَوْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ ویل ایسا کلمہ ہے جو ہلاک ہونے والے کے لیے کہا جاتا ہے اس پر فاء داخل ہوئی کیونکہ کلام میں مجازات کے معنی پائے جاتے ہیں۔ الَّذِیْنِ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَلْعَبُوْنَ ۝ وہ باطل میں گھوم پھر رہے ہیں وہ ان کا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کی تکذیب میں ہی لگے رہنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اسباب دنیا میں ہی لگے رہتے ہیں وہ حساب و جزا کا ذکر نہیں کرتے۔ سورہ براءت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

یَوْمَ يُدْعَوْنَ، یہ یہ یَوْمَئِذٍ سے بدل ہے ویدعون اس کا معنی ہے انہیں شدت اور سختی کے ساتھ جہنم کی طرف دھکیلا جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دَعَتْهُ اَدْعٰہ دعا میں نے اسے دھکیلا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدْعُ الْیَتِیْمَ ۝ (الماعون) تفسیر میں ہے جہنم کے داروغے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ جکڑ دیں گے ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ جمع کر دیں گے، پھر انہیں منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں گے یہاں تک کہ وہ آگ میں جا پہنچیں گے۔ ابورجاء عطاردی اور ابن سمیع نے اسے تخفیف کے ساتھ یَوْمَ یُدْعَوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًا ۝ پڑھا ہے یہ دعا سے مشتق ہے جب وہ آگ کے قریب ہوں گے تو داروغے انہیں یہ کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ کُنتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ۝ اَفِیْضَ هٰذَا ہمزہ استفہامیہ ہے اس کا معنی تو بخ دا نکار ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کیا یہ جادو ہے؟ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر، بل کے معنی میں ہے یعنی بلکہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے اور سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔

اَصْلَوْهَا اَنْہیں جہنم کے داروغے کہتے ہیں: اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی کو چکھو۔ فَاَصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۝ سَوَاءٌ عَلَیْکُمْ اس میں تمہارا صبر ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ سواء کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی سواء علیکم الجزع والصبر فلا ینفعکم شیء یعنی جزع اور صبر تمہارے لیے برابر ہے کوئی چیز تمہیں نفع نہ دے گی، جس طرح ان کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ کہیں گے: سَوَاءٌ عَلَیْنَا اَجَزَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (ابراہیم: 21)

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنَّٰتٍ وَ نَعِیْمٌ ۝ فَکَیْنِ بِمَا اٰتٰہُمْ رَبُّہُمْ ۝ وَ وَفَّہُمْ رَبُّہُمْ عَذَابَ

الْجَعِیْمِ ۝ کُلُّوا وَاَشْرَبُوا هَنِیًْٓٔا بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مُتَّکِیْنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۝

وَزَوْجُہُمْ بِحُورٍ عِیْنٍ ۝

”بے شک پرہیزگار (اس روز) باغوں میں نعمتوں میں ہوں گے شاد و مسرور ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے



رب نے دی ہوں گی اور بچا لیا ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے۔ (حکم ملے گا) کھاؤ پو خوب مزے لے لے کر ان (نیکوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے۔“

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ۝ جب کفار کا حال ذکر کیا تو مومنین کا حال بھی ذکر کیا۔ فَكِهِينَ کثیر پھلوں والے۔ یہ کہا جاتا ہے: رجل فاكه یعنی پھل والا جس طرح لابن اور تامر کہا جاتا ہے دودھ والا اور کھجور والا، یعنی یہ نسبت کا معنی دیتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وَعَزَّزْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ لَابِنٌ بِالصَّيْفِ وَتَأْمِرٌ (1)

تو نے مجھے دھوکہ دیا اور تو نے گمان کیا کہ تو موسم گرما میں دودھ والا اور کھجور والا ہے۔

یہاں بھی لابن اور تامر، ذولبن اور ذوتمر کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے قراء نے فکھین الف کے بغیر پڑھا ہے اس کا معنی ہے خوش و خرم (2)۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے قول میں ہے: کہا جاتا ہے فکھ الرجل فهو فکھ جب اس کی طبیعت اچھی اور مزاج کی حامل ہو۔ فکھ کا معنی انتہائی حریص اور متکبر بھی ہے۔ سورۃ الدخان میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بِمَا أَثْلَمُوا رَبَّهُمْ ۚ وَوَقَّعَهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ یعنی ان کے رب نے انہیں جو عطا کیا۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا انہیں یہ بات کہی جائے گی: کھاؤ پو۔ هَنِيئًا مبارک ہو جس میں محرومی اور کدورت نہیں۔ زجاج نے کہا: جس طرف تم جا رہے ہو وہ تمہیں مبارک ہے۔ هَنِيئًا کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے متعتم بنعیم الجنة أمتاعاً هنيئاً۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا یہ مفعول مطلق ہے اور مصدر کی صفت بن رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَنِيئًا کا معنی ہے حلال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی اذیت اور سردی نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مبارک ہو تم کو موت نہیں آئے گی کیونکہ وہ چیز جو باقی نہ رہے یا انسان جس کے ساتھ باقی نہ رہے وہ طبیعت کو منقبض کرنے والی اور غیر مبارک ہوتی ہے۔

مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُهَا، سُرُهَا، سُمُهَا کی جمع ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے متکئین علی سمارق سمار، مصفوفة ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک صف بن گئے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے ”وہ آسمان میں اتنے اتنے طویل صف در صف ہیں جب بندہ ان پر بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نیچے ہو جاتے ہیں جب وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنی حالت میں ہو جاتے ہیں“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سونے کے پلنگ ہیں جن پر زبرجد، موتیوں اور یاقوت کے تاج ہیں اور ایک پلنگ مکہ مکرمہ اور ایلہ کے درمیان مسافت کے برابر ہے۔ وَزَوْجَاهُمْ يَحْوِيَانِ ۝ یعنی ہم نے جنتیوں کو ان حوروں کا ساتھی بنا دیا ہے۔ یونس بن حبیب نے کہا: عرب کہتے ہیں زوجت امرأة وتزوجت امرأة۔ کلام عرب میں یہ نہیں تزوجت بامرأة۔ کہا: اللہ تعالیٰ کا جو یہ فرمان وَزَوْجَاهُمْ يَحْوِيَانِ

یعنی ہم نے انہیں حور عین کا ساتھی بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے تعلق رکھتا ہے: **أَحْضِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ** (الصافات: 22) یہاں ازواج سے مراد ان کے ساتھی ہیں۔

فراء نے کہا: تزوجت بامراة یہ ازد شنوہ میں ایک لغت ہے۔ حور عین کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝۱۱ وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝۱۲ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ۝۱۳ وَيُطُوفُ عَلَيْهِمْ**  
**غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ۝۱۴**

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملائیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزاء) میں ذرہ بھر، ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا۔ اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں ایسے میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے۔ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔ اور (خدمت بجالانے کے لیے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (اپنے حسن کی باعث) یوں معلوم ہوگا گویا وہ چھپے موتی ہیں۔“

**وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ** عام قرأت واتبعتہم ہے ہمزہ وصلی، تاء مشدد، عین مفتوحہ اور تاء ساکن۔ ابو عمرو نے **وَاتَّبَعْنَاهُمْ** پڑھا ہے ہمزہ قطعی تاء اور عین ساکن اور نون۔ وہ اسے **الْحَقْنَاهُمْ** پر قیاس کرتے ہیں تاکہ کلام ایک ہی طریقہ پر رہے۔ جہاں تک پہلے **ذُرِّيَّتُهُمْ** کا تعلق ہے تو ابن عامر، ابو عمرو اور یعقوب نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے نافع سے پڑھا ہے مگر ابو عمرو نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ مفعول ہے باقی نے اسے ضمہ دیا ہے باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کو ضمہ دیا ہے نافع سے بھی یہی مشہور ہے جہاں تک دوسرے لفظ ذریۃ کا تعلق ہے تو نافع، ابن عامر، ابو عمرو اور یعقوب نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ باقی نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار روایات مروی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا اگرچہ اولاد درجہ میں اس سے کم ہوتا کہ ان کے ساتھ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور اس آیت کی تلاوت کی (۱)۔  
نحاس نے ناسخ و منسوخ میں اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمادے گا اگرچہ وہ اپنے عمل کے ساتھ اس درجہ تک نہیں پہنچیں گے تاکہ ان کے ساتھ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو“ (۲)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ**۔



ابو جعفر نے کہا: حدیث نبی کریم ﷺ سے مرفوع ہوگئی اس طرح ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود اپنی جانب سے یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اس امر کی خبر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے۔

زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے لیے مختلف قسم کے سرور جمع فرما دے گا ان کی ذاتوں میں سعادت رکھ دے گا، حور عین کے ساتھ ان کو جمع کرے گا، مومن بھائیوں کے ساتھ موانست پیدا کر دے گا اور ان کی اولاد اور ان کی نسل کو ان کے ساتھ جمع کر دے گا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ اس کی چھوٹی اولاد کو لاحق کر دے گا جو ایمان لانے کی حد کو نہیں پہنچیں ہوگی (2)؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ذریۃ کا لفظ چھوٹوں اور بڑوں سب پر بولا جاتا ہے۔ اگر تو یہاں ذریۃ سے مراد چھوٹی اولاد لے تو پائیہان کا قول دونوں مفعولوں سے حال ہوگا تو تقدیر کلام یہ ہوگی بایہان من الالباء اگر ذریۃ سے مراد بڑی اولاد لے تو پائیہان کا لفظ دونوں فاعلوں سے حال ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک تیسرا قول بھی ہے کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مہاجرین و انصار ہیں اور ذریۃ سے مراد تابعین ہیں۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے: اگر آباء درجہ میں بلند ہوئے تو اللہ تعالیٰ بیٹوں کو بھی آباء تک بلند کر دے گا، اگر بیٹے بلند درجہ کے حامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کی طرف بلند فرما دے گا (3)۔ آباء ذریۃ کے اسم میں داخل ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اٰیۃُ لَہُمْ اَنَّا حٰصِلُنَا ذُرِّیَّتَہُمْ فِی الْفُلْکِ الْمُنْحَوْنِ** (یسین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: وہ اس روایت کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ”جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان میں سے کوئی اپنے والدین، اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے بارے میں پوچھے گا تو انہیں کہا جائے گا: انہوں نے وہ رتبہ نہیں پایا جو تو نے رتبہ پایا ہے۔ تو عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا تو ان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کا حکم دے دیا جائے گا“ (4)۔

حضرت خدیجہ بنی شہبہ نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے والدین کے بارے میں پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو آپ نے مجھے فرمایا: ”وہ دونوں آگ میں ہیں“۔ جب آپ نے میرے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے فرمایا: ”اگر تو ان کے مکان کو دیکھے تو تو ان سے بغض رکھنے لگے“۔ پوچھا: یا رسول اللہ! میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا؟ فرمایا: ”وہ جنت میں ہے“ پھر فرمایا: ”مومن اور ان کی اولادیں جنت میں ہوں گی اور مشرک اور ان کی اولادیں آگ میں ہوں گی“۔ پھر اس آیت **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** .... کی تلاوت کی۔

**وَمَا اَلَتْہُمْ مِنْ عَمَلِہُمْ مِنْ شَیْءٍ** یعنی ہم نے بیٹوں کے اعمال کے ثواب میں ان کی عمروں کے کم ہونے کی وجہ سے

کوئی کمی نہیں کی اور بیٹوں کو ان کے آباء کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس تاویل کی صورت میں ہم ضمیر ذریعہ کے لیے ہوگا۔ ابن کثیر نے اسے وما التناہم پڑھا ہے باقی قراء نے الام کو فتنہ دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: التناہم لا کے ساتھ ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: التہ، یالتہ التہ یالتہ یالتہ ایلاتہ، لاتہ یلیتہ لیتا سب کا معنی ہے جب اس میں کمی کرے۔

صحاح میں ہے: ولاتہ عن وجہ یلوتہ ویلیتہ اس کو سامنے سے روک دیا اور اسے پھیر دیا اسی طرح اللہ عن وجہ مجرد اور مزید دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ما اللہ من عملہ شیئاً میں نے اس کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کی۔ یہ بھی اللہ کی طرح ہے سورہ حجرات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

کُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جہنمیوں کی طرف لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنمی اپنے اعمال کے بدلے میں رکھ دیئے گئے ہیں اور جنتی اپنی جنت کی طرف لوٹ جائیں گے؛ اسی وجہ سے فرمایا: کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ (المذثر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر انسان کو عام ہے اسے اپنے عمل کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ کسی کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی جہاں تک عمل پر زیادتی کا مسئلہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و احسان ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ حکم اس ذریت کے بارے میں ہو جو ایمان نہ لائی ہو وہ اپنے مومن آباء کے ساتھ لاحق نہیں کیے جائیں گے بلکہ وہ اپنے کفر کے بدلے میں محبوس ہوں گے۔

وَأَمَّا دُلَّتْهُمْ فِيهَا سُهُورٌ ۝ یعنی ہم ان کے اعمال سے بڑھ کر انہیں یہ کثیر چیزیں دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے زیادتی ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں وہ وہ چیزیں عطا فرمائے گا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا وَهَؤُلَاءِ يَسْتَرْشِدُونَ ۝ اس کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے۔ کاس شراب کا برتن ہے ہر وہ برتن جو شراب وغیرہ سے بھرا ہوا ہو، جب وہ خالی ہو تو اسے کاس نہیں کہتے۔ لغت میں تنازع اور کاس کی تائید اخطل کا شعر کرتا ہے:

وَشَارِبٌ مُزِيحٌ بِالنَّاسِ نَادِمِي لَا بِالْحُصُورِ وَلَا فِيهَا بَسْوَارِ (1)

نَادَعْتُهُ طَيْبَ الزَّاحِ السُّوْلِ وَقَدْ صَاءَ الدَّجَاجُ وَحَانَتْ وَقْعَةُ السَّارِي

بھرے ہوئے جام پینے والا میرا ندیم ہے تنگ دل بخیل میرا ندیم نہیں اور نہ شراب کو برتن میں چھوڑنے والا۔ میں نے عمدہ خوشبو والی شراب اس سے لی جب کہ مرغ اذان دے رہا تھا اور رات کے وقت چلنے والے کے گرنے کا وقت ہو چکا تھا۔ امراء القیس نے کہا۔

فَلَمَّا تَنَازَعْنَا الْحَدِيثَ

”جب ہم نے باہم گفتگو کی“



سورہ صافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

لَا لَعْنُو فِيهَا، ہامیر سے مراد کانس ہے یعنی ان میں کوئی لغوبات نہیں ہوگی۔

وَلَا تَأْتِيهِمْ ۝ نہ اس میں کوئی گناہ ہوگا۔ تَأْتِيهِمْ یہ اشم سے تفعیل کا وزن ہے یعنی وہ جام انہیں گناہ گار نہیں بنائے گا کیونکہ یہ ان کے لیے مباح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيهَا میں ہامیر جنت کے لیے ہے۔ ان عطاء نے کہا: اس مجلس میں کون سی بات ہو سکتی ہے جس کا محل جنت عدن ہو (1)، اس کے ساقی فرشتے ہوں، ان کا مشروب اللہ کے ذکر پر ہو، ان کی خوشبو اور سلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور قوم اللہ تعالیٰ کی مہمان ہو۔ وَلَا تَأْتِيهِمْ یعنی کوئی جھوٹ نہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ابن کثیر، ابن محصین اور ابو عمرو نے کہا: لَا لَعْنُو فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ یعنی آخر کو فتح دیا ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ یہ بحث سورہ بقرہ آیت 254 میں وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ غُلَمَانٌ لَهُمْ ان کے غلام پھلوں، تحفوں، کھانوں اور مشروبات کے ساتھ گردش کناں ہوں گے اس کی دلیل ہے يُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ (الزخرف: 71) يُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّوَدِّينَ ۝ (الصافات) کہا گیا: یہ غلمان ان کی وہ اولادیں ہوں گی جو ان سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ خادم ہیں جو دوسروں کی اولادوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کا خادم بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ غلمان ہیں جو جنت میں پیدا کیے گئے۔ کلبی نے کہا: وہ کبھی بھی بڑی عمر کے نہیں ہوں گے۔

كَانَهُمْ وہ حسن اور سفیدی میں۔ لَوْلَوْ مَكْنُونٌ ۝ صدف میں چھپے موتی ہیں۔ مکنون کا معنی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ۝ (الواقعة) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مشرکوں کی اولاد ہے وہ جنتیوں کے خادم ہوں گے، جنت میں کوئی تھکاوٹ اور ان کو خدمت کی کوئی حاجت نہ ہوگی لیکن یہ خبر دی کہ وہ حد درجہ کی نعمت میں ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اذن اهل الجنة منزلة من ينادى الخادم من خدمه فيجيبه الف كلهم لبنيك لبنيك (3) جنتیوں میں کم درجہ کا جنتی جب اپنے خادموں میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو ایک ہزار اس کو جواب دے گا سب کہیں گے: لبنيك لبنيك۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما من أحد من اهل الجنة الا يسعى عليه ألف غلام كل غلام على عمل ليس عليه صاحب (4) ہر جنتی کے لیے ایک ہزار غلام بھاگ دوڑ کر رہا ہوگا ہر غلام ایسے کام میں مصروف ہوگا جس میں دوسرا مصروف نہیں ہوگا۔

حضرت حسن بھری سے مروی ہے صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب خادم موتی کی طرح ہیں تو مخدوم کی حالت کیا ہوگی (1)؟ فرمایا: مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ الْقَمَرِ لَيْلَةِ الْبَدْرِ وَبَيْنَ أَصْغَرِ الْكُوكَبِ دُونُوكِ دَرْمِيَانِ اتْنَا فَرَقْ هُوْكَ جَتْنَا فَرَقْ چود ہو یں کے چاند اور سب سے چھوٹے ستارے کے درمیان ہوتا ہے۔

کسائی نے کہا: كُنْتُ الشَّيْءِ كَا مَعْنَى هِيَ مِیں نے اس پر پردہ ڈالا اور سورج سے اسے محفوظ کر دیا۔ اَكُنْتُ فِي نَفْسِي مِیں نے اسے چھپا دیا۔ ابوزید نے کہا: كُنْتُ وَ اَكُنْتُ دُونُوكِ كَا مَعْنَى اِيْكَ هِيَ خَوَاهِ كَسِيْ پَرْدَه مِیں چھپائیں یا اپنی ذات میں چھپائیں، تو کہتا ہے: كُنْتُ الْعِلْمَ وَ اَكُنْتُ هُوَ مَكْنُونٌ وَ مَكْنٌ - كُنْتُ الْجَارِيَةَ وَ اَكُنْتُهَا فَهِيَ مَكْنُونَةٌ وَ مَكْنَةٌ -

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِنَا

مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنْ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ قُلْنَا عَذَابَ السُّوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ

نَدْعُوهُ ۚ اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾

”اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے کہیں گے ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔ بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے، یقیناً وہ بہت احسان کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جنت میں اس تھکاوٹ اور عاقبت کے اس خوف کا ذکر کریں گے جو دنیا میں انہیں لاحق ہوتی تھی اور خوف کے ختم ہونے پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے کو کہیں گے تو اس بلند مقام پر کیسے پہنچا۔

قَالُوا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ ہر مسؤل اپنے سائل سے یہی بات کرے گا یعنی ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا کرتے تھے۔

فَمَنْ اللّٰهُ عَلَيْنَا اللّٰهُ تعالیٰ نے جنت اور مغفرت عطا فرما کر ہم پر احسان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: توفیق اور ہدایت دے کر ہم پر احسان کیا گیا۔ وَ قُلْنَا عَذَابَ السُّوْمِ ﴿٢٧﴾ حضرت حسن بھری نے کہا: سموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقہ ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد جہنم ہے جس طرح تو اسے جہنم کہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے نار عذاب السوم، سموم سے مراد گرم ہوا ہے یہ لفظ مونث استعمال ہوتا ہے یہ جملہ ذکر کیا جاتا ہے سم یومنا فهو سموم اس کی جمع سائم آتی ہے۔ ابو عبید نے کہا: سموم ہوا دن کے وقت ہوتی ہے اور کبھی رات کے وقت بھی



ہوتی ہے۔ حرور ہوارات کے وقت ہوتی ہے اور کبھی دن کے وقت ہوتی ہے سموم کا لفظ کبھی کبھی سردی کی لپک کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ اصل میں یہ گرمی اور سورج کی لپک۔ لیے اکثر بولا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

یَوْمَ بَارِدٌ سُوْدٌ مِّنْ جَزَعِ الْيَوْمِ فَلَا أَلْمَمَةٌ (1) ☆

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ اِهْم ا۔ قبل دنیا میں اس سے دعا کیا کرتے تھے کہ وہ ہمارے گناہوں کی بخشش فرما کر ہم پر احسان فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَدْعُوْهُ بمعنی نعبده ہے اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ نافع اور کسائی نے اسے انہ پڑھا ہے اصل میں لانہ تھا۔ باقی قراء نے اسے اِنَّہ پڑھا ہے کیونکہ یہاں سے کلام شروع ہو رہی ہے۔ البر کا معنی لطیف ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس نے جو وعدہ کیا وہ اس میں سچا ہے (3)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔

فَذَكِّرْنَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ يٰ كَاھِنُ وَلَا مَجْنُوْنٌ ۝۱۱ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ تَّتَرَبَّصُ  
بِهٖ رَاٰیِبَ الْمُنُوْنِ ۝۱۲ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبَّصِيْنَ ۝۱۳ اَمْ تَأْمُرُهُمْ  
اَحْلَافُهُمْ بِهٰذَا اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۱۴ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقْوَلَهٗۙ بَلْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵  
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۙ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۱۶

”پس آپ سمجھاتے رہے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا یہ (نا بکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمائیے (ہاں ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں ان (مہمل) باتوں کا یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ پس گھڑ کر لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں۔“

فَذَكِّرْنَا اے محمد! ﷺ اپنی قوم کو قرآن کے ذریعے سمجھاتے رہے۔ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ يٰ كَاھِنُ یعنی اپنے رب کی رسالت کا فریضہ سرانجام دینے کی وجہ سے کاہن نہیں کہ آپ خود ہی اپنی طرف سے قول گھڑتے ہیں اور وحی کے بغیر اگلے روز خبر دے دیتے ہوں۔ وَلَا مَجْنُوْنٌ ۝۱۲ اس میں ان کے قول کا رد کیا گیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کیا کرتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے کہا تھا: وہ مجنون ہیں۔ شیبہ بن ربیعہ نے کہا تھا: وہ جادوگر ہیں۔ دوسرے نے کہا تھا: کاہن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور ان کا رد کیا، پھر یہ کہا گیا: فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ قسم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قسم آپ کاہن اور مجنون نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قسم نہیں یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: بحمد اللہ آپ جاہل نہیں یعنی

اللہ تعالیٰ نے تجھے اس امر سے بری کیا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ بَلَدٌ وَهَكَذَا قَالُوا لِمُحَمَّدٍ ﷺ شَاعِرٌ هُنَّ حِيلُ الْكُفَّارِ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْمَكِئَةِ أَلَمْ يُجِبْكَ رَبُّكَ بِأَنَّهُ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَإِنَّ خَلْقَ الْإِنْسَانِ لَكَبِيرٌ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكَ فَرْجًا وَخِزْيَانًا غَيْرَ مُنْجِدٍ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكَ فَرْجًا وَخِزْيَانًا غَيْرَ مُنْجِدٍ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكَ فَرْجًا وَخِزْيَانًا غَيْرَ مُنْجِدٍ

أَلَمْ يَجْعَلْ لَكَ فَرْجًا وَخِزْيَانًا غَيْرَ مُنْجِدٍ

یہاں کلام مکمل ہو گئی پھر ایک دوسری بات کی طرف نکل گیا تو کہا

أَمْ الْخَبْلُ وَآيَاهَا مُنْجِدٌ

کتاب اللہ میں جو اس طرح کی کلام ہوتی ہے اس سے مراد تقریر، تویخ اور ایک بات سے دوسری بات کی طرف نکلنا مقصود ہوتا ہے۔ نحوی اس (امر) کو بل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

ثُمَّ تَرَبَّصْ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ○ قتادہ نے کہا: کفار میں سے ایک قوم نے کہا تم حضرت محمد ﷺ کی موت کا انتظار کرو وہ تمہاری جانب سے اسے کافی ہو جائے گی، جس طرح موت فلاں قوم کے شاعر کو کافی ہو گئی تھی (1)۔ ضحاک نے کہا: وہ بنو عبد الدار تھے انہوں نے آپ کی طرف اس امر کو منسوب کیا تھا آپ شاعر ہیں، یعنی قریب ہی ہلاک ہو جائیں گے جس طرح ان سے پہلے شعراء ہلاک ہوئے ان کے والد جوانی میں فوت ہو گئے جس طرح ان کے والد فوت ہوئے ممکن ہے یہ بھی فوت ہو جائیں۔ انفس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے نتربص بہ الی ریب المنون تو حرف جار کو حذف کر دیا گیا؛ جس طرح تو کہتا ہے: قصدت زیدا و قصدت الی زید۔ منون سے مراد حضرت ابن عباس کے قول میں موت ہے (2)۔ ابوالغول طہوی نے کہا:

هُمْ مَنَعُوا حَتَّى الْوَقْبَى بِضَرْبٍ يُؤَلِّفُ بَيْنَ أَشْثَاتِ الْمُنُونِ (3)

منون سے مراد موتیں ہیں۔ شاعر کہتا ہے: بے شک ضرب (جنگ) ایسی قوموں کو جمع کر دیتی ہے جن کے علاقے الگ الگ ہوتے ہیں اگر ان کی موتیں ان کے اپنے اپنے علاقوں میں آئیں تو انہیں متفرق آئیں وہ ایک جگہ جمع ہو گئے تو موتیں انہیں اکٹھے آگئیں۔

سدی نے ابومالک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: لفظ رَيْبُ الْقُرْآنِ حکیم میں جہاں کہیں ہے اس کا معنی شک ہے مگر سورہ طور میں ایک جگہ شک کے معنی میں نہیں ہے: یعنی رَيْبُ الْمُنُونِ سے مراد حادثات زمانہ ہیں۔ شاعر نے کہا:

تَرَبَّصْ بِهَا رَيْبَ الْمُنُونِ لَعَلَّهَا تُطَلَّقَ يَوْمًا أَوْ يَمُوتَ حَبِيلُهَا (4)

یہاں بھی رَيْبُ الْمُنُونِ سے مراد حادثات زمانہ ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 384

2۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 828

4۔ تفسیر طبری، ج 27، صفحہ 40 (حاشیہ میں مکمل شرح ہے)

3۔ ایضاً



مجاہد نے کہا: رَايِبُ الْمُنُونِ سے مراد حادثات زمانہ ہیں (1)، منون سے مراد زمانہ ہی ہے؛ ابو ذؤہیب نے کہا:

أَمِنَ الْمُنُونِ وَرَيْبِهِ تَتَوَجَّعُ وَالذَّهْرُ لَيْسَ بِمُعْتَبَرٍ مِّنْ يَّجْزَعُ (2)

کیا تو حادثات زمانہ سے دکھی ہوتا ہے اور جو جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔

اصمعی نے کہا: منون سے مراد رات اور دن ہے۔ ان دونوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں عمر کو کم کرتے ہیں اور اجل کو ختم کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ دہر (زمانہ) کو منون کہتے ہیں؛ کیونکہ زمانہ حیوان کی قوت کو ختم کر دیتا ہے؛ اسی طرح منیۃ ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دہر کو منون کہتے ہیں کیونکہ یہ قوت کو کمزور کرنے والا ہے۔ عربوں کا قول ہے: حبل منین کمزور سی۔ منین سے مراد کمزور غبار ہے۔ فراء نے کہا: منون مؤنث ہے یہ واحد اور جمع ہے۔

اصمعی نے کہا: منون واحد ہے اس کی جمع نہیں آتی۔ اخفش نے کہا: یہ جمع ہے اس کا واحد نہیں۔ منون مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس نے اسے مذکر قرار دیا ہے اس نے اس سے مراد دہر اور موت لی ہے جس نے اسے مؤنث قرار دیا ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے گویا اس نے منیۃ مراد لی ہے۔

قُلْ تَرَبَّصُوا اے محمد! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کہو تم انتظار کرو فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ⑩ میں بھی تمہارے بارے میں عذاب کا انتظار کرنے والا ہوں۔ انہیں غزوۂ بدر کے موقع پر تلوار سے عذاب دیا گیا۔

أَمْرًا مُّرْهُمُ أَخْلَا مُهُمْ بِهَذَا، احلام سے مراد ان کے عقول ہیں۔ ہذا سے مراد آپ کی ذات پر جھوٹ بولنا ہے۔  
أَمْرُهُمْ قَوْمٌ طَاغُوتٌ ⑪ یا بغیر عقل کے وہ سرکشی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر، بل کے معنی میں ہے۔ بلکہ انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے کفر کیا اگرچہ ان کے لیے حق ظاہر ہوا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا وجہ ہے کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت دانشمند ہونے سے بیان کی ہے؟ فرمایا: وہ ایسی عقلیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نصیب نہیں فرمائی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَخْلَا مُهُمْ سے مراد ان کے اذہان ہیں کیونکہ عقل کافر کو نہیں دی جاتی اگر اس کے پاس عقل ہوتی تو وہ ایمان لے آتا، کافر کو ذہن دیا جاتا ہے تو پس یہ ذہن اس پر حجت ہوتی ہے، ذہن عموماً علم کو قبول کرتا ہے، عقل علم میں تمیز پیدا کرتا ہے اور امر و نہی کی حدود کی مقدار کا اندازہ لگاتا ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! فلاں نصرانی کتنا دانشمند ہے؟ فرمایا: ایسا کہنے سے رک جا کافر کے ہاں عقل نہیں ہوتی کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑫ (الملك) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مروی حدیث میں ہے ”ایسا کہنے سے رک جا کیونکہ عقل مند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا ہے“ اسے ترمذی حکیم ابو عبد اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ وہ کہتے ہیں اس نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے مراد قرآن حکیم ہے۔ تقول سے مراد ایسا قول

ہے جس میں تکلف سے کام لیا گیا ہو۔ عموماً یہ لفظ جھوٹ میں استعمال کیا جاتا ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: قولتہنی مالہ اقل واقولتہنی مالہ اقل یعنی تو نے مجھ پر دعویٰ کیا۔ تقول علیہ یعنی اس پر جھوٹ بولا۔ اقتال علیہ اپنی مرضی سے تصرف کر رہا ہونے کا:۔

وَمَنْزِلَةٌ لِّیْ دَارِ صِدْقٍ وَ غِبْطَةٍ وَمَا اِتْتَالَ مِنْ حُكْمٍ عَلٰی طَبِیْبٍ

صدق اور رشک کے گھر میں مقام و مرتبہ ہے طبیب نے میرے بارے میں اپنی مرضی سے حکم نہیں لگایا۔ پہلا امر انکار کے لیے اور دوسرا امر ایجاب کے لیے ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں بَلْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ بلکہ وہ انکار کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے ایمان نہیں لاتے۔

فَلِیَّا تَوَابِحِدِیْثٍ مِّثْلَہٗ اُنہیں چاہیے کہ اپنی جانب سے ایسا کلام لے آئیں جو قرآن کے مشابہ ہو۔

اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۝ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر پیش کی ہے۔ جدری نے اسے فلیا توابحیدیت مثله پڑھا ہے یعنی حدیث کا لفظ مضاف ہے مثله میں ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے وہ حدیث جس سے مراد قرآن ہے اسے آپ ﷺ کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کی قرأت کے مطابق ہاء قرآن کے لیے ہے

اَمْ خَلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا یُوقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَہُمْ خَزَآئِنُ رَہْیٰکَ اَمْ هُمُ الْمُصِیْطِرُوْنَ ۝ اَمْ لَہُمْ سُلٰمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْہِ ۝ فَلِیَّا تِ مُسْتَمِعُہُمْ سُلٰطِنٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَمْ لَہُ الْبَنٰتُ وَلَکُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ تَسْأَلُہُمْ اَجْرًا فَہُمْ مِنْ مَّعْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَہُمُ الْغَیْبُ فَہُمْ یَّکْتُبُوْنَ ۝ اَمْ یُرِیْدُوْنَ کِیْدًا ۝ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا هُمُ الْکٰیْدُوْنَ ۝ اَمْ نَہُمْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ ۝ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرَکُوْنَ ۝

”کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جمالیا ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سیزھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (خفیہ باتیں) سن لیا کرتے تھے (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل۔ (ظالمو!) کیا اللہ تعالیٰ کے لیے نری بینیاں اور تمہارے لیے نرے بیٹے (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں پس وہ چنی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں کیا وہ (رسول خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ کے سوا، باریک



ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ، اَمْرٌ میں میم زائد ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اخلقوا من غیر شیء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا ان کے رب کے علاوہ نے انہیں پیدا کیا اور انہیں مقدر کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا: کیا ماں اور باپ کے علاوہ میں انہیں پیدا کیا گیا تو وہ جماد کی طرح ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں وہ ایسے نہیں کیا انہیں نطفہ، علقہ اور مضغہ سے پیدا نہیں کیا گیا ہے اور انہیں بے مقصد چھوڑ دیا گیا ہے مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ کا معنی ہے کسی شے کے لیے بھی نہیں۔ یہاں من، لام کے معنی میں ہے۔

أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ⑤ یادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانیں گے جب کہ وہ یہ نہیں کہتے۔ جب وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا ان کے علاوہ کوئی خالق نہیں تو کون سی ایسی چیز ہے جو انہیں روکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کریں اور بتوں کی عبادت کا اقرار کریں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کریں تو ان کا اقرار یہ بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ معاملہ اس طرح نہیں کیونکہ انہوں نے کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا۔ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ⑥ بلکہ وہ حق کا یقین نہیں رکھتے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَتِ رَبِّكَ یعنی ان کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہیں اور اس کے امر سے اعراض کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خزائن سے مراد بارش اور رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رحمت کی چابیاں۔ عکرمہ نے کہا: مراد رسالت ہے جہاں وہ چاہتے ہیں اسے رکھتے ہیں (1)۔ خزائن سے مثال بیان فرمائی ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہوتی ہے جسے اس لیے تیار کیا جاتا ہے تاکہ مختلف قسم کے ذخائر کو جمع کیا جائے۔ سب کی مقدورات ان خزائن کی طرح ہیں جن میں ہر قسم کی جنسیں ہوتی ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔

أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُّونَ ⑦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی تسلط جمانے والے اور جبار ہیں (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی باطل پرست ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی قبضہ کرنے والے ہیں (3)۔ عطا نے کہا: وہ غالب ہیں۔ عطا نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے تسطیرت علی یعنی تو نے مجھے اپنا خادم بنا لیا؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ صحاح میں ہے مسیطر اور مصیطر کا معنی ہے کسی شی پر تسلط جمانے والا تاکہ اس کی نگرانی کرے، اس کے احوال کو نگاہ میں رکھے اور اس کے عمل کو لکھتا رہے۔ اس کی اصل سطر ہے کیونکہ کتاب کو سطروں میں لکھا جاتا ہے جو آدمی یہ کام کرتا ہے وہ مسطر اور مسیطر ہوتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے سیطر علینا۔ ابن بحر نے کہا: ام هم المسیطرون وہ نگہبان ہیں یہ تسطیر الكتاب سے ماخوذ ہے یعنی جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اسے یاد رکھتا ہے تو یہاں مسیطر وہ ہوگا جو اس کو یاد رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں تین لغتیں ہیں، صاو یہ عام قرأت

ہے، سین یہ ابن حصین، حمید، مجاہد، قبل، ہشام اور ابو حیوہ کی قرأت ہے، صاد کو زاء کا اشمام یہ حمزہ کی قرأت ہے جس طرح سورۃ فاتحہ میں الصراط میں یہ گزر چکا ہے۔

أَمَّا لَهُمْ سُلَّمٌ کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کیا آسمان تک بلند ہونے کے لیے ان کے پاس کوئی سیڑھی یا رسی ہے۔  
يَسْمَعُونَ فِيهِ جس پر چڑھ کر وہ خبروں کو سنتے ہیں اور اس کی مدد سے علم غیب تک رسائی حاصل کرتے ہیں؛ جس طرح حضرت محمد ﷺ وحی کے ذریعہ وہاں تک جا پہنچتے ہیں۔

فَلَيَاتِ مُسْمِعُهُمْ سُلْطَنٌ مُبِينٌ ۝ تو سننے والا واضح دلیل لے آئے کہ جس پر وہ ہیں وہ حق ہے۔ سُلَّمٌ یہ سلالہ کا واحد ہے جس پر چڑھا جاتا ہے بعض اوقات غرز کو بھی یہ نام دیا جاتا ہے؛ زبیر نے کہا:

وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنِيَّةِ يَنْقُهَا وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّاءِ بِسُلَّمٍ

جو آدمی موت کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ انہیں مل ہی جاتا ہے اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان تک کا قصد کرے۔  
ابن مقبل نے کہا:

لَا تُخْرِذُ السَّرَّ أَحْجَاءُ الْبِلَادِ وَلَا يُنَنِّي لَهُ فِي السَّمَوَاتِ السَّلَالِيمُ (1)

شہروں کے اطراف اس آدمی کی حفاظت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے لیے آسمانوں میں سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں۔  
احجاء کا معنی اطراف ہے جس طرح ارحاء ہے ان دونوں کا واحد حجاج اور رجا ہے۔ جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے اس شعر کو اعناء البلاد کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اعناء کا معنی بھی جوانب ہیں اس کا واحد عنو ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا: اس کا واحد عنا ہے یہ بھی الف مقصورہ کے ساتھ ہے جاءنا أعناء من الناس ہمارے پاس لوگوں کی جماعتیں آئیں اس کا واحد عنو ہے۔

يَسْمَعُونَ فِيهِ اس میں فی، عدی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِي جُذُوعِ النَّخْلِ (طہ: 71) یہاں بھی فی، عدی کے معنی میں ہے؛ یہ انفس کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہاں فی، باء کے معنی میں ہے۔ زجاج نے کہا: کیا ان کے لیے بھی حضرت جبریل کی طرح کوئی فرشتہ ہے جو حضرت جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس وحی لاتے ہیں۔

أَمَّا لَهُ الْهَيْئَةُ وَلَكُمْ الْهَيْئَةُ ۝ انہیں شرمندہ کرنے اور تنبیہ کرنے کے لیے ان کی عقلوں کو بے وقوف قرار دیا، یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہو جب کہ خود ان کے بارے میں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہو جس کی دانش اس جیسی ہو تو اس کے بارے میں کوئی بعید نہیں کہ وہ بعث کا انکار کرے۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا کیا آپ ان سے رسالت کی تبلیغ پر اجر طلب کرتے ہیں فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝ تو وہ چنی جس کا آپ ان سے مطالبہ کرتے ہیں اس کے باعث وہ مشقت میں مبتلا ہیں۔

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ وہ لوگوں کے لیے غیب میں سے وہ کچھ لکھتے ہیں جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں۔



ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم ہے جو لوگوں سے غائب ہے یہاں تک کہ انہیں علم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت، جنت، جہنم اور بعث کے بارے میں جو کچھ خبر دی ہے وہ سب باطل ہے۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کہا تَتَرَبَّصُّ بِهِ رَايِبُ الْمُتَوْنِ ہم اس کے بارے میں حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَمْرٌ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ یہاں تک کہ انہیں علم ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا وصال کب ہوگا اور ان کے معاملہ کا انجام کیا ہوگا (1)؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے تو اس میں جو کچھ ہے اسے وہ لکھتے ہیں اور اس میں جو کچھ ہے اس کی لوگوں کو خبر دیتے ہیں (2)؟ قتبی نے کہا: يَكْتُتُونَ کا معنی ہے وہ حکم دیتے ہیں (3)۔ کتاب کا معنی حکم (فیصلہ) ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) یعنی تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا حُكْمَ بَيْنَكُمْ بَكْتَابِ اللَّهِ (4) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

أَمْرٌ يُرِيدُونَ كَيْدًا یعنی وہ دارالندوہ میں تیرے بارے میں خفیہ تدبیر کا ارادہ کرتے ہیں۔  
قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ ۝ یعنی جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی جائے گی؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (فاطر: 43) اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بدر کے میدان میں قتل کیا گیا۔ أَمْرٌ لَهُمُ اللَّهُ غَيْرُ اللَّهِ یعنی وہ الہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ اللہ تعالیٰ کی اس امر سے پاکی بیان کیجئے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ خلیل نے کہا: سورہ طور میں جہاں بھی ام کا لفظ ذکر کیا گیا ہے وہ کلمہ استفہام ہے صرف ۴ صنف نہیں (5)۔

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا

يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

”اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے: یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے، جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔“

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا اللَّهُ تَعَالَىٰ نے یہ ان کے قول کے جواب میں ارشاد فرمایا: فَاسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ (الشعراء: 187) أَوْ تَسْقُطِ السَّمَاءُ كَمَا زَعَّمْتِ عَلَيْنَا كِسْفًا (الاسراء: 92) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا تو وہ ضرور کہتے۔ سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۝ یہ ایسا بادل ہے جو تہہ در تہہ ہے جو ہم پر آگرا ہے یہ آسمان نہیں یہ معاند کا عمل ہے یا اس کا نفل ہے جس کو تقلید نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ مشرکوں کی دو قسمیں ہیں۔ کسف یہ

کسفہ کی جمع ہے جس کا معنی کسی شے کا کھڑا ہے۔ انفث نے کہا: جس نے کسفہ پڑھا ہے اس نے اسے واحد بنایا ہے جس نے اسے کسفہ پڑھا ہے اس نے اسے جمع کا صیغہ قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبحان وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ قَدْ نَرَاهُمْ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ⑤ یاء کے فتح کے ساتھ عام قرأت ہے۔ ابن عامر اور عاصم نے یاء کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: دو لغتیں ہیں صَعِق، صَعِقَ جس طرح سَعِد، سَعِدَ ہے۔ قتادہ نے کہا: جس روز وہ مریں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم بدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح اولی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے جس میں ایسا عذاب آئے گا جو ان کی عقلوں کو زائل کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصعقہ اللہ سے یاء کے ضمہ کے ساتھ یصعقون ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا لَعْنِي دُنْيَا میں جو وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خفیہ تدبیر کرتے رہے۔ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ⑥ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی مدد کی جائے گی۔ يَوْمَ کا لفظ يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ⑤ سے بدل ہے۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑦ وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ⑧ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ⑨

”اور بے شک ظالموں کے لیے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جب کہ آپ اٹھتے ہیں اور رات کے کسی حصہ میں اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں۔“

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا لَعْنِي جنہوں نے کفر کیا۔ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی موت سے قبل انہیں عذاب ہوگا۔ ابن زید نے کہا: مراد دنیا کے مصائب ہیں یعنی درد، بیماریاں، آزمائشیں، مال اور اولاد کا چلا جانا۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بھوک اور سات سال تک خشک سالی ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد قتل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد عذاب قبر ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ دون کا معنی غید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ایسا عذاب ہے جو آخرت کے عذاب سے خفیف ہوگا۔

وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑦ لیکن اکثر یہ نہیں جانتے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے اکثر نہیں جانتے کہ ان کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔



وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1** - وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے جو اس نے آپ پر رسالت کی ذمہ داریاں ڈالیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آزمائش پر صبر کیجئے جو اس نے آپ کی قوم کی جانب سے آپ کو آزمائش میں ڈالا۔ پھر آیت سیف کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔

**مسئلہ نمبر 2** - فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے جو تم کہتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو ہم اسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ ہم تجھے دیکھتے ہیں، تیری حفاظت کرتے ہیں۔ سب کا معنی ایک ہی ہے: اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي ۝ (طہ) مراد میری حفاظت اور میری نگہبانی میں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1** - وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ حِينَ تَقُومُ کی تاویل میں اختلاف ہے۔ عون بن مالک، حضرت ابن مسعود، عطا، سعید بن جبیر، سفیان ثوری اور ابواحوص نے کہا: جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: سبحان الله وبحمده یا سبحانك اللهم وبحمدك۔ (1) اگر مجلس اچھی ہو تو اچھی تعریف میں اضافہ کرتے ہیں اگر کوئی اور معاملہ ہو تو یہ کلمات اس کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں، اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من جلس في مجلس فكثر فيه لغطه فقال قبل أن يقوم من مجلسه سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك لا غفر له ما كان في مجلسه ذلك۔ (2) جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا اس میں اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہوئیں اس نے مجلس سے اٹھنے سے قبل یہ کہا: سبحانك اللهم وبحمدك ..... وأتوب إليك تو اس مجلس میں سے اس سے جو غلطیاں ہوئیں یہ الفاظ اس کا کفارہ بن جائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (3)۔ اسی بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: ہم ایک مجلس میں اٹھنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تسبیح سودفہ گنا کرتے تھے رب اغفر لی وتب علی انک أنت التواب الغفور اے میرے رب! مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما تو تواب اور غفور ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (4)۔ محمد بن کعب، ضحاک اور ربیع نے کہا: معنی ہے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ ضحاک نے کہا: آپ کہتے اللہ اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان الله بکرة وأصیلا۔ طبری نے کہا: یہ تعبیر حقیقت سے بہت ہی بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: حِينَ تَقُومُ تکبیر کے بعد تسبیح پر دلالت نہیں کیونکہ تکبیر قیام کے بعد ہوتی ہے اور تسبیح اس کے بعد ہوتی ہے۔ پس یہ

امرا اس بات پر دال ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تو جس مکان سے بھی اٹھے؛ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ابو جوزاء اور حسان بن عطیہ نے کہا: معنی ہے جب تو اپنی نیند سے اٹھے۔ حسان نے کہا: تاکہ وہ اپنے عمل کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کرنے والا ہو۔ کلبی نے کہا: جب تو اپنے بستر سے اٹھے تو زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر یہاں تک کہ تو نماز میں داخل ہو جائے اور وہ نماز، نماز فجر ہے اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عبادہ بن نضیر کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من تعازي الليل فقال لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير والحمد لله وسبحان الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله۔ (1) جو رات کو اٹھا اور اس نے یہ کلمات پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ..... الا بالله پھر کہا: اے اللہ! مجھے بخش یا کوئی دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جائے گی۔ اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ اے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

تعار الرجل من الليل سے مراد ہے وہ آواز نکالتے ہوئے نیند سے اٹھا اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے عاز الظلم يعار عمارا بعض کہتے ہیں: عاز الظلم يعار عمارا مظلوم نے آواز لگائی، جس طرح وہ کہتے ہیں: زمر النعام يزمر زمارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وسط میں نماز کے لیے اٹھتے تو کہتے: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نَوْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمَحْتَدِ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَإِلَيْكَ أُنَبِّتُ وَرَبِّكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاعْفُ عَنِّي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمَقْدَمُ وَأَنْتَ الْمَوْخِرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ (2) متفق علیہ

اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے تو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا نور ہے تیرے لیے حمد ہے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو قائم رکھنے والا ہے تیرے لیے حمد ہے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور حضرت محمد ﷺ حق ہیں اے اللہ! میری اگلی، پچھلی، مخفی اور اعلانیہ خطائیں معاف فرما دے تو ہی معبود برحق ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: جب آپ رات کے وقت اٹھتے تو اپنے چہرے سے نیند کے آثار کو دور کرتے: پھر سورہ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت کرتے (3)۔

زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے جب آپ ظہر کی نماز کے لیے قیلولہ کی نیند سے اٹھتے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک قیلولہ

1- معجم بخاری، کتاب التہجد، فصل من تعازي من الليل وصل، جلد 1، صفحہ 155

2- ایضاً، التہجد باللیل، جلد 1، صفحہ 151

3- معجم بخاری، کتاب التفسیر، رہنا انک من تدخل النار، جلد 2، صفحہ 657



کی نیند کا تعلق ہے اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا یہ تو صرف رات کی نیند کے ساتھ ملحق ہوتا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نماز میں تسبیح ہے جب نماز کے لیے آپ اٹھتے۔ ماوروی نے کہا: اس تسبیح کے بارے میں دو قول ہیں (۱) مراد سبحان ربی العظیم ہے جو رکوع میں پڑھی جاتی ہے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہے (۲) نماز میں یہ کلمات توجہ ہے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جَدک ولا الہ غیرک۔

ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد نماز کی تسبیح ہے تو یہ افضل ہے۔ اس میں آثار بہت زیادہ ہیں۔ سب سے عظیم وہ ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے: وجہت وجہی (2) ہم نے اس کا اور اس کے غیر کا ذکر سورۃ الانعام میں کیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھائیں جو میں نماز میں مانگا کروں فرمایا: کہو اللہم اِنِّی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی اِنَّک انت الغفور الرحیم (3) اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بے شمار ظلم کیے ہیں تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں مجھے اپنی بارگاہ سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو غفور رحیم ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ مِنْ الْاَيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِذْ بَايَا النُّجُوْمِ ⑤ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ ق میں کھل گزر چکی ہے۔ جہاں تک اِذْ بَايَا النُّجُوْمِ کا تعلق ہے تو حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت کو اس قول پر بطور عمد محمول کیا ہے اور اسے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ قرار دیا ہے۔ ضحاک اور ابن زید سے مروی ہے وَ اِذْ بَايَا النُّجُوْمِ سے مراد صبح کی نماز ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد نمازوں کے آخر میں تسبیحات ہیں۔ اِذْ بَايَا النُّجُوْمِ کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ساتوں قراء نے مصدر پڑھا ہے جس طرح ہم نے سورۃ ق میں بیان کیا ہے۔ سالم بن ابی جعد اور محمد بن سمیع نے ادبارفتمہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی کی مثل یعقوب، سلام اور ایوب سے مروی ہے یہ دُہر اور دُہر کی جمع ہے۔ دُہر الا مر اور دُہر سے مراد امر کا آخر ہے۔

امام ترمذی نے محمد بن فضیل کی حدیث وہ رشید بن کریم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اِذْ بَايَا النُّجُوْمِ سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں اور ادبار السجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں (4)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوع صرف اس سند سے پہچانتے ہیں وہ سند محمد بن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1733

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، صلوٰۃ النبی ودعاءہ باللیل، جلد 1، صفحہ 263

3۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، الدعاء علی الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 936

4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ الطور، جلد 2، صفحہ 160

فضیل، رشدین بن کریب سے، میں نے محمد بن اسماعیل سے پوچھا کہ محمد بن فضیل اور رشیدین بن کریب میں سے کون زیادہ ثقہ ہے؟ فرمایا: میں ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں یہ اقرار نہیں کرتا تاہم میرے نزدیک محمد رائج ہے۔ کہا: میں نے اس کے بارے میں عبد اللہ بن عبد الرحمن سے سوال کیا؟ فرمایا: میں ان دونوں کے بارے میں امر کے ثبوت کا اقرار نہیں کرتا ان دونوں میں رشدین بن کریب زیادہ رائج ہے۔ ترمذی نے کہا: جو ابو محمد قول کرے قول تو وہی ہے میرے نزدیک رشدین بن کریب، محمد سے زیادہ رائج اور مقدم ہے۔ رشدین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا اور آپ کو دیکھا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کے فرائض سے قبل دو رکعتوں کا جس قدر اہتمام کرتے اتنا اہتمام کسی نفل کا نہ کرتے تھے (1)۔ آپ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا (2) فجر کی دو رکعتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔ سورہ طور کی تفسیر مکمل ہوئی۔ الحمد للہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب رکعتی سنۃ الفجر، جلد 1، صفحہ 251

2۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء من رکعتی الفجر فی الفضل، جلد 1، صفحہ 56



## سورة النجم

﴿۱۲﴾ اَمَّا ۙ ﴿۵۲﴾ سُوْرَةُ النَّجْمِ ۙ ﴿۲۳﴾ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاهَا ۙ

یہ مکی ہے، اس کی باسٹھ آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر ایک آیت مدنی ہے وہ ہے اَلَّذِيْنَ يَجْتَبِيْنَ كَبَدَ الْاِلْتِمِ وَالْفَوَاحِشِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی آیات باسٹھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تمام سورت مدنی ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کیا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا (1)۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ حضرت عبداللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی اور اس کے لیے سجدہ کیا قوم میں سے کوئی آدمی نہ بچا مگر سب نے سجدہ کیا (2)۔ لوگوں میں سے ایک نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی یا مٹی کی مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھایا اور کہا: ”مجھے یہی کافی ہے“۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اسے بعد میں دیکھا اسے کافر کی حیثیت میں قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ جس آدمی نے یہ کیا تھا اسے امیہ بن خلف کہتے۔

صحیحین میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ النجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا (3)۔ اس بارے میں بحث سورہ اعراف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ۝۲ وَ مَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝۳  
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝۴ عَلَّمَهُ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۝۵ ذُو مِرَّةٍ ۝۶ فَاسْتَوٰی ۝۷ وَ هُوَ  
بِالْاُفْقِی الْاَعْلٰی ۝۸ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝۹ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ ۝۱۰ اَوْ اَدْنٰی ۝۱۱ فَاَوْحٰی اِلٰی  
عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۝۱۲

”قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اتر اترتا ہمارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگرد جی جو ان کی طرف کی جاتی ہے، انہیں سکھایا ہے زبردست

2۔ ایضاً، سجدۃ النجم، جلد 1، صفحہ 146

1۔ صحیح بخاری، باب سجود القرآن، سجود المسلمین مع المشرکین، جلد 1، صفحہ 146

3۔ ایضاً، باب سجود القرآن، من قراء السجدة ولم یسجد، جلد 1، صفحہ 146

قوتوں والے نے بڑے دانے پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمائوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ سے مراد ہے ثریا جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے۔ عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں اگرچہ تعداد میں یہ نجوم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سات ستارے ہیں ان میں سے چھ ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے جس کے ساتھ لوگ اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں۔ قاضی عیاض کی ”الشفاء“ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے قسم ہے قرآن کی جب وہ نازل ہو (1)۔ کیونکہ وہ آیات در آیات نازل ہوتا تھا؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد تمام ستارے ہیں جب وہ غروب ہوں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھائی جب وہ غائب ہوں۔ لفظ واحد کے ساتھ تعبیر کرنا ممتنع نہیں اس کا معنی جمع کا ہے۔ ایک چرواہے نے کہا:

فَبَاتَتْ تَعْدُ النَّجْمَ فِي مُسْتَحِيرَةٍ (2)

اس نے حیرت کے عالم میں ستارے گنتے ہوئے رات گزاری۔

عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

أَحْسَنُ النَّجْمِ فِي السَّمَاءِ الثُّرَيَّا وَالثُّرَيَّا فِي الْأَرْضِ زَيْنُ النَّسَاءِ

آسمان میں سب سے خوبصورت ستارہ ثریا ہے، زمین میں ثریا، عورتوں کی زینت ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: نجم سے مراد ستارے ہیں جب قیامت کے روز وہ گریں گے (3)۔ سدی نے کہا: یہاں نجم سے مراد زہرہ ہے کیونکہ عربوں میں سے کچھ لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے ساتھ شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے اس کا سبب ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کی ولادت سے قبل ستارے ٹوٹ کر گرے اس وجہ سے بہت سے عرب ڈر گئے وہ اپنے کاہن کے پاس گئے جو تاویلات تھے وہ انہیں حادثات کی خبر دیتا تھا لوگوں نے اس سے ستاروں کے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھا: اس نے کہا: بارہ برجوں کی طرف دیکھو اگر ان میں سے کوئی ایک ٹوٹ کرے تو یہ دنیا کی تباہی کی علامت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ٹوٹے تو دنیا میں کوئی عظیم حادثہ رونما ہوگا اس کا علم حاصل کرو۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی یہی وہ عظیم امر تھا جس کا انہیں احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ کو نازل فرمایا وہ ستارہ جو گرا وہ اس نبوت کی وجہ سے تھا جو اس وقت رونما ہونے والی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے ایسی نباتات ہے جس کا تاناہ ہو۔ هَوَىٰ یعنی وہ زمین پر گر گئی۔ جعفر بن محمد علی بن حسین نے کہا: النَّجْم سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ إِذَا هَوَىٰ جب معراج کی رات آپ آسمان سے



اترے۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ عتبہ بن ابی لہب جس کے عقد میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھی (1)۔ اس نے شام کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا اس نے کہا: میں (حضرت) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ضرور انہیں اذیت دوں گا وہ آپ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! وہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی اور الذی دنا فتدلی کا انکار کرنے والا ہے پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر لعاب پھینکا العیاذ باللہ۔ آپ ﷺ کی بیٹی آپ ﷺ کی طرف لوٹا دی اور اسے طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ”اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے“۔ ابوطالب موجود تھے غم کی زیادتی کی وجہ سے سر جھکا لیا اور کہا: اے بھتیجے! اس دعوت نے تجھے کیا فائدہ دیا؟ عتبہ اپنے باپ کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ بتایا پھر وہ قافلہ شام کی طرف چلا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ایک راہب اپنے کلیسا سے ان پر جھانکا اس نے کہا: یہ علاقہ درندوں کا ہے۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے جماعت قریش! اس رات ہماری مدد کرنا۔ میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی دعا کی وجہ سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کو جمع کیا اور اپنے گرد بٹھالیا اور عتبہ کا محاصرہ کر لیا۔ شیران کے منہ سوگھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عتبہ پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا؛ حضرت حسان نے یہ شعر کہا:

مَنْ يَرْجِعُ الْعَامَ إِلَى أَهْلِهِ فَمَا أَكِيلُ السَّهْمِ بِالزَّاجِعِ

اس سال کون اپنے گھر کی طرف لوٹے گا، درندے کا کھایا ہوا واپس نہیں لوٹتا۔

نجم کا اصل معنی طلوع کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نجم السن دانت نکل آیا۔ نجم فلان بیلاد کذا فلاں نے فلاں علاقہ میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کی۔ الہوی کا معنی نازل ہونا اور گرنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ہوی یھوی ہویا جس طرح مضی مضی مضیا ہے؛ شاعر نے کہا:

بَيْنَمَا نَحْنُ بِالْبَلَاكِثِ فَالْقَا عِ سَمَاعًا وَالْعَيْسُ تَهْوٰی هُوًا

اسی اثنا میں کہ ہم بلاکت اور قاع میں تیزی سے گزر رہے تھے جب کہ عمدہ اونٹ اتر رہے تھے۔

اصمعی نے کہا: ہوی، یھوی ہویا جب بلندی سے پستی کی طرف گرے اسی طرح انھوی فی السید ہے جب وہ گزر جائے۔ ہوی اور انھوی دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے، شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

وَكَمْ مَنَزِلٍ لَوْلَا لِيَحْتَ كَمَا هَوٰی بِأَجْرَامِهِ مِنْ قُلَّةِ النَّبِقِ مَنَهْوٰی

کتنی ہی منزلیں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو تو سرگرداں رہتا جس طرح پہاڑ کی چوٹی سے گرنے والی چیز نیچے گرتی ہے۔

محبت میں کہا جاتا ہے: ہوی یھوی ہوی جب وہ محبت کرے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ يَهْوٰی قَسْمٌ هُوَ مَعْنٰی حضرت محمد ﷺ حق سے گمراہ نہ ہوئے اور نہ اس سے پھرے۔ وَمَا

عَوٰی ① غی اشد کی ضد ہے معنی ہے گمراہ نہ ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے باطل گفتگو نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو طلب کیا اس میں خائب و خاسر مراد ہے۔ غی کا معنی خسارہ ہے۔

شاعر نے کہا:

فَمَنْ يَلْتَقِ خَيْرًا يَخْتَدِ النَّاسُ أَمْرَهُ وَمَنْ يَلْتَقِ لَيْعًا يَلْتَمِسُ عَلَى الْغَىِّ لَاحِظًا (1)

جو مال پاتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جو خسارہ اٹھاتا ہے تو وہ ملامت کرنے والے سے خالی نہیں ہوتا۔  
مراد ہے جو اپنی طلب میں ناکام رہتا ہے لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی جائز ہے کہ آپ کو خبر دی جا رہی ہو جو وحی کے بعد ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ عمومی طور پر آپ کے احوال کی خبر دی جا رہی ہو یعنی آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہے ہیں سورہ شوریٰ آیت 52 میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان مَّا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنْيَانُ کے ضمن میں جو بیان کیا ہے اس اعتبار سے بھی صحیح ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ قنادہ نے کہا: آپ قرآن اپنی خواہش سے بیان نہیں کرتے (2) ”یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے“۔ ایک قول یہ کیا گیا: عَنِ الْهَوَىٰ، بالہوی کے معنی میں ہے؛ یہ ابو عبیدہ نے قول کیا ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسُئِلَ بِهِ خَيْرًا ۖ (الفرقان) یہاں بھی بہ، عنہ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: قنادہ کا قول اولیٰ ہے اور عن اپنے معنی میں ہے یعنی آپ کا نطق (بولنا) اپنی رائے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد ہے إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جو علماء امور میں رسول اللہ ﷺ سے اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اس آیت میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ سنت عمل میں بازل شدہ وحی کی طرح ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں اس کے بارے میں حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ جستانی نے کہا: اگر تو چاہے تو إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ کو مَاضِلٌ صَاحِبُکُمْ سے بدل دو۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ ان خفیہ ماکا بدل نہیں ہوتا اس پر دلیل یہ ہے کہ تو یہ نہیں کہتا: واللہ ما قست ان انا لقاعد۔

عَلَمَهُ شَيْدُ الْقَوَىٰ ۖ حضرت حسن بصری کے علاوہ تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ شَيْدُ الْقَوَىٰ سے مراد حضرت جبریل امین ہیں (3) کیونکہ ان کی رائے ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (4)۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان كُذِّبَتْ پر کلام مکمل ہو جائے گی۔ اس کا معنی ہے قوت والا اور قوت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اس کا اصل معنی اس کو مضبوطی سے بٹنا ہے گویا اسے لگا تار بٹا گیا یہاں تک کہ اس کا کھولنا مشکل ہو گیا۔ پھر فرمایا فَاسْتَوَىٰ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی عرش پر متمکن ہوا؛ یہ معنی حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ ربیع بن انس اور فراء نے کہا:

1۔ تفسیر ماردی، جلد 5، صفحہ 390

2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 391

3۔ البحر الرائق، جلد 5، صفحہ 196

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82



فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ یعنی حضرت جبریل اور حضرت محمد ﷺ متمکن ہوئے۔ یہ اس صورت کے بعد ہوگا جب ضمیر مرفوع پر ہو سے عطف کیا جائے اکثر عرب جب اس قسم کے عطف کا ارادہ کرتے ہیں تو معطوف علیہ کی ضمیر کو ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: استوی هو و فلان وہ بہت کم ہی یہ کہتے ہیں استوی و فلان؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ النَّبَّمَ يَصْلُبُ عُوْدًا وَلَا يَسْتَوِي وَالْخِزْوَعُ الْمُتَقَصِّفُ (1)

کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبج کے درخت کی لکڑی سخت ہوتی ہے وہ اور ٹوٹی ہوئی خروغ (جڑی بوٹی) برابر نہیں ہوتی۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَزَّازًا كُنَّا تَرَبَّاءَ آبَاءًا وَنَا (النمل: 67) معنی ہے کیا اس وقت جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے۔ آیت کا معنی ہے حضرت جبریل امین اور حضرت محمد ﷺ معراج کی رات افق اعلیٰ میں متمکن ہوئے۔ اس نے ضمیر پر عطف کو جائز قرار دیا ہے تاکہ تکرار نہ ہو۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے مگر ضرورت شعری میں جائز کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبریل امین افق اعلیٰ پر متمکن ہوئے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ جب استواء کرنے والے حضرت جبریل امین ہیں تو ذُو مِرَّة کا معنی ہو گا وہ اچھی گفتگو کرنے والے ہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اچھی طویل صورت والے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے صحیح جسم والے روز آفات سے محفوظ ہیں، اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لَفَنَى وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ (4)۔

غنی اور صحیح اعضاء والے قوی آدمی کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں۔ امراء القیس نے کہا:

كُنْتُ فِيهِمْ أَبَدًا ذَاجِلَةً مُّحْكَمَ الْبِرَّةِ مَأْمُونٍ الْعُقَدِ

میں ان میں ہمیشہ تدبیر والا رہا ہوں مضبوط اعضاء والا اور محفوظ وعدوں والا۔

یہ قول کیا گیا ہے: ذُو مِرَّة قوت والا۔ کلبی نے کہا: حضرت جبریل امین کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے شہر کو پست ترین زمین سے اکھڑا اسے اپنے ایک پر، پراٹھایا یہاں تک آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں کی آواز اور مرغوں کی چیخ کو سنا پھر انہیں الٹا دیا، ان کی قوت کا مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے ابلیس کو ارض مقدسہ کی ایک گھاٹی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اپنے ایک پر سے اسے ہوا دی اور اسے ہند کے دور دراز پہاڑ میں پھینک دیا، ان کی قوت کا انداز یہ بھی ہے قوم ثمود میں چیخ ماری جن کی تعداد بہت زیادہ تھی تو صبح کے وقت وہ سب اوندھے منہ گرے، مرے، پڑے تھے، ان کی قوت کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ وہ انبیاء پر آسمان سے اترتے پھر اس کی طرف چڑھتے اور پلک جھپکنے کی دیر نہ لگتی۔ قطرب نے کہا: عرب ہر ایسے شخص کے بارے میں ذُو مِرَّة کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو عظیم رائے اور اعلیٰ عقل رکھتا ہو۔ شاعر نے کہا:

قَدْ كُنْتُ قَبْلَ لِقَائِكُمْ ذَامِنًا عِنْدِي لِكُنْ مُخَاصِمٍ مِّمَّائِهِ

تمہاری ملاقات سے پہلے میں دانشمند تھا میرے پاس ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ترازو تھا۔  
اس کی عظیم رائے اور اعلیٰ دانش سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی طرف وحی پر انہیں امین بنایا۔ جو ہری نے  
کہا: مَرَّةً چار طبائع میں سے ایک ہے۔ مَرَّةً کا معنی قوت اور عقل کی پختگی ہے رجل صریحاً آدھی جو قوی ہو اور دانشمند ہو۔  
شاعر نے کہا:

تَرَى الرَّجُلَ الضَّعِيفَ فَتَزِدُّهُ وَحْشًا شِبَاهَهُ أَسَدٌ مَرِيضٌ

تو کمزور آدمی کو دیکھتا ہے تو تو اسے بے عزت کر دیتا ہے جب کہ اس کے کپڑوں کے اندر قوی شیر ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: ذُو مِرَّةٍ کا معنی ہے قوت والا (1)؛ اس معنی میں خفاف بن ندبہ کا قول ہے:

إِنِّي أَمْرٌ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَبِقِي (2)

میں ایسا آدمی ہوں جو بڑا قوی ہے تو مجھے باقی رکھ۔

قوت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مخلوق کی صفات میں سے بھی ہے۔ فَاسْتَوَى اس کا فاعل حضرت جبریل امین ہیں جس  
طرح ہم نے بیان کیا ہے یعنی آسمان میں وہ مکان کی طرف بلند ہوئے بعد اس کے کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو علم  
پہنچایا؛ یہ سعید بن مسیب اور ابن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اس صورت میں کھڑے ہوئے جس  
صورت پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا، کیونکہ وہ نبی کریم کے پاس انسانوں کی صورت میں آتے تھے جس طرح انبیاء کے  
پاس انسانی صورت میں آتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنی وہ صورت دکھائیں جس پر اللہ تعالیٰ نے  
ان کو پیدا کیا ہے تو حضرت جبریل امین نے دو دفعہ آپ کو اپنی صورت دکھائی ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔  
جہاں تک زمین کا تعلق ہے وہ افق اعلیٰ میں صورت دکھائی۔ نبی کریم ﷺ غار حرا میں تھے جبریل امین نے مشرق سے طلوع  
کیا تو مغرب تک زمین کو بھر دیا۔ نبی کریم ﷺ بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہے تو حضرت جبریل امین انسانوں کی صورت  
میں آپ کے پاس آئے انہیں سینہ سے لگایا اور آپ ﷺ کے چہرہ سے غبار صاف کرنے لگے۔ جب نبی کریم ﷺ کو  
افاقہ ہوا فرمایا: ”اے جبریل امین! میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس صورت پر پیدا کیا ہے“ (3)۔ حضرت  
جبریل امین نے کہا: اے محمد! ﷺ میں نے اپنے پروں میں سے صرف دو پر پھیلائے ہیں میرے چھ سو پر ہیں ہر ایک پر  
کی وسعت مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ فرمایا: ”یہ تو بہت بڑی چیز ہے“۔ حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو  
مخلوق پیدا کی ہے میری حیثیت اس کے مقابلہ میں بڑی چھوٹی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا ہے اس کے  
چھ سو پر ہیں اس کا ہر ایک پر اتنا بڑا ہے جتنے بڑے میرے سب پر ہیں۔ بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اتنا کمزور ہو  
جاتا ہے کہ وہ چھوٹی چیز یا کے برابر ہو جاتا ہے! اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَقَدْ رَأَاهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿١٠﴾  
(الحکویر) جہاں تک آسمان میں دیکھنے کا تعلق ہے تو آپ نے سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا اس صورت پر حضرت محمد ﷺ



کے علاوہ کسی نبی نے نہیں دیکھا۔

ایک تیسرا قول بھی ہے کہ قرآن آپ کے سینہ میں قرار پکڑ گیا۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (۱) حضرت جبریل امین کے سینہ میں وہ قرار پکڑ گیا جب وہ اسے لے کر اترے (۲) حضرت محمد ﷺ کے سینہ میں مثبت ہو گیا جب یہ آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ ایک چوتھا قول بھی ہے: معنی ہے حضرت محمد ﷺ نے اعتدال کی راہ اپنائی۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (۱) اپنی قوت میں معتدل ہوئے (۲) اپنی رسالت میں کامل ہوئے؛ ماوردی نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے (۱)۔

میں کہتا ہوں: پہلی صورت میں کلام کی تکمیل ذُو مِرَّةٍ پر ہوگی اور دوسری صورت میں شَدِيدُ الْقُوَى پر تکمیل ہوگی۔

ایک پانچواں قول بھی ہے: اس کا معنی ہے بلند ہونا۔ اس تعبیر کی صورت میں دو وجہیں ہیں۔

(۱) جبریل امین اپنے مکان کی طرف بلند ہوئے جس طرح ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ معراج کے ساتھ بلند ہوئے۔

چھٹا قول ہے: اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا؛ یہ حضرت حسن بصری کے قول کے مطابق ہے۔ سورہ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ۝ یہ جملہ حال ہے معنی ہے فاستوی عالیاً یعنی حضرت جبریل امین اپنی صورت پر بلند ہوتے ہوئے کھڑے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اس سے قبل انہیں نہیں دیکھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کا مطالبہ کیا تھا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ افق سے مراد آسمان کی جانب ہے اس کی جمع آفاق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج آتا ہے (۲)؛ سفیان نے یہی کہا ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا جاتا ہے اُفُقٌ دُفُقٌ مِثْلُ عُنْدٍ دُفُقٌ مِثْلُ عُنْدٍ۔ حم سجدہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فرس افق عمدہ گھوڑا۔ مونث بھی اسی طرح ہے؛ شاعر نے کہا:

أَرْجُلُ لَيْتِي وَ أَجْزُ ذَيْلِي وَ تَحِيلُ شَيْئِي أَفُقٌ كُنَيْتُ

میں اپنی مینڈھیوں میں کنگھی کرتا ہوں اور اپنے دامن کو گھسیتا ہوں اور میرے اسلحہ کو عمدہ بھورا گھوڑا اٹھائے ہوئے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ہو ضمیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یعنی لیلۃ المعراج کو آپ افق مبین پر تھے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے استوی ہو و فلان، یہ نہیں کہا جاتا: استوی و فلان۔ مگر ضرورت شعری میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام بلند ہوئے اور جبریل امین اپنی اصل صورت میں افق اعلیٰ پر تھے کیونکہ جب وہ وحی لے کر اترتے تو نبی کریم ﷺ کے لیے انسانی صورت اختیار کرتے نبی کریم ﷺ نے یہ پسند کیا کہ اسے حقیقی صورت میں دیکھیں تو جبریل امین افق مشرق سے ظاہر ہوئے اور افق کو بھر دیا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝ یعنی افق اعلیٰ میں ظاہر ہونے کے بعد حضرت جبریل امین زمین کے قریب ہوئے فَتَدَلَّى یعنی وحی کے

ساتھ نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئے مطلب یہ ہے جب نبی کریم ﷺ نے اس کی عظمت کو دیکھا جو دیکھا اور اس وجہ سے آپ خوفزدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو آدمی کی صورت میں لوٹا دیا جب وہ وحی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی** کا مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کی طرف وحی کی اور جبریل امین **قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْلٰی** کے مقام پر فائز تھے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، قتادہ اور ربیع وغیرہ کا نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ **لَمْ دَنَا فِتْدَلٰی** کا مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوا۔ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم ﷺ سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔ معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم قریب ہوا۔ التمدل کا اصل معنی ہے کسی چیز کی طرف اترنا یہاں تک کہ اس کے قریب ہو جائے تو اسے قرب کی جگہ رکھا گیا ہے؛ البید نے کہا

**فِتْدَلْت عَلَيْهِ قَافِلًا** میں لوٹتے ہوئے اس پر اترنا۔

فراء اس طرف گیا ہے کہ **فِتْدَلٰی** میں فاء واو کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے پھر جبریل امین علیہ السلام نیچے اترے اور قریب ہوئے لیکن یہ جائز ہوتا ہے جب دو فعلوں کا معنی ایک ہو یا ایک کی طرح ہو تو جس کو چاہو اسے پہلے رکھ لو۔ تو کہہ سکتا ہے: فدننا فقرب اور قرب فدننا۔ شتمنی فاساء اور اساء فشتی کیونکہ گالی دینا اور برا سلوک کرنا ایک ہی معنی میں ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ** (القمر) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے معنی ہے چاند پھٹ گیا اور قیامت قریب آگئی۔ جرجانی نے کہا: کلام میں تقدیر و تاخیر ہے یعنی تبدل فدننا کیونکہ نیچے اترنا قریب ہونے کا سبب ہے۔ ابن انباری نے کہا: یعنی پھر جبریل امین آسمان سے اترے اور حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معراج کی رات رفر فحضرت محمد ﷺ کی طرف اتر آپ اس پر بیٹھے پھر اسے بلند کیا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ اس کا ذکر ابھی آئے گا۔

جس نے یہ کہا معنی ہے جبریل امین بلند ہوئے جب کہ حضرت محمد ﷺ اُفق اعلیٰ پر تھے وہ ضرور کہے گا پھر حضرت محمد ﷺ اپنے رب کے قریب ہوئے (2)۔ یہ کرامت کا قرب ہے تو نبی کریم ﷺ سجدہ ریز ہو گئے؛ یہ خاک کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے تبدل اصل میں تدلل تھا جس طرح تیرا یہ قول ہے تظنی اصل میں تظنن ہے یہ بعید ہے کیونکہ دلال عبودیت کی صفت میں پسندیدہ نہیں۔

**فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْلٰی** یعنی حضرت محمد ﷺ اپنے رب سے یا جبریل امین سے دو عربی کمانوں کے مقدار پر تھے؛ یہ حضرت ابن عباس، عطاء اور فراء کا نقطہ نظر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ** کی تقدیر کیسے درست ہوگی (3)؟ میں کہوں گا: اس کی تقدیر یہ ہوگی فکان مقدار مسافة قریبہ مثل قاب قوسین درمیان سے ان



مضافوں کو حذف کر دیا گیا ہے؛ جس طرح ابوعلی نے اپنے قول میں کہا:

وَقَدْ جَعَلْتَنِي مِنْ حَذِيئَةِ إِصْبَعَا

اس نے مجھے حذیمہ سے ایک انگلی برابر مسافت پر کر چھوڑا۔ یہ بھی اصل میں ذامقدار مسافة اصبع تھا۔

أو ادنی یعنی تمہارے اندازے کے مطابق؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اویزیدون۔ صحاح میں ہے: تو کہتا ہے بینہما قاب قوسین، قیب قوس، قاد قوس، قید قوس یعنی کمان کے برابر۔ زید بن علی نے اسے قاد پڑھا ہے اسے قید اور قد بھی پڑھا گیا ہے؛ یہ زخشری نے ذکر کیا ہے۔

قاب سے مراد کمان کے قبضہ سے اس کے ایک سرے تک کا فاصلہ ہے ہر قوس کے دوسرے ہوتے ہیں۔ بعض نے اللہ تعالیٰ کے فرمان قَابَ قَوْسَیْنِ کے بارے میں فرمایا: اصل میں ارادہ کیا تھا قابی قوس تو اس میں قلب کا قاعدہ جاری کر دیا۔ حدیث طیبہ میں ہے وَلَقَابُ قَوْسٍ أَحَدٍ مِّنَ الْجَنَّةِ وَمَوْضِعُ قِدَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا (1) تم میں سے کسی ایک کے لیے جنت میں سے قوس کے قبضہ سے کنارے تک کی جگہ اور چھڑی کے برابر کی جگہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ قد کا معنی سوط ہے۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں کمان کے قبضہ سے اس کے کنارے تک کی جگہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے (2)“ یہاں کمان کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ مختلف نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: یہ بات ذہن نشین کر لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے جو قرب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے جو قرب ہے یہ کوئی مکان کا قرب اور مسافت کا قرب نہیں اس سے مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، مرتبہ کی بلندی، انوار معرفت کے اشراق، اس کے عیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم کے قرب کا مطلب ہے احسان کرنا، انس عطا کرنا، معاملات کو وسیع کر دینا اور عزتیں عطا کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ینزل ربنا الی سماء الدنیا (3) کی تاویل ایک صورت میں یہ ہوگی۔ وہ عرضداشت کو قبول فرماتا ہے اور احسان فرماتا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ جس نے ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے حضرت جبریل امین کی طرف نہیں لوٹایا تو یہ انتہائی قرب، لطف محل، ایضاح معرفت، حقیقت محمدیہ پر نگاہ رکھنا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت کو پورا کرنا، مقاصد کو شرف قبولیت سے نوازنا، شفقت کا اظہار کرنا اور اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنا ہے۔ اس بارے میں وہی تاویل کی جاسکتی ہے جو تاویل سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کی جاسکتی ہے: مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبَدًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذَرَاعًا وَمَنْ أَتَانِي بِشَيْءٍ أَتَيْتَهُ مَهْرُودَةً (4) یہاں اجابت و قبول کا قرب ہے احسان اور آرزو کو جلدی پورا کرنا ہے۔

1۔ مجمع بخاری، کتاب الجہاد، الغدوة والروحۃ فی سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 392

2۔ مجمع ترمذی، لمضائل الجہاد، ما جاء فی فضل الغدوة والرواحل سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 198

4۔ تاریخ دمشق الکبیر، جلد 4، صفحہ 288

3۔ مجمع بخاری، کتاب التہجد، الدعاء والصلوة من آخر الدلیل، جلد 1، صفحہ 153

ایک قول یہ کیا گیا ہے: پھر جبریل امین اپنے رب کے قریب ہوئے اور وہ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر تھے: یہ مجاہد کا قول ہے: اس پر ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے: اِنَّ اَقْرَبَ الْمَلَائِكَةِ مِنْ اللّٰهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فرشتوں میں سے جبریل امین اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، واو کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قَاب قَوْسَيْنِ و ادن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، بل کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قَاب قَوْسَيْنِ بل اَدْنٰی۔

سعید بن مسیب نے کہا: قَاب سے مراد عربی کمان کا سرا ہے جس پر دھاگا باندھا جاتا ہے اور کمان اٹھانے والا جس کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکاتا ہے ہر قوس کا ایک قَاب ہوتا ہے یہ خبر دی ہے کہ حضرت جبریل امین حضرت محمد ﷺ سے اتنے قریب ہوئے جتنا قَاب قَوْسَيْنِ کا قرب ہوا کرتا ہے۔

سعید بن جبیر، عطاء، ابواسحاق، ابوداؤد، شقیق بن سلمہ نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ سے مراد ہے دو ہاتھ کا فاصلہ تھا (1)۔ قوس سے مراد ہاتھ ہوا کرتا ہے جس کے ساتھ ہر شے کی پیمائش کی جاتی ہے: یہ بعض حجازیوں کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ازد شنوءہ کی لغت ہے۔ کسائی نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کا معنی ہے ایک قوس جس طرح شاعر کے قول میں تشبیہ واحد کے معنی میں ہے۔

وَمَهْمَهَيْنِ قَذْفَيْنِ مَرَّتَيْنِ قَطْعَتُهُ بِالسَّنَتِ لَا بِالسُّنْتَيْنِ

یہاں مہمہین سے مراد ایک مہمہا ہے۔ قوس کا لفظ مؤنث و مذکر دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے جس نے اس کو مؤنث قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قویسہ کہی ہے جس نے اسے مذکر قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قویس کہی ہے۔ مثال اس کی یہ ہے ہو من خیر قونیس سہنا اس کی جمع قیسی، قیسی، اقواس اور قیاس آتی ہے: ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

وَوَثَّرَ الْأَوْسَادُ الْقِيَامَا

”محل استدلال القیاسا ہے۔“

قوس سے مراد برتن میں باقی ماندہ کھجوریں ہیں۔ قوس سے مراد آسمان کا برج بھی ہے۔ جہاں تک قوس کا تعلق ہے اس سے مراد راہب کی عبادت گاہ ہے: شاعر نے ایک عورت کا ذکر کیا:

لَا سَتَفْتَكُنِيْ وَذَا الْمُسْحَدِيْنَ فِي الْقُوسِ

محل استدلال القوس ہے۔

فَاَوْحَىٰ اِلٰی عَبْدِهِۦ مَا اَوْحٰی ۝۱۰ جو وحی بندے کی طرف کی گئی اس کی عظمت شان کا اظہار ہے۔ وحی کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے مراد جلدی سے کوئی چیز پھینکنا اور عطا کرنا ہے: اسی سے الْوَحَاء، الْوَحَاء ہے معنی ہے جلدی کرو، جلدی کرو۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے



جبریل امین کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی جو اس کے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی (1)؛ یہ قول ربیع، حسن بصری، ابن زید اور قتادہ نے کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کی طرف وحی کی اور جبریل امین نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی (2)۔ پھر کہا گیا: یہ معنی کیا مبہم ہے؟ ہم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اجمالی طور پر اس پر ایمان لانے کے ہم پابند ہیں یا یہ معلوم اور مفسر ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی ”کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا تو میں نے تجھے پناہ دی، کیا میں نے تجھے اپنی محبت میں وارفتہ نہیں پایا تو اپنے عرفان سے نوازا، کیا تجھے عیال دار نہیں پایا تو میں نے تجھے غنی کر دیا“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی اے محمد! جب تک تو جنت میں داخل نہ ہو جنت انبیاء پر حرام ہے اور جب تک تیری امت جنت میں داخل نہ ہو جنت امتوں پر حرام ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَا بِرَآئِ ۖ وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ الْخُبَرِ ۖ  
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ عِنْدَ حَاجَةِ الْمَوَدَى ۖ إِذْ يُخَشِى السِّدْرَةَ مَا يُخَشِى ۖ  
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۖ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبَرِ ۖ

”نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ یعنی حضرت محمد ﷺ کے دل نے معراج کی رات نہیں جھٹلایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھی (3) یہاں تک کہ آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے رویت بنادیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آنکھ سے حقیقی رویت تھی۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کا دیدار کیا (4)؛ یہ حضرت ابو ذر اور صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول حضرت انس اور جماعت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لیے دیدار ہو (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے انہوں نے کہا: جہاں تک ہم بنی ہاشم کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار دودفعہ کیا ہے۔ یہ گفتگو سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُذْهِبْ كُفَّ الْأَبْصَارِ وَهُوَ يَذْهَبُ الْأَبْصَارِ (انعام: 103) کے معنی میں گزر چکی ہے۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ ہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے

اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر پڑھا مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۝  
ایک تیسرا قول بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کو دیکھا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ  
تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔ ابوالعالیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا  
ہے؟ فرمایا: ”میں نے ایک دریادیکھا اور دریا کے آگے ایک حجاب دیکھا اور حجاب کے پیچھے ایک نور دیکھا اس کے علاوہ میں  
نے کچھ نہیں دیکھا“ (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کا  
دیدار کیا ہے؟ فرمایا: ”وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا (2)“ معنی ہے نور مجھ پر غالب آ گیا اور مجھ پر اس میں سے ایسی چیز  
غالب آ گئی جس نے مجھے اس کے دیدار سے روک دیا۔ اس پر ایک روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ رايت نورا (3) میں نے نور  
دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین کو ان کی صورت میں دو دفعہ دیکھا (4)۔

ہشام نے ابن عامر سے اور اہل شام نے ما کذب تشدید کی صورت میں پڑھا ہے۔ معنی ہے حضرت محمد ﷺ کے دل  
نے اس چیز کو نہ جھٹلایا جسے اس رات آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس کی تصدیق کی۔ ما اس کا مفعول ہے کوئی حرف  
مقدر نہیں کیونکہ جب یہ فعل مشدود ہو تو حرف کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہو ضمیر عائد  
مخذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر یہ معبود کے معنی میں ہو ضمیر عائد مخذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے  
ساتھ مل کر یہ مصدر کے حکم میں ہو۔ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی ما کذب فؤاد محمد فیما رأى تو  
حرف صفت کو گرا دیا۔ حضرت حسان بنیح نے کہا:

لَو كُنْتُ صَادِقَ الَّذِي حَدَّثَنِي لَنَجُوتَ مَنَّبَا الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ

اگر تو اس بات میں سچی ہوتی جو تو نے مجھ سے بات کی تو تو حارث بن ہشام کے نجات پانے کی طرح نجات پا جاتی۔  
یہ اصل میں لی الذی حدثنی تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الذی کے معنی میں  
ہو، یعنی حضرت محمد ﷺ نے جو دیکھا آپ کے دل نے اس کو نہ جھٹلایا۔

أَفْتَمُّوْنَهُ عَلَى مَا يَرَى ۝ حمزہ اور کسائی نے افسردہ تاء کے فتح اور الف کے بغیر پڑھا ہے معنی ہے کیا تم انکار کرتے  
ہو۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: لم یسار دہ وانما حجدہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مراہ حقہ یعنی اس کے حق  
کا انکار کر دیا (5)۔ مرثیہ انا؛ شاعر نے کہا:

لَهْنُ هَجْرَتِ أَخَا صِدْقٍ وَ مَكْرُمَةٍ لَقَدْ مَرِثْتُ أَخَا مَا كَانَ يَنْزِيكَ

1۔ تفسیر بادری، جلد 5، صفحہ 394

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، قولہ علیہ السلام نور ان اراد، جلد 1، صفحہ 99

3۔ ایضا

4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ وانجم، جلد 2، صفحہ 720

5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 246



تو نے سچے اور عزت والے شخص کو چھوڑ دیا ہے تو تو نے اس بھائی کا انکار کیا ہے جو تیرا انکار نہیں کرتا تھا۔  
یعنی تو نے اس کا انکار کیا۔ مبرد نے کہا: مراہ عن حقہ و علی حقہ جب اس کا حق اس سے روک لے اور اس کو اس سے دور کر دے۔ علی، عن کے معنی میں ہے اس کی مثال بنی کعب بن ربیعہ کا قول ہے:۔ رضی اللہ عنک یعنی رضی عنک اعرج اور مجاہد نے پڑھا افتسرونہ تاء مضموم ہے اور الف نہیں یہ امریت سے مشتق ہے یعنی تم شک کرتے ہو۔ باقی قراء نے افتسارونہ پڑھا ہے یعنی کیا تم جھگڑا کرتے ہو کہ رسول اللہ نے اپنے رب کا ویدار کیا ہے۔ دونوں معنی ایک دوسرے میں داخل ہیں کیونکہ ان کا مجادلہ انکار کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: محمود (انکار) تو ان کی جانب سے دائمی تھا یہ تازہ جھگڑا تھا۔ انہوں نے کہا: ہمارے لیے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرو اور ہمارے اس قافلے کے بارے میں بتاؤ جو شام کے راستہ میں ہے۔ جس طرح پہلے بات گزری ہے۔

وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أُخْرَى ۖ نَزْلَةَ يَه مُصَدَّرٌ هَ حَالِ كِي جَكه وَاقِعٌ هَ كُو يَا فَرَمَا يَا: لَقَدْ رَاَه نَا زَلَا نَزْلَةَ أُخْرَى حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا نَ كَمَا: حَضْرَتِ مُحَمَّدٌ ﷺ نَ اِيَكِ دَفْعَ اِپْنِ دَلِ سَ اِپْنِ رِبِ كُو دِي كَمَا۔ اِمَامِ مُسْلِمٌ نَ اِبُو الْعَالِيَةِ سَ رَوَا يَتِ نَقْلِ كِي هَ۔ فَرَمَا يَا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ، وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أُخْرَى ۖ فَرَمَا يَا: اِپْنِ دَلِ سَ دُو دَفْعَ دِي كَمَا (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نَزْلَةَ أُخْرَى حَضْرَتِ مُحَمَّدٌ ﷺ كِي طَرَفِ لَوْثَا هَ كِيُونَكِه حَضْرَتِ مُحَمَّدٌ ﷺ كَا كُنِي دَفْعَ اِوِ پَرَا وِرِ نِيچَ آتَا هُوَا جِس طَرَحِ نَمَازِيں فَرَضِ هُوِيں۔ ہر دفعہ کے عروج کے ساتھ نزول بھی ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ سَ مَرَادِ هَ حَضْرَتِ مُحَمَّدٌ ﷺ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى اَوْرَانِ مِيں سَ بَعْضِ اَتْرِنَ كِي جگہوں مِيں تھے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ رَأَوْا نَزْلَةَ أُخْرَى ۖ سَ مَرَادِ حَضْرَتِ جَبْرِئِيلِ امِيْنِ هِيں (2)۔ یہ صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی عنہ نے کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے افق اعلیٰ میں جبریل امین کو دیکھا جس کے سو پر تھے جس کے پروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے“ اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ، عِنْدَ يَه رَاَه كَا صِلَه هَ جِس طَرَحِ هَمِ نَ بِيَانِ كِيَا هَ۔ سِدْرَةِ بِيْرِ كِي دَرَخْتِ كُو كِهْتِ هِيں۔ يَه چھٹے آسمان مِيں هَ۔ اِيَكِ رَوَا يَتِ يَه بِي هَ كِه يَه سَا تُوِيں آسْمَانِ مِيں هَ۔ اِس بَارَے مِيں حَدِيْثِ صَحِيْحِ مُسْلِمِ مِيں هَ۔ پَهْلِي رَوَا يَتِ دِه هَ جِسَ مَرَه نَ حَضْرَتِ عِبْدِ اللّٰهِ سَ نَقْلِ كِيَا هَ كِه جِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُو مَعْرَاجِ كَرَا ئِي كُنِي تُوَا پَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى تِكِ پَنِچَ يَه چھٹے آسمان مِيں هَ۔ زَمِيْنِ سَ جُو چِيْزِ بَلَنْدِي كِي طَرَفِ جَاتِي هَ اِس پَرَا سِ كِي اِنْتِهَاءِ هُوَا جَاتِي هَ تُوَا سَ قَبْضِ كَرِيَا جَاتَا هَ جُوَا دِ پَرَا سَ چِيْزِ نِيچَ آتِي هَ اِس كَا اَتْرَا يِهَاں تِكِ هُوَا هَ پَهْرَا سَ قَبْضِ كَرِيَا جَاتَا هَ۔

اِذْ يُغَشَّى السِّدْرَ مَا يَغْشَى ۖ كَمَا: يَه سُوْنِے كَا اِيَكِ بَسْتَرِ هَ۔ كَمَا: رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُو تَمِيْنِ چِيْزِيں عَطَا كِي كُنِيں۔ پَانچ

نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں، حضور ﷺ کی امت میں سے جس نے شرک نہیں کیا اسکے گناہ بخش دیئے گئے۔ دوسری حدیث وہ ہے جسے قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہی تک مجھے بلند کیا گیا جس کے پیر ہجر کے منکوں کی طرح ہیں اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اس کی جڑ سے دو ظاہر دریا نکلتے ہیں اور دو مخفی دریا، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جواب دیا: جہاں تک پوشیدہ کا تعلق ہے وہ تو جنت میں ہوں گے جہاں تک ظاہر دریاؤں کا تعلق ہے تو وہ نیل اور فرات ہیں (1)“ الفاظ دارقطنی کے ہیں۔ نبی باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا واحد نبقہ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے نبق نون کے فتح اور باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یعقوب نے ”الاصلاح“ میں دونوں قول ذکر کیے۔ یہ مصریوں کی لغت ہے پہلی زیادہ فصیح ہے یہی وہ ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ امام ترمذی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ کے سامنے سدرۃ المنتہی کا ذکر کیا گیا (2)۔ فرمایا: ”ایک سوار اس کی ایک ٹہنی کے سائے میں سو سال تک چلتا ہے یا اس کے سائے سے سو سال سوار سایہ حاصل کرتے ہیں“ یحییٰ کو شک ہوا ہے۔ ”اس میں سونے کے پتنگ ہوں گے گویا اس کا پھل منکے ہیں“۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مسلم کے الفاظ ہیں جو ثابت کی حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”پھر مجھے سدرۃ المنتہی کی طرف لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اوراق ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں (3)، اس کے پھل منکوں جیسے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اس پر غالب آ جاتا ہے تو اس میں تغیر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز یہ طاقت نہیں رکھتی کہ اس کے حسن کی تعریف کرے۔“

اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اس کا نام سدرۃ المنتہی کیوں ہے؟

(1) جس طرح پہلے گزرا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ اوپر سے جو چیز نیچے آتی ہے اور نیچے سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے۔

(2) انبیاء کا علم یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے اور ماوراء کا علم ان سے غائب ہو جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(3) اعمال یہاں تک پہنچتے ہیں اور انہیں لے لیا جاتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

(4) ملائکہ اور انبیاء یہاں پہنچتے ہیں اور اس کے پاس رک جاتے ہیں؛ یہ کعب کا قول ہے۔

(5) اسے سدرۃ المنتہی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مومنوں کی روہیں یہاں آ کر رک جاتی ہیں؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔

(6) یہاں مومنوں کی روہیں پہنچتی ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد رآه نزلة اخری، جلد 1، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، باب فی صفة الجنة، ما جاء فی صفة ثمار اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 77

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسماء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 91



(۷) جو آدمی حضرت محمد ﷺ کی سنت اور منہاج پر ہوتا ہے وہ یہاں تک پہنچتا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور ربیع بن انس کا بھی قول ہے۔

(۸) یہ حاملین عرش کے سروں پر ایک درخت ہے یہاں تک مخلوقات کا علم پہنچتا ہے؛ یہ کعب کا قول ہے (۱)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہ ارادہ کیا کہ اس کی بلندی اور شاخوں کی چوٹی حاملین عرش کے سروں سے بلند ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخوں کی بلندی ساتویں آسمان میں ہے پھر وہ اس سے بلند ہوئیں تو وہ حاملین عرش کے سروں سے بڑھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۹) اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ جسے اس کی طرف بلند کیا گیا تو وہ کرامت میں اپنی انتہا تک جا پہنچا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (۲) جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے تو آپ سے عرض کی گئی: ”ہر کوئی یہاں آکر رک جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو آپ ﷺ کی امت میں سے آپ ﷺ کی سنت پر ہوں گے۔ یہ ایسا درخت ہے جس کی جڑ سے ایسے پانی کی نہریں نکلیں گی جو بد بودار نہیں ہوگا، ایسے دودھ کی نہریں جاری ہوں گی جن کا ذائقہ نہیں بدلے گا، شراب کی ایسی نہریں جاری ہوں گی جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہوں گی اور مصفیٰ شہد کی نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ایسا درخت ہے کہ ایک تیز رفتار سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا اور اس کو طے نہ کر سکے گا اس کا ایک پتہ پوری امت کو سایہ دے گا۔“ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

عَنْدَ هَاجَةِ الْمَاوِي ۝ جنت مادی کی جگہ کی تعریف ہے یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے حضرت علی شیر خدا، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، ابوسبرہ جہنی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجاہد نے عندہا جنة المادی پڑھا ہے مراد ہے جنة المبيتات گزارنے کی جنت۔ مجاہد نے کہا: مراد لیا ہے اُجنہ ہاء ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے۔ انفس نے کہا: معنی ہے اس نے اسے پالیا؛ جس طرح تو کہتا ہے جنہ الدلیل اسے ڈھانپ لیا اور اسے پالیا۔ عام قرأت جنة الماوی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں تک متقین پہنچتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں تک شہداء کی روئیں پہنچتی ہیں (۳)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ عرش کی دائیں جانب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے یہاں تک کہ آپ کو اسی سے نکالا گیا۔ یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام مومنوں کی روئیں جنة مادی میں ہیں۔ اسے جنة مادی اس لیے نام دیا گیا ہے کیونکہ مومنوں کی روئیں یہاں پناہ لیتی ہیں۔ یہ عرش کے نیچے ہے۔ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور اس کی عمدہ خوشبو سے مشام جان کو معطر کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت جبریل امین اور حضرت میکائیل علیہما السلام یہاں پناہ لیتے ہیں۔

إِذْ يُغَشَّى الْبَشَرَا مَا يُغَشَّى ۝ حضرت ابن عباس، ضحاک، حضرت ابن مسعود اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ سونے کے

پتنگ ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا قول پہلے گزر چکا ہے (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے رب العالمین نے ڈھانپ لیا تو وہ روشن ہو گیا۔ قشیری نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اسے کس چیز نے ڈھانپ رکھا ہے؟ فرمایا: ”سونے کے پتنگوں نے“۔ دوسری روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے ڈھانپ رکھا ہے یہاں تک کہ کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اسے دیکھے۔ ربيع بن انس نے کہا: اسے رب کے نور نے ڈھانپ رکھا ہے فرشتے اس پر اس طرح گرتے ہیں جس طرح کوئے درخت پر گرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ایک روایت مروی ہے ”میں نے سدرہ کو دیکھا جسے سونے کے پتنگوں (تتلیاں وغیرہ) نے ڈھانپ رکھا ہے میں نے اس کے ہر پتے پر ایک فرشتے کو دیکھا جو کھڑے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا تھا (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِذْ يُغَشِّى السَّدْرَةَ مَا يُغَشِّى ۝ کا یہی معنی و مفہوم ہے“ اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک نے کہا: اِذْ يُغَشِّى السَّدْرَةَ مَا يُغَشِّى ۝ کا معنی ہے سونے کی چڑیا۔ اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ سبز رُفَرَف ہے نبی کریم ﷺ سے یہ مروی ہے ”اسے رُفَرَف یعنی سبز پرندوں نے ڈھانپا ہوا ہے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اسے رب العزت نے ڈھانپ رکھا ہے۔ یہاں رب العزت سے مراد اس کا حکم ہے جس طرح صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے: ”جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اسے ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا“ (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے گویا فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ لیا ملکوت کے ان دلائل نے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا: اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ - وَالْمُؤْتَفِّكَةُ ۝ أَهْوَىٰ ۝ فَغَشَّيْنَا مَا غَشَّى ۝ اسی کی مثل اَلْحَاقَّةُ ۝ اَلْحَاقَّةُ ۝ (الحاقہ: 1-2) ہے ماوروی نے اپنی کتاب معانی القرآن میں کہا: اگر یہ سوال کیا جائے اس امر کے لیے سدرہ (بیری کے درخت) کو کیوں منتخب کیا گیا ہے کسی اور درخت کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا؟ اسے جواب دیا جائے گا: سدرۃ قین اوصاف کے ساتھ خاص ہے لمبا سایہ، عمدہ ذائقہ، اچھی خوشبو۔ یہ اس ایمان کے مشابہ ہے جو قول، عمل اور نیت کو جامع ہے۔ سدرہ کا سایہ ایمان کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو عمل کی ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ایمان پر زائد ہوتا ہے، سدرہ کا ذائقہ نیت کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ مخفی ہوتی ہے اور اس کی خوشبو قول کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نصر بن علی، ابواسامہ سے وہ ابن جریج سے وہ عثمان بن ابی سلیمان سے وہ سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم سے وہ عبد اللہ بن حبشی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار (4)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل لقد رآہ نزلة اخری، جلد 1، صفحہ 97

2۔ الصادی علی الجلائین، جلد 1، صفحہ 117 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسماء ہر رسول اللہ ال السموات، جلد 1، صفحہ 91

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ل قطع السدر، جلد 2، صفحہ 355



ابوداؤد سے اس حدیث کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث مختصر ہے اس سے مراد ہے جس نے جنگل سے بے مقصد اور ظلماً ایسا درخت کا ٹاٹا مسافر اور چوپائے جس کا سایہ حاصل کرتے تھے اس کاٹنے والے کا اس درخت میں کوئی حق نہیں تھا اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں جھکائے گا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آنکھ دائیں پھری نہ بائیں پھری اور نہ ہی اس حد سے تجاوز کیا جس حد کو اس نے دیکھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے جو حکم دیا گیا اس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آنکھ نے جو آیات دیکھیں ان سے وہ غیر کی طرف نہ اٹھی۔ اس مقام پر جو نبی کریم ﷺ کا ادب ہے یہ اس کا بیان ہے کیونکہ وہ دائیں اور بائیں متوجہ نہ ہوئی۔

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ⑥ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے رفر ف دیکھا جس نے افق کو بند کر دیا تھا (2)۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ سے روایت نقل کی ہے حضرت عبداللہ نے کہا: آپ ﷺ نے سبز رفر ف دیکھا جس نے آسمان کے افق کو بند کر دیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل امین کو سبز رفر ف کے حلہ میں دیکھا جنہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا۔ بیہقی نے کہا: اس کا حدیث میں قول رأی رفر فا اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو رفر ف میں اپنی صورت میں تھے۔ رفر ف سے مراد قالین ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مراد ستر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: بلکہ وہ ایک کپڑا تھا جو ان کا لباس تھا۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل کو رفر ف کے حلہ میں دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں: اسے ترمذی نے حضرت عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین کو رفر ف کے حلہ میں دیکھا جس نے آسمان اور زمین کو بھر دیا تھا (3)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذُنُفُتَدَلٰی کے بارے میں یہ قول مروی ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لیلۃ المعراج کو رفر ف حضرت محمد ﷺ کے لیے نیچے آیا آپ ﷺ اس پر بیٹھے پھر اسے بلندی کی طرف لے جایا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جبریل امین مجھ سے الگ ہو گئے، آوازیں مجھ سے منقطع ہو گئیں اور میں نے اپنے رب کا کلام سنا“۔ اس روایت کی وجہ سے رفر ف وہ چیز ہوگی جس پر بیٹھا جاتا ہے جس طرح قالین وغیرہ۔ پہلے معنی کی صورت میں مراد حضرت جبریل امین ہیں۔

عبدالرحمن بن زید اور مقاتل بن حیان نے کہا: نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں وہ آسمان میں ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے روایت مروی ہے کہ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ⑥ سے مراد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل امین کو اس صورت میں دیکھا جس کے چھ سو پر ہوتے ہیں (4)۔ اس تاویل

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ والنجم، جلد 2، صفحہ 161

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 247

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، فی ذکر سدرۃ المنتہی، جلد 1، صفحہ 98

3۔ ایضاً

کے باوجود یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ رُفرف کے حلقہ میں ہوں یا رُفرف پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ضحاک نے کہا: سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سونے کے پتنگوں نے سدرہ کو جوڑا نہپ رکھا تھا اسے دیکھا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معراج (سیڑھی) کو دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو اس سفر میں لوٹتے وقت اور شروع کرتے وقت دیکھا۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِنُؤَيِّدَهُ مِنْ اٰیٰتِنَا (الاسراء: 1) یہ جائز ہے کہ من بعضیہ ہو۔ اور الکبریٰ، رای کا مفعول ہو۔ اصل میں یہ آیات کی صفت ہے آیات کے سروں کی وجہ سے اسے واحد ذکر کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ جماعت کی صفت، مؤنث کی صفت کے ساتھ لگائی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلٰی فِیْہَا مَآرِبٌ اٰخَرٰی ① (ط) ایک قول یہ کیا گیا ہے: الکبریٰ یہ محذوف کی صفت ہے یعنی رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ یہ بھی جائز ہے کہ من ذائدہ ہو تقدیر کلام یہ ہوگی رای آیات ربہ الکبریٰ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یہ ہے رای الکبریٰ من آیات ربہ۔

اَفَرۡءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزٰی ① وَ مَنۡوۃَ الثَّآلِثَۃِ الْاٰخَرٰی ② اَلۡلَّکُمُ الذَّکَرُ وَلَہٗ  
الۡاُنۡثٰی ③ تِلْکَ اِذَا قُسِمَۃٌ ضِیۡدٰی ④

”(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزی کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔“

اَفَرۡءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزٰی ① وَ مَنۡوۃَ الثَّآلِثَۃِ الْاٰخَرٰی ② جب نبی کریم ﷺ کی طرف کی جانے والی وحی کا ذکر کیا اور اپنی قدرت کے آثار کا ذکر کیا تو مشرکین سے دلیل کے ساتھ گفتگو کی کیونکہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے تھے جو عقل نہیں رکھتی تھی فرمایا: بتاؤ تو سہمی یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو اس کے بارے میں تمہاری طرف کوئی وحی کی گئی ہے جس طرح حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ لات بنو ثقیف کا بت تھا، عزی قریش اور بنو کنانہ کا بت تھا، منات بنو ہلال کا بت تھا، ہشام نے کہا: منات ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے فتح مکہ کے سال اسے گرا دیا۔ پھر انہوں نے طائف میں لات کا بت بنالیا یہ منات کی نسبت قریب کے دور کا تھا یہ ایک مربع چٹان تھی اس کے خدام میں بنو ثقیف کے لوگ تھے۔ بنو ثقیف نے اس پر ایک عمارت بنادی قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عرب یہ نام رکھتے زید اللات اور تیم اللات۔ یہ بت اس جگہ تھا جہاں طائف کی مسجد کا بایاں مینار ہے۔ وہ بت اسی طرح رہا یہاں تک کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا حضرت مغیرہ نے اسے گرا دیا اور آگ کے ساتھ جلا دیا۔ پھر عربوں نے عزی کو معبود بنالیا یہ لات کی نسبت قریب کے زمانہ کا تھا اسے ظالم بن اسعد نے معبود بنالیا یہ ذات عرق کے اوپر نخلہ شامیہ کی وادی میں تھا لوگوں نے اس پر ایک کمرہ بنا دیا وہ اس سے آواز سنا کرتے تھے۔

ابن ہشام نے کہا: مجھے میرے باپ نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عزی



شیطانہ تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آیا کرتی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو حضرت خالد بن ولید کو بھیجا فرمایا: ”نخلہ وادی کے بطن میں جاؤ وہاں تو تین ببول کے درخت پائے گا تو پہلے کوکاٹ دینا۔“ حضرت خالد بن ولید وہاں گئے اور اس درخت کوکاٹ دیا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟“ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: دوسرا درخت کاٹ دو۔“ حضرت خالد آئے اور دوسرے درخت کوکاٹ دیا پھر حضرت خالد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پوچھا: کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ”تیسرے درخت کوکاٹ دو۔“ حضرت خالد آئے تو ایک حبشی عورت دیکھتے ہیں اس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے ہیں اس نے اپنے ہاتھ اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہیں وہ اپنے دانت پیس رہی ہے اس کے پیچھے دبہ سلیمی ہے وہ اس کا خادم تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

يَا عَزَّ كُفْرَانِكَ لَا سُبْحَانَكَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّهَ قَدْ أَهَانَكَ

اے عز میں تیرا انکار کرتا ہوں تیری پاکی بیان نہیں کرتا میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ پھر اس پر وار کیا اور اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو وہ کوئلہ ہو گئی پھر آپ نے درخت کوکاٹ دیا اور دبہ جو خادم تھا اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت خالد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کچھ بتایا۔ فرمایا: ”وہی عزی تھی اب اس کی کبھی بھی عبادت نہ کی جائے گی۔“

ابن جبیر نے کہا: عزی سفید پتھر تھا لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ نخلہ وادی کے بطن میں ایک جڑی بوٹی (1) تھی۔ منات بنو خزاعہ کا بت تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعض مفسرین نے کہالات یہ مشرکوں نے لفظ اللہ سے اخذ کیا تھا عزی لفظ عزیز سے لیا تھا منات یہ منی اللہ الشئ سے ماخوذ ہے یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اسے مقدر کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، مجاہد، حمید اور ابو صالح نے اللات کو تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا: ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستو کو گھی میں تلا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: جب وہ آدمی فوت ہوا تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھے اور اس کی عبادت کی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک چٹان کے پاس ستو اور گھی بیچا کرتے تھا اور اس چٹان پر انڈیا کرتا تھا۔ جب وہ آدمی فوت ہو گیا تو بنو ثقیف نے اس ستو والے کی تعظیم کے لیے اس چٹان کی عبادت کی۔ ابو صالح نے کہا: طائف میں ایک آدمی تھا وہ بتوں کی خدمت کرتا اور ان کے لیے ستو کو تلا کرتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی۔ مجاہد نے کہا: پہاڑ کی ایک چوٹی پر ایک آدمی رہتا جس کا ریوڑ تھا وہ ان کا گھی جمع کرتا، اس کے دودھ سے پنیر بناتا اور اس کا دودھ جمع کرتا پھر وہ طلوہ بناتا اور حاجیوں کو کھلاتا وہ نخلہ وادی کے بطن میں رہتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی یہی لات بت تھا۔ کلبی نے کہا: بنو ثقیف کا ایک آدمی تھی جسے صرمہ بن غنم کہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عامر بن ظرب عدوانی تھا۔ شاعر نے کہا:

لَا تَنْصُرُوا اللَّاتَ إِنَّ اللَّهَ مُهْلِكُهَا وَكَيْفَ يَنْصُرُكُمْ مَنْ لَيْسَ يَشْتَرِيكُمْ (3)

1۔ بعض نسخوں میں بہت کی جگہ بیت کا لفظ ہے یعنی ایک کمرہ تھا۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، افراہیم اللات والعزی، جلد 2، صفحہ 720

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 398

تم لات کی مدد نہ کرو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے والا ہے۔

صحیح قرأت اللات تخفیف کے ساتھ ہے یہ بت کا نام ہے اس پر وقف تاء کے ساتھ ہے؛ یہ فراء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: میں نے کسائی کو دیکھا اس نے ابو فقہس اسدی سے سوال کیا اس نے ذات کے لیے ذاہ اور لات کے لیے لاہ کہا اور افرائیم اللہ پڑھا اسی طرح دوری نے کسائی سے اور بزی نے ابن کثیر سے اللہ نقل کیا ہے یعنی ہاء پر وقف کیا ہے جس نے یہ کہا اللات یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے اس نے بھی ہاء پر وقف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں لاهۃ تھا جس طرح شامۃ تھا یہ لاهت سے مشتق ہے یعنی وہ چھپ گیا۔ شاعر نے کہا

لَا هَتْ فَمَا عُرِفَتْ يَوْمًا بِخَارِجَةٍ يَالَيْتَهَا خَرَجْتُ حَتَّى رَأَيْنَا هَا

وہ چھپ گئی وہ کسی روز بھی باہر نکلنے والی کی حیثیت سے معروف نہ ہوئی ہائے کاش! وہ باہر نکلتی تو ہم اسے دیکھ لیتے۔

صحاح میں ہے: لات ایک بت کا نام ہے جو بنو ثقیف کا تھا اور طائف کے مقام پر تھا۔ بعض عرب تاء پر وقف کرتے ہیں اور بعض ہاء پر وقف کرتے ہیں۔ انفس نے کہا: ہم نے بعض عربوں سے سنا جو لات و عزی کہتا۔ وہ کہتا ہے: ہی اللات اسے وقف میں تاء بنا دیتا ہے ہی اللات یہ بات ذہن نشین کر لو کہ رفع کی جگہ اسے جردی گئی ہے یہ اس کی مثل ہے جو ہر حال میں مکسور ہے۔ یہ بہت اچھی تعبیر ہے کیونکہ الف اور لام جو اللات میں ہیں ساقط نہیں ہوتے اگرچہ یہ دونوں زائد ہیں ربی وہ صوات جو ہم وقف کی صورت اللات کو اللہ بنا ہے کیونکہ یہ ہاء ہے جو وصل میں تاء ہو گئی ہے یہ اس لغت میں کان من الامر نیت و کیت کی مثل ہے اسی طرح ہیہات ہے یہ اس کی لغت میں ہے جس نے اسے کسرہ دیا ہے مگر ہیہات میں یہ جائز ہے کہ وہ جمع ہو مگر اللات میں یہ جائز نہیں کیونکہ جمع میں تاء الف کے بغیر جائز نہیں ہوتی اگر اللات اور تاء دونوں کو زائد مان لیا جائے تو اسم صرف ایک حرفی رہ جائے گا۔

وَمَنْوَةُ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰی ۝ ابن کثیر، ابن محیسن، حمید، مجاہد، سلمیٰ اور اعشیٰ نے ابو بکر سے دمناءۃ مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ کو ترک کیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ اس بت کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے اور اس عمل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کیا کرتے تھے۔ منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت زیادہ جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ کسائی، ابن کثیر اور ابن محیسن ہاء پر وقف کرتے جس طرح اصل قاعدہ ہے باقی تاء پر وقف کرتے وہ مصحف کے خط کا اتباع کرتے۔ صحاح میں ہے: مناءۃ بت کا نام ہے جو بنو ہذیل اور بنو خزاعہ کا تھا یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان تھا۔ ہاء تانیث کے لیے ہے تاء پر وقف کیا جاتا ہے یہ بھی ایک لغت ہے اس سے اسم منسوب منوی ہے۔

مَنْوَةٌ كَالْفَتْحِ الْاُخْرٰی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے عبد مناءۃ ابن اذ بن طانجہ۔ زید مناءۃ ابن تميم بن مرہ۔ اور کبھی الف ممدودہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے الہل اتی التیم بن عبد مناءۃ۔ محل استدلال مناءۃ ہے۔

الْاُخْرٰی عرب تیسرے کے لیے اُخْرٰی کا لفظ استعمال نہیں کرتے اُخْرٰی یہ ثانیہ کی صفت ہے اس کی توجیہ میں علماء



نے اختلاف کیا ہے۔ خلیل نے کہا: یہ اس لیے کہا تا کہ آیات کے سرے موافق ہو جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا رَبُّ الْآخِرَى، اخیر نہیں کہا۔ حسین بن فضل نے کہا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ بنتی ہے اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ الْآخِرَىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ کیونکہ مشرکوں کے نزدیک تعظیم میں اس کا مرتبہ لات و عزی کے بعد تھا کلام اسی ترتیب پر ہے ہم نے ابن ہشام سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مناة تقدیم میں پہلے تھا اسی وجہ سے وہ ان کے نزدیک سب سے معزز تھا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آیت میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اَفَرَأَيْتُمُ هَذِهِ الْآلِهَةَ هَلْ نَفَعَتْ أَوْ ضَرَّتْ حَتَّىٰ تَكُونَ شُرَكَاءَ اللَّهِ پھر شرمندگی دلانے کے انداز میں فرمایا: أَلَكُمُ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ⑩ یہ کلام ان کے قول ”فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں“ کا رد کرنے کے لیے ہے۔ تِلْكَ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ ⑪ یہ تقسیم عدل کے خلاف اور غلط ہے اور حق سے دور ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضَاوِي الْحَكْمِ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ضَاوِي حَقِّهِ يَضِيضُ ضِيْزًا یعنی اس نے حق میں کمی کی۔ بعض اوقات اسے مہوز کے انداز میں ذکر کیا جاتا ہے ضَاوِي يَضَاوِي ضَاوًا اور یہ شعر پڑھا:

فَقَسَبْتُكَ مَضُوءًا وَأَنْفَكَ رَاغِمًا

تیری تقسیم میں نقص ہے اور تیری ناک خاک آلود ہے۔

کسائی نے یوں باب ذکر کیا ہے ضَاوِي يَضِيضُ ضِيْزًا وَضَاوِي يَضُوزُ ضَوْزًا وَضَاوِي يَضَاوِي ضَاوًا جب وہ ظلم کرے، حد سے تجاوز کرے اور کمی کرے؛ شاعر نے کہا:

ضَاوِي بَنُو أَسَدٍ بِحُكْمِهِمْ إِذْ يَجْعَلُونَ الرَّأْسَ كَالذَّنْبِ (2)

بنو اسد نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا کیونکہ وہ سر کو دم کی طرح بناتے ہیں۔

قِسْمَةُ ضِيْزِي ⑫ یہ ناحق تقسیم ہے یہ فعلی کا وزن ہے جس طرح طوبیٰ اور حبلی ہے یا کی مناسبت کی وجہ سے ضاد کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام عرب میں فعلی کے وزن پر صفت کا صیغہ نہیں آتا اسماء کے اوزان میں یہ وزن ہے جس طرح شعریٰ اور دخلی ہے۔ فراء نے کہا: بعض عرت کہتے ہیں ضوزی اور ضیزی۔

ابو حاتم نے ابوزید سے حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے عربوں کو ضیزی ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے اس کے علاوہ علماء نے کہا: ابن کثیر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اسے مصدر بنایا ہے جس طرح ذکر کی مصدر ہے یہ صفت نہیں کیونکہ صفات میں فعلی کا وزن نہیں اس کی اصل فعلی نہیں کیونکہ یہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جو قلب کا تقاضا کرے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: ضَاوِي تَهْ یعنی میں نے اس پر ظلم کیا۔ معنی ہوگا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں ظلم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں ان دونوں لغتوں کے علاوہ ضیزی، ضَاوِي، ضوزی، ضوزی بھی بیان کیا گیا ہے۔

مورج نے کہا: انہوں نے ضیزی میں ضاد کے ضمہ کو مکروہ جانا ہے اور یاء کے واؤ سے بدل جانے کا انہیں خوف ہوا اس وجہ سے انہوں نے ضاد کو کسرہ دیا، جس طرح انہوں نے کہا: ابیض کی جمع بیض ہے جب کہ اصل میں اسے بوض ہونا تھا جس طرح حُر، صُغر اور خُضر ہے جس نے ضا ز یضوز کہا تو اس سے اسم ضوزی ہوگا جس طرح شوزی ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيْتُمْوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أُنْزِلَ اللَّهُ بِهِا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى الْأَنفُسُ ؕ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ رَبِّهِمْ الْهُدٰى ۝۱۱ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَشٰى ۚ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأَوَّلٰى ۚ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنٰى شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۱۲

”نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔“

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيْتُمْوهَا یعنی یہ بت نہیں مگر ایسے نام جن کو تم نے خود تراش لیا ہے اور ان کے نام معبود رکھ لیے ہیں۔ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ تم نے اس مسئلہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے۔ مِمَّا أُنْزِلَ اللَّهُ بِهِا مِنْ سُلْطٰنٍ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ خطاب سے غائب کی طرف رجوع کیا ہے، یعنی یہ لوگ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ وَمَا تَهْوٰى الْأَنفُسُ اور جس کی طرف نفوس مائل ہوتے ہیں عام قراء کی قرأت یتبعون ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ایوب اور ابن مسیق نے یتبعون پڑھا ہے؛ یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ رَبِّهِمْ الْهُدٰى ۝۱۱ یعنی رسول اللہ ﷺ کی جانب سے وضاحت آگئی ہے کہ وہ معبود برحق نہیں۔ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَشٰى ۚ یعنی جو وہ خواہش کرے یعنی اس کے لیے یہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کے لیے بیٹے ہیں یعنی بیٹیوں کے سوا اس کے لیے بیٹے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے بغیر جزا کی جو وہ خواہش کرے معاملہ اس طرح نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ وہ نبوت کی خواہش کرے تو نبوت اس میں ہو کسی اور میں نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انسان کی خواہش پر بت ان کی شفاعت کریں۔ یہ آیت نصر بن حرث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تمام کفار کے بارے میں نازل ہوئی فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأَوَّلٰى ۚ جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے نہ کہ جس کی انسان آرزو کرے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنٰى شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۱۲ جو لوگ



فرشتوں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں شرمندہ کیا گیا ہے۔ اس نے یہ گمان کیا کہ اس کا یہ عمل اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ فرشتے عبادت کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے کے باوجود وہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے حق میں انہیں اجازت ملے گی۔ انفس نے کہا: ملک واحد ہے اس کا معنی جمع ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۱﴾ (الحاقۃ) (۱) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک فرشتہ کا ذکر کیا کیونکہ لفظ کم جمع پر دلالت کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْئُونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْبِيَةً الْأَنْثَى ﴿۲﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۳﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۴﴾ ذَلِكْ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّٰ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۵﴾

”بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آ سکتا۔ پس آپ رخ انور پھیر لیجئے اس (بد نصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم،۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی۔“

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْئُونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْبِيَةً الْأَنْثَى ﴿۲﴾ یہاں تسمیہ سے پہلے کاف محذوف ہے یعنی وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے، مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ یعنی انہوں نے اس امر کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا ہے انہوں نے جو کچھ کہا اسے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا اور کسی کتاب میں اسے نہیں دیکھا۔ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وہ جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اس قول میں وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا ذکرنا ذکر سے مراد قرآن اور ایمان ہے۔ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۴﴾ یہ آیت نصر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی۔ ذَلِكْ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ یعنی وہ اپنی دنیا کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور اپنے دین کے معاملہ میں جاہل رہتے ہیں۔ فراء نے کہا: ان کی حقارت بیان کی یعنی یہ ان کی عقلوں کا معیار ہے اور علم کی انتہا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کہ انہوں نے فرشتوں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ يَعْنِي جِوَّاسَ كَيْ دِينَ سَعَى بَهْكَ گِیَا۔  
وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَى ۖ ۝۱۰۱ پس وہ ہر کسی کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ  
الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۝۱۰۱ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كِبٰٓرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّغَمَ ۚ  
إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا اُنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا اَنْتُمْ اَجْنٰةٌ فِی  
بُطُوْنٍ اُمْهَتِكُمْ ۚ فَلَا تَزْكُوْا اَنْفُسَكُمْ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اٰثَقَ ۝۱۰۲

”اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر، بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے، وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں، پس اپنی خود ستائی نہ کیا کرو وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔“

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ  
الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۝۱۰۱ لِيَجْزِيَ کلام اس معنی کے متعلق ہے جس پر اللہ تعالیٰ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: وہ اس کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تاکہ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دے اور گناہگار کو اس کے گناہ کا بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ جملہ معترضہ ہے۔ معنی ہوگا تیرا رب گمراہ کو خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے تاکہ اسے بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام عاقبہ ہے معنی بنے گا خلق کے امر کا انجام یہ ہے کہ ان میں گناہگار اور محسن ہوں گناہگار کے لیے جہنم ہے اور محسن کے لیے جنت ہے۔

الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كِبٰٓرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّغَمَ  
اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كِبٰٓرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّغَمَ یہ محسنین کی صفت ہے یعنی وہ بڑے گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے جو شرک ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے کہہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد شرک ہے۔ الفواحش سے مراد زنا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ نساء میں گزر چکی ہے، پھر اس سے مستثنیٰ منقطع کی صورت میں استثناء کی۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فرمایا: اِلَّا اللَّغَمَ اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں ایسے افعال سے کوئی بھی محفوظ نہیں مگر اللہ تعالیٰ جس کی حفاظت فرمائے۔ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور امام شعبی نے کہا: اللَّغَمَ سے مراد:



زنا سے کم درجہ کے اعمال مراد ہیں (1)۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت ایسے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جسے مہمان تمار کہا جاتا (2)۔ اس کی ایک دکان تھی جس میں وہ خشک کھجوریں بیچا کرتا اس کے پاس ایک عورت آئی وہ اس سے کھجوریں لینا چاہتی اس مرد نے اس عورت سے کہا: دکان کے اندر اس سے بہتر کھجوریں ہیں جب وہ دکان میں داخل ہوئی تو اس نے عورت کو بہلانا چاہا تو اس عورت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور وہ عورت واپس چلی گئی مہمان شرمندہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! جماع کے علاوہ آدمی جو کرتا ہے میں نے وہ کچھ کیا ہے؟ کہا: شاید اس کا خاوند مجاہد ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ اور مسروق نے اسی طرح کا قول کیا ہے کہ لہم سے مراد وہی ہے کہ درجہ کا فعل ہے جس طرح بوسہ لینا، غمزہ کرنا، دیکھنا اور لیٹنا (3)۔ مسروق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اگر وہ آگے بڑھے تو زنا ہے اگر پیچھے ہٹ جائے تو لہم ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کہا میں نے اس سے زیادہ لہم کے کسی شے کو زیادہ مشابہ نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے وہ لامحالہ اس کو پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کو جھٹلاتی ہے۔“ مراد یہ ہے عظیم فاحشہ اور مکمل زنا جو دنیا میں حد اور آخرت میں عذاب کو ثابت کرتا ہے وہ شرمگاہ میں بدکاری کرنا ہے اس کے علاوہ گناہ میں ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابوصالح کی روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ اسے ضرور پانے والا ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا کلام ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اسے جھٹلاتی ہے“ (4) امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔

ثعلبی نے طاؤس کی روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں کان، ہاتھ اور پاؤں کا ذکر ہے آنکھوں اور زبان کے بعد یہ زیادہ کہا: ”ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے۔“ یہ ایک قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: آدمی گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ کہا: کیا تو نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا:

إِنْ يَغْفِرَ اللَّهُ يَغْفِرَ جُنَاثَنَا وَأَنْتَ عَبْدُكَ لَا إِلَهَ إِلَّا

اگر اللہ تعالیٰ بخشنے کا ارادہ کرے تو سب گناہ بخش دیتا ہے تیرا کون سا بندہ ہے جس سے لغزش نہیں ہوئی۔

عمر بن دینار نے عطا سے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے نقل کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صحیح ترین ہے اور از روئے اسناد کے سب سے عظیم ہے۔ شعبہ نے منصور سے اس نے مجاہد سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اِلَّا اللّٰمَّ کے بارے میں یہ کہا کہ بندہ ایک دفعہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر دوبارہ اس طرح نہیں کرتا؛ شاعر نے کہا:

إِنْ تَغْفِرِ اللَّهُ تَغْفِرَ جَنَّا وَأَنْتَ عَبْدٌ لَكَ لَا أَلْتَا (1)

اے اللہ! اگر تو بخشے تو سب گناہ بخش دے تیرا کون سا بندہ ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

مجاہد اور حسن بصری نے یہی کہا ہے کہ وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے پھر دوبارہ ایسا گناہ نہیں کرتا (2)۔ اسی کی مثل زہری سے مروی ہے، کہا: لَمَّ یہ ہے کہ وہ بدکاری کرے پھر توبہ کرے اور دوبارہ ایسا عمل نہ کرے۔ وہ چوری کرے یا شراب پیے پھر توبہ کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرے اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ (آل عمران: 135) پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ جَزَاءُ فَمَنْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (آل عمران: 136) ان کے لیے مغفرت کی ضمانت دی جس طرح اللّم کے بعد فرمایا۔

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ اس تاویل کی صورت میں اِلَّا اللّٰمَّ مستثنیٰ متصل ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: اللّم سے مراد جو شرک کے علاوہ ہو (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللّم سے مراد ایسا گناہ ہے جو دوحوں کے درمیان ہو جو دنیا میں اس پر حد کو جاری نہیں کرتا اور نہ ہی آخرت میں عذاب کو لازم کرتا ہے پانچوں نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں؛ یہ ابن زید، عکرمہ، ضحاک اور قتادہ نے کہا ہے؛ یہی عوفی اور حکم بن عتیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کلبی نے کہا: اللّم کی دو صورتیں ہیں۔ ہر وہ گناہ اللہ تعالیٰ نے جس پر دنیا میں حد کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی آخرت میں عذاب کا ذکر کیا (4)۔ یہی وجہ ہے پانچ نمازیں ان کو مٹا دیتی ہیں جب تک وہ کبائر اور فواحش تک نہ پہنچیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے وہ عظیم گناہ ہے جسے انسان یکے بعد دیگرے کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن ثابت سے یہ بھی مروی ہے: مراد دور جاہلیت میں جو گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا: تم کل ہمارے ساتھ یہ عمل کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ زید بن اسلم اور ان کے بیٹے نے قول کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: 23) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللّم سے مراد ہے کہ وہ کوئی گناہ کرے جو اس کی عادت نہ ہو؛ یہ نبطیہ نے قول کیا ہے۔ کہا: عرب کہتے ہیں مایاتینا اِلَّا لِمَا یعنی وہ کبھی کبھی ہمارے پاس آتا تھا۔ کہا: اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ ارادہ تو کرے اور عمل نہ کرے کیونکہ عرب یہ نہ کہتے تھے الم ہنا مگر اسی وقت کہتے جب کوئی انسان عمل کرتا نہ کہ اس صورت میں



کہ وہ قصد کرے اور عمل نہ کرے۔ صحاح میں ہے: أَلَمَ الرَّجُلُ يَهْلِكُ لِمَمٍّ مِّنْهُ مَشْتَقٌّ هُوَ اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ معصیت کے قریب ہے مگر اس میں واقع نہیں ہوا۔ جوہری کے علاوہ نے یہ شعر پڑھا:

بَزِينَبَ أَلِيمٍ قَبْلَ أَنْ يَرَحَلَ الزُّكْبُ

زینب کے قریب ہو جا قبل اس کے کہ قافلہ کوچ کر جائے۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: لِمَمٍّ سے مراد نفس کی عادت ہے جو وقفہ وقفہ سے ہوتی ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: جو دل میں کھٹکے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: بھلائی یا برائی میں سے جس کا تو قصد کرے تو وہ لِمَمٍّ ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ان للشيطان لينة وللملك لينة بے شک شیطان کی طرف سے ایک خیال آتا ہے اور فرشتے کی جانب سے خیال آتا ہے۔ یہ روایت سورہ بقرہ آیت 268 میں الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ کے تحت گزر چکی ہے۔ ابواسحاق زجاج نے کہا: لِمَمٍّ اور السام کا اصل معنی ہے انسان جب یکے بعد دیگرے کرتا ہے اس میں تعمق نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر قائم رہتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: السمت به۔ جب تو اس کی زیارت کرے اور اس سے پھر جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما فعلته إلا لِمَمٍّ والِمَمَّا یعنی میں نے اسے وقفے وقفے سے کیا۔

إنما زیارتك السام تیری ملاقات وقفے وقفے سے ہوتی ہے؛ اسی سے خیال کا آنا ہے۔ اعشی نے کہا:

أَلَمَ خَيَالٍ مِنْ قُتَيْلَةٍ بَعْدَ مَا قَتَيْلَهُ كِي جَانِبٍ سَخِيَالٍ وَتَقْفٍ وَتَقْفٍ سَخِيَالٍ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الا، واؤ کے معنی میں ہے فراء نے اس کا انکار کیا ہے کہا: معنی ہے چھوٹے گناہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِمَمٍّ سے مراد ایسی نظر ہے جو چانک ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ قول حقیقت سے بعید ہے یہ تو ابتداء معاف ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ قصد اور اختیار کے بغیر واقع ہوتی ہے۔ سورہ نور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ لِمَمٍّ کا معنی جنون کی ایک قسم ہے رجل مَلُومٌ جسے جنون ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: أصابت فلاناً لمة من الجن کا معنی مس کرنا اور تھوڑی چیز ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ جو اپنے گناہ سے توبہ کرے اور بخشش کا طالب ہو اس کے لیے وسیع مغفرت والا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ابو میسرہ عمرو بن شریبیل نے کہا جو حضرت ابن مسعود کے فاضل اصحاب میں سے تھا: میں نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں کیا دیکھتا ہوں وہاں خیمے لگے ہوئے ہیں میں نے پوچھا: یہ کن کے لیے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ ذی کلدع اور حوشب کے لیے ہیں، یہ دونوں ان افراد میں سے تھے جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ میں نے کہا: یہ کیسے؟ لوگوں نے بتایا: دونوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اسے وسیع مغفرت والا پایا۔ ابو خالد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ذی کلدع نے بارہ ہزار بچیوں کو آزاد کیا تھا۔

هُوَ أَكْبَرُكُمْ وَهُوَ تَمَّهِمْ تَمَّهِمْ ذَاتُكُمْ سَخِيَالٌ بَرَّحَ كَرَجَانَا هُوَ إِذَا أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ مَرَادٌ هُوَ تَمَّهِمْ تَمَّهِمْ جَدُّ أَعْلَى حَضْرَتِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کومٹی سے پیدا کیا اور ضمیر جمع کی ذکر کی۔ ترمذی ابو عبد اللہ نے کہا: ہمارے نزدیک یہ تعبیر نہیں بلکہ یہ پیدائش اس

مٹی پر ہوئی جو زمین سے ابھری ہوئی تھی۔ ہم سب اس مٹی اور اسی کچڑ پر ہیں پھر اس کچڑ سے پانی پشتوں کی طرف نکلے ساتھ ہی ان میں نفوس پیدا کیے گئے جب کہ ان کی ہیئتیں مختلف تھیں پھر مختلف سیخوں کو ان کی پشتوں سے نکالا ان میں سے کچھ موتیوں کی طرح چمک رہے تھے کچھ ایک دوسرے سے زیادہ روشن تھے ان میں سے بعض کوئلے کی طرح سیاہ تھے بعض ایک دوسرے سے زیادہ سیاہ تھے تو یہ انشاء (پیدائش) ہم پر اور اس پر واقع ہوئی۔

عیسیٰ بن حماد عسقلانی نے بشر بن بکر سے وہ اوزاعی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس رات میرے اس حجرہ کے سامنے مجھ پر اولین و آخرین (اگلے پچھلے) پیش کیے گئے“ کسی کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ مخلوقات میں سے جو گزر چکے ہیں وہ بھی؟ فرمایا: ”ہاں، مجھ پر حضرت آدم اور ان کے علاوہ“۔ کہا: ان کے علاوہ (1) بھی کسی کو پیدا کیا گیا؟ لوگوں نے پوچھا: جو مردوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ہیں؟ فرمایا: ”ہاں مٹی میں ان کی مثالی شکلیں بنائی گئیں تو میں نے انہیں پہچان لیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے تمام نام جان لیے تھے۔“

میں نے کہا: سورۃ الانعام کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ ہر انسان کو اس قطعہ زمین کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے جس میں اسے دفن کیا جاتا ہے۔ وَإِذَا أَنْتُمْ أَجْنَةٌ يَهِنٌ کی جمع ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جب تک پیٹ میں ہوتا ہے۔ اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

مکحول نے کہا: ہم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین تھے تو ہم میں سے گر گیا جو گر گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے ہیں پھر ہم دودھ پینے والے بچے ہو گئے تو ہم میں سے ہلاک ہو گیا جو ہلاک ہو گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے پھر ہم قریب البلوغ ہوئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا تو ہم باقی رہنے والوں میں سے ہوئے پھر ہم جوان ہو گئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا اور ہم باقی رہنے والوں سے ہوئے پھر ہم بوڑھے ہو گئے تیرا باپ نہ رہے اس کے بعد ہم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟

ابن لہیعہ نے حرث بن یزید سے وہ ثابت بن حرث انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں: جب یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ فوت ہوتا تو وہ کہتے: وہ صدیق ہے۔ یہ قول نبی کریم ﷺ تک پہنچا فرمایا: ”یہودیوں نے جھوٹ بولا ہے جس بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے تو وہ شقی ہوتا ہے یا سعید ہوتا ہے“ (2)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ان کی مدح نہ کرو اس کی شانہ کرو کیونکہ یہ طریقہ ریاسے دور اور خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتَى ۝ یہ عمل کو زیادہ خالص کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچانے والا ہے: یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر نفس کے بارے میں آگاہ تھا کہ وہ کیا عمل کرنے والا ہے اور کس طرف جانے والا ہے (3)؟ سورۃ النساء میں اس آیت کے معنی کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَی الْاِنۡیۡنِ یُزۡكٰوۡنَ اَنْفُسَهُمۡ (النساء: 49) اسے وہاں پڑھ لیں۔ حضرت ابن عباس

1۔ بعض نسخوں میں هل کان خلق احدکي جبکہ کان احد ہے اور بعض میں هل کان قبلہ احد کیا ان سے پہلے بھی کسی انسان کو تخلیق کیا گیا۔

2۔ اسباب النزول للواحدي، سورۃ والنجم، صفحہ 332

3۔ تفسیر مادر دی، جلد 5، صفحہ 402



نبیؐ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس امت کے کسی فرد کا میں تزکیہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْثَى ۚ أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرِى ۝

”کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔“

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْثَى ۚ جب اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا تو ان میں سے ایک معین شخص کو اس کے برے فعل کے ساتھ ذکر کیا۔ مجاہد، ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی (1) اس نے رسول اللہ ﷺ کے دین کی اتباع کی تو بعض مشرکوں نے اسے عار دلائی اور کہا: تو نے اپنے آباء کے دین کو کیوں چھوڑ دیا، انہیں گمراہ قرار دیا اور تو نے گمان کیا کہ وہ جہنم میں ہیں؟ اس نے کہا میں اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں۔ تو اس مشرک نے کہا: اگر وہ اپنے مال میں سے کچھ اسے دے دے اور شرک کی طرف واپس لوٹ آئے تو وہ وحید کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھالے گا۔ ولی نے اپنے مال میں سے کچھ اسے دیا جس نے ضمانت اٹھائی پھر بخل سے کام لیا اور مال کو روک لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مقاتل نے کہا: ولید نے قرآن کی تعریف کی پھر تعریف کرنے سے رک گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا وَأَعْطَى قَلِيلًا یعنی اپنی زبان سے کچھ بھلائی کی (2)۔ وَأَكْثَى یعنی اسے قطع کر دیا اور اس سے رک گیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایمان کا عہد دیا پھر منہ پھیر لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی: أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى۔

حضرت ابن عباس، سدی، بکلی اور مسیب بن شریک نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن عفان کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ بھلائی کے کاموں میں مال صدقہ کرتے اور خرچ کیا کرتے تھے آپ کو ان کے رضائی بھائی عبد اللہ بن ابی سرح نے کہا: یہ تم کیا کرتے ہو؟ ممکن ہے کوئی چیز آپ کے لیے باقی نہ بچے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا: میرے گناہ اور خطائیں ہیں جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہوں اور اس کی معافی کی امید رکھتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ نے انہیں کہا: اپنی اونٹنی اس کے کجاوے کے ساتھ مجھے دے دو میں تیری جانب سے تمام گناہ اٹھا لوں گا۔ حضرت عثمان نے اسے وہ اونٹنی عطا کر دی اور اس پر گواہ بنا لیا اور جو صدقہ کیا کرتے تھے اس میں سے بعض سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی فضل و احسان دوبارہ شروع کر دیا؛ واحدی اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ کبھی کبھی نبی کریم ﷺ کی موافقت کیا کرتا تھا (4)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا: اللہ کی قسم! (حضرت) محمد مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْثَى کا یہی مفہوم ہے۔ ضحاک نے

کہا: مراد نظر بن حرث ہے (1) جب وہ اپنے دین سے مرتد ہوا تو اس نے مہاجرین میں سے ایک فقیر کو پانچ اونٹنیاں دیں اور اس سے ضمانت لی کہ دین چھوڑنے کا بوجھ وہ مہاجر اٹھائے گا۔ اگڈی کا اصل کدیہ ہے یہ اس کے لیے بولا جاتا ہے جو ایک کنواں کھودے پھر ایسے پتھر تک جا پہنچے جس کا کھودنا اس کے لیے ممکن نہ ہو قد اکدی پھر عرب اس لفظ کو اس آدمی کے لیے استعمال کرنے لگے جو عطا کرے اور پورا نہ کرے اور جو کسی شے کو طلب کرے اور اس کے آخر تک نہ پہنچے؛ خطیبہ نے کہا:

فَاعْطَى قَلِيلًا ثُمَّ أَكْذَى عَطَاءَهُ وَمَنْ يَنْذِلِ الْمَعْرُوفَ فِي النَّاسِ يُخْشَدُ

اس نے تھوڑا دیا پھر اپنے عطیہ کو روک لیا جو مال خرچ کرتا ہے لوگوں میں اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

کسانی اور دوسرے علماء نے کہا: اکدی الحافر و أجبل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کھودنے میں پتھر یا پہاڑ تک جا پہنچے اب اس کو کھودنا ممکن نہ ہو۔ یہ جملہ بولتے ہیں: حفرو اکدی جب وہ سخت جگہ تک جا پہنچے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کدیت أصابعہ جب وہ کھودنے سے تھک جائیں۔ و کدیت یدہ جب اس کا ہاتھ تھک جائے اور کچھ کام نہ کرے۔ اکدی النبت بڑھوتری کم ہو جائے۔ کدت الأرض تکدو کدوا و کدوا فہی کادیۃ جب وہ دیر سے نباتات اگائے۔ ابوزید سے مروی ہے: اکدیت الرجل عن الشیء میں نے اسے اس چیز سے لوٹا دیا۔ اکدی الرجل جب اس کی بھلائی کم ہو جائے۔

وَاعْطَى قَلِيلًا وَآكْذَى ۝ یعنی تھوڑا دینا بھی ختم کر دیا۔

أَعْنَدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرَى ۝ کیا اس کم کرنے والے کے پاس اس چیز کا علم ہے جو عذاب اس سے غائب ہے فَهُوَ يُرَى یعنی آخرت کا امر جو اس سے غائب ہے اسے وہ جانتا ہے کہ وہ غیر کے عذاب کو اٹھانے کا ضامن بن رہا ہے اتنی جہالت اور حماقت ہی کافی ہے یہ فعل رویت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے جب کہ دونوں مفعول محذوف ہیں گویا فرمایا: وہ غیب کو شہادت کی طرح دیکھتا ہے۔

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۖ

أُخْرَى ۖ وَ أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۖ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ۖ

يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوَّلَى ۖ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُسْتَهْلَى ۖ

”کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آ جائے گا پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔“

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۖ لفظ ابراہیم سے پہلے صحف کا لفظ محذوف ہے جس طرح

سورہ اعلیٰ میں ہے صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَى ۖ یعنی کسی نفس کو دوسرے نفس کے بدلہ میں نہیں پکڑا جائے گا جس طرح فرمایا:



أَلَا تَزِرُ مَوَازِئَهُمْ أَثْقَالًا ۖ وَزُرُّوا أَخْرَىٰ ۖ ﴿٣٨﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان آدمی کو اپنے بھائی، اپنے بیٹے اور اپنے باپ کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا؛ یہ ہذیل بن شریحیل نے کہا ہے۔ ان یہ مشغلہ سے مخففہ ہے اس کا محل جر ہے کیونکہ یہ ماکا بدل ہے یا یہ محل رفع میں ہے کیونکہ ہضمیر مضمّر ہے۔

سعید بن جبیر اور قتادہ نے وقی پڑھا یعنی شد کے بغیر پڑھا۔ اس کا معنی ہے وہ اپنے قول اور عمل میں سچا ہے۔ یہ جماعت کی قرأت کی طرف راجع ہے جو وقی ہے یعنی اس پر جو فرض کیا گیا اس نے ان سب کو ادا کیا اس نے ان میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑا۔ یہ سورہ بقرہ آیت 124 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ إِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِحَمَلَتِ فَاتَتْهُنَّ فِي غَرْجٍ ۖ تَوَفَّيْهِ كَمَا مَعْنَىٰ مَكْمَل کرنا ہے۔ ابوبکر و راق نے کہا: جس امر کا دعویٰ کیا اس کی شرط کو ادا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: أَسْلِمْتُ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٩﴾ (بقرہ) اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے دعویٰ کی صحت کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مال، اولاد، ذات میں آزما یا تو انہیں پورا کرنے والا پایا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَإِبْرَاهِيمَ الذِّي وَفَّىٰ ﴿٤٠﴾ کا یہی مفہوم ہے یعنی اسلام کا دعویٰ کیا پھر اپنے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ہر روز دن کے شروع میں چار رکعات ادا کر کے اپنے عمل کو پورا کیا (1)۔ ہشیم نے اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔

سہل بن سعد ساعدی نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کو اس صفت کے ساتھ کیوں ذکر کیا الذی وَفَّىٰ کیونکہ وہ صبح اور شام کو کہا کرتے تھے: فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَ حِينَ تُصْبِحُونَ ﴿٤١﴾ (الروم) سہیل بن معاذ نے یہ حضرت انس سے وہ اپنے باپ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَفَّىٰ سے مراد ہے جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے اس کو پورا کیا۔ وہ یہ فرمان ہے: أَلَا تَزِرُ مَوَازِئَهُمْ أَثْقَالًا ۖ وَزُرُّوا أَخْرَىٰ ۖ ﴿٣٨﴾۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک آدمی کو غیر کے گناہ کے بدلے میں پکڑ لیا کرتے تھے قتل اور زخم لگانے کی صورت میں وہ دلی کو دلی کے بدلے میں پکڑ لیتے تھے (2)۔ ایک آدمی کو اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی، اس کے چچا، اس کے ماموں، اس کے چچا زاد بھائی، اس کے قریبی رشتہ دار، اس کی بیوی، اس کے خاوند اور اس کے غلام کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا: أَلَا تَزِرُ مَوَازِئَهُمْ أَثْقَالًا ۖ وَزُرُّوا أَخْرَىٰ ۖ ﴿٣٨﴾

حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَفَّىٰ کے بارے میں کہا: جو آپ کو حکم دیا گیا اس پر عمل کیا اور اپنے رب کے پیغامات کو پہنچایا (3)۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے کیونکہ یہ عام ہے: مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے: جو آپ پر

فرض کیا گیا اس کو پورا پورا ادا کیا (1)۔ ابو مالک غفاری نے کہا: اَلَا تَرَوْا اِذَا رَمٰٓةٌ وَّزَرَتْ رَاۤءَ اُخْرٰى ۝ سے لے کر قَبَاۤتِی الْاٰءِ رَاۤیَتْکَ تَتَنَازَرٰی ۝ تک حضرت ابرہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے۔ سورہ انعام آیت 164 کے آخر میں وَ لَا تَرَوْا اِذَا رَمٰٓةٌ وَّزَرَتْ رَاۤءَ اُخْرٰى میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَآ سَغٰی ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے (2) کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَتَّبَعْتُمْ دِیْنَہُمْ بِاٰیٰتِہِمْ اَلْحَقَّ اٰیٰتُہُمْ (الطور: 21) کے ساتھ منسوخ ہے قیامت کے روز چھوٹا بچہ اپنے میزان کے پاس موجود ہوگا اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کے حق میں اور بیٹوں کو آباء کے حق میں شفیع بنا لے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اٰبَاؤُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ لَا تُدْرٰوْنَ اٰیٰتُہُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا (النساء: 11)

اکثر علماء تاویل نے کہا: یہ آیت محکم ہے کسی کو دوسرے کا عمل نفع نہ دے گا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے نماز نہیں پڑھے گا۔ امام مالک نے روزہ، حج اور صدقہ میت کی جانب سے جائز قرار نہیں دیا مگر آپ نے کہا: اگر اس نے حج کی وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اس کی جانب سے حج کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے میت کی جانب سے نقلی حج کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعتکاف کیا اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: میری ماں فوت ہو گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ فرمایا: ”ہاں“۔ عرض کی: کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: ”پانی پلانا“ (3) یہ تمام بحث سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ اعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَآ سَغٰی یہاں لام مجرور ہے عربی زبان میں اس کا معنی ملکیت اور ثابت کرنا ہے انسان کے لیے وہی ثابت ہوتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ بچوں کو عمل کے بغیر جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَآ سَغٰی یہ حکم کافر کے لیے ہے (4) جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے لیے اس کا اپنا عمل اور غیر کا اس کے لیے عمل ہے۔

میں کہتا ہوں: بے شمار احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کو غیر کی جانب سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے جو آدمی غور و فکر کرتا ہے اس کے لیے ان میں سے کثیر روایات گزر چکی ہیں۔ صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن مبارک سے مسلم شریف نے شروع میں روایت گزری ہے۔ صحیح میں ہے: ”جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے صرف تین عمل باقی رہتے ہیں (5) اس میں ایک یہ ہے یا نیک بچہ جو اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و احسان ہے، جس طرح کئی گنا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 205

2۔ ایضاً

4۔ المحرر الوجیز جلد 5، صفحہ 206

3۔ سنن نسائی، فضل الصدقة من البیت، ذکر الاختلاف علی سفیان، جلد 2، صفحہ 133

5۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، ما یلدق الانسان من الثواب، جلد 2، صفحہ 41



لے کر سات سو گنا اور دس لاکھ تک اجر لکھتا ہے، جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر دس لاکھ نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے؟ فرمایا: میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔“ یہ فضل و احسان ہے اور عدل کا اسلوب وَأَنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے وَأَنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى یہ صرف برائی کے ساتھ خاص ہو کیونکہ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اگر وہ اس پر عمل کرے تو میں اس کے حق میں دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک لکھ لیتا ہوں اور جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کے خلاف کچھ بھی نہیں لکھتا اگر وہ اس پر عمل کرے تو میں صرف ایک برائی لکھتا ہوں“ (1)۔ ابو بکر و راق نے کہا: إِلَّا مَا سَعَى کا معنی ہے مگر جس کی وہ نیت کرے۔ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے: يَبْعَثُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى نِيَاتِهِمْ لَوْ كُنُوا قِيَامَتِ كَرُوزَانِ كِي نِيَتُوں پر اٹھایا جائے گا۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ۖ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ أَسَ قِيَامَتِ كَرُوزَانِ كِي جزا دکھائے گا۔  
ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْآوْفَى ۚ پھر اسے پورا پورا بدلہ دے گا۔ انفس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے جزئہ الجزاء و جزئہ بالجزاء دونوں جملے ایک جیسے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

إِنْ أَجْزِ عَلْقَمَةَ بْنِ سَعْدٍ سَعْيِهِ لَمْ أَجْزِهِ بِبِلَاءٍ يَوْمَ وَاحِدٍ (2)  
اگر میں علقمہ بن سعد کو اس کے عمل کی جزا دوں تو میں ایک دن کے امتحان کا بدلہ اسے نہ دے سکوں گا۔  
اس شعر میں دونوں لغتوں کو جمع کر دیا ہے۔

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُسْتَهْلَى ۖ منتہی سے مرجع، مرد اور مصید مراد ہے یعنی لوٹنے کی جگہ پس وہ سزا دے گا یا بدلہ دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی کی جانب سے احسان کا آغاز ہے اور اسی کے ہاں امان کی انتہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُسْتَهْلَى کے بارے میں فرمایا: ”رب العالمین کی ذات میں کوئی سوچ و بچار نہیں ہو سکتی“ (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو رک جا“ (4)۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے وہ کہتا ہے فلاں کو کس نے پیدا کیا فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ کہہ اٹھتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ اس مقام تک پہنچ

جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور رک جاؤ“ (1)۔ سورہ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

وَلَا تَفْكِرَنَّ فِي ذِي الْعُلَا عَزَّ وَجْهَهُ فَلَنْ تَرْدَىٰ اِنْ فَعَلْتَ وَ تَخْذَلُ

وَدُونَكَ مَصْنُوعَاتِهِ فَاعْتَبِرْ بِهَا وَقُلْ مِثْلَ مَا قَالَ الْخَلِيلُ الْمَبْجَلُ

صاحب عظمت جس کی ذات غالب ہے اس میں غور و فکر نہ کرا اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے ہلاک کر دیا جائے گا اور رسوا کر دیا جائے گا اس کی مصنوعات کو لو اور اس کے ساتھ عبرت حاصل کرو اسی طرح کہو جس طرح ذی شان خلیل نے کہا۔

وَ اِنَّهُ هُوَ اَصْحٰكُ وَاَبْكٰٓی ۝ وَاِنَّهُ هُوَ اَمَاتٌ وَاَحْيَا ۝ وَاِنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

وَالْاُنثٰی ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تَمْنٰی ۝

”اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ اس نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ وہ بھی ایک بوند سے جب نپکتی ہے۔“

وَ اِنَّهُ هُوَ اَصْحٰكُ وَاَبْكٰٓی ۝ واسطے ختم ہو گئے اور حقائق اللہ تعالیٰ کے لیے باقی رہ گئے اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی سے مروی ہے: نہیں اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میت کو کسی کے رونے سے عذاب ہوتا ہے (2) بلکہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کافر کے حق میں اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رلاتا ہے اور ہنساتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے: نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے۔ فرمایا: ”اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا بہتے اور زیادہ روتے“ (3)۔ حضرت جبریل امین آپ کے پاس آئے پھر کہا: اے محمد! ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے: وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان صحابہ کے پاس واپس تشریف لائے فرمایا: ”میں چالیس قدم بھی نہیں چلا تھا یہاں تک کہ جبریل امین میرے پاس حاضر ہوئے اور کہا ان کے پاس جائے انہیں کہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے“ یعنی ہنسنے اور رونے کے اسباب کا فیصلہ کر دیا۔

عطاء بن ابی مسلم نے کہا: اسی نے خوشی عطا کی اور اسی نے غمگین کیا کیونکہ خوشی ہنسنے کا باعث ہوتی ہے اور غم رونے کو لاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ اللہ کی قسم! ایمان ان کے دلوں کو مضبوط پہاڑوں سے زیادہ راسخ کر دیتا تھا (4)۔

سورہ نمل اور سورہ براءت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کو جنت میں ہنسایا اور جہنمیوں کو جہنم میں رلایا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے چاہا دنیا میں اسے ہنسایا یعنی اسے خوش کیا اور جس کو چاہا اسے رلایا یعنی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الموسوعة فی الایمان، جلد 1، صفحہ 79

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، البیت یعذب ببکاء اہلہ، جلد 1، صفحہ 303

3۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 334

5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 89

4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 256



اسے غم دیا۔ ضحاک نے کہا: زمین کو نباتات کے ذریعے ہنسایا اور آسمان کو بارش کے ذریعے رلایا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: درختوں کو کلیوں کے ساتھ ہنسایا اور بادلوں کو بارش کے ساتھ رلایا۔ حضرت ذوالنون نے کہا: مومنوں اور عارفین کے دلوں کو اپنی معرفت کے سورج کے ساتھ ہنسایا اور نافرمانوں کو ناراضگی کے ساتھ رلایا۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: مومن کو آخرت میں ہنسایا اور اسے دنیا میں رلایا۔ بسام بن عبد اللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دانتوں کو ہنسایا اور ان کے دلوں کو رلایا اور یہ شعر پڑھا:

السِّنُّ تَضَعُكَ وَالْأَحْشَاءُ تَخْتَرِقُ دَانَا ضَحْكُهَا زُوْرٌ وَ مُخْتَلِقُ

يَا رَبِّ بَاكَ بِعَيْنٍ لَا دَمْعٍ لَهَا وَرَبِّ ضَاكِ سِنٍ مَا بِهِ رَمَقُ

دانت ہنتے ہیں اور انتریاں جلتی ہیں بے شک ہنسا جھوٹ و بناوٹی ہے۔ کتنے ہی ایسی آنکھ سے روتے ہیں جن کے آنسو نہیں ہوتے کتنے ہی دانتوں سے ہنتے ہیں جن میں زندگی کی رمت نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانوں سے انسان کو ہنسنے اور رونے کے ساتھ خاص کیا ہے انسان کے علاوہ کوئی ہنستا اور روتا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرف بندر ہنستا ہے روتا نہیں اور صرف اونٹ روتا ہے ہنستا نہیں۔ یوسف بن حسین نے کہا: طاہر مقدسی سے پوچھا گیا کیا فرشتے ہنتے ہیں؟ جواب دیا: وہ اور عرش کے نیچے جو کچھ ہے جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا ہے وہ نہیں ہنستے۔

وَ أَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۝ اس نے موت اور حیات کے اسباب کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت و حیات کو پیدا کیا جس طرح فرمایا الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک: 2) یہ ابن بحر کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو کفر کے ساتھ موت دی اور مومن کو ایمان کے ساتھ زندہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَخْيَيْنَاهُ (الانعام: 122) فرمایا: إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۖ وَالْمَوْتُ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ (الانعام: 36) جس طرح پہلے گزر چکا ہے: عطا کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے، اپنے عدل کے ساتھ مارا اور اپنے فضل کے ساتھ زندہ کیا۔ اور اس کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے مال روکنے اور بخل کرنے کے ساتھ موت دی اور سخاوت اور مال خرچ کرنے کے ساتھ زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نطفہ کو موت دی اور روح کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: آباء کو موت دی اور بیٹوں کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیات سے مراد سبزی اور موت سے مراد خشک سالی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نیند دی اور بیدار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: دنیا میں موت دی اور دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کیا۔

وَ أَنَّهُ خَلَقَ الرُّوحَ الْكَاسِرَ وَالْأُنْثَى ۝ مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا، مراد نہیں کیونکہ مذکورہ مؤنث نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں (جب کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی) نطفہ سے مراد قلیل پانی ہے یہ نطفہ الماء سے مشتق ہے جب وہ قطرہ بن کر گرے۔ ثَمْنِي ۝ جسے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے اور بہایا جاتا ہے۔ کلبی، ضحاک اور عطاء بن ابی رباح نے کہا یہ جملہ کہا جاتا ہے: مَنِ الرَّجُلُ وَأَمْنِي (3)۔ مَنِ سے مشتق

ہے منیٰ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں خونوں کو بہایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تسنی کا معنی ہے (1) اس کا اندازہ لگایا جاتا ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَنِيتُ الشَّيْءِ عَجِبْتُوْا اس کا اندازہ لگائے منیٰ لہ اے مقدر کیا گیا؛ شاعر نے کہا:

حَتَّى تُلَاقِي مَا يَبْنِي لَكَ الْمَنَانِ

یہاں تک کہ تو اسے ملے جسے قادر نے تیرے لیے مقدر کیا ہے۔

وَ اَنْ عَلَيْهِ النَّشَاةُ الْاٰخِرٰى ۝ وَ اِنَّهُ هُوَ اَعْنٰى وَ اَقْنٰى ۝ وَ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ  
الشَّعْرِى ۝ وَ اِنَّهُ اَهْلَكَ عَادًا الْاَوَّلٰى ۝ وَ شَمُودًا فَمَّا اَبْلٰى ۝ وَ قَوْمَ نُوحٍ مِّنْ  
قَبْلُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطٰى ۝ وَ الْمُوْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشٰىهَا مَا  
غَشٰى ۝ فَمَا يَتِي الْاَلَاءَ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝

”اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے دوسری بار پیدا فرمانا اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے اور یہ کہ وہی شعری (ستارے) کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اول (قوم ہود) اور شمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پیچ دیا پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا۔“

وَ اَنْ عَلَيْهِ النَّشَاةُ الْاٰخِرٰى ۝ جب روحوں کو جسموں میں لوٹایا جائے گا تا کہ انہیں اٹھایا جائے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے النَّشَاةُ شین کے فتح اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے اس نے یہ وعدہ کیا اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ وَ اِنَّهُ هُوَ اَعْنٰى وَ اَقْنٰى ۝ ابن زید نے کہا: جس کو چاہا غنی کر دیا اور جس کو چاہا فقیر بنا دیا (2)، پھر اس آیت کو پڑھا يَبْسُطُ الزُّرْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ (سبا: 39) اور اس آیت کی تلاوت کی يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (البقرہ: 245) طبری نے اسے پسند کیا ہے۔ ابن زید سے یہ بھی مروی ہے اور مجاہد، قتادہ اور حسن بصری نے یہ کہا ہے: اَعْنٰى یعنی اسے مالدار بنا دیا (3)، اَقْنٰى اسے خادم بنا دیا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْنٰى تمہارے لیے مال بنایا ہے جسے تم کماتے ہو اس کا معنی خادم بنانا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو عطا کیا اس پر راضی کیا یعنی اسے غنی کیا پھر جو عطا کیا اس کے ساتھ راضی کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: قَنَى الرَّجُلُ يَغْنِي قَنَى جس طرح غَنَى يَغْنِي غَنَى ہے۔ اقْنَاهُ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے وہ عطا کیا جسے ذخیرہ کیا جاتا ہے یعنی مال اور چاندی۔ اقْنَاهُ اللہ یعنی اسے راضی کیا۔ قَنَى کا معنی رضا ہے، یہ ابو زید سے مروی ہے عرب کہتے ہیں جسے سو بکریاں عطا کی گئیں تو اسے قَنَى عطا کیا گیا؛ جسے سو بھیڑیں دی گئیں اسے غْنَادَى گئی، جسے سوا دھت دیئے گئے تو اسے منیٰ دیا گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغْنَاهُ اللہ واقْنَاهُ اسے وہ چیز عطا کی گئی جس سے وہ سکون حاصل کرتا ہے۔



ایک قول یہ کیا گیا: اَغْنَى وَ اَقْنَى اس کی ذات کو غنی کیا اور اپنی مخلوق کو اس کا محتاج بنادیا (1)؛ یہ سلیمان تیمی نے کہا۔ سفیان نے کہا: قناعت کے ساتھ غنی کیا اور رضا کے ساتھ سکون عطا کیا (2)۔ اخفش نے کہا: اقنی یعنی محتاج کیا۔ ابن کیسان نے کہا: اسے اولاد دی۔ یہ قول تمام پہلے اقوال کی طرف راجع ہے۔

وَ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرٰی ۝ شعری ایسا روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اس کا طلوع سخت گرمی میں ہوتا ہے۔ دونوں شعری ہیں عبور جو جوزاء میں ہوتا ہے شعری غمیصاء جو ذراع میں ہوتا ہے۔ عرب گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں سہیل کی بہنیں ہیں۔ یہ ذکر کیا کہ وہ شعری کا رب ہے اگرچہ وہ دوسروں کا بھی رب ہے کیونکہ عرب شعری کی تعظیم بجالاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ شعری رب نہیں مربوب ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون اس کی عبادت کرتا تھا؟ سدی نے کہا: حمیر اور خزاعہ قبیلہ اس کی عبادت کرتا تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت کی وہ ابو کبشہ تھا جو نبی کریم ﷺ کی امہات کی جانب سے اجداد میں شامل تھا اس وجہ سے قریش کے مشرکوں نے نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کا نام دیا جب آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے دینوں کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: ہم نے ابن ابی کبشہ سے کیا پایا ہے؟ ابو سفیان نے فتح مکہ کے روز کہا تھا جب کہ وہ ایک تنگ راستہ میں کھڑا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے لشکر اس کے پاس سے گزر رہے تھے: لقد امر امر ابن ابی کبشہ ابن ابی کبشہ کا امر قوی ہو گیا۔ جو عرب شعری کی پوجا نہ کرتے تھے وہ اس کی تعظیم کرتے اور عالم میں اس کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے؛ شاعر نے کہا:

مَضَى اَيُّلُوْ دَارْتَفَعَ الْخُرُوْرُ وَاُخْبِتْ نَارَهَا الشُّعْرٰی الْعَبُوْرُ (3)

ماہ ستمبر گزر گیا اور گرمی ختم ہو گئی اور شعری عبور نے اس کی آگ کو بجھا دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرب اپنی خرافات میں کہتے ہیں کہ سہیل اور شعری میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے اترتا تو وہ یمانی ہو گیا شعری عبور نے اس کا پیچھا کیا اور کہکشاں کو عبور کیا تو اس کا نام عبور ہو گیا۔ غمیصاء کھڑی ہوئی اور سہیل کے گم ہونے پر وہ روئی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں کیچڑ بہانے لگیں تو اس کا نام غمیصاء ہو گیا کیونکہ یہ دوسرے سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ وَ اِنَّكَ اَهْلَكَ عَادًا اَلْاُولٰٓئِی ۝ اس کا نام اولی رکھا کیونکہ یہ ثمود سے پہلے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ثمود، ثمود سے پہلے تھے۔ ابن زید نے کہا: اسے عاد اولی کہا گیا کیونکہ یہ پہلی امت تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک ہو گئی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ دونوں عادتھیں پہلی قوم عاد کو ریح صرصر (شدید ہوا) سے ہلاک کیا گیا پھر دوسری قوم عاد تھی اسے چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: عاد اولی وہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح تھی اور دوسری عاد، عاد اولی کی اولاد میں سے تھی۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دوسری قوم عاد جبارون تھے وہی قوم ہود تھی۔ عام قرأت عاد اولی ہے یعنی تنوین اور ہمزہ کو واضح کیا گیا ہے۔ نافع، ابن محیسن اور ابو عمرو نے عاد اولی پڑھا ہے یعنی ہمزہ کی حرکت لام کو دی اور نون تنوین کو اس میں

مدغم کر دیا مگر قانون اور سوسی دونوں ساکن ہمزہ کو ظاہر کرتے تھے باقی قراء نے قاعدہ کے مطابق واؤ سے بدل دیا تب حرب اس قلب کو الٹ دیتے ہیں اور کہتے ہیں: قُمْ لَانَ عْنَا وَصِم لَشْنِینِ اَصْلِ مِیْنِ قِیْمِ الْاَنِّ وَصِیْمِ الْاَشْنِیْنِ ہے۔

وَشَوْذًا فَمَا اَنْتَ بِلٰی ۝ ان کے شمو، قوم صالح تھی انہیں چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ اسے شوذ اور شوذ پڑھا گیا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عاد پر عطف کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا گیا ہے۔ وَقَوْمَهُ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ یعنی عاد و شمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا۔ اِنَّهُمْ کَانُوْهُمْ اَظْلَمَ وَاَظْلَمٰی ۝ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام طویل عرصہ تک ان کے درمیان رہے یہاں تک کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ہاتھ کو پکڑتا اور حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاتا اور بیٹے کو کہتا: اس سے محتاط رہنا کیونکہ یہ جھوٹا ہے کیونکہ میرا باپ مجھے اس کے پاس لے گیا تھا اور اس نے مجھے وہی بات کی تھی جو میں نے تجھے کہی ہے تو بڑا کفر پر مر جاتا، چھوٹا اپنے باپ کی وصیت پر پروان چڑھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر عاد، شمود اور قوم نوح میں سے جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ عربوں کے مشرکوں سے زیادہ کافر اور سرکش تھے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تو بھی صبر کر اچھا انجام آپ کے لیے ہے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةُ اَهْوٰی ۝ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہران پر الٹ گئے ان کا اوپر والا حصہ نیچے والا حصہ بن گیا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اَفْکُتْہُ تُوْنِے اے الٹ دیا اور تُوْنِے اے پھیر دیا۔ اہوی ان بستیوں کو آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد انہیں دھنسا دیا۔ حضرت جبریل امین نے انہیں اٹھایا پھر انہیں زمین کی طرف گرا دیا۔ مبرد نے کہا: انہیں گرنے والا بنا دیا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ہوی بھوی ہویا یعنی وہ گر گیا۔ اہوی یعنی اے گرا دیا۔

فَقَعْسَهَا مَا عَصٰی ۝ انہیں پتھروں سے چھپا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جَعَلْنَا عَلَیْہَا سَافِلَہَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْہَا حِجَابًا مِّنْ سِجِّیْلِ (ہود: 82) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر تمام امتوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی انہیں عذاب سے ڈھانپ لیا۔ یہاں عذاب کو مبہم ذکر کیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو ایسے عذاب سے ہلاک کیا گیا جو اس عذاب سے مختلف تھا جس عذاب سے دوسری قوم کو ہلاک کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ انداز امر کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے۔

فَہَا ہِیَ الْاَآءُ مَرَاتَکَ تَتَمَارٰی ۝ تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں میں شک کرتے ہو۔ خطاب جھٹلانے والے انسان کو ہے۔ اَآء سے مراد نعمتیں ہیں اس کا واحد اَلٰی، اَلٰی اور اَلٰی ہے یعقوب نے تساری پڑھا ہے دو تاؤں میں سے ایک کو دوسری میں ادغام کیا اور اسے مشدد پڑھا۔

ہٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النَّذِیْرِ الْاُولٰٓئِی ۝ اَزِفَتْ الْاَزْفَةُ ۝ لَیْسَ لَهَا مِیْنُ دُوْنِ اللّٰہِ

کَاشِفَةُ ۝ اَفَمِنْ ہٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضَحُّکُوْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ

سٰیِدُوْنَ ۝ فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا ۝

”یہ ڈرانے والا (رسول مرئی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔ قریب آنے والی قریب آگنی۔ اللہ کے سوا اس کو کوئی نہ بگڑنے والا نہیں۔ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو اور (بے شرموں کی طرح)



نہیں رہے ہو اور روتے نہیں اور تم نے کھیل مزاق بنا رکھا ہے۔ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو۔

هَذَا اَنْذِيرُ مِنَ التَّذْيِيرِ الْاَوَّلِي ۝ ابن جرتج اور محمد بن کعب نے کہا: اس سے یہ ارادہ کیا ہے (1) کہ حضرت محمد ﷺ حق کے ساتھ خبردار کرنے والے ہیں جس کے ساتھ آپ سے پہلے انبیاء نے ڈرایا۔ اگر تم نے آپ کی اطاعت کی تو تم کامیاب ہو جاؤ گے بصورت دیگر تم پر وہی عذاب نازل ہوگا جو تم سے قبل رسولوں کو جھٹلانے والوں پر نازل ہوا۔ قتادہ نے کہا: مراد قرآن ہے یہ اس چیز کے ساتھ خبردار کرنے والا ہے جس کے ساتھ سابقہ کتابوں نے خبردار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے سابقہ امتوں کی جو خبریں دی ہیں کہ وہ ہلاک ہوئے یہ اس امت کو ڈرانا ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو سکتا ہے جو ان قوموں پر عذاب نازل ہوا۔ نذر قوم عرب میں انذار کے معنی میں ہے جس طرح نکس، انکار کے معنی میں ہے یعنی یہ تمہیں ڈرانا ہے۔ ابو مالک نے کہا: یہ سابقہ امتوں کے واقعات جن کے ساتھ تمہیں خبردار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں۔ سدی نے کہا: مجھے ابو صالح نے خبر دی ہے یہ کلمات جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان اَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِهَا فِي صُحُفِ مُوسٰی ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ سے لے کر هَذَا اَنْذِيرُ مِنَ التَّذْيِيرِ الْاَوَّلِي تک سب حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔

اَزِفَتْ الْاَزْفَةُ ۝ قیامت قریب ہو گئی۔ اسے آذفہ کا نام دیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ قریب ہی واقع ہوگی جس طرح فرمایا: يَرْوْنَهُ بُعِيدًا ۝ وَنَزَلَهُ قَرِيْبًا ۝ (العارج) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے آذفہ کا نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگوں کے قریب ہے اسے لوگوں کے قریب کیا تاکہ وہ اس کی تیاری کریں کیونکہ وہ امر جو واقع ہو کر رہنے والا ہوتا ہے وہ قریب ہوتا ہے جس طرح کہا: اذف الترحل کوچ قریب آ گیا۔

صحاح میں ہے: اذف الترحل یا اذف اذفا یعنی کوچ قریب آ گیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَزِفَتْ الْاَزْفَةُ ۝ قیامت قریب آ گئی۔ اذف الرجل فهو اذف، اذف یہ فاعل کا وزن ہے۔ متآذف القصص وہی جو قریب ہو۔ ابو زید نے کہا: میں نے ایک بدو سے پوچھا: ما المحبطن؟ اس نے جواب دیا: المتكائن۔ میں نے پوچھا: ما المتكائن؟ اس نے جواب دیا: المتآذف میں نے پوچھا: ما المتآذف؟ اس نے جواب دیا: تو احمق ہے اور چلا گیا۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے پیچھے یا آگے کرنے والا نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: كَاشِفَةٌ کا معنی انکشاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے ظاہر کرنے والا نہیں۔ كَاشِفَةٌ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے اس میں ہاء اسی طرح ہے جس طرح عاقبہ، عافیہ، دافیہ اور باقیہ میں ہے جس طرح عربوں کا قول ہے: ما للفلان من باقیۃ یہاں باقیۃ بقاء کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی بھی اسے نہیں لوٹائے گا، یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو ان کے معبودوں میں سے کوئی اسے دور نہیں کرے گا اور اس کے سوا کوئی انہیں نجات نہیں دے گا۔ قیامت کو غاشیہ کا نام دیا

ہے جب یہ غاشیہ ہے تو اس کا رد کرنا کشف ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر کاشفہ مونث محذوف کی صفت ہوگی تقدیر کلام یہ ہوگی نفس کاشفہ، فرقة کاشفہ، حال کاشفہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاشفہ، کاشف کے معنی میں ہے۔ ہاء مبالغہ کے لیے ہے جس طرح راویۃ اور داہیۃ ہے۔

أَقْوَنَ هَذَا الْحَدِيثِ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔ تَعَجُّبُونَ ﴿٥﴾ اس کو جھٹلاتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے، استہزاء کرتے ہوئے، ہنستے ہوئے اور وعید سے ڈرتے ہوئے روتے نہیں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا بلکہ صرف آپ تبسم کرتے (1)۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا: جب أَقْوَنَ هَذَا الْحَدِيثِ تَعَجُّبُونَ ﴿٥﴾ آیت نازل ہوئی تو اہل صفہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ پھر وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ پڑے جب نبی کریم ﷺ نے ان کے رونے کو سنا تو آپ کے ساتھ روتے اور ہم آپ کے رونے کی وجہ سے رونے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْجِي النَّارَ مِنْ بَكِيٍّ خَشْيَةَ اللَّهِ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَصْرًا عَلَى مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَوْلَمْ تَذَنْبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ وَيَرْحَمُهُمْ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (2) جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے رو یا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مصر رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایک ایسی قوم لے آئے گا جو گناہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

بنو حازم نے کہا: حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ ان کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا۔ جبریل امین نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: ”یہ فلاں ہے“۔ حضرت جبریل امین نے کہا: ہم انسان کے تمام اعمال کا وزن کرتے ہیں صرف رونے کا وزن نہیں کرتے بے شک اللہ تعالیٰ ایک آنسو سے جہنم کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

وَأَنْتُمْ سَوْدُونَ ﴿٥﴾ تم لا پرواہی کرنے والے اور اعراض کرنے والے ہو (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے والبی اور عوفی نے آپ سے روایت کیا ہے عکرمہ نے ان سے روایت کیا حمیر کی لغت میں اس کا معنی گانا گانا ہے (4)؛ یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَبَدْنَا هَمَارَے لیے گانا گاؤ جب وہ قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو وہ گانا گانا شروع کر دیتے اور کھیل کود میں شروع ہو جاتے تاکہ وہ اسے نہ سن سکیں۔ ضحاک نے کہا: سَامِدُونَ کا معنی متکبر نہیں۔ صحاح میں ہے سَبَدٌ سَوْدٌ اس نے تکبر کی وجہ سے اپنا سراٹھایا۔ ہر سراٹھانے والا سَامِدٌ ہوتا ہے؛ شاعر نے کہا: سَوَامِدُ اللَّيْلِ خِفَافُ الْأَزْوَادِ

اس مصرعہ میں سَوَامِدُ کا معنی سراٹھانے والے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان کے پیٹوں میں چارہ نہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: سَبَدٌ سَوْدٌ یعنی میں بلند ہوا۔ سَبَدٌ الْاَهْلُ فِي سَبَدِهَا اس نے تیزی دکھائی۔ السَّوْدُ کا معنی لہو و لعب ہے السَّامِدُ لہو و لعب کرنے والا۔ لونڈی کو کہا جاتا ہے: أَسْبَدِيْنَا نَغْمَہ کے ساتھ ہمارا دل بہلاؤ۔ تسمیہ الارض سے مراد ہے کہ اس میں کھاد



ڈالی جائے۔ تسبیح الرأس سے مراد ہے اس کے بالوں کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ یہ تسبیح میں ایک لغت ہے۔ اسناد الرجل اسناد اداغصہ کی وجہ سے اس کا جسم سوج گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدؤن کا معنی ہے کہ وہ نماز پڑھے بغیر بیٹھتے ہیں اور نماز کا انتظار بھی نہیں کرتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امام کے کھڑا ہونے سے پہلے کھڑے ہو جاتے ہیں (1)۔ ان سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نکلے تو لوگ کھڑے ہو کر انتظار کر رہے تھے فرمایا: مالی اداکم سامدین کیا وجہ ہے میں تمہیں کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نماز کے لیے نکلے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے ہوئے دیکھا فرمایا: مالکم سامدون؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ لغت میں معروف یہ ہے سَمَدٌ سَمَدٌ سَمَدٌ واجب وہ لا پرواہی اور اعراض کرے۔ مبرد نے کہا: سامدون کا معنی ہے خامدون یعنی ٹھنڈے۔

صالح ابو خلیل نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت اَقِمْنَ هَذَا الْحَدِيثَ تَعَجُّبُونَ ﴿١﴾ وَتَصْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٢﴾ وَ اَنْتُمْ سَمِدُونَ ﴿٣﴾ کو پڑھا تو وصال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا آپ صرف تبسم فرماتے تھے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿١﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سجدہ تلاوت ہے (3)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی ساتھ ہی سجدہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اَقْرَأْتُمُ اللَّيْلَ وَالْعُرَى ﴿١﴾ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةِ الْآخِرَى ﴿٢﴾ کی قرأت کی تو مشرکوں نے اس موقع پر شیاطین کی آوازوں کو سنا کہ آپ نے کہا: تِلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعَلَى وَشَفَاعَتُهُمْ تَرْتَجَى۔ سعید بن جبیر کی روایت میں اسی طرح تَرْتَجَى ہے۔ ابو العالیہ کی روایت میں ہے وَشَفَاعَتُهُمْ تَرْتَضَى وَمُثْلُهُمْ لَا يَنْسَى ہے مشرک اس سے خوش ہوئے انہوں نے گمان کیا کہ یہ بھی (حضرت) محمد کا قول ہے جس کی وضاحت سورہ حج میں گزر چکی ہے۔ جب یہ خبر حبشہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پہنچی تو وہ لوٹ آئے کیونکہ انہوں نے گمان کیا تھا کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں اہل مکہ نے ان پر سختی کی اور انہیں سخت اذیتیں دیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصائب سے چھٹکارا دلایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نماز میں فرض سجدہ ہے؛ یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے آپ اسے لازم سجدہ (سجدہ ثلاث) خیال نہیں کرتے تھے؛ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے مفصل سورتوں میں سجدہ کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس کے بارے میں اَنْتُمْ لَوْ سَوْرَةَ اَعْرَافِ کے آخر میں مفصل گزر چکی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

## سورة القمر

﴿سورة القمر﴾ ﴿سورة القمر مكية ٢٤﴾ ﴿سورة القمر ٢٤﴾ ﴿سورة القمر ٢٤﴾

جمہور کے قول کے مطابق تمام سورت مکی ہے۔ مقاتل نے کہا: مگر تین آیات مکی نہیں (1) اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَنِيْمٌ مُّنتَهُمُ ۝ سَهْوَ الْجَنَمِ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَذْهَىٰ وَاَمَرٌ ۝ یہ قول صحیح نہیں جس طرح اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرَضُوا ۝ وَ یَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَبِرٌ ۝ وَ كَذَّبُوا وَ اتَّبَعُوا اَهْوَاءَهُمْ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ۝ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حَلَمَةً بِالْاَفْغٰی فَمَا تَغْنِ الْنُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نَّكَرٍ ۝ خُشْعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِیْنَ اِلٰی الدَّاعِ یَقُولُ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ۝

”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والے نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا، پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے۔ ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف، خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ نڈیاں ہیں، ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔“

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ اِقْتَرَبَتِ یعنی قریب آگئی یہ اَزَلَّتِ الْاَزْفَةُ ۝ (النجم) کی مثل ہے جس طرح ہم نے اسے بیان کیا ہے جو وقت گزر گیا ہے اس کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر یہ قریب ہے کیونکہ دنیا کا اکثر وقت گزر چکا ہے جس طرح قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جب کہ سورج غروب ہوا چاہتا تھا (2) فرمایا: ”دنیا میں سے جو باقی ہے اس کی گزرے ہوئے وقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جس طرح اس دن کے باقی



ماندہ وقت کی گزرے ہوئے وقت کے ساتھ جو نسبت ہے۔ ہم سورج کو تھوڑا ہی دیکھ رہے تھے۔ کعب اور وہب نے کہا: دنیا کا زمانہ چھ ہزار سال ہے۔ وہب نے کہا: ان میں سے پانچ ہزار چھ سو سال گزر چکے ہیں؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ یعنی قد انشق القمر چاند پھٹ چکا ہے۔ حضرت حذیفہ نے اسی طرح اقتربت الساعة وقد انشق القمر بڑھا ہے یعنی قد کوزا نکد کہا ہے جمہور علماء اسی پر ہیں۔ صحیح بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت انس سے روایت مروی ہے: اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو مکہ مکرمہ میں چاند دو دفعہ پھٹا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سَحَابٌ مُمْسِيحٌ ② (1) ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بخاری کے ہاں حضرت انس سے یہ الفاظ مروی ہیں: چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا (2)۔ ایک قوم نے کہا: ابھی تک چاند پھٹا نہیں بلکہ اس کے پھٹنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ یعنی قیام قیامت اور چاند کا پھٹنا قریب ہے اور قیامت جب قائم ہوگی تو آسمان اور اس میں جو کچھ ہے سب پھٹ جائیں گے؛ قشیری نے یہی کہا ہے۔

ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور کہا: جب وہ پھٹے گا تو ہر کوئی اسے دیکھ لے گا کیونکہ یہ ایک نشانی ہے اور لوگ نشانیوں میں برابر ہیں (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت قریب آگئی جب وہ آجائے گی تو چاند دوسرے نفع کے بعد پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ کا معنی ہے امر واضح اور ظاہر ہو جائے گا۔ عرب اظہر امر کے لیے چاند کے ساتھ ضرب المثل بیان کرتے تھے؛ شاعر نے کہا:

أَقْبِسُوا بَنِي أُمِّ صُدُورٍ مَطِينَكُمْ فَلَمَّا إِلَى حَيٍّ سَوَاكُمْ لَا مَمِيلُ  
فَقَدْ حُتَّتِ الْحَاجَاتُ وَاللَّيْلُ مُقْبِرٌ وَشَدَّتْ لِعِطَائِبٍ مَطْلَا وَأَزْحَلُ

اے میری ماں کے بیٹو! اپنی سوار یوں کے سینے سیدھے کرو میں تمہارے سوا کسی اور قبیلہ کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہوں حاجات گرم ہیں اور رات روشن ہے اور سواریاں و کجاوے سفروں کے لیے تیار ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَنْشَقَّ الْقَمَرُ سے مراد چاند سے تاریکی کا چھٹ جانا ہے جب وہ تاریکی کے دوران طلوع ہو جس طرح صبح کو لقلق کہتے ہیں، کیونکہ اس سے تاریکی پھٹ جاتی ہے۔ بعض اوقات انطلاق کو انشقاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

فَلَمَّا أَذْهَبُوا وَلَهُمْ دَوْبِي دَعَانَا عِنْدَ شَقِّ الطُّبْحِ دَاعٍ

جب انہوں نے پیٹھ پھیر لی اور ان کی آواز آرہی تھی تو صبح پھوٹنے کے وقت ایک بلانے والے نے ہمیں بلایا۔ میں کہتا ہوں: اخبارا حاد جو عادل راویوں سے مروی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند مکہ مکرمہ میں پھٹا۔ یہی اس

آیت کا ظاہر معنی ہے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگ اس میں برابر ہوں، کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے جو رات کو ظاہر ہوا تھا۔ یہ امر نبی کریم ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوا تھا جب چیلنج کیا گیا تھا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے کیونکہ ابو جہل نے نبی کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں اس پر حضرت حمزہ غضب ناک ہوئے تھے تو انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں آپ ﷺ ایسا معجزہ دکھائیں جس کے ساتھ ان کے ایمان و یقین کا اضافہ ہو۔

صحیح میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں چاند کو دو حصوں میں دکھایا (1)، جس طرح حضرت ابن مسعود اور دوسرے راویوں کی حدیث میں ہے۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مدائن میں خطبہ دیا فرمایا: خبردار! قیامت قریب آچکی ہے اور چاند نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں پھٹ چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی۔ انشق القمر واقتربت الساعة؛ یہ ابن کيسان کا قول ہے۔ فراء کا یہ قول گزر چکا ہے جب دو فعل معنی میں قریب قریب ہوں تو تجھے ان میں تقدیم و تاخیر کا حق ہوتا ہے یہی قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جاری ہوتا ہے: لَمَّا دَنَا قَسَدًا ۝ (النجم)

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا يهٰذَا آيَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو حصوں میں پھاڑ دو۔ اس کا نصف ابی قیس پر ہوا اور نصف لعیقعان پر ہو (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے“۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ چودھویں کی رات تھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہوں نے جو مطالبہ کیا وہ عطا فرمادے تو چاند دو حصوں میں پھٹ گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ مشرکوں کو ندادے رہے تھے: ”اے فلاں! اے فلاں! گواہ رہنا“۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا (3)۔ قریش نے کہا: یہ ابن ابی کعبہ کا جادو ہے اس نے تم پر جادو کر دیا ہے اپنے قافلوں سے پوچھو۔ انہوں نے قافلہ والوں سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: ہم نے چاند کو پھٹا ہوا دیکھا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مراد ہے اگر وہ کوئی ایسی آیت دیکھیں جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلیل ہو تو وہ ایمان لانے سے اعراض کر لیتے ہیں۔

وَيَقُولُوا مِثْرًا مِّثْرًا ۝ وہ کہتے ہیں: یہ ایسا جادو ہے جو ختم ہو جانے والا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے مِثْرًا مِثْرًا کہ وہ ختم ہو جائے؛ یہ حضرت انس، قتادہ، مجاہد، فراء، کسائی اور ابو عبیدہ کا قول ہے؛ نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: وہ محکم قوی اور شدید ہے۔ یہ مرہ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے۔

انفش نے کہا: یہ امراد الحبل سے ماخوذ ہے جس کا معنی سختی سے باٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کڑوا۔

1- مجمع بخاری، کتاب التفسیر، قولہ انشق القمر، جلد 2، صفحہ 722 (معنا)

2- زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 290

3- تفسیر طبری، ج 27، صفحہ 100



یہ مرارہ سے ماخوذ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے اَمْرُ الشَّيْءِ صَارَ مَرًا (1) اسی طرح یہ ہے مَرَا الشَّيْءَ يَمْرًا مَرَارًا فَهُوَ مَرَامَرًا غَيْرُهُ وَمَرَرًا۔ ربیع نے کہا: مُسْتَقَرٌّ کا معنی ہے نافذ۔ ایمان نے کہا: معنی ہے گزر جانے والا۔ ابو عبیدہ نے کہا: معنی ہے باطل۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہمیشہ رہنے والا؛ اسی معنی میں مصرعہ میں یہ لفظ ہے

ولیس علی شیءٍ قویم بمستمر

یعنی کوئی چیز دائمی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے مشابہ ہے یعنی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افعال اسی طریقہ پر جاری و ساری ہیں۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں لاتے جس کی کوئی حقیقت ہو بلکہ سب تخیلات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زمین سے آسمان تک جا پہنچا ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ انہوں نے ہمارے نبی کو جھٹلایا اور اپنی گمراہیوں اور پسندیدہ چیزوں کی اتباع کی۔ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ① یعنی ہر عامل کے ساتھ اس کا عمل برقرار ہوگا بھلائی، بھلائی کرنے والے کے ساتھ جنت میں ثابت ہوگی اور شر کرنے والے کے ساتھ جہنم میں قائم ہوگی۔

شیبہ نے قاف کے فتح کے ساتھ مستقر پڑھا ہے یعنی ہر شی کا وقت ہے جس میں بغیر تقدیم و تاخیر کے واقع ہوگا۔ ابو جعفر قعقاع سے مروی ہے۔ وکل امر مستقر یعنی قاف اور راء مکسور ہے۔ اسے امر کی نعت بنایا ہے اس تعبیر کی بنا پر کل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور خبر محذوف ہو۔ گویا فرمایا: ہر امر جوام الکتاب میں مثبت ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الساعة پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہو۔ معنی ہوگا قیامت اور ہر ثابت شدہ امر قریب آ گیا ہے یعنی قیامت کے روز امور کا استقرار قریب آ گیا ہے۔ جس نے اسے رفع دیا ہے اس نے اسے کل کی خبر بنایا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآثَانِآءِ يٰہَا قٰہِنٌ بَعْضِیۡہِ ہِ اللہ تعالیٰ نے خبروں میں سے ان کا ذکر کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس کے محتاج ہوں گے اور ان کے لیے اس میں شفاء ہے وہاں اس سے بھی زیادہ امور تھے۔ ہمارے اوپر ان کو ہی بیان کیا گیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ہمیں اس کی حاجت ہے اور باقی سے خاموشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے۔ یعنی ان کفار تک سابقہ امتوں کی خبریں پہنچیں۔ مَا فِیْہِ مُّزْدَجَرٌ ② جو انہیں کفر سے جھڑکنے والی ہے اگر وہ اس کو قبول کریں۔ یہ اصل میں مزتجر تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا۔ کیونکہ تاء حرف مہوس ہے اور زاء حرف مہجور ہے تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ یہ مخرج میں اس کے موافق ہے اور جہر میں زاء کے موافق ہے مُّزْدَجَرٌ یہ زجر سے مشتق ہے جس کا معنی رک جانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: زجرہ از دجرہ فانزجر و از دجر، زجر تہ انا فانزجر یعنی میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا۔ جس طرح شاعر نے کہا اور یہ لفظ سابقہ معنی میں مستعمل ہے:

فَاَصْبَحَ مَا يَطْلُبُ الْغَانِیَا ثَ مُّزْدَجَرٌ عَنِ هَوَاہِ اَزْدَجَارَا

اسے مزدجر پڑھا گیا ہے تاء افتعال کو زاء سے بدلا اور زاء کو اس میں ادغام کر دیا؛ یہ زحشری نے بیان کیا ہے۔

حُكْمُهُ بَالِغُهُ مراد قرآن حکیم ہے یہ فاء سے بدل ہے جو صافیہ مُؤَدَّجُو میں منقول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، یعنی موحکمة۔ فَمَا تُغْنِ التُّذْرُ ① جب انہوں نے جھٹلایا اور مخالفت کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا تُغْنِي الْآيَةُ وَالْتُّذْرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ② (یونس) مانا یہ ہے یعنی انہیں نذر کچھ نفع نہ دیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما استفہامیہ ہو اور یہ تو بخ کے لیے ہو، یعنی انہیں نذر کیا نفع دے گی جب کہ وہ اعراض کرنے والے ہوں۔ التُّذْرُ کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ انذار کے معنی میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نذیر کی جمع ہے۔

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام کا تہ ہے پھر فرمایا: يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ يَوْمَ میں عامل یخارجون یا خشعا ہے یا ایسا فعل ہے جو مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے واذا کریم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں حرف فاء محذوف ہے اور وہ بھی جس میں اس نے عمل کیا یعنی جواب امر۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فتول عنهم فان لهم يوم يدعوا الداعی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اے محمد! ان سے اعراض کیجئے آپ نے حجت قائم کر دی اور جس دن داعی بلائے گا اس دن انہیں دیکھو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان سے اعراض کیجئے ان کے بارے اور ان کے احوال کے بارے میں سوال نہ کیجئے کیونکہ انہیں شدید عذاب کی طرف دعوت دی گئی ہے معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: لا تسال عما جرى عی فلان إذا عبرته بأمر عظیم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر امر قرار پذیر ہوگا جب دعوت دینے والا دعوت دے گا۔

إِن شِئْنَاهُ فَلَنَرْكِبَهُ ① ابن کثیر نے کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی نے کاف کو ضمہ دیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح عُسُ اور عُسُ، شُغْل اور شُغْل۔ اس کا معنی ہے ایسا امر جو خوفناک اور عظیم ہوگا مراد یوم قیامت ہے داعی سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ دونوں نے پڑھا ای شئ نکس یعنی کاف کو کسرہ اور راء کو فتح دیا یعنی فعل مجہول ہے۔

خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ بھر میں خشوع سے مراد عاجزی اور ذلت ہے خشوع کو البصار کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ عزت اور ذلت کا اثر انسان کی آنکھ سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَبْصَارُهُمْ خَاشِعَةً ① (النازعات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُشَعُونَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ (الشوری: 45)

یہ کہا جاتا ہے: خشع واختشع جب وہ ذلیل ہو جائے، خشع ببصرہ جب وہ آنکھ کو بند کر دے۔ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے خاشعا پڑھا ہے اسم فاعل میں یہ جائز ہے کہ جب فاعل جماعت ہو اور اسم فاعل اس سے پہلے ہو تو اسے واحد ذکر کیا جائے جس طرح خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ ہے اس کو مؤنث بھی لا سکتے ہیں جس طرح خاشعة أبصارهم اسم فاعل کے صیغہ کو جمع ذکر کرنا بھی جائز ہے جس طرح خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ ہے۔ شاعر نے کہا:

وَشَبَابٌ حَسَنٌ أَوْجُهُمْ مِنْ إِيَادِ بْنِ يَزَارِ بْنِ مَعَدٍ (1)



یہاں محل استدلال حسن اوجہم ہے خشعاً یہ خاشعہ کی جمع ہے۔ اس کو نصب حال ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ یہ عنہ کی ضمیر سے حال ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر عنہم پر عطف قبیح ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ یخراجون کی ضمیر سے حال ہو تو اس صورت میں عنہم پر وقف کیا جاسکتا ہے۔ اسے خشع ابصار ہم بھی پڑھا اس وقت یہ مبتدا اور خبر ہوں گے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا جس طرح یہ جملہ ہے:

وجدته حاضرة الجود والكرم

میں نے اسے اس حال میں پایا کہ جو دو کرم دونوں اس کے پاس حاضر تھے۔ محل استدلال حاضرة الجود والكرم ہے۔  
يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ، اجداث سے مراد قبریں ہیں اس کا واحد جدث ہے گَالْتَهُمْ حَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ① مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ② (القارعة) یہ دونوں مختلف اوقات میں اس کی صفات ہیں (۱) قبروں سے نکلتے وقت وہ گھبرا کر نکلیں گے انہیں کچھ پتہ نہ ہوگا کہ کدھر جائیں ان میں سے بعض بعض میں داخل ہوں گے اس وقت وہ بکھری ہوئی پتنگوں کی طرح ہوں گے بعض بعض میں ہوں گے ان کی کوئی جہت نہ ہوگی جس کا وہ قصد کریں (۲) جب وہ منادی کو سنیں گے تو وہ منتشر ہڈی دل کی طرح ہوں گے کیونکہ ہڈی کی کوئی جہت نہیں ہوتی جس کا وہ قصد کرے۔ مُّهْطِعِينَ کا معنی ہے وہ جلدی کر رہے ہوں گے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

بِدَجَلَةٍ دَارَهُمْ وَلَقَدْ أَرَاهُمْ بِدَجَلَةٍ مُّهْطِعِينَ إِلَى السَّمَاءِ (1)

دجلہ میں ان کا گھر ہے میں انہیں دجلہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آواز کی طرف جلدی کر رہے ہیں۔  
ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ متوجہ ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ دیکھ رہے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: وہ اپنے کانوں کو آواز کی طرف کھولے ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے هَطَعَ الرَّجُلُ يَهْطِعُ هَطُوعًا جب وہ اپنی آنکھ کے ساتھ کسی چیز کی طرف متوجہ ہو اس سے توجہ نہ ہٹائے اھطع جب اپنی گردن لمبی کرے اور سر کو نیچے کیا۔ شاعر نے کہا:

وَيَنْتَرِبُنْ سَعْدِي مُطِيعٌ وَمُهْطِعٌ

نمر بن سعد میرا مطیع ہے اور سر جھکائے ہوئے ہے۔

بعید مُهْطِعٌ اس کی گردن میں پیدائشی جھکاؤ ہے۔ اھطع لی عذوہ اس نے دوڑ میں تیزی کی۔ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَرَضٌ ① مراد یوم قیامت ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَلَمَّا بُوِاْ عِبَادًا وَقَالُواْ مَا مَجْئُونُ ② وَالْذُّجَرُ ③ قَدَّ عَارِبًا ④

أَلِيْ مَغْلُوبٍ فَانْتَصِرَ ⑤ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاْ هُمْ مُّثْمَرُونَ ⑥ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ

عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑦ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَّاحِ ⑧ وَدُسِرَ ⑨ تَجْرِي

أَعِيفَ جُودًا هَالِذُ مَوْعِ الْهَوَامِرِ عَلَى خَيْرِ بَادٍ مِنْ مَعْقِدٍ وَ حَاضِرِ (1)



اے میری دونوں آنکھوں! کثیر آنسو بہاؤ معد میں سے ہلاک ہونے والوں اور ان میں سے موجود افراد میں سے بہترین پر۔

ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی بہنے والا، اچھلنے والا ہے۔ اس معنی میں امرء القیس کا شعر ہے وہ بارش کی صفت بیان کرتا ہے:

رَاخَ تَنْزِيهِ الصَّبَا ثُمَّ اتَّخَذَ فِيهِ شُؤْبُوْبُ جَنْوَبٍ مُنْهَمِرٍ (1)

محل استدلال جنوب منہم ہے۔

الہمر کا معنی بہانا ہے یہ جملہ بولتے ہیں: قد ہمر الماء والد مع یہمر ہمر اس نے پانی اور آنسو بہائے۔ ہمر کا یہ معنی بھی

ہے جب وہ زیادہ گفتگو کرے اور تیز گفتگو کرے ہمر لہ من مالہ جب وہ اسے عطا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

معنی ہے ہم نے بادل کے بغیر آسمان کے دروازے تیز بہنے والے پانی سے کھول دیئے پھر چالیس دن تک بارش ختم نہ ہوئی۔

ابن عامر اور یعقوب نے ففتحنا پڑھا ہے یعنی تاء مشدّد ہے یہ معنی کی کثرت پر دل ہے۔ باقی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

پھر یہ قول کیا گیا ہے: اس نے آسمان کے پھاٹک اور کھلے راستوں کو کھول دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کہکشاں ہے

یہ آسمان کا کھلا راستہ ہے اسی جگہ سے اسے کثیر بہنے والے پانی کے ساتھ کھولا گیا (2)؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا عُيُونًا عُيُونًا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: نَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ نَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ نَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ

کھل گئی ایک چشمہ نے تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا تو اس کا پانی قیامت تک شدید کڑوا بنا دیا گیا۔

فَالْتَقَى الْمَاءُ عَنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَنَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ نَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ نَزَلَ مِنْ فِيضِ الْبَارِئِ

پر زائد نہیں (3)؛ اسے ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے یعنی آسمان و زمین کا پانی برابر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قدر کا معنی ہے ان

پر فیصلہ کر دیا گیا۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کفر کیا تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں غرق کر دیا جائے۔ محمد بن

کعب نے کہا روزی جسموں سے پہلے تھی اور فیصلہ آزمائش سے پہلے تھا اور یہ آیت تلاوت کی کہا فالتقى الماء، التقاء دویا

زائد چیزوں میں ہوتا ہے کیونکہ پانی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ جب وہ دونوں جمع

ہوئے تو ایک پانی بن گیا۔ حمدری نے کہا: دونوں پانی جمع ہوئے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا فالتقى الماء، ان۔ یہ عام

طریقہ کے خلاف ہے۔ قشیری نے کہا: بعض مصاحف میں فالتقى الماء ان ہے یہ بنو طی کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا:

آسمان کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور زمین کا پانی گرم تھا جس طرح کھولتا ہوا پانی ہوتا ہے۔

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَّاحِ يَعْنِي كَشْتِيٍّ بِرُجُوتِهَا وَالْيَتَامَى

وَدُسُورٍ ۝ قتادہ نے کہا: مراد ایسے کیل ہیں جن کے ساتھ کشتی کو باندھا گیا: یہ قول قرطبی، ابن زید اور ابن جبیر نے کیا، والبی

نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ حسن بصری، شہر بن حوشب اور عکرمہ نے کہا: یہ کشتی کا اگلا حصہ ہوتا ہے جس

کے ساتھ موج ٹکراتی ہے۔ اسے دسر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ پانی کو دھکیلتی ہے۔ دسر کا معنی دھکیلنا ہے۔ عوفی نے اسے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دسر سے مراد کشتی کا سینہ ہے۔ لیث نے کہا: دسر چھال کا ایسا رسا ہے جس کے ساتھ

کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ صحاح میں ہے: دسار یہ دسہکا واحد ہے۔ یہ ایسی رسیاں ہیں جن کے ساتھ کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد کیل ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عَلٰی ذَاتِ الْوَاحِدِ وَذُو سِتٍّ، دُسرا بھی عُسرا کی طرح ہے دسہکا کا معنی دھکیلنا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عُسبر کے بارے میں کہا: انہما ہوشی یدسہ البصر دسہا وہ ایسی چیز ہے جسے سمندر باہر پھینک دیتا ہے۔ دسہا بالرحم نیزے کے ساتھ پرے دھکیلا۔ رجل مدسہ۔ تَجْرِئُ بِأَعْيُنِنَا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ ہمارے حکم سے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری حفاظت میں چلتی ہے۔ سورہ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اس معنی میں لوگوں کا قول ہے اس آدمی کے بارے میں جس کو الوداع کہا گیا ہو: عین اللہ علیک اللہ تیری حفاظت فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان چشموں کے ساتھ چلتی ہے جو زمین سے پھوٹتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتوں میں سے ہمارے اولیاء کی نگرانی میں چلتی ہے جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنا ممکن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمارے اولیاء کے ذریعے چلتی ہے جس طرح حدیث میں ہے: مرض عین من عیوننا فلم تعدہ ہمارے دوستوں میں سے اک بیمار ہو گیا تو تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔

جَزَاءُ لِمَنْ كَانَ كُفِّرًا ۝ یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے صبر کی جزا بنادیا جو انہوں نے اپنی قوم کی اذیتوں پر کیا تھا۔ لِمَنْ میں لام مفعول لہ کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: کُفِّرًا کا معنی ہے انکار کیا گیا۔ من یہ حضرت نوح علیہ السلام سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کنایہ ہے اور جزا عقاب کے معنی میں ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جو انکار کیا ہے اس کی جزا ہے۔ یزید بن رومان، قتادہ، مجاہد اور حمید نے کہا: جزاء لمن کان کُفِّرًا یعنی کاف اور فاء مفتوح ہیں معنی ہے غرق اللہ تعالیٰ کے انکار کی جزا اور عقاب تھی۔ عوج بن عنق کے علاوہ کوئی بھی غرق ہونے سے نجات پانے والا نہ ہوا۔ پانی اس کے نیفہ تک تھا اس کی نجات کا سبب یہ بنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کے لیے ساگوان کی لکڑی کی ضرورت تھی مگر اس کو اٹھا کر لانا ممکن نہ تھا عوج وہ لکڑی شام سے اٹھا کر لایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کیا اور اسے غرق ہونے سے نجات دی۔

وَلَقَدْ شَرَّ كُنْهًا آيَةً اس عمل سے عبرت دلانا مقصود تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کشتی کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بطور نشانی چھوڑیں جس سے وہ عبرت حاصل کریں تو وہ رسولوں کو نہ جھٹلائیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جزیرہ کے علاقہ میں باقر دی کے مقام پر عبرت اور نشانی کے طور پر چھوڑا یہاں تک کہ اس وقت کے اولین لوگوں نے اسے دیکھا (2)۔ کتنی ہی کشتیاں اس کے بعد ہوئیں جو راکھ ہو گئیں (3)۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكٍ ۝ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اور ڈرنے والا۔ یہ اصل میں مذتکر تھا جو ذکر سے مفتعل کے وزن پر ہے یہ لفظ زبانون پر ثقیل تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ جبری میں یہ ذال کے موافق ہے اور ذال کو اس میں مدغم کر دیا گیا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ یعنی میرا ڈرانا کیسا تھا۔ فراء نے کہا: انذار اور نذر دونوں مصدر ہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا



وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ يَعْنِي هَمْ نَے اے سہل کر دیا ہے اور جس نے بھی اس کے حفظ کا ارادہ کیا ہم نے اس کی مدد کی کیا کوئی اس کے حفظ کا خواہش مند ہے تو اس کی مدد کی جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو ہم نے اسے یاد کرنے کے لیے تیار کیا۔ یہ ماخوذ ہے یسرا نأقته للسفر جب وہ سفر کرے اور اپنا گھوڑا جنگ کے لیے تیار کرے جب وہ اس پر زین ڈالے اور اسے لگام پہنائے، کہا:

میں اس کی طرف لگام کے ساتھ اٹھا اس کو تیار کرتے ہوئے۔

سعید بن جبیر نے کہا: قرآن کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جس کو مکمل پڑھا جاتا ہو (۱)۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ بنی اسرائیل کے لیے نہیں وہ تورات کو صرف دیکھ کر پڑھا کرتے تھے صرف حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع بن نون اور حضرت عزیر علیہم السلام۔ اس وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے جب تورات کے جل جانے کے بعد انہوں نے حافظہ سے کتاب لکھی تھی جس کی وضاحت سورہ براءت میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اس کتاب (قرآن) کو یاد کرنا آسان کر دیا تاکہ وہ یاد کریں۔ اس میں افتعال یہ ہے کہ یہ ان میں داخل ہو کر اثر کرے یہاں تک کہ وہ چیز ذات کی طرح ہو جائے اور ان میں مل جانے کی طرح ہو جائے۔

فَهَلْ مِنْ مُدَّاكَ ۝ کیا کوئی ایسا قاری ہے جو اسے پڑھے۔ ابو بکر و راق اور ابن شوزب نے کہا: کیا کوئی خیر اور علم کا طالب ہے کہ اس کی مدد کی جائے؟ اس صورت میں تنبیہ اور افہام کے لیے اسے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اس امت پر امتوں کی خبریں اور مرسلین کے قصے اور ان کی امتوں نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کے امور اور مرسلین کے امور کا جو انجام ہوا اسے بیان کیا۔ ہر قصہ اور خبر میں سننے والے کے لیے نصیحت ہے اگر وہ نصیحت حاصل کرے۔ ہر قصہ کے ذکر کے وقت اسی آیت فَهَلْ مِنْ مُدَّاكَ ۝ کو مکرر ذکر کیا، کیونکہ ہل کلمہ استفہام ہے ہل میں لام استعراض کے لیے اور هاعا استخراج کے لیے ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝١٨ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ بِرِيحًا صَارَ فِي يَوْمٍ نَحْصٍ مُّسْتَبِيرٍ ۝١٩ تَتَزَاوَرُ السَّاسُ أَعْبَارُهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعَةٍ ۝٢٠ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝٢١ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝٢٢

”عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ مڈھ ہیں کھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو

نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

كَذٰلِكَ عَادَ عَادَ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذْرِيْ ⑤ اس صورت میں نذر کا لفظ چھ مقامات پر آیا ہے تمام مصاحف میں اس کا یاء محذوف ہے۔ یعقوب نے اسے دونوں حالتوں میں ثابت کر کے پڑھا ہے ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے دوسری صورت میں ثابت نہیں رکھا، باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے فَمَا تُنْعِنُ التُّذْرٰی میں راء کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح بدع کی واؤ کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک پہلے الداع میں یاء ہے ابن محصین، یعقوب، حمید اور بزی نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے، ابو عمرو اور نافع نے وصل میں اسے ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے۔

اِنَّا اَنْرٰ سُلٰمًا عَلٰیہُمْ بِاٰیٰتِنَا صٰرًا، صٰرًا سے مراد سخت ٹھنڈی (1)؛ یہ قنادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سخت آواز۔ حم سجدہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

فِیْ یَوْمٍ نَّخْوِسُ مُنٰشِرًا ⑥ یعنی ایسے دن میں جو ان پر منحوس تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مہینے کے آخری بدھ کو عذاب آیا جس نے ان کے چھوٹے اور بڑے کو فنا کر دیا۔ ہارون اعمور نے کہا: نَحِیْسِ حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس بارے میں قول حم سجدہ آیت 16 فِیْ اٰیٰتِنَا نَحِیْسَاتٍ گزر چکا ہے۔

فِیْ یَوْمٍ نَّخْوِسُ مُنٰشِرًا ⑥ یعنی دائمی نحوست والا جو اپنی نحوست کی وجہ سے ان پر کڑوا ہو گیا اس میں ان پر عذاب ہلاکت تک جاری رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: نار جہنم تک ان پر جاری رہا۔ ضحاک نے کہا: وہ عذاب ان پر کڑوا تھا (2)؛ اسی طرح کسائی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک قوم نے کہا: یہ مرارہ سے مشتق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے مزالشی و امر یعنی وہ کڑوی شی کی طرح ہو گیا جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ تحقیق فرمایا: فَنَذَرُ قَوَاجِیَ چکھا جاتا ہے وہ کبھی کڑوا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مرارہ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے یعنی ایسے دن میں جو منحوس ہے جس کی نحوست بڑی مستحکم ہے جس طرح وہ چیز ہو جس کی بٹائی بڑی مضبوط ہو جس کے کھولنے کی کسی کو طاقت نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے: جب بدھ کا دن منحوس دن تھا جس کی نحوست بڑی مضبوط تھی تو اس میں دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ روایت آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اس دن میں ظہر اور عصر کے درمیان قبول ہوئی (3)۔ حضرت جابر کی حدیث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو اس خبر میں آیا ہے جسے مسروق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جبریل امین میرے پاس آئے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ قسم کے ساتھ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے فیصلہ کر دیں اور کہا: بدھ کا دن منحوس دن ہے جس کی نحوست بڑی مضبوط ہے“ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس سے یہ ارادہ نہیں کیا کہ یہ صالحین پر منحوس ہے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ کفار اور مفسدین پر منحوس ہے جس طرح قرآن میں منحوس ایام کا ذکر ہے وہ قوم عاد کے کفار پر منحوس تھے ان کے نبی اور مومنوں پر منحوس نہیں تھے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ کوئی بعید نہیں کہ ظالموں کو بدھ کے پہلے سے لے کر سورج ڈھلنے تک مہلت دی جائے



تَنْزِعُ النَّاسَ يَدِ رَحْمَتِي فِي سَاعَةٍ لَا يُغْنِي عَنْكَ كِبَاؤُكَ وَلَوْ أَوَّلْتَ الْأَعْيَادَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہوا نے انہیں ان کے قدموں کے نیچے سے اس طرح اٹھالیا جس طرح کھجور کو اس کی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ ہوا انہیں زمین سے اٹھاتی انہیں سر کے بل گراتی ان کی گردنیں پس جاتیں اور ان کے سران کے جسموں سے الگ ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہوا لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتی۔ محمد بن کعب نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہو آنے لوگوں کو ان کی قبروں سے نکال لیا“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے گڑھے کھودے اور ان میں داخل ہو گئے ہوا انہیں وہاں سے نکالتی اور ریزہ ریزہ کر دیتی تو وہ گڑھایوں رہ جاتا گو یا وہ کھجوروں کے مڈھ ہیں کہ ان میں جو کچھ تھا ہلاک ہو گیا ہے اور ان کی جگہیں خالی باقی رہ گئی ہیں۔

یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ان میں سے سات افراد نے گڑھے کھودے اور ان میں کھڑے ہو گئے تاکہ ہوا کا مقابلہ کر سکیں۔ ابن اسحاق نے کہا: جب ہوا نے شدت اختیار کی تو عاد کے سات افراد اٹھے ان میں سے چھ کے نام ہمارے سامنے ذکر کیے گئے جو قوم عاد کے سب سے قوی اور جسیم تھے ان میں عمرو بن علی، حرث بن شداد، ہلقام، تقن کے دو بیٹے اور خلجان بن سعد انہوں نے اپنے خاندانوں کو دو پہاڑوں کی گھاٹی میں داخل کر دیا پھر گھاٹی کے دروازے پر صف بنائی تاکہ ہوا کو ان سے روک لیں جو گھاٹی میں ان کے بال بچے موجود ہیں ہوانے ان میں سے ایک ایک کو گرانا شروع کر دیا تو عاد کی ایک عورت نے ان کے بارے میں یہ کہا:

ذهب الدهرُ بعمرِ وبن حليٍّ والهنّيات (2)

ثم بالحرث والهلثقامِ طلائعِ الشَّيَاطِينِ

والذى سدمهت الريح أيام البليات

زمانہ نے عمرو بن حلی، ہنات پھر حرث اور ہلقام کو ہلاک کر دیا جو ثنات پر کھڑے تھے اور جس نے آزمائش کے دنوں میں ہوا کی گزر گاہ کو بند کر دیا تھا۔

طبری نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے اور انہیں یوں چھوڑتی ہے گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جنہیں ان کی جڑوں سے اکھیڑ لیا گیا ہے کاف محذوف عامل کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: کاف محل نصب میں ہے اور حال ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے جو کھجور کے تنوں کے مشابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تشبیہ ان گڑھوں کی وجہ سے تھی جس میں وہ تھے۔ اعجاز یہ عجز کی جمع ہے۔ اس سے مراد شی کا آخری حصہ ہے قوم عاد کے لوگ طویل قد ہونے کے ساتھ

موصوف تھے، انہیں ان کھجور کے درختوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں فرمایا: **أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعٍ** ① لفظ نخل کا اعتبار کرتے ہوئے **مُنْقَعٍ** کہا گیا یہ ایسی جمع سے تعلق رکھتا ہے جو مذکر مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ **مُنْقَعٍ** سے مراد ہے جس کو اس کی جڑ سے اکھیڑ لیا گیا ہو۔ **قَعْرَتِ الشَّجَرَةِ قَعْرًا** میں نے اسے جڑ سے اکھیڑا تو وہ اکھڑ گیا۔ کسائی نے کہا: **قَعْرَتِ الْبَشْرِ** یعنی میں اس میں اترایہاں تک کہ میں اس کی گہرائی تک جا پہنچا؛ اسی سے **قَعْرَتِ الْإِنَاءِ** یعنی اس برتن میں جو کچھ تھا میں نے اسے پیایہاں تک کہ میں اس کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ **اقْعَرَتِ الْبَشْرَ** میں نے اسے گہرا کیا۔ ابو بکر بن انبار نے کہا: مبرد سے اسماعیل قاضی کی موجودگی میں جن ہزار مسلوں کے بارے میں پوچھا گیا یہ بھی ان میں سے تھا، انہیں کہا گیا:

اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَلَسْلَهْنَ الزَّيْنِمَ عَاصِفَةً** (الانبیاء: 81) اور **جَاءَتْهَا رَيْحٌ عَاصِفٌ** (یونس: 22) میں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **كَانَهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ** ② (الحاقہ) اور **أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعٍ** ③ میں کیا فرق ہے؟ مبرد نے جواب دیا: اس باب سے جب بھی تجھ پر کوئی چیز وارد ہو اگر تو چاہے تو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر ضمیر لوٹا دے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مونث ضمیر لوٹا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نخل اور نخیل ایک ہی معنی میں ہیں مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

**كَانَ عَذَابُ يَوْمَئِذٍ ④ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ هَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ⑤** اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔  
**كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ⑥ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلًا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ ⑦ إِنَّا إِذَا نَفِضْ ضَلَبٌ وَ**  
**سُعُرٌ ⑧ ءَأُلْقِيَ إِلَيْنَا عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ⑨ سَيَعْلَمُونَ عَذَابًا**  
**مَنْ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ⑩**

”ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے اور (اکیلا) ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔“

**كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ⑥** سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے رسولوں اور اپنے نبی کو جھٹلایا یا آیات کو جھٹلایا جو نذر ہیں۔ **فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلًا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ ⑦** کیا ہم اپنے میں سے ایک فرد کی اتباع کریں اور جماعت کو ترک کریں۔ ابو اشہب، ابن سمیع اور ابوسال عدوی نے اسے ابشہارفع کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح واحد کو مبتدا ہونے کی حدیث سے مرفوع پڑھا ہے اس کی خبر **نَّتَّبِعُهُ** ہے باقی نے نصب دی ہے تقدیر کام یہ ہوگی **أَنْتَبِعَ بَشَرًا مِثْلًا وَاحِدًا** انتبعہ ابو سال نے ابشہر، مناد واحد پڑھا ہے بشر کو رفع فعل مضمون کی وجہ سے دیا ہے جس فعل پر القی دلالت کرتا ہے۔ گویا کہا: اینتبا بشر مناد واحد میں یہ جائز ہے کہ یہ منکلی ضمیر سے حال ہو، یعنی اس حال میں کہ وہ منفرد ہو اس کا کوئی مددگار نہ ہو **إِنَّا إِذَا نَفِضْ ضَلَبٌ** یعنی صحیح بات سے دور ہوں گے **وَسُعُرٌ ⑧** اس کا معنی جنون ہے عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے **نَاقَةُ مَسْعُورَةٍ**



گویا زیادہ جستی کی وجہ سے مجنون ہے؛ ابن عباس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف کرتا ہے:

تَخَالُ بِهَا سَغَرًا إِذَا السَّفَرُ هَلَكَ ذَمِيلٌ وَإِقَاعٌ مِنَ الشَّيْرِ مُشْعَبٌ

ذمیل اونٹ کی چال کی ایک صورت ہے۔ ابو عبید نے کہا: جب چال عنق سے بڑھ جائے تو اسے تزد کہتے ہیں جب وہ اس سے بڑھ جائے تو وہ ذمیل ہوتی ہے پھر رسیم ہے۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے: ذمل یذمل ویذمل ذمیلاً صمعی نے کہا: لا یذمل بعید یوما ولیلة الا مہری۔ مہری اونٹ کے سوا کوئی اونٹ رات اور دن لگا تا رذمیل چال نہیں چل سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: السعر کا معنی عذاب ہے (1)؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: حق سے دور۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ہے جلنا (2)؛ شاعر نے کہا:

وَمِنَ الْحَبِّ جُنُونٌ مُسْتَعِرٌ

محبت کی وجہ سے ایسا جنون لاحق ہوتا ہے جو بھڑکتا ہے۔

ابو عبید نے کہا: یہ سعد کی جمع ہے جس کا معنی آگ کی لپک ہے مجنون اونٹ یہاں وہاں جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گری کی وجہ سے وہ جل رہا ہوتا ہے۔ آیت کا معنی ہے بے شک ہم بد بختی اور تھکاوٹ میں ہیں جو ہمیں لازم ہو چکی ہے۔  
ءَالْقَى الذِّكْرُ عَلَیْہِمْ بَیِّنَاتٌ کِیَّا آلِ مُودٍ سے اسے رسالت کے لیے خاص کیا گیا ہے جب کہ آلِ مُود میں اس سے بڑھ کر مالدار ہیں اور اچھے حال والے ہیں۔ یہاں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور معنی انکار کا دے رہا ہے۔  
بَلْ هُوَ كَذَابٌ أَشْوَدٌ یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح وہ دعویٰ کرتا ہے بلکہ وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ بڑا بے اور وہ بغیر استحقاق ہم پر بڑائی تلاش کرتا ہے الشما کا معنی تکبر، تجبر اور نشاط ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فراس اشما جب وہ سرکش اور چست ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشما کا معنی سرکش ہے اشما، بطر کے معنی میں آتا ہے؛ شاعر نے کہا:

أَشْرَانُمْ بَلْبَسُ الْخَزْ لَنَا لَبِئْسَتْهُمُ وَمِنْ قَبْلُ مَا تَذَرُونَ مَنْ فَتَحَ الْقَرَى (3)

جب تم نے ریشم پہنا تو اسے پہننے کی وجہ سے تم نے تکبر کیا اس سے پہلے تم نہیں جانتے کہ بستیاں کس نے فتح کیں۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے قد اشیا یا شرا اشرا افھو اشرا واشتران وقوم اشاری جس طرح سکران اور سکاری؛ شاعر نے کہا:

وَعَلَّتْ دُعُولَا أَشَارَى بِهَا

وہ ان پہاڑی بکروں سے خالی ہو گئی جو اس پر فخر کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس مقام کی طرف تجاوز کرنے والا ہے جس کا وہ مستحق نہیں۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابن زید اور

عبدالرحمن بن حماد نے کہا: الاشہ اسے کہتے ہیں جس کو جو بات کہی جائے اس کی پرواہ نہ کرے۔ ابو جعفر اور ابو قلابہ نے کہا: اشہ شین کے فتح اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اس کی وجہ سے ہم شریروں کو اور خبیث ہوئے۔

سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ تِيَامِتِ کے روز عذاب کو ضرور دیکھیں گے یا معنی ہے دنیا میں ہی جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو وہ اسے دیکھیں گے۔ ابن عامر اور حمزہ نے اسے ماء کے ساتھ پڑھا ہے کہ حضرت صالح انہیں خطاب کریں گے باقی ماء کے ساتھ پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت صالح کو ان کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: عَذَابُ لُغُوكِمْ کی عادت کے طور پر ہے کہ وہ انجام کے قریب ہی وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں: اِنَّ مَعَ الْيَوْمِ عَذَابًا شَاعِرًا نے کہا:

لِلْمَوْتِ فِيهَا سِهَامٌ غَيْرُ مُخِطَّةٍ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَيِّتًا فِي الْيَوْمِ مَاكَ عَذَابًا

اس میں موت کے ایسے تیر ہیں جو خطا نہیں جاتے جو آج نہیں مرے گا کل مر جائے گا۔

لَقَدْ اَلَكُمُ الْاَشْهُ ۝ ابو قلابہ نے الاشہ پڑھا ہے یعنی شین پر فتح اور راء مشدد ہے یہ اپنے اصل پر ہے۔ ابو حاتم نے کہا: عرب اشہ اور اُخید ضرورت شعری کے سوا نہیں بولتے جس طرح رُوبہ کا قول ہے:

بَلَالٌ غَوِيٌّ النَّاسِ وَ اِهْنُ الْاُخِيْدُ

بلال لوگوں میں سے بہترین ہے اور بہترین کا بیٹا ہے۔

وہ کہتے ہیں: ہو خیر قومہ، ہو شہ الناس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَلَكُمُ الْاَشْهُ اُخْرَجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110)

فَرَمَا يَفْقَهُ عِلْمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا (مریم: 75)

ابو حیوہ سے شین کے فتح اور راء کی تحفیف کے ساتھ مروی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے شین کے ضمہ کے ساتھ یہ پڑھا

ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی الاشہ کے معنی میں ہے اس کی مثل رجل حذر اور رجل حذر ہے۔

اِنَّا مُرْسِلُو الْاَثَاةِ فَتَنَةً لَّهُمْ فَاَنْتَقِبْهُمْ وَاَصْطَبِرْ ۝ وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ

بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرْبٍ مُّحْضَرٌ ۝ فَاَذْوَاصِهِمْ فَعَاظِلٌ فَعَقَرٌ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَ

نُذْرِي ۝ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَ لَقَدْ

يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِي كُنِيَ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝

”ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو۔ اور

انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان، سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس شمودیوں

نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قذار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کوچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا

تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے بھیجی ان پر چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خار

دار باڑ۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔“



إِنَّا مُرْسِلُوا الثَّاقَةَ هَمْ اس اونٹنی کو اس پہاڑ سے نکلنے والے ہیں جس سے نکلنے کا انہوں نے سوال کیا تھا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی تو جس چٹان کو انہوں نے معین کیا تھا وہ اس اونٹنی کی کہان سے پھٹ گئی تو دس ماہ کی گا بھن اونٹنی نکل آئی۔ فَتَنَّةٌ لَهُمْ اِنْ کی آزمائش کے لیے۔ یہ مفعول لہ ہے فَأَمَّا تَقَبُّهُمُ یعنی جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا انتظار کیجئے وَاصْطَلِبُوْهُ ⑤ ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے اصْطَلِبُوْهُ میں طاء کی اصل تاء ہے تو یہ طاء سے بدل گئی تاکہ اطباق میں طاء کے موافق ہو جائے۔

وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ اُنہیں بتادیں کہ پانی آل ثمود اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہے اونٹنی کے لیے ایک دن ہے اور ان کے لیے ایک دن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ⑥ (الشعراء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس دن آل ثمود کی باری ہوتی تو اس دن اونٹنی کچھ پانی بھی نہ پیتی لوگوں کو دودھ دیتی اور وہ نعمتوں میں ہوتے اور جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو سارا پانی پی جاتی ان کے لیے کچھ چیز نہ چھوڑتی۔ بَيْنَهُمْ ارشاد فرمایا کیونکہ عرب میں چوپاؤں کے ساتھ انسانوں کے بارے میں خبر دیتے تو انسانوں کو غلبہ دیتے۔ ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ہم حجر کی وادی میں اترے (1) جب کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے سفر میں تھے فرمایا: ”اے لوگو! ان آیات کے بارے میں سوال نہ کرو یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہیں انہوں نے اپنے نبی سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک اونٹنی بھیجے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک اونٹنی بھیج دی وہ اس راستہ سے آئی جس دن اس کی باری ہوتی ان کا سارا پانی پی جاتی اور جس دن باری نہ ہوتی وہ اس اونٹنی سے اتنا ہی دودھ دوتے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ کا یہی معنی ہے۔“

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ⑦ شِرْبٍ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی پانی کا حصہ ہے ضرب المثل میں ہے آخرھا اقلھا شربا اس کا اصل معنی اونٹوں کو پانی پلانا ہے کیونکہ ان کا آخری اونٹ پانی پر وارد ہوتا تو حوض کا پانی ختم ہو چکا ہوتا۔ مُّحْتَضَرٌ کا معنی ہے اس کے پاس وہی حاضر ہوتا جس کا حق ہوتا۔ اونٹنی اپنی باری کے دن پانی پر حاضر ہوتی اور جس دن آل ثمود کی باری ہوتی اس دن غائب ہو جاتی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ثمود پانی پر حاضر ہوتے جس روز اونٹنی کی باری نہ ہوتی تو وہ پانی پیتے اور جس دن اس کی باری ہوتی وہ دودھ پر حاضر ہوتے اور اس کا دودھ دوتے (2)۔

فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ اُنہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا تاکہ اسے اس کی کوچیں کاٹنے پر براہیجنتہ کریں۔ فَتَعَاظَى اس نے اس کی کوچیں کاٹنے کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس کی کوچیں کاٹ دیں۔ تعاظی کا معنی ہے اس فعل کو اپنے ذمہ میں لے لیا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے عطوت یعنی میں نے اسے لے لیا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: وہ اس اونٹنی کے لیے اس کے راستے میں ایک درخت کی جڑ میں چھپ گیا اور اسے تیر مارا اور اس تیر کے ساتھ اس کی پنڈلی کے پٹھے کو چھید دیا پھر تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی کوچ کو ظاہر کر دیا وہ اونٹنی گری اور ایک ہی دفعہ

بلبلائی اس کا نوزائدہ بچہ اس کے بطن سے گر گیا پھر اس نے اس کی گردن کو کاٹ دیا۔ اس کا نوزائدہ بچہ چلا یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک چٹان پر آیا بلبلایا پھر چٹان کی پناہ لے لی۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم کے پاس آئے جب آپ نے اونٹنی کو دیکھا کہ اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں تو آپ رونے لگے فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بشارت ہو۔ سورہ اعراف میں اس معنی کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس آدمی نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، زردی مائل، سر سے گنجا اور گدی پر بال تھے (1)۔ اس کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے: قدار بن سالف۔ افوہ اودی نے کہا:

أَوْ قَبْلَهُ كَقَدَارٍ حِينَ تَابَعَهُ عَلَى الْغَوَايَةِ أَقْوَامٌ فَقَدْ بَادُوا

یا اس سے پہلے جس طرح قدار جب سرکشی پر اس کی پیروی کی مختلف قوموں نے تو وہ ہلاک ہو گئے۔  
عرب قصاب کو قدار کا نام دیتے ہیں وہ اسے قدار بن سالف سے تشبیہ دیتے ہیں جو آل ثمود کا منحوس آدمی تھا۔  
مہلبل نے کہا:

إِنَّا لَنَضْرِبُ بِالسُّيُوفِ رُءُوسَهُمْ ضَرْبَ الْقَدَارِ نَقِيعَةَ الْقُدَّامِ (2)

ہم تلواروں کے ساتھ ان کے سروں پر ضرب لگاتے ہیں جس طرح قدار نے ضرب لگائی مقصد آنے والوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے۔

إِنَّا أَمَرْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کی آواز ہے۔ سورہ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَظِرِ ۝ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابوالعالیہ نے المحتظر پڑھا (3) یعنی ظاء پر فتح ہے اس سے انہوں نے باڑہ کا ارادہ کیا ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے باڑے والے کا ارادہ کیا ہے۔ صحاح میں ہے المحتظر اسے کہتے ہیں جو باڑہ بناتا ہے اسے کھشیم المحتظر پڑھا گیا ہے جس نے اسے کسرہ دیا ہے اس نے اسے فاعل بنایا ہے جس نے اسے فتح دیا ہے اس نے اسے مفعول بہ بنایا ہے۔ وہ آدمی جو کم بھلائی والا ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انه لنكد الخطیئة۔ ابو عبید نے کہا: میرا خیال ہے اس کے اموال کو حظیر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس نے ان اموال کو اپنے پاس محفوظ کیا ہے یہ فعل کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے محتظر کی ظاء کو فتح دیا تو اس کے نزدیک یہ مصدر ہے معنی ہوگا کھشیم الاحتظار۔ یہ بھی جائز ہے کہ الْمُخْتَظِرُ سے مراد وہ درخت ہو جس سے باڑا بنایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الْمُخْتَظِرُ اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے ریوڑ کے لیے درخت اور کانٹوں سے باڑا بناتا ہے اس سے جو گرتا ہے اور ریوڑ جسے پس دیتا ہے اسے ہشیم کہتے ہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: اس گھاس کی مانند جسے ریوڑ کھا جاتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: بوسیدہ اور جلی ہوئی ہڈیوں کی مانند، یہ قتادہ کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جو ہوا والے دن دیواروں سے گرتی ہے۔ سفیان



ثوری نے کہا: جب تو باڑے کو ڈنڈا مارے تو باڑے سے جو چیز گرتی ہے اسے ہشیم کہتے ہیں، یہ فعل بمعنی مفعول ہے۔ ابن زید نے کہا: عرب ہر اس چیز کو ہشیم کہتے ہیں جو پہلے تر ہو پھر خشک ہو جائے۔ حظر کا معنی روکنا اور محفوظ کرنا ہے محتظر یہ فعتحل کا وزن ہے اس معنی میں کہا جاتا ہے: احتظر علی اہلہ وحظری یعنی اس نے درخت جمع کیے اور بعض کو بعض پر رکھا تاکہ وہ اپنے اونٹوں کو ہوا کی ٹھنڈک اور درندوں سے محفوظ رکھے؛ شاعر نے کہا:

تَرَى حَيْفَ النَّطِينِ بِجَانِبِهِ كَأَنَّ عِظَامَهَا خَشَبُ الْهَشِيمِ (1)

تو سواری کے ڈھاٹچے کو اسی کی دونوں جانب دیکھے گویا اس کی ہڈیاں بوسیدہ لکڑیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گویا وہ اس گندم کی طرح ہیں جسے گاہیا گیا ہو۔ اس تعبیر کی صورت میں محتظر ہے مراد کھیتی کی باڑ ہے ہشیم سے مراد بالی اور بھوسہ کے ریزے ہیں۔

وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ۝ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالَّذِي ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ۝ لَّعْنَةُ مَن عَدَاْنَا ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالَّذِي ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِمْ فَطَسَّنَا إِلَيْهِمْ فَذُوقُوا عَذَابِي ۝ وَنُذِرُ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ ۝ فَذُوقُوا عَذَابِي ۝ وَنُذِرُ ۝ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ۝

”قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے، ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت، یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے، اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتے ہیں۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھکڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں۔ اور انہوں نے پھسلنا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لواب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔ تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔“

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالَّذِي ۝ قوم لوط کے بارے میں خبر دی جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان پر کنکر پھینکتی تھی۔ حصاء سے مراد حصی ہے۔ نفر نے کہا: حاصب سے مراد ہوا میں سکر ریزے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: حاصب سے مراد پتھر ہیں۔ صحاح میں ہے: حاصب سے مراد ایسی شدید ہوا ہے جو

سگر یزہ کو اڑاتی ہے اسی طرح حصہ ہے۔ عصف الریح یعنی ہوا تیز ہوئی۔ ہن ریح عاصف و عصف۔

الْأَمَلُ لَوْ طَاس سے مراد وہ افراد ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے دین کی اتباع کی وہ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ نَجَّيْنَهُمْ بِسَحَرٍ ۝ اخفش نے کہا: اسے منصرف ذکر کیا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے۔ اگر معین دن کی سحری کا ارادہ ہوتا تو پھر اسے منصرف ذکر نہ کیا جاتا اس کی مثل اِهْبِطُوا مِصْرًا (بقرہ: 61) جب اسے نکرہ ذکر کیا جب اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کو معرفہ ذکر کیا اِذْ خُلُوا مِصْرًا إِنَّ شَاءَ اللّٰهُ (یوسف: 99) اسے غیر منصرف ذکر کیا۔ زجاج نے بھی یہی کہا ہے: سحر جب نکرہ ہو تو اس سے سحریوں میں سے ایک سحری مراد ہوگی اور اسے منصرف شمار کیا جائے گا تو کہے گا: اُتَيْتَهُ سَحَرًا اور اُتَيْتَهُ بِسَحَرٍ۔ لے گا تو تو اسے غیر منصرف بنائے گا تو کہے گا: اُتَيْتَهُ سَحَرًا اور اُتَيْتَهُ بِسَحَرٍ۔

سحر سے مراد رات کے آخری حصہ میں اور طلوع فجر کے درمیان کا وقت ہے۔ لغت عرب میں اس سے مراد رات کی سیاہی کا دن کے پہلے حصہ کی سفیدی کے ساتھ مل جانا کیونکہ اس وقت رات اور دن کے آثار ہوتے ہیں۔

نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ہماری جانب سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں پر انعامات ہیں۔ نعمة مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَمَ ۝ مَنْ شَكَمَ سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کی۔ وَلَقَدْ اٰتٰنَاھُمْ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ڈرایا۔ بَطَّشْنَا اس سے مراد ہماری سزا ہے اور ہم انہیں عذاب سے جو پکڑ سکتے ہیں۔ فَكْسَرْنٰہُمْ بِالْاُتْدٰہِ ۝ رسول نے انہیں جس چیز سے ڈرایا تھا اس میں انہوں نے شک کیا اور اس کی تصدیق نہ کی (1)۔ یہ مریۃ سے قائل کا وزن ہے۔ وَلَقَدْ رَاوْذُوْكَ عَنْ صَیْفِہِ قَوْمِ کے افراد نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ انہیں فرشتوں پر قدرت دے دیں جو ان کے پاس مہمان کی حیثیت سے آئے ہیں وہ بے حیائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ باب ذکر کیا جاتا ہے رادوتہ علی کذا مراد وہ روادا میں نے اس کا ارادہ کیا۔ راد الکلا یرودہ روادا وریادا، ارتادہ ارتیاد اسب کا ایک ہی معنی ہے یعنی گھاس کو تلاش کیا۔ حدیث طیبہ میں ہے ناذا ہال احد کم فلیرتد لہولہ (2) یعنی جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کا ارادہ کرے تو نرم جگہ یا پست جگہ کو تلاش کرے۔

فَلَمَّسْنَا اَعْيُنَہُمْ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کو پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی آنکھیں چہرے کی طرح ہو گئیں ان کا شگاف بھی دکھائی نہیں دیتا تھا جس طرح ہوا آثار کو مٹا دیتی کہ ان پر مٹی ڈال دیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا جب کہ ان کی آنکھیں درست تھیں تو وہ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے کہا: جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے انہیں دیکھا تھا وہ کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ واپس پلٹ آئے اور انہیں نہ دیکھا (3)۔

فَلَمَّسْنَا اَعْيُنَہُمْ ۝ ہم نے انہیں کہا: میرا عذاب چکھو۔ اس امر سے مراد خبر ہے، یعنی میں نے انہیں اپنا وہ عذاب



چکھایا جس کے بارے میں انہیں لوط علیہ السلام نے خبردار کیا تھا۔ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرًا عَذَابٌ مُّسْتَقَرٌّ ۝ یعنی دائمی اور عام عذاب وہ ان میں رہا یہاں تک کہ یہ عذاب انہیں عذات آخرت کی طرف لے گیا۔ وہ عذاب یہ تھا کہ ان کی بستی ان پر الٹ دی گئی اور ان کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ بنا دیا۔ بُكْرًا ۝ یہاں یہ نکرہ ہے اسی لیے منصرف ہے۔ فَاذْكُفُوا عَذَابِيَ وَنَذِيرًا ۝ یہاں عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر آنکھوں کے بے نور ہونے کی صورت میں واقع ہوا یہ اس عذاب سے مختلف تھا جس کے ساتھ انہیں ہلاک کیا گیا اس وجہ سے مکرر ذکر کرنا اچھا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝ اس کے بارے میں تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا خَذَلْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزُ مُّقْتَدِرًا ۝

”اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے، انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے۔“

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ ۝ آل فرعون سے مراد قبلی ہیں۔ نذر سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔ بعض اوقات جمع کا صیغہ دو افراد پر بھی آتا ہے۔ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا آیات سے مراد معجزات ہیں جو ہماری توحید اور ہمارے انبیاء کی نبوت بجا دال ہیں وہ عصا، ید بیضا، قحط، آنکھوں کا بے نور ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جویں، مینڈک اور خون ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النَّذِيرُ سے مراد الرسل ہیں ان کے پاس حضرت یوسف علیہم السلام، ان کے بیٹے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذر سے مراد انذار ہے۔

فَاخَذْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ، عَزِيزٌ کا معنی ہے جو انتقام لینے میں غالب ہو۔ مُّقْتَدِرًا ۝ اس پر قادر ہو جس کا ارادہ کرے۔

اَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ

مُنْتَصَرُونَ ۝ سَيُزَمُّ اَتَجْمَعُ وَيُؤْتُونَ الدُّبْرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ

اَذٰهٰی وَاَمْرٌ ۝

”کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں یادہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔“

اَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ اُولٰٓئِكُمْ عربوں سے خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد حضرت محمد ﷺ کی امت کے کفار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمزہ استفہامیہ ہے اور استفہام انکار کے معنی میں ہے اس کا معنی لینی ہے مراد ہے تمہارے کفار ان کفار سے بہتر نہیں جو سابقہ امتوں میں تھے جنہیں ان کے کفر کے باعث ہلاک کیا گیا۔

اَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ یعنی کیا وہ کتابیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں ان میں یہ مذکور ہے کہ تمہیں عذاب سے محفوظ کر دیا

گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا لوح محفوظ میں تمہارے لیے عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے؟

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيحٌ مُّتَتَّبِعُونَ ۝ یعنی ہم ایسی جماعت ہیں جن کی تعداد کی کثرت اور قوت کی وجہ سے اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا۔ آیات کے سروں کی اتباع کرتے ہوئے منتصرین نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ ۝ یعنی کفار مکہ کو شکست دی جائے گی۔ یہ غزوہ بدر اور دوسرے مواقع پر ہوا۔ عام قراءت سیہزم ہے یاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے اور الجمع عناء فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ رويس نے یعقوب سے سنہزمون کے فتح اور زاء کے کسرہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور الجمع منصوب پڑھا ہے۔

وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے ان کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ عیسیٰ، ابن اسحاق اور رويس نے یعقوب سے وتولون تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ الدُّبُرُ اسم جنس ہے جس طرح الدرهم اور الدینار ہے اسے واحد ذکر کیا مراد جمع ہے تاکہ آیات کے سرے موافق رہیں۔ مقاتل نے کہا: ابو جہل نے بدر کے روز اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ صف سے آگے نکلا اور کہا: آج ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے بدلہ لیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت نَحْنُ جَبِيحٌ مُّتَتَّبِعُونَ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝ کو نازل کیا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝ نازل ہوا تو میں نہیں جانتا تھا کہ کون سی جماعت شکست کھائے گی جب بدر کا دن تھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ میں تیزی سے چلتے ہوئے دیکھا آپ کہہ رہے تھے: اے میرے اللہ! بے شک قریش تیرے پاس فخر کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے آئے ہیں وہ تجھ سے دشمنی رکھتے ہیں اور تیرے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں کل انہیں ہلاک کر دے پھر ان کلمات کو اپنی زبان سے ادا کیا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ۝ تو میں اس کا معنی سمجھ گیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کے بارے میں خبر دی تو اسی طرح واقع ہوا جس طرح خبر دی اُخنی علیہ الدھر اس پر آیا اور اسے ہلاک کر دیا؛ اس معنی میں نابغہ کا قول ہے:

أَخْنَىٰ عَلَيْهِ الذِّي أَخْنَىٰ عَلَىٰ لُبْدٍ

اسے اسی نے ہلاک کیا جس نے لبڈ کو ہلاک کیا۔

اخنیت علیہ میں نے اس پر فاسد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کے نزول اور واقعہ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ حائل تھا اس تعبیر کی بنا پر آیت مکی ہے۔ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ ۝ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب کہ میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے روز قبہ میں موجود تھے: أَنشَدَكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللَّهُمَّ إِن شئتَ لَمَ تَعْبُدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا (2) میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر تو



(مومنوں کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا عرض کی: کافی ہے یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے اصرار کر لیا۔ آپ زرہ میں تھے آپ نکلے جب کہ آپ کہہ رہے تھے: سَيَهْرَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونِ الدُّبُرَ ⑤ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ مراد قیامت ہے۔

وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ ⑥ جو انہیں بدر کے روز لاحق ہوا قیامت اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ ادھی، داہیہ سے مشتق ہے اس سے مراد عظیم امر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دھاہ امر کذا یعنی اسے مصیبت پہنچی۔ ابن سکیت نے کہا: دھتہ داہیہ دھواء و دھیاء یہ اس کے لیے تاکید ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعْرٍ ⑦ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ⑧ ذُقُوا مَسَّ سَقَرٍ ⑨ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ⑩

”بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک انداز سے۔“

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعْرٍ ⑦

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فِي ضَلَالٍ یعنی حق سے دور اور سُعْرٍ یعنی جلنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُعْر سے مراد جنون ہے جس طرح اس سورت میں پہلے گزرا ہے۔ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ⑧ ذُقُوا مَسَّ سَقَرٍ ⑨ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قریش کے مشرک آئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے؛ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اسے امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم نے طاؤس سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا، وہ کہہ رہے تھے: کل شیء بقدر (1) ہر شیء تقدیر کے مطابق ہے میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل شیء بقدر حتی العجز والکیس او الکیس والعجز (2) ہر شیء تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ ضعف اور دانش۔ اس میں قدریہ کے مذہب کا بطلان ہے۔

ذُقُوا مَسَّ سَقَرٍ ⑨ ذُقُوا یہ مقولہ ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: چکھو اس کے مَسَّ سے مراد ہے جو اس کے واقع ہونے کے وقت وہ دکھ محسوس کریں گے۔ سَقَرٌ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو منصرف نہیں کیونکہ یہ ایسا اسم ہے جو مؤنث اور معرفہ ہے اسی طرح لفظی اور جہنم ہے۔ عطا نے کہا: سقر جہنم کا چھٹا درجہ ہے۔ قطرب نے کہا: سقر یہ سقرتہ الشمس سے ماخوذ ہے صقرتہ اسے سیاہ کر دیا۔ یوم مسقر و مصقر سخت گرم۔

**مسئلہ نمبر 2۔** إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ⑩ اس میں عام قراءت میں کل نصب کے ساتھ ہے ابو سالم نے کل رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ

مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے جس نے اسے نصب دی ہے تو نصب فعل کے مضمر ہونے کی بناء پر ہے، یہ کوئیوں کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ ان بفعل کو طلب کرتا ہے تو اس وجہ سے یہ صورت اولیٰ ہے نصب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں عموم پر دال ہے کیونکہ اگر **خَلَقْنَاهُ** جو مخذوف فعل کا مفسر بن رہا ہے اس کو تو حذف کرتا اور پہلے فعل خلقنا کو ظاہر کرتا تو کلام یوں ہوتی انا خلقنا کل شیء بقدر تو خلقناہ کو شئی کی صفت بنانا صحیح نہ ہوتا کیونکہ صفت ایسی چیز میں عمل نہیں کرتی جو موصوف سے پہلے ہو اور جو ماقبل میں عامل ہو اس کی تفسیر نہ ہوتی۔

**مسئلہ نمبر 3۔** جس نقطہ نظر پر اہل سنت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا مراد ہے اس کی مقداروں، احوال اور ازمان کو ان کے ایجاد کرنے سے پہلے جانتا ہے پھر ان میں سے ان چیزوں کو ایجاد کیا کہ وہ اسے اس طریقہ پر ایجاد کرے گا جو اس کے علم میں پہلے سے موجود تھا عالم بالا اور عالم سفلی پر کوئی امر وقوع پذیر نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے واقع ہوتا ہے مخلوق اس میں موثر حقیقی نہیں مخلوقات اس میں صرف کسب، کاوش، نسبت اور اضافت ہوا کرتی ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کو اس لیے حاصل ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آسانی پیدا کرنے، اس کی قدرت، اس کی توفیق اور الہام کی وجہ سے حاصل ہوا۔ وہ پاک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے جس طرح قرآن و سنت کی نصوص اس بارے میں وارد ہیں بات اس طرح نہیں جس طرح قدریہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ اعمال ہمارے قبضہ میں ہیں اور آجال کسی اور کے قبضہ میں ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اعمال ہماری قدرت میں ہیں اور موتیں کسی اور کے قبضہ میں ہیں، تو یہ آیات **خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ** تک نازل ہوئیں۔ انہوں نے کہا: اے محمد! سوئیے! وہ ہمارے خلاف ہمارے گناہ لکھتا ہے اور ہمیں عذاب دے گا؟ فرمایا: ”تم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہو گے۔“

**مسئلہ نمبر 4۔** ابو زبیر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس امت کے مجوسی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری نہ کرو، اگر وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہو، وہ تمہیں ملیں تو انہیں سلام نہ کرو۔“ ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے دونوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری امت میں سے دو قسم کے افراد ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں وہ مرجعہ اور قدریہ ہیں۔“ نحاس نے سند بیان کی ہے ابراہیم بن شریک کوئی، عقبہ بن مکرم ضمی سے وہ یونس بن بکیر سے وہ سعید بن میسرہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ قدریہ جو یہ کہتے ہیں کہ خیر و شر ہمارے ہاتھوں میں ہے میری شفاعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں نہ میں ان میں سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔“

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے براء کا اظہار کیا اور براء کا اظہار کافر سے ہی کیا جاسکتا ہے پھر اس قول کے ساتھ اسے موکد کیا حضرت عبد اللہ بن عمر اس کے ساتھ قسم اٹھاتے اگر ان میں سے کسی کا احد پہاڑ کے برابر ہونا ہو اور وہ



اسے خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے صدقہ قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے یہ ایسے ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے: وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنْهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبہ: 54) یہ واضح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تقدیر پر ایمان غم اور حزن کو دور کر دیتا ہے۔“

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مَدَّكُم ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌّ ۝ إِنَّ السَّاقِئِينَ فِي جَنَّتِ وَنَهْرٍ ۝ فِي مَقْعَدِ صَدِيقٍ خَلْقَهُ بِقَدَرٍ ۝

”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔“

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی ہمارا امر ایک ہی دفعہ ہوتا ہے کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ یعنی میرا فیصلہ میری مخلوق میں آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہوتا ہے۔ لمحہ کا معنی تیزی سے دیکھنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے لمحہ البرق بصرہ بجلی آنکھ جھپکنے برابر چمکی۔ صحاح میں ہے: لمحہ، البعہ جب اسے ہلکی نظر سے دیکھا۔ ام لمحہ ہے لمحہ البرق والنجم لمحہ یعنی بجلی چمکی۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ یعنی ہم نے سابقہ امتوں میں سے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو کفر میں تمہارے مشابہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہارے پیروکاروں اور تمہارے مددگاروں۔ فَهَلْ مِنْ مَدَّكُمْ ۝ ہے کوئی ایسا جو نصیحت حاصل کرے۔ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ یعنی ان سے قبل امتوں نے بھلائی یا برائی میں سے جو بھی اعمال کیے وہ لکھے ہوتے ہیں یہ إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ کا بیان ہے۔

فِي الزُّبُرِ ۝ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کراما کا تبین کی کتابیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌّ ۝ یعنی ہر گناہ جو چھوٹا ہو یا بڑا ہو وہ عامل کے حق میں لکھا ہوتا ہے قبل اس کے کہ وہ اس کو کرے تاکہ اسے جزا دی جائے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے اس وقت اسے لکھا جاتا ہے۔ سَطَرٌ يَسْطُرُ سَطْرًا کا معنی لکھنا ہے، استطر بھی اس کی مثل ہے۔

إِنَّ السَّاقِئِينَ فِي جَنَّتِ وَنَهْرٍ ۝ جب کفار کی صفت بیان کی تو مومنین کی بھی صفت بیان کی وَنَهْرٍ یعنی پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں (1)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ اسے واحد ذکر کیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے، پھر واحد کا صیغہ کبھی تمام کی خبر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَهْرٍ یعنی وہ روشنی اور وسعت میں ہے۔ اس سے نہار کا لفظ ہے کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے اسی معنی میں آنہرت الجرح میں نے زخم کو کھلا کیا؛ شاعر نے کہا:

اس کے ساتھ میں نے اپنی ہتھیلی کو قوی کیا اور اس کے سوراخ کو کھلا کیا۔

ابو مجبلو، ابونہیک، اعرج، طلحہ بن مصرف اور قتادہ نے دنہڑ بڑھاگو یا یہ نہار کی جمع ہے ان پر رات نہیں آئے گی، جس طرح صحاب اور سحاب ہے۔ فراء نے کہا: ایک عرب نے مجھے یہ شعر سنایا:

إِنْ تَكُ لَيْلِيَا فَلَايَ نَهْرُ مَتَى أَرَى الضُّبَعَ فَلَا أَتَسْطِرُّ

اگر تو رات والا ہے تو میں دن والا ہوں۔ میں کب صبح دیکھوں گا پس میں انتظار نہیں کرتا۔ ایک اور نے کہا:

لَوْلَا الثَّغِيرَانِ هَلَكْنَا بِالضُّمْرِ ثَرِيدُ لَيْلٍ وَ ثَرِيدُ النَّهْرِ (2)

اگر یہ دو خریدیں نہ ہوتیں تو ہم پتلی کمر کے ساتھ ہلاک ہو جاتے رات کی خرید اور دن کی خرید۔

فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ حَتَّىٰ تَكُنْ فِي مَجْلَسٍ مِّمَّنْ يَمُوتُ فِي سَاعَةِ الْمَوْتِ ۚ وَمَنْ يُؤْتِ مِثْلَ هَذِهِ الْوَسِيلَةِ يُكْفَرْ عَنْ سَائِرِ الذُّنُوبِ ۚ وَمَنْ يُؤْتِ مِثْلَ هَذِهِ الْوَسِيلَةِ يُكْفَرْ عَنْ سَائِرِ الذُّنُوبِ ۚ وَمَنْ يُؤْتِ مِثْلَ هَذِهِ الْوَسِيلَةِ يُكْفَرْ عَنْ سَائِرِ الذُّنُوبِ ۚ

جو چاہے اس پر قادر ہے۔ یہاں عُنْدَ سے مراد قربت، مکان، رتبہ، کرامت اور منزلت کی عندد یہ ہے، صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مکان صدق کی مدح بیان کی اس میں اہل صدق ہی بیٹھتے ہیں۔ عثمان بنی نے پڑھانی مقاعد صدق یعنی جمع کا صیغہ پڑھا مقاعد لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں وہ بازاروں میں ہوں یا کسی اور جگہ۔ عبد اللہ بن بریدہ نے کہا: جنتی ہر روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اس کی بارگاہ میں قرآن کی تلاوت کریں گے۔ ہر انسان اپنے بیٹھنے کی جگہ بیٹھے گا جب کہ وہ یا قوت، زبرد، سونے اور چاندی کے منبروں پر ہوں گے سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوں گے، ان کی آنکھیں کسی چیز سے اتنی ٹھنڈی نہ ہوں گی جیسی اس طریقہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔ انہوں نے اس سے عظیم اور اس سے بڑھ کر کسی حسین چیز کے بارے میں نہیں سنا ہو گا پھر وہ اپنی منازل کی طرف چلے جائیں گے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی کل تک معاملہ اسی طرح رہے گا۔

ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے روایت نقل کی ہے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فرشتے قیامت کے روز مومنوں کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: اے اللہ کے دوستو! چلو۔ وہ پوچھیں گے: کہاں؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ مومن کہیں گے: تم ہمیں اسکی جگہ لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ مومن کہیں گے: مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ یہ خبر خصوصی طور پر اس معنی میں مروی ہے خبر میں ہے ”ایسا طائفہ جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہوگا اسے فرشتے جنت کی طرف لے جائیں گے جب کہ لوگوں کا ابھی حساب ہو رہا ہوگا۔ وہ لوگ فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ لوگ کہیں گے: تم ہمیں اسی چیز کی طرف لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ فرشتے کہیں گے: حبیب کے ساتھ مَقْعَدِ صِدْقٍ جس طرح بتایا فی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



سورة الرحمن

ابہا ۷۸ ﴿۵۵﴾ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَعْنٰی ۹۷ ﴿۵۶﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۳ ﴿۵۷﴾

یہ بات صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نخلہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو سورۃ الرحمن پڑھی تو جنوں کی ایک جماعت گزری اور آپ پر ایمان لے آئی۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو ابتدا سے لے کر آخر تک سورہٴ رحمن پڑھی تو صحابہ خاموش ہو گئے فرمایا: ”میں نے اسے جنوں والی رات میں جنوں پر پڑھا تھا وہ تم سے اچھا جواب دینے والے تھے۔ میں جب بھی اس آیت پر پہنچتا تھا مَیِّی الْاَلَاءِ سَہِیْکُمَا تُکَلِّمٰہِیْن وہ کہتے: ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اے ہمارے رب! تیرے لیے حمد ہے۔“ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ نکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ قاسم بن عاصم منقری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو آپ پر نازل ہوا ہے اسے مجھ پر پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سورہٴ رحمن پڑھی۔ اس نے عرض کی: اے دوبارہ پڑھیے تو آپ نے تین دفعہ اسے پڑھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر ظاہری حسن ہے، اس میں مٹھاس ہے، اس کا نیچے والا حصہ بہت گہرا ہے اور اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 422

2- المعجم الكبير، جلد 24، صفحہ 86، حدیث 231

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 161، کتاب التفسیر

۲۶ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ومن سورة الرحمن، حدیث نمبر 3213، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اوپر والا حصہ پھل دار ہے یہ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اور تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر شی کی دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورہ رحمن ہے“ (1)۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمائے نہ والا ہے

الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّابَّأُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ اَلَّا  
تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ وَالْاَرْضُ رَاضٍ  
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۝ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ۝  
الرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

”رحمن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔ اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو۔ اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے اس میں گونا گوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی اور اناج بھی بھوسہ والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے انس و جان) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ سعید بن جبیر اور عامر شعبی نے کہا: الرحمن تین سورتوں کا آغاز ہے جب سب کو جمع کیا جائے تو وہ مل کر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بن جاتا ہے الرحم اور ن۔ ان تینوں کا مجموعہ الرَّحْمٰن بنتا ہے۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن کی تعلیم دی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام انسانوں تک پہنچایا۔ یہ اس وقت آیات نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا: الرَّحْمٰن؟ رحمن کیا ہوتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کے جواب میں نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا تھا: اے ایک انسان سکھاتا ہے وہ یمامہ کا رحمان ہے۔ وہ اس سے میلہ کذاب مراد لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ زجاج نے کہا: عَلَّمَ الْقُرْآنَ کا معنی ہے قرآن کو یاد کرنا اور اس کو پڑھنا آسان بنادیا جس طرح فرمایا: وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے علامت بنادیا ہے جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ حضرت ابن عباس،



قنادہ اور حضرت حسن بصری نے کہا: الْإِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (1)۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ① یعنی تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں تمام لغات سکھائیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن کیسان سے یہ مروی ہے: یہاں انسان سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں (2)، بیان سے مراد حرام سے حلال کی اور گمراہی سے ہدایت کی وضاحت ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا وہ مراد ہے کیونکہ آپ نے اولین، آخرین اور یوم دین کے بارے میں واضح کیا۔ ضحاک نے کہا: بیان سے مراد خیر و شر ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: جو اسے نفع دیتی ہے اور جو اسے نقصان دیتی ہے؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے تمام لوگ مراد ہیں، یہ اسم جنس ہے۔ اس تاویل کی صورت میں بیان سے مراد کلام اور فہم ہے یہ ایسا وصف ہے جس کے ساتھ انسان باقی تمام حیوانوں پر فضیلت رکھتا ہے (4)۔ سدی نے کہا تمام قوموں کو ان کی زبان کی تعلیم دی جس کے ساتھ وہ کلام کرتے ہیں۔ بیان نے کہا: مراد قلم کے ساتھ خط و کتابت ہے؛ اس کی مثل یہ ارشاد ہے: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ② عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ③ (العلق) الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ④ وہ معلوم حساب سے چلتے ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہے الشمس والقمر یجریان بحسبان۔ خبر کو مضمّر کیا گیا ہے وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ایک طرف جھکتے ہیں۔ ابن زید اور ابن کیسان نے کہا: ان دونوں کی مدد سے اوقات، آجال اور عمروں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اگر دن، رات، سورج اور چاند نہ ہوتے کوئی یہ نہ جانتا کہ وہ کیسے حساب کرے اگر سارے کا سارا زمانہ رات یا دن ہی ہوتا۔

سدی نے کہا: بِحُسْبَانٍ سے مراد ہے ان کی اجل کی تقدیر ہے جس طرح لوگوں کی زندگی کے اوقات مقرر ہیں اسی طرح ان کے اوقات مقرر ہیں جب ان کی اجل آ جاتی ہے تو یہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: كُلُّ يَجْرُئِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى (الرعد: 2) ضحاک نے حَسْبَان کا معنی قصد کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: حَسْبَان سے مراد ہے چکی کی میخ وہ یوں گردش کرتے ہیں جس طرح چکی میخ کے گرد گھومتی ہے (5)۔ حَسْبَان بعض اوقات حَسْبَتِه، اَحْسَبِه کا مصدر ہوتا ہے جس طرح غفران، کذبان اور رجحان ہے اور حسابۃ بھی اس کا مصدر آتا ہے یعنی میں نے اسے شمار کیا۔ انخفش نے کہا: یہ حساب کی جمع ہے جس طرح شہاب کی جمع شهبان آتی ہے۔ حَسْبَان جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عذاب اور چھوٹے تیر ہوتے ہیں سورہ کہف میں گزرا ہے اس کی واحد حَسْبَانہ ہے۔ حَسْبَانہ کا معنی چھوٹا تکیہ بھی ہوتا ہے اس معنی میں تو کہتا ہے: حَسْبَتِه جب تو اسے تکیہ بنائے کہا:

لَشَوَيْتَ غَيْرَ مُحَسَّبٍ

یعنی تکیہ کے بغیر نہ اس میں تکریم تھی اور نہ ہی اس میں کفن دیا گیا تھا۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ⑤ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: نجم اسے کہتے ہیں جس کا تناہ ہو اور درخت اسے کہتے ہیں جس کا تناہ ہو (6)۔ نجم یہ نجم الثمن یعنی نجوم نجوم سے مشتق ہے جب وہ ظاہر و طلوع ہو۔ اس کے سجود سے

مراد ان کے سایہ کا سجدہ کرنا ہے (1)؛ یہ نحاک کا قول ہے۔ فراء نے کہا: دونوں کے سجدہ سے مراد یہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو یہ سورج کے بالمقابل ہوتے ہیں پھر اس کے ساتھ مائل ہوتے ہیں یہاں تک کہ سایہ چھوٹا ہو جاتا ہے (2)۔ زجاج نے کہا: ان دونوں کے سجود سے مراد ان کے سایہ کا ان کے ساتھ گھومنا ہے (3) جس طرح فرمایا: يَتَقَيَّئُوا ظِلُّهُ (النحل: 48) حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: نجم سے مراد آسمان کا ستارہ ہے اور مجاہد کے قول کے مطابق اس کے سایہ کا گردش کرنا ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے؛ یہ مہدوی نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے سجود سے مراد اس کا غروب ہونا ہے اور درخت کے سجدہ سے مراد اس کے پھل کے چنے کا ممکن ہونا ہے؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے مسخر ہیں تم ستارے کی پوجا نہ کرو جس طرح صابیوں میں سے ایک قوم نے ستاروں کی پرستش کی اور عجمیوں سے کثیر لوگوں نے درخت کی پوجا کی۔ سجود کا معنی خضوع ہے اس سے مقصود حادث ہونے کے آثار ہیں؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں سجود کی اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری ہے۔ تمام جامد چیزوں سے سجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ حیوانات سے بھی یہی اسی طرح ہے اس سے مراد نماز کا سجدہ بھی ہو سکتا ہے۔ محمد بن یزید نے نجم کو نجوم کے معنی میں لیا ہے۔ فَبَاتَتْ تَعْدُ النُّجْمُ اس نے رات ستارے گنتے ہوئے گزاری۔

وَالسَّمَاءَ رَافِعَهَا ابوسال نے السماء پڑھا یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے (5) اس لیے پسند کیا کیونکہ اس کا عطف اس جملہ پر ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدُونَ ۝ معطوف کو مبتدا اور خبر سے مرکب کیا ہے جس طرح معطوف علیہ مبتدا اور خبر سے مرکب ہے باقی قراء نے السماء کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہاں فعل مضمر ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ میزان کا معنی عدل ہے؛ یہ مجاہد، قتادہ اور سدی سے عبارت ہے یعنی زمین میں اس عدل کو رکھا جس کا حکم دیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَضَعَ اللَّهُ الشَّرِيعَةَ، وَضَعَ فَلَانٌ كَذَا فُلَانٌ نے اسے پھینکا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج ہیں؛ یہ حضرت حسین بن فضل کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری، نحاک اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ترازو ہے (6) جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کے ساتھ نصف نصف کریں۔ یہ جملہ خبریہ ہے امر کے معنی میں ہے یعنی عدل کا حکم دیا؛ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے: وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ۔ قسط کا معنی عدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آخرت میں میزان رکھنے کا ارادہ کیا تاکہ اعمال کا وزن کیا جائے۔ میزان کی اصل موزان ہے اس بارے میں گفتگو سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ ان کا کل نصب ہو سکتا ہے اس صورت میں کہ حرف جار حذف ہے گویا فرمایا: لئلا تطفخوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضْلُوا (النساء: 176) یہ بھی جائز ہے کہ ان کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو بلکہ یہ اسی کے معنی میں ہو اس تقدیر کی بنا پر تطفخوا مجزوم ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَنْتَلَقِ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ اْمُشُوا



س: 6) طغیان کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ جس نے کہا: میزان کا معنی عدل کرنا ہے (1) تو اس نے کہا طغیان کا معنی ظلم ہے۔ جس نے کہا: میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا: طغیان کا معنی کمی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس کے لیے تم وزن کرو اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جس نے کہا: اس کا معنی تم ہے اس نے کہا: اس کے طغیان سے مراد تحریف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں اضمار ہے یعنی اس نے میزان اتارا۔ نہیں حکم دیا کہ تم اس میں سرکشی نہ کرو۔

وَ أَقِیْمُوا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ یعنی عدل کے ساتھ اسے سیدھا رکھو۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ترازو کی ڈنڈی انصاف کے ساتھ سیدھا رکھو۔ ابن عیینہ نے کہا: اقامت کا تعلق ہاتھ سے اور قسط کا تعلق دل سے ہے۔ مجاہد نے کہا: قسط رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقام الصلوٰۃ یعنی اسے اپنے وقت میں ادا کیا۔ اقام الناس۔ واقم وہ بازار میں اس کے وقت میں آئے۔ یعنی تم وزن میں عدل کے ساتھ جو باہم معاملہ کرتے ہو اسے ترک نہ کرو۔

وَلَا تُخْسِرُوا الْوِزْنَ ① میزان میں کمی نہ کرو، کیل اور وزن میں کمی نہ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَلَا تَقْصُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ (ہود: 84) قتادہ نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ابن آدم کے ساتھ عدل کرو جس کو پسند کرتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے اور پورا پورا حق دو جس طرح تو پسند کرتا ہے کہ تجھے پورا پورا حق دیا جائے، یہ ناکہ عدل میں یہی لوگوں کا بھلا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز اپنی نیکیوں کے میزان میں کمی نہ کرو کہ یہ چیز تمہارے لیے حسرت بن جائے۔ آیات کے سروں کی رعایت کرتے ہوئے میزان کا لفظ مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکرر وزن کو پورا کرنے اور عدل کی رعایت کے امر کے لیے ہے۔ عام قرأت تخسروا ہے۔ بلال بن ابی بردہ اور ابان بن عثمان نے تَخْسِرُوا قرأت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أَخْسَرَاتِ الْمِيزَانَ وَخَسِرَاتِهِ۔ یہ أجبرتہ و جبرتہ کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَخْسِرُوا اتاء اور سین کے فتح کے ساتھ ہے حرف جر کے حذف پر محمول ہے۔ معنی لَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ میزان میں کمی نہ کرو۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ② انام سے مراد لوگ ہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن اور انسان مراد ہیں (3)۔ ضحاک نے کہا: روئے زمین پر جو چیز چلتی ہے۔ یہ عام ہے فِیْہَا فَاکْمَہٗ مختلف قسم کے پھلوں سے انسان جو لطف اندوز ہوتا ہے۔

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاُكْمَامِ ③ اکمام، کم کی جمع ہے۔ جوہری نے کہا: کمہ اور کمامہ کا معنی گائے کا غلاف اور کلی کا پردہ۔ اس کی جمع کمام، اکمہ، اکمام اور اکامیم آتی ہے کم الفصیل جب اس پر شفقت کی گئی اسے ڈھانپا گیا یہاں تک کہ وہ باقرا ہو گیا؛ عجاج نے کہا:

بَلْ لَوْ شِئْتَ النَّاسَ إِذْ تُكْمُوا بِغِيَّةٍ لَّوْ لَمْ تُفَرِّجْ عُيُوَا

تَكُونُوا یعنی ان پر غشی طاری ہوگئی اور انہیں ڈھانپ لیا گیا۔ اَكْمَتِ النَّخْلَةُ وَكَمَتِ یعنی اس نے گاہے کے پردے نکالے۔ کھام اور کھامہ کا معنی یہ بھی ہے جس کے ساتھ اونٹ کا منہ باندھا جاتا ہے تاکہ وہ کسی کونہ کاٹے۔ اس معنی میں تو کہتا ہے بعید مکسوم۔ کمیت الشئ میں نے اس شے کو ڈھانپ لیا انکم جو کسی چیز کو چھپالے اور اسے ڈھانپ لے، اسی معنی میں کہ القیص ہے اس کی جمع اکھام اور کیمہ ہے جس طرح حب کی جمع حبیبہ ہے کثۃ کا معنی گول ٹوپی ہے کیونکہ وہ سر کو ڈھانپ لیتی ہے؛ شاعر نے کہا:

فَقُلْتُ لَهُمْ كَيْلُو بِكَيْتَةٍ بَعْضُكُمْ دَرَاهِمُكُمْ إِنِّي كَذَلِكَ أَتَكِيلُ

میں نے انہیں کہا: تم اپنے میں سے کسی کی ٹوپی کے ساتھ اپنے دراہم کا کیل کرلو میں اسی طرح کیل کیا کرتا ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ذات الاکھام کا معنی ہے چھال والا کیونکہ کھجوروں کو چھال سے چھپایا جاتا ہے: کھامہا سے مراد اس کی وہ چھال ہے جو اس کی گردن میں ہوتی ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ گاہے والا ہے قبل اس کے کہ وہ اوپر سے چھٹ جائے۔ عکرمہ نے کہا: وہ احمال والا ہے۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالزَّيْحَانُ ① حب سے مراد گندم، جو وغیرہ ہیں۔ عصف کا معنی بھوسہ ہے۔ حضرت حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: درخت اور کھیتی کا پتہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: کھیتی کا تنکا اور پتہ جسے ہوا میں اڑاتی رہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: کھیتی میں سے جو سب سے پہلے اگتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: خراجنا لعصف الزرع پکنے سے پہلے جب اسے کاٹ لیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے عصف الزرع جب تو اس کو پکنے سے پہلے کاٹ لے۔ حضرت ابن عباس بن زید سے مروی ہے کہ عصف سے مراد سبز کھیتی کا پتہ ہے جب اس کا سرا کاٹ دیا جائے اور وہ خشک ہو جائے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ② (الفیل) جوہری نے کہا: قد اعصف الزرع، مکان معصف ایسا مکان جو زیادہ کھیتی والا ہو۔ ابوقیس بن اسلت انصاری نے کہا:

إِذَا جُمَادَى مَنَعَتْ قَطْرَهَا زَانَ جَنَابٍ عَطْنٍ مُعْصِفُ

جب جمادی نے اپنی بارش کو روک لیا تو کثیر کھیتی والے باڑے نے میرے صحن کو مزین کیا۔

عصف کا معنی کمائی بھی ہے؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے

بَغِيرِ مَا عَصِفَ وَلَا اضْطَرَّ ابٍ بَغِيرِ مَحْتٍ أَوْ كَسْبٍ مَعَاشٍ كَـ

اسی طرح الاعتصاف ہے عصفہ سے مراد مجتمع پتے ہیں جن میں بالی ہو۔ بروی نے کہا: عصف اور عصفہ سے مراد بالی کا پتہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: ابن سکیت نے کہا عرب کھیتی کے پتہ کو عصف اور عصفہ کہتے ہیں جل جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ صحاح میں ہے جل کھیتی کا تناب اسے کاٹ جائے۔ ریحان سے مراد رزق ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ حیر کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور قتادہ نے کہا: مراد وہ ریحان ہے جسے سونگھا جاتا ہے؛ یہ ابن



زید کا قول ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد کھیتی کی سبزی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد وہ کھیتی ہے جو تنے پر کھڑی ہو۔ فراء نے کہا: عصف سے مراد کھیتی میں سے جسے کھایا گیا ہو (2)، ریحان اسے کہتے ہیں جسے نہ کھایا جائے۔ کلبی نے کہا: عصف اس پتے کو کہتے ہیں جس کو کھایا نہیں جاتا (3)، ریحان اس دانے کو کہتے ہیں جس کو کھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی سبزی جس کی خوشبو اچھی ہو اسے ریحان کہتے ہیں کیونکہ انسان اس کی اچھی خوشبو سونگھتا ہے۔ یہ فعلان کا وزن ہے روحان رائج سے ماخوذ ہے کلمہ میں یاء کا اصل واؤ تھا اس کے اور روحانی کے درمیان فرق کرنے کے لیے واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ روحانی ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی روح ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے شیء روحانی و ریحانی یعنی اس کی روح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعیلان کے وزن پر ہو اس کی اصل دیوحان ہے واؤ کو یاء سے بدل دیا اور پھر ادغام کیا جس طرح حین اور لین، پھر طوالت اور الف نون زائدہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے تخفیف کو لازم کر دیا گیا۔ حوراء، واؤ اور حاء سے مرکب ہو اس میں اصل جھومنا اور حرکت کرنا ہے۔ صحاح میں ہے: ریحان سے مراد معروف جڑی بوٹی ہے۔ ریحان سے مراد: رزق ہے تو کہتا ہے خراجت اُبتغی ریحان میں اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا:

سَلَامُ اِلَیْهِ وَرَیْحَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی کَا سَلَامٍ اُوْرَاسِ کَا رَزَقٍ (4)۔

حدیث میں ہے: الولد من ریحان اللہ (5) اولاد اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اور لوگوں کا یہ قول سبحان اللہ وریحانہ دونوں کو مفعول مطلق کے طریقہ پر نصب دی ہے۔ وہ یہ قول کر کے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس سے رزق کے طالب ہوتے ہیں، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱ کا تعلق ہے تو عصف سے مراد کھیتی کا تنہا اور ریحان سے مراد اس کا پتہ ہے: یہ فراء سے مروی ہے۔ عام قرأت وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱ دونوں پر رفع ہے کیونکہ ان کا عطف الفاکھۃ پر ہے۔ ابن عامر، ابو حیوہ اور مغیرہ نے الارض پر عطف کرتے ہوئے انہیں منصوب پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے خلق الحب ذوالعصف والریحان اس صورت میں ذات الکام پر عطف کرنا اچھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے الریحان کو جردی ہے اس کا عطف العصف پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی الحب ذو العصف والریحان جس نے ریحان کو رزق بنایا ہے یہ اس پر ممتنع نہیں، گویا یوں کہا: والحب ذو الرزق۔ رزق اس حیثیت میں کہ عصف رزق ہے کیونکہ عصف بہائم کا رزق ہے اور ریحان لوگوں کا رزق ہے (6)۔ جس نے یہ کہا کہ یہ ریحان مشوم ہے اس کے قول میں کوئی شبہ نہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۝۱ یہ جن و انس کو خطاب ہے کیونکہ انام کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے (7)؛ یہ جمہور کا قول

ابن زید نے کہا اس سے مراد قدرت ہے تقدیر کلام یہ ہے فبأمر قدرۃ ربکم اتکذبان یہ کلمی کا قول ہے۔ امام ترمذی محمد بن علی نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہا: یہ سورت قرآن کی سورتوں کا جھنڈا ہے جھنڈا لشکر کا امام ہوتا ہے اور لشکر اس کی پیروی کرتا ہے: یہ علم (جھنڈا) بنا کیونکہ یہ ملک و قدرت کی صفت ہے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ سورت کا آغاز دوسرے اسماء کی بجائے رحمن کے اسم سے کیا تا کہ بندوں کو علم ہو جائے کہ اس کے بعد تمام وہ چیزیں جن کے ساتھ صفت بیان کی ہے وہ اس کے افعال، اس کے ملک اور اس کی قدرت میں سے ہے اللہ تعالیٰ کی رحمانیت میں سے رحمت عظمیٰ ان کی طرف نکلی ہے۔ فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ پھر انسان کا ذکر کیا فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ پھر ان چیزوں کا ذکر کیا جو انسان پر احسانات کیے پھر سورج و چاند کے احسان اور اشیاء یعنی نجوم و شجر کے سجود کا ذکر کیا پھر آسمان کے بلند کرنے اور میزان یعنی عدل قائم کرنے اور زمین کو انعام کے لیے بچھانے کا ذکر کیا، پھر جن وانس کو خطاب کیا جب انہوں نے ان چیزوں کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی وجہ سے قدرت و ملک میں سے ظاہر ہوئیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی منفعت اور حاجت کے بغیر کیں، تو لوگوں نے اس کے ساتھ بتوں کو شریک کر لیا اور ہر معبود کو اس کے سوا اپنا معبود بنا لیا اور اس رحمت کا انکار کر دیا جس کے ساتھ یہ اشیاء ان کی طرف نکلیں۔ سوال کرتے ہوئے انہیں فرمایا: فَبِأَمْرِ الْاٰلَآءِ مَا تَكْفُرُوْنَ یعنی تم اپنے رب کی کس قدرت کا انکار کرتے ہو؟ ان کی تکذیب یہ تھی کہ وہ چیزیں جو اس کے ملک اور قدرت سے ظاہر ہوئی تھیں ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہوں نے شریک



ٹھہرایا جو اس کے ساتھ مالک ہے اور اس کے ساتھ قادر ہے یہی ان کی تکذیب ہے۔ پھر یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سلسلہ سے پیدا کیا۔ پھر یہ ذکر کیا کہ جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔ پھر ان سے پوچھا تو فرمایا: **فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ** یعنی تم اپنے رب کی کس قدرت کا انکار کرتے ہو کیونکہ ہر مخلوق میں اس کی قدرت کے بعد قدرت شامل ہے۔ ان آیات میں تکرار تاکید کے لیے اور وضاحت میں مبالغہ کے لیے ہے اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کے لیے ہے کہ ایک مخلوق کے بعد دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ قتبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اپنی نعمتوں کا شمار کیا اپنی مخلوق کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔ پھر اس کے پیچھے ہر اس کجی کا ذکر کیا جس سے وہ متصف تھا اور ہر اس نعمت کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود اس پر کی اور یہ دو نعمتوں کے درمیان اسے فاصلہ کے طور پر رکھا تا کہ انہیں نعمتوں پر متنبہ کرے اور انہیں وہ نعمتیں یاد دلائے جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس پر تو لگا تا را احسان کرتا ہے جب کہ وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا تو میں نے تجھے غنی کر دیا۔ کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا تو گنہگار نہ تھا تو میں نے تجھے عزت دار بنا دیا کیا تو اس کا انکار کر سکتا ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں تکرار اچھا ہے، جس طرح کہا:

كَمْ نِعْمَةٌ كَانَتْ لَكُمْ كَمْ كُنْتُمْ دَكَّةً

تمہارے لیے کتنی ہی نعمتیں ہیں۔

اسی طرح کہا:

لَا تَقْتُلِيْ مُسْلِمًا اِنْ كُنْتِ مُسْلِمَةً اِيَّاكَ مِنْ دَمِهِ اِيَّاكَ

اگر تو مسلمان عورت ہے تو کسی مسلمان کو قتل نہ کر اس کے خون سے بچ۔

ایک اور شاعر نے کہا۔

وَلَا تَمْلِكَنَّ مِنْ زِيَارَتِهِ زُرْنَاهُ وَزُرْنَاهُ وَزُرْنَاهُ وَزُرْنَاهُ

اپنے دوست کی ملاقات سے نہ اکتا تو اس کی ملاقات کر۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

”پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے۔ پس (اے جن و

انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ پس

(اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

خَلَقَ الْاِنْسَانَ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر کی تخلیق یعنی آسمان، زمین اور ان کے درمیان اس کی وحدانیت اور اس کی

قدرت پر موجود دلائل کا ذکر کیا تو عالم صغیر کی تخلیق کا ذکر کیا فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ علماء تاویل کا اتفاق ہے کہ الْاِنْسَانَ سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ صَلْصَالٍ سے مراد خشک مٹی ہے جس کی کھنک سنائی دیتی ہے۔ اس کو فخار کے ساتھ تشبیہ کی جسے پکایا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جس میں ریت کی آمیزش ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بدبودار مٹی ہے (1) یہ صل اللحم واصل سے مشتق ہے جب وہ بدبودار ہو۔ سورہ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں کہا: مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ ایک اور جگہ فرمایا: مِنْ صَلْصَالٍ فَمِنْ حَبِائِلٍ مُّسْنُونٍ ۝ (الحجر) ایک اور جگہ فرمایا: وَإِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝ (الصافات) فرمایا: كَمَثَلِ آدَمَ - خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59) سب کا معنی ایک ہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین سے مٹی لی اسے گوندھا تو وہ طین بن گئی پھر وہ منتقل ہوئی تو وہ حماسنون کی طرح ہو گئی پھر منتقل ہوئی تو وہ فخار کی طرح صَلْصَالٍ ہو گئی۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّاءٍ حَمِئٍ ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: جان سے مراد ابلیس ہے یہ جنوں کا باپ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْجَانَّ جن کا واحد ہے مَّاءٍ حَمِئٍ سے مراد خالص شعلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کو خالص جان سے پیدا کیا۔ لیث نے کہا: مَّاءٍ حَمِئٍ سے مراد ایسا شعلہ ہے جو پھیلنے والا ہو جو شدید لپک والا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے (2): اس سے مراد وہ شعلہ ہے جو آگ پر بلند ہوتا ہے اور اس کا بعض بعض سے مل جاتا ہے یعنی کوئی سرخ کوئی زرد اور کوئی سبز ہوتا ہے۔ اس کی مثل مبرد کا قول ہے مبرد نے کہا: مَّاءٍ حَمِئٍ سے مراد ایسی آگ ہے جو روکی نہ جاسکے۔ ابو عبیدہ اور حسن بصری نے کہا: مَّاءٍ حَمِئٍ سے مراد خلط ملط آگ ہے۔ اس کی اصل مرج ہے جب وہ مضطرب ہو اور خلط ملط ہو۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آگوں کو پیدا کیا ان میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیا تو ان میں سے ایک دوسری کو کھا گئی وہ نارسموم تھی، اس سے ابلیس کو پیدا کیا۔ قشیری نے کہا: لغت میں مَّاءٍ حَمِئٍ سے مراد ہے جسے چھوڑ دیا گیا ہو یا جو خلط ملط ہو گیا ہو۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّاءٍ حَمِئٍ ۝ (الطارق) عَيْشَةُ ثَمَاضِيَّةٌ ۝ (الحاقہ) معنی ہے مرج والی۔ جوہری نے صحاح میں کہا: مَّاءٍ حَمِئٍ من نار یعنی ایسی آگ جس میں دھواں نہ ہو اس سے جنوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ تقدیر کلام یوں ہے ہو رب المشرقین سورۃ صافات میں ہے رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ اس کے بارے میں وہاں گفتگو گزر چکی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تُكذِّبَانِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكذِّبَانِ ۝

”اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان



پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مَرْجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝ مَرْجَ کا معنی چھوڑ دینا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرج السلطان الناس جب بادشاہ نے لوگوں کو مہمل چھوڑ دیا۔ مَرْج کا اصل معنی مہمل چھوڑنا ہے جس طرح جانوروں کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مرج یعنی خلط ملط کر دیا۔ انخس نے کہا: ایک قوم کہتی ہے أَمْرَجَ الْبَحْرَيْنِ یہ مرجی طرح ہے فعل اور افعَل ایک معنی میں ہے۔ البحرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر (1)؛ یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ يَلْتَقِيَانِ وہ ہر سال میں ملتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کے کنارے ملتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: فارس اور روم کا سمندر (3)۔ ابن جریج نے کہا: مراد نمکین سمندر اور میٹھے دریا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرق و مغرب کے سمندر جن کے کنارے ملتے ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لؤلؤ اور مرجان کا سمندر (6)۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ دونوں کے درمیان آڑ ہے۔ پہلے قول کے مطابق جوزمین و آسمان کے درمیان ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق وہ زمین ہے جو دونوں کے درمیان ہے وہ حجاز ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ان دونوں کے علاوہ جو اقوال ہیں ان میں حجاز سے مراد قدرت الہیہ ہے جس طرح سورہ فرقان میں گزرا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے: "اللہ تعالیٰ نے مغربی کنارہ سے کلام فرمایا فرمایا: میں تجھ میں ایسے بندے بنانے والا ہوں جو تسبیح کریں گے، تکبیر کہیں گے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہیں گے اور میری حمد کریں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اس نے عرض کی: اے میرے رب! میں انہیں غرق کر دوں گا۔ فرمایا: میں انہیں اپنے ہاتھ میں اٹھالوں گا اور تیری قوت کو تیری اطراف میں رکھ دوں گا۔ پھر مشرقی کنارہ سے گفتگو کی۔ فرمایا: میں تجھ میں اپنے ایسے بندے پیدا کرنے والا ہوں جو میری تسبیح کریں گے، میری کبریائی بیان کریں گے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھیں گے، میری بزرگی بیان کریں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ عرض کی: میں ان کے ساتھ تیری تسبیح بیان کروں گا جب وہ تیری تسبیح بیان کریں گے، میں تیری کبریائی بیان کروں گا جب وہ تیری کبریائی بیان کریں گے، جب وہ تیری الوہیت بیان کریں گے تو میں تیری الوہیت بیان کروں گا، میں ان کے ساتھ تیری بزرگی بیان کروں گا جب وہ تیری بزرگی بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زیور عطا فرمایا اور دونوں کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی۔ ان میں سے ایک سخت کھاری ہو گیا اور دوسرا اپنی اصلی حالت پر میٹھا رہا۔" ترمذی حکیم ابو عبد اللہ نے اس خبر کا ذکر کیا۔ کہا: صالح بن عبد اللہ نے قاسم عمری سے وہ سہیل سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لَا يَبْغِيَانِ۔ قتادہ نے کہا: وہ لوگوں پر بغاوت نہیں کرتے کہ انہیں غرق کر دیں (7)۔ ان دونوں اور لوگوں کے درمیان اس نے خشکی بنا دی ہے۔ ان سے اور مجاہد سے یہ مروی ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرتا کہ اس پر غالب آ جائے۔ ابن زید نے کہا کہ لَا يَبْغِيَانِ کا معنی ہے وہ بغاوت نہیں کرتے کہ ایک دوسرے کو ملیں (8)۔ نقدیر کلام یہ

ہے مروج البحرین بدلتیان مگر ان کے درمیان رکاوٹ نہ بھی ہوتی تو وہ ملاقات کرنے کے لیے بغاوت نہ کرتے۔  
ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا اور آخرت میں جو آڑ ہے یعنی ان کے درمیان ایک موت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔  
یہ دنیا کی موت ہے وہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا کے ختم ہونے کا اذن دے گا تو دونوں  
سمندر ایک ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَإِذَا الْبَحَارُ فَجُوتَ ۝ (الانفطار) سبل بن عبد اللہ نے  
کہا: دو سمندروں سے مراد خیر اور شر کا راستہ ہے، برزخ سے مراد توفیق اور عصمت ہے (1)۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّوْلُؤُ وَالْمُزَجَّانُ ۝ یعنی تمہارے لیے پانی سے لؤلؤ اور مرجان نکالتا ہے جس طرح مٹی سے دانا، بھوسہ  
اور ریحان نکالتا ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے یخروج یاء کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے (2) یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے  
باقی قراء نے یخروج یعنی یاء کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ لؤلؤ اس کا فاعل ہوگا۔ مِنْهُمَا کے بارے میں کہا: وہ  
نمکین سے نکالتا ہے مٹھے سمندر سے نہیں نکالتا، کیونکہ عرب دو جنسوں کو جمع کرتے ہیں پھر ان میں سے ایک کے بارے میں خبر  
دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُلٌ مِنْكُمْ (الزمر: 41) رسل انسانوں  
میں سے ہوتے ہیں جنوں میں سے نہیں بہتے؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو  
ذکر کیا جب ان دونوں میں سے کوئی چیز نکلتی ہے تو گو یا وہ دونوں سے نکلتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: أَلَمْ تَرَ  
كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (نوح) چاند آسمان دنیا میں ہے لیکن سات آسمانوں کا ذکر  
اجمالاً کیا گیا ان میں سے کسی ایک میں ہے تو سب میں ہے۔ ابو علی فارسی نے کہا: یہ مضاف کے حذف کے باب سے تعلق رکھتا  
ہے تقدیر کلام یہ ہے من أحدھما جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ ۝ (الزخرف) یہ اصل  
میں من إحدى القریتین تھا۔ انفس سعید نے کہا: ایک قوم کا گمان ہے کہ وہ لؤلؤ مٹھے سمندر سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا  
ہے: وہ دونوں سمندر ہیں ان دونوں میں سے ایک سے لؤلؤ اور دوسرے سے مرجان نکلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے  
کہا: یہ دونوں آسمان اور زمین کے سمندر ہیں جب آسمان کا پانی سمندر کی پیپی میں گرتا ہے تو موتی بنتا ہے پس وہ دونوں سے  
نکلنے والا ہوا (3)؛ یہ طبری نے کہا: ثعلبی نے کہا: میرے سامنے ذکر کیا گیا ہے ایک گٹھلی پیپی کے پیٹ میں ہوتی ہے بارش کا  
قطرہ اس گٹھلی کے بعض تک پہنچتا ہے اور بعض تک نہیں پہنچتا، قطرہ گٹھلی کے جس حصہ تک پہنچتا ہے وہ موتی ہوتا ہے اور باقی  
ماندہ گٹھلی ہی رہتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مٹھا اور نمکین بعض اوقات مل جاتے ہیں تو مٹھا نمکین کو شربار کرنے کا سبب بن  
جاتا ہے تو موتی کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا جس طرح بچے کو مذکر و مؤنث کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگرچہ مؤنث نے  
اسے جنا ہوتا ہے؛ اس وجہ سے یہ قول کیا جاتا ہے کہ موتی نہیں نکلتا مگر ایسی جگہ سے جہاں مٹھا اور نمکین پانی ملتے ہیں۔ ایک  
قول یہ کیا گیا ہے: مرجان سے مراد بڑے موتی ہیں؛ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور لؤلؤ چھوٹے  
موتیوں کو کہتے ہیں: ان دونوں سے اس کے برعکس بھی مروی ہے یعنی کہ لؤلؤ بڑے موتیوں کو اور مرجان چھوٹے موتیوں کو کہتے



ہیں؛ یہ نہ خاک اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابومالک نے کہا: مرجان سرخ گھونگا ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿١٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٤﴾

”اور اس کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

وَلَهُ الْجَوَارِ الْجَوَارِ سے مراد کشتیاں ہیں (1)۔ الْمُنشَآتُ عام قرأت المنشآت ہے یعنی شین پر زبر ہے۔ قتادہ نے کہا: ایسی مخلوق جو چلنے کے لیے ہو (2)۔ یہ انشا سے ماخوذ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی کشتیاں ہیں جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں۔ جب ان کے بادبان نہ اٹھائے جائیں تو وہ منشآت نہیں۔ انفش نے کہا: اس سے مراد چلنے والی ہیں (3)۔ حدیث میں ہے: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایسی کشتیوں کو دیکھا جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے تھے (4) فرمایا: ان کشتیوں کے رب کی قسم! نہ میں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور نہ میں نے ان کے قتل میں مدد کی۔

حمزہ، ابوبکر نے عاصم سے اس سے مختلف روایت نقل کی ہے (5) المنشآت یعنی شین کے کسرہ کے ساتھ ہے مراد المنشآت السید ہے فعل کی نسبت جو اس طرف کی گئی ہے وہ بطور مجاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں جس نے شین کو فتح دیا اس نے کہا: مراد ہے السرفوعات الشعاع۔ كَالْأَعْلَامِ پہاڑوں کی مانند۔ علم سے مراد طویل پہاڑ ہے۔ کہا: اذا قطعن علما بدا علم انہوں نے جب ایک طویل پہاڑ طے کیا تو دوسرا پہاڑ ظاہر ہو گیا۔ سمندر میں کشتیاں اس طرح ہیں جس طرح خشکی میں پہاڑ ہوتے ہیں۔ سورہ شوریٰ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یعقوب نے الجوارى وقف میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے یاء کو حذف کیا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿١٥﴾ وَبَاقِيَ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَلِ وَالْإِكْرَامِ ﴿١٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٧﴾

”جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت و احسان والی ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿١٥﴾ عَلَيْهَا میں ضمیر الارض کے لیے ہے۔ سورت کے آغاز میں اس کا ذکر ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْأَرْضُ رُضٌّ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٥﴾ (الرحمن) ایک جملہ یہ بولا جاتا ہے: ہوا کر من علیہا یہاں علیہا میں ضمیر سے مراد زمین لیتے ہیں اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی فرشتوں نے کہا: اہل زمین ہلاک ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: 88) ملائکہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مخلوق کے فنا ہونے میں نعمت یہ ہے کہ موت میں سب کو برابر کر دیا اور موت کے ساتھ تمام قدم برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کی صورت یہ ہے کہ موت دار جزا اور دار ثواب کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے۔

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ يُعْنِي اللَّهُ تَعَالَى بَاقِي رَهْ- گاہ۔ وجہ سے مراد اس کا وجود اور اس کی ذات ہے؛ شاعر نے کہا:

قَضَى عَنِ خَلْقِهِ السَّيَا فِكُلِّ شَيْءٍ سِوَاهُ فَنَانِي

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر موتوں کا فیصلہ کر دیا تو اس کے سوا ہر شے فانی ہے۔

یہ وہ تعبیر ہے جسے ہمارے محقق علماء یعنی ابن فورک، ابو معالی اور دوسروں نے اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

نے کہا: وجہ سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح فرمایا: وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمن)

ابو معالی نے کہا: وجہ سے مراد ہمارے ائمہ کے نزدیک وجود باری تعالیٰ ہے۔ ہمارے مشائخ نے اسے ہی پسند کیا ہے

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ جب مخلوق کو فنا پر پیش کیا جائے تو بقا سے موصوف اللہ تعالیٰ کا وجود ہو

گا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث فَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهُ اللَّهِ (البقرہ: 115) میں گزر چکی ہے۔ ہم نے اسے کتاب الاسنی میں مفصل

ذکر کر دیا ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قوم کا نقطہ نظر ہے یہ ذات پر زائد صفت ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ

جسے اکرام سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس پر توجہ اسی صفت سے حاصل ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وَجْهُ سے مراد اس کا وجود

اور اس کی ذات ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هذا وجه الامر وجه الصواب وعین الصواب ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا ظہور

اس کے ادلہ کے ساتھ باقی رہے گا جس طرح انسان کا ظہور اس کے چہرے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ

جہت باقی رہے گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے گا۔ ذُو الْجَلَالِ جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس

کی کبریائی ہے اور صفات مدح کا مستحق ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: جل الشیء یعنی چیز عظیم ہو گئی اجدلتہ میں نے اس کی عظمت کو

بیان کیا۔ اجلال یہ جل کا اسم ہے۔ وَالْإِكْرَامِ وہ اس کا اہل ہے کہ اس کی ان چیزوں سے عظمت بیان کی جائے جو اس کے

مناسب نہ ہو جیسے شرک جس طرح تو کہتا ہے: انا اکر ملک عن هذا اس معنی میں اکرام الانبیاء والاولیاء کا لفظ ہے۔ ہم نے ان

دونوں اسماء کے بارے میں کتاب الاسنی میں مفصل بحث کی ہے۔

حضرت انس نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْظُّوْا بِيَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

کے ساتھ دعا کو لازم پکڑو (1)۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے معنی ہے دعا میں اسے لازم پکڑو۔

ابو عبید نے کہا: الظاظ کا معنی شے کو لازم پکڑنا ہے اور اس پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: الظاظ کا معنی

اصرار کرنا ہے۔ سعید بن مقبری سے مروی ہے: ایک آدمی نے اصرار کیا وہ کہنے لگا التھم یا ذا الجلال والاکرام التھم یا ذا

الجلال والاکرام نور سے ندا کی گئی میں نے سن لیا ہے تیری کیا حاجت ہے؟

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ فَيَايَ الْآءِ

رَبِّكُمَا تَكْلِفُنِ ۝



يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اِذَا سْأَلَ عَنْ رِزْقِهِ يَوْمَ السَّوْءِ ۚ يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ كُنُوزُهُمْ وَلَا امْلَاقُهُمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ

میں جو کوئی ہے وہ رزق کا سوال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابوصالح نے کہا: اہل آسمان مغفرت کا سوال کرتے ہیں وہ رزق کا سوال نہیں کرتے اور اہل زمین دونوں چیزوں کا سوال کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: ملائکہ اہل زمین کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں۔ دونوں سوال اہل زمین کے لیے ہیں وہ سوال آسمان والوں کی جانب سے ہو یا اہل زمین کی جانب سے ہو۔ حدیث میں ہے: ”فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کے چار چہرے ہیں ایک چہرہ انسان کے چہرہ کی طرح ہے وہ اللہ تعالیٰ سے انسانوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ شیر کے چہرے جیسا ہے وہ درندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ بیل کے چہرے جیسا ہے جو چوپاؤں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے ایک چہرہ گدھ کے چہرے جیسا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے پرندوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے۔“ ابن عطاء نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عبادت پر قوت کا سوال کیا۔ کُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ⑤ یہ نئی کلام ہے کُلُّ يَوْمٍ کوئی شیان یا سوال کی طرف کے طور پر منصوب ہے پھر نئی کلام کی هُوَ فِي شَأْنٍ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ”كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ سے مراد ہے اس کی یہ شان ہے کہ وہ گناہ بخش دیتا ہے، تکلیفوں کا دور کرتا ہے، ایک قوم کو عزت سے نوازتا ہے اور دوسروں کو پست کرتا ہے“ (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا یہ معنی نقل کیا ہے ”وہ گناہ بخش دیتا ہے، وہ مصیبت کو دور کرتا ہے اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے“ (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے، وہ رزق دیتا ہے اور رزق روک لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دنیا و آخرت میں اس کی شان کا ارادہ کیا۔ ابن بحر نے کہا: تمام زمانہ دو دن ہیں ان دونوں میں سے ایک دنیا کے ایام کی مدت ہے اور دوسرا یوم قیامت ہے (3)، دنیا کے دنوں میں اس کی شان (اس کا عمل) یہ ہے آزمانا، امر و نہی کے ساتھ امتحان لینا، زندہ کرنا، موت دینا، عطا کرنا اور روک لینا، قیامت کے دن اس کا یہ کام ہوگا جزا دینا، حساب کرنا، ثواب دینا اور عذاب دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا کے دنوں میں سے ہر دن میں اپنے عمل کے بارے میں خبر دینا۔ یہ تو ظاہر ہے۔ لغت میں شان سے مراد عظیم کام ہے۔ اس کی جمع شئون ہے یہاں شَأْن سے مراد جمع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمَّا يُخْضِرْ جُحُومًا طُفُلًا (غافر: 67) کبھی نے کہا: اس کا عمل یہ ہے مقادیر کو ان کے اوقات کی طرف لے جاتا ہے۔ عمرو بن

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 36، سورہ رحمن، کل یوم مریضی شان، حدیث 1102۔

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب فی ما انکرت الجہمیۃ، حدیث 197، ضاء القرآن پبلی کیشنز

2- تفسیر طبری، ج 27، صفحہ 157

3۔ تفسیر مائوروی، جلد 5، صفحہ 432

میسون نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** کے بارے میں فرمایا: اس کا عمل یہ ہے وہ زندہ کو موت دیتا ہے، رحموں میں جو چاہتا ہے اسے قرار دیتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے۔ ایک امیر نے وزیر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** کے بارے میں سوال کیا تو وہ اس کا معنی نہیں پہچانتا وزیر نے کل تک مہلت مانگی پریشان ہو کر گھر کی طرف چلا گیا۔ اس کے حبشی غلام نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ وزیر نے اسے بتایا۔ غلام نے اسے کہا: امیر کے پاس واپس جائے میں اس کے سامنے اس کی وضاحت کروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلا لیا عرض کی: اے امیر! اس کا عمل یہ ہے وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے اور صحت مند کو مریض کر دیتا ہے، آسودہ کو آزماتا ہے اور مصیبت زدہ کو عافیت عطا کرتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے، غنی کو فقیر کرتا ہے اور فقیر کو غنی کرتا ہے۔ امیر نے اس سے کہا: تو نے میری تکلیف کو رفع کیا اللہ تعالیٰ تیری تکلیف کو رفع فرمائے۔ پھر امیر نے وزیر کی خلعت اتارنے کا حکم دیا اور غلام کو پہنادی۔ اس نے عرض کی: اے میرے آقا! یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

حضرت عبداللہ بن طاہر سے مروی ہے اس نے حسین بن فضل کو بلایا اسے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے میں نے تجھے بلایا ہے تاکہ تو میرے لیے ان کی وضاحت کر دے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَأَصْبَحَ مِنَ التَّائِبِينَ** (المائدہ) یہ بات ثابت ہے کہ ندم تو بہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** (الرحمن: 29) یہ صحیح ہے کہ قلم اس بارے میں خشک ہو چکا ہے جو قیامت تک ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى** (النجم) یہ کئی گنا کا کیا منہبوم ہے؟ حسین بن فضل نے جواب دیا: یہ جائز ہے کہ اس امت میں شرمندگی تو بہ نہ ہو اور اس امت میں شرمندگی تو بہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسے خصائص کے ساتھ خاص کیا ہے جن میں دوسری امتیں شریک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قاتل کا شرمندہ ہونا ہانبل کے قتل پر نہ تھا بلکہ اس کے اٹھانے پر شرمندہ ہوا تھا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** کا تعلق ہے وہ ایسے امور ہیں جن کو وہ ظاہر فرماتا ہے وہ ایسے امور نہیں جن کا وہ آغاز کرتا ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے **وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى** اس کا معنی ہے عدل کے اعتبار سے تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرے اور میری یہ شان ہے کہ میں ایک کے بدلہ میں بطور فضل ہزار دوں۔ عبداللہ اٹھا اس کے سر کو چوما اور اس کے لیے خراج میں سے وظیفہ جائز قرار دیا۔

**سَفَرُكُمْ إِلَيْهِ الثَّقَلَيْنِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَمْشُرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ**  
**إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ**  
**إِلَّا بِسُلْطَنِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِلَ مِّنْ نَّارٍ ۖ وَ**  
**نُحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝**

”ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“



اے گروہ جن وانس! اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ (سنو) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

سَنَفَرُّ لَكُمْ آيَةَ الثَّقَلَيْنِ ⑤ یوں کہا جاتا ہے: فرغت من الشغل أفرغ فردغا وفرغا تفرغت لكذا واستفرغت مجھودی فی كذا میں نے اپنی کوششیں خرچ کیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا کام نہیں جس سے فارغ ہو۔ اس کا معنی ہے ہم تمہیں جزا دینے اور تمہارا حساب لینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ ان کے لیے دھمکی ہے جس طرح جب کوئی دھمکی کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے: اذا أفرغت لك یعنی میں تیرا قصد کرتا ہوں۔ فرغ قصد کے معنی میں ہے۔ ابن انباری نے اس کی مثل معاملہ میں پڑھا: **الآن وَقَدْ فَرَّغْتُ إِلَى نُمَيْرٍ (1)**

خبردار! اب میں نے نمیر کا قصد کیا۔

نحاس نے کہا: **فَرَّغْتُ إِلَى الْعَبْدِ الْمُتَّقِي فِي الْحِجْلِ**

میں نے بیٹری میں قید غلام کا قصد کیا۔

حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے جب لیلۃ العقبہ کو انصار سے بیعت لی شیطان نے چیخ ماری: یا اهل الحجاب! هذا مذمم يبایع بنی قیلہ علی حربکم اے منی میں مقیم لوگو! یہ مذمم (نعوذ باللہ) تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے بنی قیلہ سے بیعت لے رہا ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ عقبہ کا شیطان ہے خبردار! اللہ کی قسم! اے اللہ کے دشمن! لا تفرغن لك میں تیرے معاملہ کو باطل کرنے کا قصد کرتا ہوں“ (2)۔ یہ قتبی، کسائی اور دوسرے علماء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے پر وعدہ کیا اور فجور پر دھمکی دی، پھر فرمایا: سَنَفَرُّ لَكُمْ ہم نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اس کا قصد کریں گے اور جس سے ہم نے جو وعدہ کیا ہوگا ہر ایک تک وہ پہنچائیں گے یعنی میں اسے تقسیم کرتا ہوں اور اس سے فارغ ہوتا ہوں؛ یہ حسن بصری، مقاتل اور ابن زید کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابی نے سَنَفَرُّ لَكُمْ پڑھا ہے۔ اعش اور ابراہیم نے اسے سیفرغ لکم پڑھا ہے یا پر ضمہ اور راء پر فتح ہے یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن شہاب اور اعرج نے سَنَفَرُّ لکم پڑھا ہے یعنی نون اور راء مفتوح ہے۔ کسائی نے کہا: یہ تمیم کی لغت ہے وہ کہتے فرغ یفرغ اور فرغ یفرغ بھی حکایت کیا ہے دونوں کو تبیرہ نے حفص سے انہوں نے عاصم سے روایت کیا ہے۔ جعفی نے ابو عمرو سے سیفرغ یاء اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ہرمز سے بھی روایت کی گئی ہے۔ عیسیٰ ثقفی سے سَنَفَرُّ لکم یعنی نون کے کسرہ اور راء کے فتح کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سیفرغ لکم یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تہامہ کی لغت ہے۔ ثقلان سے مراد جن وانس ہے۔ ان دونوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ زمین میں جو بھی مخلوق

ہے ان کی نسبت ان دونوں کو عظمت شان حاصل ہے کیونکہ انہیں احکام کا مکلف بنایا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ زندہ اور مردہ حالت میں زمین پر بوجھ ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ أَخْرَجَتُ الْأَرْضَ أَثْقَالَهَا** (الزلزال) اس معنی میں ان کا قول ہے **أَعْطَاهُ ثِقَلَهُ ثَقُلَ** کا معنی وزن ہے۔ بعض اہل معانی نے کہا: ہر شی جس کی قدر اور وزن ہو جس میں مقابلہ کیا جاتا ہو تو وہ ثقل ہوتا ہے اس وجہ سے شتر مرغ کے انڈے کو ثقل کہتے ہیں کیونکہ اس کو پانے والا اور اس کو شکار کرنے والا جب اسے حاصل کر لیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق نے کہا: دونوں کو ثقلین کہا گیا کیونکہ دونوں گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں (1) فرمایا: سننے غ لکم، کم ضمیر کو جمع ذکر کیا پھر فرمایا: **آيَةُ الثَّقَلَيْنِ** کیونکہ دونوں فریق ہیں اور ہر فریق جمع ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لِيَعْلَمَ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ**، ان استطعتما نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں ایسے فریق ہیں جو جمع کی حالت میں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ** (النمل) اور ارشاد ہے: **هَٰذِهِنَّ خَصْمَتَانِ** **مَرَبُوهُم** (الحج: 19) اگر ارشاد ہوتا سننے غ لکم اور استطعتما تو یہ بھی جائز ہوتا۔ اہل شام نے پڑھا **آيَةُ الثَّقَلَانِ** ہاء کو ضمہ دیا باقی قراء نے اسے فتح دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ:** یہ سورت، احتفاف اور قل اوحی اس امر پر دلیل ہیں کہ جن مخاطب ہیں مکلف ہیں، مامور ہیں، منہی ہیں انہیں ثواب دیا جائے گا، انہیں سزا دی جائے گی، وہ انسانوں کے برابر ہیں، ان کا مومن انسانوں کے مومن کی طرح ہے، ان کا کافر انسانوں کے کافر کی طرح ہے، ہمارے اور ان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں۔

**لِيَعْلَمَ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ** ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں جویر نے ضحاک سے ذکر کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اس کے فرشتے اس کی اطراف میں چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان کا رب انہیں حکم دے گا تو وہ زمین کی طرف اتریں گے وہ زمین اور اہل زمین کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کے قریبی آسمان کو حکم دے گا وہ اتریں گے تو پہلی صف کے پیچھے صف میں کھڑے ہو جائیں گے پھر تیسرے آسمان پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کو حکم دے گا، پھر بلند ترین مرتبہ والا فرشتہ اترے گا جو بڑے جاہ و جلال میں ہوگا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی لوگ اس کی خوفناک آواز کو سنیں گے وہ زمین کی کسی طرف میں نہیں آئیں گے مگر وہاں فرشتوں کی صفیں پائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **لِيَعْلَمَ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ** کا یہی مطلب ہے۔ سلطان کا معنی عذر ہے۔ ضحاک نے بھی یہ کہا: اس اثناء میں کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے آسمان کھل جائے گا، فرشتے اتریں گے جن اور انسان بھاگیں گے فرشتے انہیں گھیر لیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ** سے یہی مراد ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اس دنیا میں ہوگا۔ ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے وہ آخرت میں ہوگا۔ ضحاک سے یہ



بھی مروی ہے: اگر تم طاقت رکھتے ہو تو موت سے بھاگو تو بھاگ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے جانو تو اسے جان لو (1)۔ تم ہرگز نہیں جان سکو گے مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بینہ کے ساتھ۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ لَا تَتَّقُذُنَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ کا معنی ہے مجھے تم پر جو غلبہ اور قدرت ہے اس وجہ سے تم نہ نکل سکو گے۔ قتادہ نے کہا: تم ملک کے بغیر نہیں نکل سکو گے جب کہ تمہارے لیے کوئی ملک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے لا تَتَّقُذُونَ إِلَّا إِلَى سُلْطٰنِ اس میں باء، الی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَدْ أَحْسَنَ بَيِّ (یوسف: 100) یہاں بی، الی کے معنی میں ہے: شاعر نے کہا:

أَيْسَىٰ بِنَاؤُ أَحْسَنِ لَا مَلُومَةَ اس میں بنا، ایسا کے معنی میں ہے۔ ہمارے ساتھ برا سلوک کر یا اچھا سلوک کر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَانْفِذُوا عَجْزَ بَيَانِ كَرْنِ کے لیے امر کا صیغہ ذکر کیا گیا (2)۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظُ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ اگر تم نکلتے تو تم پر آگ کا شعلہ بھیجا جاتا اور تمہیں ایسا عذاب اپنی گرفت میں لیتا جو باہر نکلنے سے مانع ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کلام کا تعلق باہر نکلنے سے نہیں بلکہ یہ خبر دی کہ وہ نافرمانوں کو آگ کے ساتھ عذاب دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے تم نے اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلایا تو وہ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دے گا یہ اس تکذیب کی سزا ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوقات کو فرشتوں کے ساتھ اور آگ کی زبان کے ساتھ گھیر لیا جائے گا پھر انہیں ندا کی جائے گی: لِيَعْتَرِ الْعَجِينَ وَالْإِنْسِ وَآگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظُ مِّنْ نَّارٍ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک شواظ سے مراد ایسا شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ نحاس سے مراد ایسا دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ اس معنی میں امیہ بن ابی صلت کا قول ہے وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہجو کرتا ہے تفسیر ثعلبی اور ماوردی بن ابی صلت میں ہے صحاح میں ہے اور ابن انباری کی الوقف والابتداء میں ہے امیہ بن خلف نے کہا:

وَيَنْفُخُ دَائِبًا لَّهَبَ الشَّوَاظِ

وہ ہمیشہ شعلوں کو پھونکے مارتا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت نے اسے جواب دیا۔ یہ۔

هَجَوْتُكَ فَاخْتَضَعْتَ لَهَا بِذَنْ بِقَافِيَةٍ تَأْجِجُ كَالشَّوَاظِ (3)

میں نے تیری ایسے اشعار سے ہجو کی جو شعلہ کی طرح بھڑک رہا ہے اور تو اس کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا گیا۔ مجاہد نے کہا: شواظ سے مراد ہبز شعلہ ہے جو آگ سے منقطع ہو جاتا ہے (4)۔ ضحاک نے کہا: ایسا دھواں جو شعلہ سے نکلتا ہے یہ مٹری کا دھواں نہیں (5)؛ یہ سعید بن جیر نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شَوْاظُ سے مراد آگ اور دھواں ہے؛ یہ ابو عمرو کا قول ہے۔ انفث نے اسے بعض عربوں سے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے شواظ پڑھا ہے (6) باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح صوار اور صوار گائیوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

وَنُحَاسٍ عَامِرَاتٍ وَّ نُحَاسٍ ہے اس کا عطف شَوَاطِظ پر ہے۔ ابن کثیر، ابن حصین، مجاہد اور ابو عمرو نے ونحاس جر کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف النار پر ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے شَوَاطِظ کا معنی ایسا شعلہ لیا ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا تو وہ بہت ہی بعید ہے یہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک موصوف کو حذف نہ کیا جائے، گویا کہا: یرسل علیکما شواظ من نار وشیء عنی نحاس پس شیء کا لفظ شواظ پر معطوف ہے یہ ایسا جملہ ہے جو شیء کی صفت ہے اور شیء کو حذف کر دیا گیا اور من کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر فی نار میں گزر چکا ہے جس طرح علی ان کے قول میں محذوف ہے من تنزل انزل علیہ اس تعبیر کی بنا پر نحاس من محذوف کی وجہ سے مجرور ہوگا۔ مجاہد، حمید، عکرمہ اور ابو عالیہ نے ونحاس پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح شواظ اور شواظ۔ نحاس کا معنی طبیعت اور اصل بھی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان کریم النحاس اسی طرح نحاس بھی ہے یعنی وہ اچھے حسب والا ہے۔

مسلم بن جندب نے ونحس پڑھا ہے (1)۔ حنظلہ بن مرہ بن نعمان انصاری نے ونحس، نار پر عطف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نحاس کسرہ کے ساتھ ہو یہ نحس کی جمع ہے جس طرح صعب و صعباب ہے ونحس رفع کے ساتھ شواظ پر معطوف ہے۔ حضرت حسن بصری سے ونحس ہے یہ نحس کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس کی اصل ونحوس ہو اس کی واؤ کو حذف کر کے قصر کا قاعدہ جاری کیا گیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ① (النحل) عبد الرحمن بن ابی بکرہ نے ونحس پڑھا ہے نون مفتوح ہے حاء مضموم ہے اور سین مشدد ہے یہ حس یحس حسا سے مشتق ہے جب وہ اسے جڑ سے اکھیڑ دے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ تَحْسُبُوْنَهُمْ بِاِذْنِهِ (آل عمران: 152) ہم عذاب کے ساتھ قتل کریں گے۔ پہلی قرأت کی بنا پر ونحاس وہ پگھلا ہوا تانبا ہے جو ان کے سروں پر بہایا جائے گا! یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ نحاس سے مراد ایسا دھواں ہے جس میں شعلہ نہیں ہوتا۔ خلیل کے قول کا یہی معنی ہے کلام عرب میں یہ اسی معنی کے ساتھ معروف ہے۔ نابغہ بن جعدہ نے کہا:

يُخَوِّ كَضَوْءَ سِرَاجِ السَّلِيْطِ يَجْعَلِ اللهُ فِيْهِ نُحَاسًا (2)

وہ تلوں کے تیل کے چراغ کی روشنی کی طرح روشنی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں دھواں نہیں بنایا۔

اصمی نے کہا: میں نے ایک بدو کو کہتے ہوئے سنا سلیط شام میں تلوں کے تیل کو کہتے ہیں اس میں دھواں نہیں ہوتا۔ مقاتل نے کہا: یہ پگھلے ہوئے تانبے کے پانچ دریا ہوں گے جو عرش کے نیچے سے جہنمیوں کے سروں پر بہہ رہے ہوں گے تین دریا رات کے برابر اور دو دریا دن کے برابر ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: نحاس سے مراد سفید تانبا ہے۔ ضحاک نے کہا: ابالے گئے تیل کی تلچٹ ہے۔

کسائی نے کہا: مراد ایسی آگ ہے جس پر سخت ہوا چل رہی ہوگی۔ فَلَا تَنْتَوْنَهَا ② یعنی وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں



کریں گے مراد جن و انس ہیں۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ ﴿٢٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٦﴾

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾

”پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ قیامت کے روز جب آسمان پھٹ جائے گا۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٢٥﴾ الدھان سے مراد تیل ہے، یہ مجاہد، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے معنی ہوگا وہ صاف تیل کی طرح ہو جائے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر دھان، دھن کی جمع ہوگا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ سرخ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گلاب کی طرح سرخ اور تیل کی طرح جاری ہوگا، یعنی پھٹنے کے ساتھ پگھل جائے گا یہاں تک کہ جہنم کی آگ کی گرمی سے سرخ ہو جائے گا اور اپنی نری اور پگھلنے کی وجہ سے تیل کی طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدھان سے مراد سرخ جلد ہے (1)؛ ابو عبیدہ اور فراء نے یہ ذکر کیا ہے یعنی آسمان آگ کی گرمی کی شدت کی وجہ سے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ سرخ گھوڑے کی طرح ہو جائے گا۔ کمیت گھوڑے کو ورد کہتے ہیں جب وہ مختلف رنگ اختیار کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرس درد موسم بہار میں کمیت اصفرا (زرد) ہوتا ہے (2) موسم سرما کے آغاز میں کمیت احمر (سرخ) ہوتا ہے جب موسم سرما سخت ہو جائے تو وہ کمیت اغبر (نیلا) ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: فرس وردیہ کا ارادہ کیا۔ یہ گھوڑا موسم بہار میں زردی مائل سرخ ہوتا ہے جب سردی سخت ہوتی ہے تو گلابی سرخ ہوتا ہے اور جب اس کے بعد کا موسم ہوتا ہے تو وہ نیلا گلابی ہوتا ہے۔ آسمان کے مختلف رنگوں کے اپنانے کو گلابی گھوڑے کو رنگ بدلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کَالدِّهَانِ کا معنی ہے وہ تیل انڈیلنے کی طرح ہوگا کیونکہ جب تو اسے انڈیلتا ہے تو تو اس میں مختلف رنگ دیکھتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ گزرے گا اور آئے گا۔ زجاج نے کہا: واء، راء اور دال یعنی ”ورد“ کا اصل معنی آنا ہے یہ اس کے قریب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ وردہ گھوڑے کے رنگ بدلتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: آج وہ سبز ہے عنقریب اس کا رنگ سرخ ہوگا؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ ماوردی نے کہا: متقدمین نے گمان کیا ہے آسمان کا اصل رنگ سرخ ہے زیادہ رکاوٹوں اور مسافت کی دوری کی وجہ سے اس کا رنگ نیلا دکھائی دیتا ہے (3)۔ لوگوں نے اسے بدن کی رنگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ خون کی سرخی کی طرح سرخ ہوتی ہیں رکاوٹ کی وجہ سے نیلی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو آسمان قیامت کے روز دیکھنے والوں کے قریب ہونے اور رکاوٹوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے سرخ دکھائی دے گا کیونکہ یہی اس کا

اصل رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ (القصص) قیامت کے کئی مقامات ہیں کیونکہ وہ دن لمبا ہوگا بعض مقامات پر اس سے سوال کیا جائے گا اور بعض مواقع پر سوال نہیں کیا جائے گا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب وہ جہنم میں قرار پذیر ہو جائیں گے تو ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ان سے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو ان پر محفوظ کر رکھا ہے اور فرشتوں نے انہیں لکھ رکھا ہے؛ عوفی نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت حسن بصری اور مجاہد سے بھی یہ نقل کیا ہے (1): معنی ہے فرشتے ان کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کیونکہ وہ انہیں ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں اس کی دلیل مابعد کلام ہے؛ یہ قول مجاہد کے ذریعہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ان سے اس آیت فَوَرَأَيْكَ لَئِن سَأَلْتَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (الحجر) اس آیت فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ کی تفسیر میں بھی مروی ہے وہ ان سے نہیں پوچھے گا تاکہ انہیں پہچانے کیونکہ وہ ان کے بارے میں ان کی نسبت زیادہ جانتا ہے بلکہ وہ ان سے سوال کرے گا: تم نے یہ عمل کیوں کیا؟ یہ سوال شرمندہ کرنے کے لیے ہوگا۔

ابو العالیہ نے کہا: غیر مجرم سے مجرم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: پہلے سوال ہوگا پھر لوگوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء ان کے اوپر گواہ کے طور پر کلام کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ہے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھے معزز نہیں بنایا، تجھے سردار نہیں بنایا، میں نے تیری شادی نہیں کی، میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور میں نے تجھے نہیں چھوڑا کہ تو سردار بنے اور اپنی قوم سے چوتھا حصہ وصول کرے۔ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو گمان رکھتا تھا کہ تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہے؟ وہ عرض کرے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو میں تجھ کو بھلاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔ پھر دوسرے سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مثل ارشاد فرمائے گا، پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا تو اسے اسی طرح ارشاد فرمائے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا، میں نے نمازیں پڑھیں، میں نے روزے رکھے، میں نے صدقہ کیا اور جس قدر وہ طاقت رکھے گا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا۔ وہ کہے گا: ہاں اذ ابھرا سے کہا جائے گا: اب ہم اپنا گواہ تجھ پر بھیجتے ہیں۔ وہ دل میں سوچے گا وہ کون ہے جو مجھ پر گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کہا جائے گا: تو بول۔ تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں بولیں گی۔ یہ اس لیے ہوگا کہ وہ جان لے کہ وہ خود گناہوں کی وجہ سے اس کا مستحق بنا ہے وہی منافق ہے یہ وہی شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے“ (2)۔ یہ حدیث حم السجدہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔



يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيْمِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالْأَوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۖ يَطْوِفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ بَيْنِ حَيْثُمْ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

”پہچان لیے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں سے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جواز احد گرم ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيْمِهِمْ حضرت حسن بصری نے کہا: چہرے کی سیاہی اور آنکھوں کی زردی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَ هُمْ زُرْقًا ۖ (طہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (آل عمران: 106)

فَيُؤْخَذُ بِالْأَوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۖ یعنی فرشتے ان کی پیشانیوں کو پکڑ لیں گے یعنی ان کے سروں کے اگلے حصہ کے بالوں اور ان کے قدموں سے پکڑ لیں گے اور انہیں جہنم میں پھینک دیں گے۔ نواصی، ناصیہ کی جمع ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کی پیشانی اور اس کے قدموں کو اس کی پشت کے پیچھے ایک زنجیر میں جمع کر دیا جائے گا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: آدمی کی دونوں ٹانگوں کو پکڑا جائے گا اور ان دونوں اور اس کی پیشانی کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی کمر ٹوٹ جائے گی، پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معاملہ اس کے ساتھ اس لیے کیا جائے گا تاکہ وہ اس کے عذاب کے لیے شدید ہو اور اس کے بھونکنے میں زیادہ کردار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے کبھی اس کی پیشانی پکڑیں گے اور اسے منہ کے بل گھسیٹیں گے اور کبھی ان کے قدم پکڑیں گے اور اسے سر کے بل گھسیٹیں گے۔

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۖ انہیں کہا جائے گا: یہ وہ آگ ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی اور تم نے اس کو جھٹلایا۔ يَطْوِفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ بَيْنِ حَيْثُمْ ۖ انہیں کہا جائے گا: یہ وہ آگ ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی اور تم نے اس کو جھٹلایا۔

حجیم کا معنی آگ ہے اور حَيْثُمْ کا معنی شراب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: آن میں تین توجیہیں ہیں (۱) جس کی گرمائش انتہا کو پہنچی ہوئی ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: ان سے مراد ہے اسے پکایا گیا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: جب وہ آگ سے پناہ طلب کریں گے تو ان کی مدد اس سے کی جائے گی۔ کعب نے کہا: ان جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ جمع ہو جائے گی وہ اپنے طوقوں کے ساتھ اس میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ ان کے جوڑا لگ لگ ہو جائیں گے پھر وہ اس سے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جدید صورت بنائی ہوگی تو انہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَطْوِفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ بَيْنِ حَيْثُمْ ۖ ان کا یہی معنی ہے۔ کعب سے یہ بھی مروی ہے: وہ حاضر ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کے پینے کا وقت آ گیا ہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے (2)۔ قیادت کی ہولناکی اور مجرمین کے عتاب کے ذکر میں جو نعمت ہے وہ یہ ہے کہ اس میں معاصی سے جھڑک

اور طاعات میں ترغیب ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ رات کے وقت آپ ایک نوجوان کے پاس آئے جو پڑھ رہا تھا فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ نو جوان اسی پر رک گیا اور آنسوؤں نے اس کا گلا گھونٹ دیا وہ کہنے لگا: میرا اس دن پر افسوس ہے جس میں آسمان پھٹ جائے گا میرا افسوس! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دِيْحَلٌ يَافَتِي مِثْلَهَا (1) اے نوجوان! تجھ پر اس کی مثل افسوس۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! آسمان کے فرشتے بھی تیرے رونے سے رو پڑے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

”اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** جب جہنمیوں کے احوال کا ذکر کیا تو نیکو کاروں کے لیے جو تیار کیا اس کا بھی ذکر کیا معنی ہے وہ اپنے رب کے حضور حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرتا تو اس نے معصیت کو ترک کیا۔ مقام مصدر ہے قیام کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے رب کے اپنے اوپر کھڑا ہونے سے ڈرا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جھانک رہا ہے اور اس پر مطلع ہے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَفَمَنْ هُوَ قَاتِلٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کی پکڑ کے خوف سے معصیت کو ترک کر دیتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں جنتی نہیں تو تجھے طلاق۔ کہ وہ حانث نہیں ہوگا اگر اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہوئے اور اس کا حیا کرتے ہوئے اس کو ترک کر دے؛ یہی قول سفیان ثوری کا ہے اور اس پر فتویٰ دیا۔

محمد بن علی ترمذی نے کہا: ایک جنت اپنے رب سے خوف کی وجہ سے ہے اور ایک جنت اپنی شہوت کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے رب سے ڈرا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام سے مراد موضع ہے یعنی وہ اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونے کی جگہ سے ڈرے جس طرح بات پہلے گزر چکی ہے (2)۔ یہ بھی جائز ہے کہ مقام بندے کے لیے ہو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر دیا جائے یہ اس طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں اَجَلٌ كَالْفُظِّ ۖ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ (نوح: 4)

جَنَّاتٌ یعنی جو ڈرا اس کے لیے علیحدہ دو جنتیں ہیں پس ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتیں تمام ڈرنے والوں کے لیے ہیں۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے



روایت نقل کی ہے فرمایا: ”جنتان سے مراد جنت کے عوض میں دو باغ ہیں ہر باغ سو سال کی مسافت جتنا ہے ہر باغ کے وسط میں نور کا ایک گھر ہے اس گھر میں سے ہر ایک چیز تروتازگی کے عالم میں جھوم رہی ہے اس کا قرار ثابت ہے اور اس کے درخت ثابت ہیں۔“ اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے اور ثعلبی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں سے مراد ہے ایک جنت تو وہ ہے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور ایک جنت وہ ہے جس کا وہ وارث بنا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک جنت اس کی منزل ہوگی اور دوسری اس کی بیویوں کی منزل ہوگی جس طرح دنیا کے رؤسا کا معمول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کا مسکن اور دوسرا اس کا باغ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کے نچلے محل اور دوسری اس کے بالائی محلات ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ دونوں جنت عدن اور جنت نعیم ہوگی۔ فراء نے کہا: یہ ایک جنت ہے آیات کے سروں کی وجہ سے اسے تشبیہ ذکر کیا۔

قتبی نے اس کا انکار کیا اور کہا: یہ کہنا جائز نہیں کہ آیات کے سروں کی رعایت سے جہنم کے داروغے میں ہیں فرمایا: وہ انیس ہیں۔ نیز یہ فرمایا: ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ⑤ ابو جعفر نحاس نے کہا: فراء نے کہا بعض اوقات جنت ایک ہوتی ہے اور شعر میں اسے تشبیہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں بڑا غلط ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جنتان اور اس ارشاد کے ساتھ اس کی صفت بیان کرتا ہے فیہا یہ قول کرنے والا ظاہر کو چھوڑتا ہے اور کہتا ہے: یہ جائز ہے ایک جنت ہو اور شعر سے استدلال کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنتیں دو ہیں تاکہ ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ اس کے سردار میں اضافہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت خصوصی طور پر حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب ایک روز جنت کا ذکر کیا حین ازلت اور آگ کا ذکر کیا حین برزت، یہ عطا اور ابن شوذب کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: ایک روز آپ نے پیاس کی حالت میں دودھ پیا تو وہ اچھا لگا آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ حلال نہ تھا تو آپ نے تے کر دی جب کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو دیکھ رہے تھے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے“ اور اس آیت کو آپ پر تلاوت کیا۔

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ⑤ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑥ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَنِ ⑦ فَبِأَيِّ آلَاءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑧

”دونوں باغ (پھل دار) ٹہنیوں والے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں

باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ⑤ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: وہ پھل کی مختلف اقسام والے ہوں گے۔ أَفْنَانِ کا واحد

فن ہے۔ مجاہد نے کہا: أَفْنَانِ سے مراد ٹہنیاں ہیں اس کا واحد فنن ہے! نابغہ نے کہا:

بَكَاءٍ حَمَامَةٍ تَدْعُو فَدِيلًا مُفَجَّعَةً عَنِ فَنَنِ تَغْنِي

اس کبوتر کا رونا جو بچے کو بلارہی ہے جو دکھی ہے شاخوں پر نغسے گا رہی ہے۔

محل استدلال لفظ فنن ہے۔ ایک اور شاعر دو پرندوں کی صفت بیان کرتا ہے:

بَاتَا عَنِ غُصْنٍ بَانَ فِي ذُرَى فَنَنِ

دونوں پرندوں نے بان درخت کی ٹہنیوں کی چوٹیوں پر رات گزاری۔

اور ایک شاعر نے کہا:

تَدْعُو عَنِ فَنَنِ الْغُصُونِ حَمَامًا

کبوتری ٹہنیوں پر بیٹھ کر کبوتر کو بلارہی ہے۔

فنن کی جمع افنان اور اس کی جمع افانین ہے۔ ایک آدمی چکی کی صفت بیان کرتا ہے:

لَهَا زِمَامٌ مِّنْ أَفَانِينَ الشَّجَرِ اس کی ایسی لگام ہے جو درخت کی شاخوں سے ہے۔

شجرۃ فناء ایسا درخت جو شاخوں والا ہے فنواء بھی خلاف قیاس ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ مُرَدُّ

مُكْثَلُونَ أُولُو أَفَانِينَ (1) جنتی بے ریش، آنکھوں میں سرمہ لگائے اور ان کے سروں پر بالوں کا گچھا ہوگا۔ حدیث میں مراد

أُولُو فَنَنِ ہے۔ یہ أَفْنَان کی جمع ہے أَفْنَان، فنن کی جمع ہے اس سے مراد بالوں کا گچھا ہے اسے ٹہنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛

اسے مروی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذَوَاتَا أَفْنَانٍ دہ دوسروں کی نسبت زیادہ فضیلت والے ہوں گے؛ یہ قتادہ

کا قول ہے۔ مجاہد اور عکرمہ سے یہ اسی طرح مروی ہے کہ افنان سے مراد دیواروں پر شاخوں کا سایہ ہے۔

فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ⑤ یعنی ان دونوں باغوں میں جاری چشمے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ

کی جانب سے جنتیوں پر زیادتی اور کرامت کے ساتھ پانی جاری کیے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری

سے یہ قول مروی ہے: وہ مینھا پانی جاری کیے ہوں گے دونوں چشموں میں سے ایک تسنیم اور دوسرا سلسبیل ہوگا۔ ان سے یہ بھی

مروی ہے: دو چشمے ہوں گے جس طرح دنیا میں ہوتے ہیں ان کا پانی کئی گناہ زیادہ ہوگا، ان کے شکر یزے سرخ یا قوت اور

سبز زبرجد کے ہوں گے، ان کی مٹی کا نور کی ہوگی، ان کا کچھ خوشبودار کستوری کا ہوگا، اس کے کنارے زعفران کے ہوں گے۔

عطیہ نے کہا: ان میں سے ایک ایسے پانی کا ہوگا جو بدبودار نہیں ہوگا اور دوسرا شراب کا ہوگا جو پینے والوں کے لیے لذت کا

باعث ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دونوں چشمے کستوری کے پہاڑ سے نکلیں گے۔ ابو بکر وراق نے کہا: دونوں جنتوں میں دو

چشمے ہوں گے جو دونوں ان کے لیے جاری ہوں گے جن کی دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے جاری رہتی تھیں۔

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ⑥ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ⑦ مُتَكَبِّرِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ

بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ⑧ وَجَنَّا الْجَنَّتَيْنِ دَانِ ⑨ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ⑩



”ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میوں کی دو دو قسمیں ہوں گے۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استرقاویز کے ہوں گے اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٧﴾ زَوْجَانِ کا معنی ہے دو قسم کے۔ دونوں بیٹھے ہوں گے جن سے لذت حاصل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دنیا میں کوئی میٹھایا کڑوا درخت نہیں ہوگا مگر وہ جنت میں میٹھا ہوگا یہاں تک کہ تنبہ بھی میٹھا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو قسم کے پھل تر اور خشک ہوں گے فضیلت اور خوشبو میں یہ دوسرے سے کم درجہ کا نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ یہ دو جنتیں ان دو جنتوں سے فضیلت والی ہیں جو ان سے مرتبہ میں کم ہیں کیونکہ یہاں عَيْنَيْنِ تَجْرِيْنِ کا ذکر کیا جو جاری ہیں وہاں عَيْنَيْنِ نَضَّاخَتَيْنِ کا ذکر کیا جو پانی بہا رہے ہوں گے۔ نضح کی صورت میں جری کی نسبت پانی کم نکلتا ہے گویا فرمایا: ان دونوں جنتوں میں ہر پھل کی ایک قسم ہے اور اس جنت میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔ مُتَّكِئَيْنَ عَلَى فُرُشٍ، مُتَّكِئَيْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ فُرُشِ یہ فراش کی جمع ہے۔ ابو حیوہ نے فراش راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بَطَانُهَا یہ بٹانہ کی جمع ہے اس کا معنی نچھلے والا حصہ ہے۔ استبرق سے مراد موٹا اور کھردرا ریشم ہے۔ جب اس کا نیچے والا حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہوتا ہے وہ اس طرح ہے تو اس کے اوپر والے حصہ کا کیا عالم ہوگا: یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ سعید بن جبیر سے پوچھا گیا: جب اس کے نیچے والا حصہ موٹے ریشم کا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: یہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ (السجدة: 17)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہارے لیے اس کے نچھلے حصہ کو بیان کیا تا کہ تمہارے دل اس کی طرف مائل ہوں جہاں تک اس کے ظواہر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ حدیث طیبہ میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”ان کا ظاہر ایسا نور ہوگا جو چمک رہا ہوگا“ (1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اس کا نیچے والا حصہ استبرق کا ہوگا اور اس کا ظاہر جامد نور کا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: بَطَانُ ہی اس کا ظاہر ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: عرب ظہر کو بطن کہتے ہیں وہ کہتے ہیں ہذا ظہر السماء، ہذا بطن السماء جسے ہم دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا مگر دو متساوی چہروں میں جائز ہے جب ان میں سے ہر ایک قوم کی طرف پشت کرے جس طرح ایک دیوار تیرے اور ایک قوم کے درمیان حائل ہو اسی طرح آسمان کا معاملہ ہے۔ وَجَنَّ الْجَنَّتَيْنِ دَانِ ﴿٥٨﴾ جنی اسے کہتے ہیں جو درخت سے کاٹا جاتا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: شجر جنی یہ فعل کا وزن ہے جب اسے کاٹا جائے۔ شاعر نے کہا:

هَذَا جَنَائِي وَخِيَارُهُ فِيهِ (2)

یہ میرا چٹا ہوا پھل ہے اور اس کا بہترین اس میں ہے۔

اسے جنتی بھی پڑھا گیا ہے۔ دَانِ اس کا معنی قریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: درخت قریب ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اسے چن لے گا چاہے کھڑا ہوا ہو، چاہے بیٹھا ہوا ہو، چاہے لیٹا ہوا ہو کوئی دوری اور کوئی کاٹنا اس کے ہاتھ کو واپس نہیں کرے گا۔

فِيهِنَّ قُصُورُ الظُّرَفِ ۚ لَمْ يَطْمِثْنِ ۙ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۙ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ۝

”ان میں نیچی نگاہوں والی حوریں ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فِيهِنَّ قُصُورُ الظُّرَفِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هن ضمیر سے مراد دو مذکور باغات ہیں۔ زجاج نے کہا: فِيهِنَّ فرمایا فیہما نہیں کہا کیونکہ دونوں جنتیں اور جو نعمتیں ان کے لیے تیار کی گئی ہیں وہ مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هن ضمیر فرش کی طرف لوٹ رہی ہے جن کے بطائن استبرق کے ہیں، یعنی ان فرش میں قُصُورُ الظُّرَفِ ہوں گی یعنی ایسی عورتیں ہوں گی جو نظریں جھکائے ہوئے ہوں گی جنہوں نے اپنی نظروں کو اپنے خاوندوں تک محدود رکھا ہوگا وہ کسی اور کو نہ دیکھیں گی۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ طرف کو واحد ذکر کیا جب کہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ مصدر کے معنی میں ہے۔ یہ طرفت عینہ تطرف طرفا سے مشتق ہے پھر آنکھ کو یہ نام دیا تو واحد و جمع کو اس سے ادا کیا گیا جس طرح ان کا قول ہے: قوم عدل و صوم۔

**مسئلہ نمبر 2۔** لَمْ يَطْمِثْنِ ان خاوندوں سے پہلے کسی نے ان کے ساتھ جماع نہیں کیا۔ فراء نے کہا: طمٹ سے مراد احتضاض ہے احتضاض سے مراد خون بہاتے ہوئے وطی کرنا ہے۔ طمٹھا بطمٹھا وطمٹھا طمٹھا کا معنی ہے جب وہ پہلی دفعہ وطی کرے اور اس کا پردہ بکارت زائل کرے: اس معنی میں یہ قول کیا گیا ہے: امرأة طامٹ حائضہ عورت۔ فراء کے علاوہ دوسرے علماء نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ کہتا ہے: طمٹھا اس کا معنی ہے جس صورت میں بھی اس نے وطی کی مگر فراء کا قول زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ کسائی نے کہا: لَمْ يَطْمِثْنِ مِم کے ضمہ کے ساتھ ہے (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: طمٹ المرأة طمٹ جب حائضہ ہوئی طمٹ اس میں ایک لغت ہے اس سے اسم فاعل طامٹ آتا ہے: فرزدق نے کہا:

وَقَعْنَ اِنْ لَمْ يَطْمِثْنِ قَبْلِي وَهْنٌ اَصْحَمٌ مِنْ بَيْضِ الشَّعَامِ (2)

وہ میرے ہاں واقع ہوئیں مجھ سے قبل ان سے کسی نے جماع نہ کیا تھا وہ شتر مرغ کے انڈے سے زیادہ صحت مند تھیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَمْ يَطْمِثْنِ انہیں کسی نے نہیں چھوا تھا (3)۔ ابو عمرو نے کہا: الطمٹ سے مراد چھونا ہے۔ یہ ہر



اس چیز میں بولا جاتا ہے جس کو چھوا جاتا ہے۔ چراگاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: ما طبت ذلك الموضع قبلنا أحد ہم سے قبل اس چراگاہ کو کسی نے نہیں چھوا۔ وما طبت هذه الناقة قبل اس اونٹنی کو کسی ڈھنگے نے مس نہیں کیا۔ مبرونے کہا: ان سے قبل کسی انسان اور جن نے انہیں مسخ نہیں کیا (1)۔ طبت کا معنی مسخ کرنا اور کام لینا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جان ہمزہ کے ساتھ ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جن انسان کی طرح جماع کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوگا جنت میں ان کے لیے جن عورتیں ہوں گی (2)۔ ضمیرہ نے کہا: ان میں سے دو مومنوں کے لیے حور عین میں سے بیویاں ہوں گی انسان عورتیں انسانوں کے لیے اور جن عورتیں جنوں کے لیے ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جنت میں مومن جنوں کو جنیات میں سے جو حور عین عطا فرمائے گا انہیں کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا اور جنت میں انسانوں میں سے مومنوں کو انبیات میں سے جو حور عین عطا فرمائے گا اسے کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے عورتوں سے جماع نہیں کرتا؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سورہ نمل میں یہ قول گزر چکا ہے اور سُبْحَنَ (الاسراء) میں یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ جائز ہے کہ وہ انسانوں میں سے عورتوں سے شادی کریں۔ مجاہد نے کہا: جب کوئی جماع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے ذکر کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ کا یہی معنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حور عین کی صفت بیان کی ہے کہ ان سے پہلے ان سے کسی انسان اور کسی جن نے جماع نہیں کیا یہ تجھے آگاہ کرتا ہے کہ انسانوں میں سے عورتوں سے جن جماع کرتے ہیں اور حور عین اس عیب سے بری ہوتی ہیں اور پاک ہوتی ہیں۔ طبت کا معنی جماع ہے۔ ترمذی حکیم نے اسے مکمل ذکر کیا ہے؛ اسے مہدوی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

كَأَكْهْنُ الْيَاقُوتِ وَالْمَرْجَانِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٥٨﴾ هَلْ جَزَاءُ

الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٥٩﴾

”یہ تو گویا یاقوت و مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ پس (اے جن والو!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

كَأَكْهْنُ الْيَاقُوتِ وَالْمَرْجَانِ ﴿٥٨﴾ امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: ”اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں سے دکھائی دے گی یہاں تک کہ اس کا گودا بھی دکھائی دے گا“ (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كَأَكْهْنُ الْيَاقُوتِ وَالْمَرْجَانِ جہاں تک

یا قوت کا تعلق ہے وہ پتھر ہے اگر تو اس میں دھاگہ ڈالے پھر اسے صاف کرے تو وہ تو تجھے اس لڑی کو دکھا دے گا۔ اسے موقوف روایت کیا گیا ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: حور عین میں سے ایک عورت ستر طے پہنے گی اس کی پنڈلی کا مغزان کے باہر سے دکھائی دے گا جس طرح سفید جام میں سرخ شراب دکھائی دیتی ہے۔ حضرت حسن بھری نے کہا: وہ یا قوت جیسی شفاف اور مرجان جیسی سفید ہوں گی (1)۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ① هَلْ كَلَامٍ فِي چار صورتوں میں آتا ہے کبھی قد کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ أَلِيَّ عَلَى الْإِنْسَانِ جُنَّةٌ مِّنَ النَّهْرِ (الدھر: 1) استفہام کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ هَلْ جَزَاءُكُمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا (الاعراف: 44) امر کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ هَلْ أَنتُمْ مُنْكَرُونَ ② (المائدہ) نفی و انکار کے معنی میں آتا ہے قُلْ هَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ (النحل: 35) هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ③ عکرمہ نے کہا: جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا جنت کے علاوہ اس کی کوئی جزا نہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو پیغام حق لائے اس پر عمل کیا تو اس کی جزا جنت ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے دنیا میں احسان کیا آخرت میں اس کی جزا یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے! یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ حضرت انس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پڑھا هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ④ پھر فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر توحید کے ساتھ انعام کیا گیا اس کا بدلہ صرف جنت ہے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر میں نے اپنی معرفت اور اپنی توحید کا انعام کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں اسے اپنی جنت اور اپنی رحمت کے ساتھ اپنی خاص بارگاہ میں رہائش دوں“۔ صادق نے کہا: جس پر میں نے ازل میں احسان کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں ابد میں اس پر احسان کو یاد رکھوں۔ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت حسن بھری نے کہا: یہ فاجر پر دنیا میں جاری کی گئی ہے اور نیک کے لیے آخرت میں جاری کی گئی ہے۔

وَمِنْ دُونِهَا جَنَّاتٌ ⑤ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ⑥ مُدْهَأَ مَثْنٍ ⑦ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ⑧

”ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

وَمِنْ دُونِهَا جَنَّاتٌ ⑤ یعنی اس کے لیے ان پہلی دو جنتوں کے علاوہ دو اور جنتیں بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں سے درجہ میں کم ہوں گی۔ ابن زید نے کہا: فضیلت میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمام جنتیں اس کے لیے ہیں جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ پہلی دو جنتوں میں کھجور کے اور دوسرے درخت ہوں گے



اور دوسری دو میں کھیتیاں اور نباتات ہوں گی اور جو اسے خوش کریں گی۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال موجود ہے (1) کہ وَصْنٌ دُونِہمَا جَنَّتٌ ⑩ سے مراد ایسی جنتیں ہیں جو ان کے پیروکاروں کے لیے ہوں کیونکہ پیروکاروں کا مرتبہ اس سے کم ہوتا ہے ان میں سے ایک جنت (باغ) حور عین کے لیے اور دوسرا باغ ایسے بچوں کے لیے ہوگا جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے تاکہ مذکور مومنوں سے الگ رہیں۔ ابن جریج نے کہا: وہ باغ کل چار ہوں گے دو باغ سابقین مقربین کے لیے ہوں گے جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِیْہِمَا مِنْ کُلِّ فَاکَہَۃٍ زَوْجٌ ⑪، عِیْنٌ تَّجْرِیْنِ ⑫ اور دو باغ اصحاب یمین کے لیے ہیں جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِیْہِمَا فَاکَہَۃٌ وَنَخْلٌ ⑬ وَرُمَّانٌ ⑭، فِیْہِمَا عِیْنٌ نَّصَاخَتِیْنِ ⑮ ابن زید نے کہا: پہلے دونوں باغ سونے کے ہوں گے جو مقربین کے لیے ہوں گے اور دوسرے دو چاندی کے ہوں گے جو اصحاب یمین کے لیے ہوں گے (2)۔

میں کہتا ہوں: حلیسی ابو عبد اللہ حسن بن حسین اپنی کتاب منہاج الدین میں اسی طرف گئے ہیں اس نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ دونوں باغ مقربین کے لیے ہیں اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے دونوں باغوں کی صفت بیان کی تو دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْہِمَا عِیْنٌ تَّجْرِیْنِ ⑫ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْہِمَا عِیْنٌ نَّصَاخَتِیْنِ ⑮ یعنی دونوں فوارہ کی صورت میں جاری ہیں لیکن وہ جاری کی طرح نہیں کیونکہ نفع، جری سے کم ہے۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْہِمَا مِنْ کُلِّ فَاکَہَۃٍ زَوْجٌ ⑪ اس کو عام ذکر کیا خاص ذکر نہیں کیا دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْہِمَا فَاکَہَۃٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ⑬ اس میں من کل فاکہۃ نہیں کہا ہے دو باغوں کے بارے میں کہا: مُتَّکِبِیْنِ عَلٰی فُرُشٍ بَکَّاءٍ ۙ اِسْتَبْرَقِیْ، اِسْتَبْرَقِیْ سے مراد ریشم ہے۔ دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُتَّکِبِیْنِ عَلٰی رَافَرِفٍ حُضْبٍ وَعَبْقَرِیٍّ حَسَانٍ ⑮ عَبْقَرِیٍّ سے مراد جس میں نقش و نگار ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ دیباچہ وشی سے اعلیٰ، رفرف، خیمہ کا ایک حصہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرش جو ٹیک لگانے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں وہ خیمہ کے زائد حصہ سے افضل ہوتے ہیں۔ پہلے دو باغوں میں حوروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: کَاٰتُھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ⑯ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْہِمَا حَبْرٌ حَسَانٌ ⑰ یہ حسن یا قوت و مرجان کے حسن جیسا نہیں ہوتا۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: ذَوَاتَا اَفْنَانٍ ⑱ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُدْہَا قَشْنِ ⑲ یعنی دونوں سبز ہیں گویا وہ دونوں زیادہ سبز ہونے میں سیاہ ہیں۔ پہلے دونوں باغوں کے بارے میں فرمایا: ان میں ٹہنیاں زیادہ ہوں گی اور دوسرے دو کے بارے میں صرف یہ فرمایا: وہ سبز ہیں۔ اس تمام بحث میں وہ معنی متحقق ہو جاتا ہے جس کا ہم نے قصد کیا ہے کہ یہ دو باغ ان دو باغوں سے درجہ میں کم ہوں گے۔ ممکن ہے جس تفاوت کا ذکر نہیں کیا گیا وہ اس سے بڑھ کر ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان دو باغ والوں کا اس طرح ذکر نہیں کیا گیا جس طرح پہلے دو باغوں والوں کا ذکر کیا گیا؟ تو اسے کہا جائے گا: چاروں باغ اس آدمی کے لیے ہیں جو اپنے رب سے

ڈرتا ہے مگر جو ڈرنے والے ہیں ان کے کئی مراتب ہیں پہلے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور دوسرے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے میں ان میں سے کم مرتبہ ہیں۔

ضحاک کا مذہب یہ ہے کہ پہلے دو باغ سونے اور چاندی سے بنے ہیں اور دوسرے دو یا قوت اور زمرہ کے ہیں وہ دونوں پہلوں سے افضل ہیں۔ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ⑩ یعنی ان دونوں کے سامنے؛ اس قول کی طرف ابو عبد اللہ ترمذی حکیم نوادر الاصول میں گئے ہیں۔ کہا: وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ⑩ کا معنی ہے عرش سے قریب۔ اور ان دونوں باغوں کو پہلے دو باغوں پر فضیلت دی ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ مقاتل نے کہا: پہلے دو باغ جنت عدن اور جنت نعیم ہے اور دوسرے دو باغوں سے مراد جنت فردوس اور جنت ماویٰ ہے۔

مُذَاهَا مَثْنِ ⑪ دونوں سیراب ہونے کی وجہ سے سرسبز ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں سیاہ ہیں (1)۔ لغت میں دہم سے مراد سیاہ ہے (2)، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فرس ادم، بعید ادم، ناقۃ دہماء یعنی اس میں آسمانی رنگ گہرا ہو گیا یہاں تک کہ اس میں سے وہ سفیدی بالکل ختم ہو گئی جو اس میں موجود تھی جب وہ اس سے بھی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سیاہی سخت ہو گئی تو وہ جون ہو گئی۔ ادم الفرس ادماماً گھوڑا سیاہ ہو گیا۔ ادمام الشئ ادماماً وہ سیاہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مُذَاهَا مَثْنِ ⑪ وہ سبز رنگ میں شدت کی وجہ سے سیاہ ہو گئے۔ عرب ہر سبز چیز کو اسود کہتے ہیں۔

عراق کے دیہاتی علاقوں کو سواد کہتے ہیں کیونکہ وہ بڑے سرسبز و شاداب ہوتے ہیں تاریک رات کو اخضر کہتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اباد اللہ خضراء ہم اللہ تعالیٰ ان کی جمعیت کو ہلاک کر دے۔

فِيهِمَا عَيْنَيْنِ تَظَاهِلَنِ ⑫ فَبِأَمْرِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ⑬ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَ

رُمَّانٌ ⑭ فَبِأَمْرِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ⑮

”ان میں دو چشمے جوش سے امل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

فِيهِمَا عَيْنَيْنِ تَظَاهِلَنِ ⑫ پانی سے جوش مار رہے ہوں گے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاء کے ساتھ جوش ہے اس میں خاء کے ساتھ جوش ہے سے جوش زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے وہ خیر و برکت سے جوش مار رہے ہوں گے یہی قول حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے: وہ چشمے اولیاء پر ان کے جنت کے گھروں میں کستوری، عنبر اور کافور کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے جس طرح بارش کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: وہ مختلف قسم کے پھل اور پانی کا چھڑکاؤ کریں گے۔ ترمذی نے کہا: علماء نے کہا



مختلف قسم کے پھل، مختلف قسم کی نعمتوں، مزین عورتوں، زین ڈالے گئے گھوڑوں اور رنگ دار کپڑوں کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے۔ ترمذی نے کہا: یہ کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نفع میں جری کی نسبت پانی کا بہاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے چشمے پھوٹیں گے پھر رواں دواں ہو جائیں گے۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝۱۹

اس میں دو مکمل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ایک عالم نے کہا: نخل (کھجور) اور رمان (انار) فاکہہ میں سے نہیں کیونکہ کسی چیز کا عطف اس کی اپنی ذات پر نہیں ہوتا۔ چیز کا عطف اس کے غیر پر ہوتا ہے۔ یہ کلام کا ظاہر معنی ہے جمہور نے کہا: یہ دونوں فاکہہ کی قسم میں سے ہیں نخل اور رمان کا دوبارہ ذکر ان دونوں کی فضیلت کے لیے کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَ الصَّلٰوۃُ الْوُسْطٰی (البقرہ: 238) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكَیْلَ (البقرہ: 98) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کو مکرر اس لیے ذکر کیا کیونکہ کھجور اور انار اس وقت میں ان کے نزدیک اس حیثیت میں تھے جس طرح اس دور میں ہمارے نزدیک گندم ہے کیونکہ کھجور ان کی عام خوراک تھی اور انار پھل کی حیثیت رکھتا تھا ان دونوں کی ضرورت کی بنا پر ان کو کثرت سے لگایا جاتا تھا ان کے نزدیک فواکہ مختلف پھلوں کو کہتے جن کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے۔ پہلے فَاكِهَةٌ کا ذکر کیا پھر نخل اور رمان کا ذکر کیا کیونکہ مدینہ طیبہ سے لے کر مکہ مکرمہ کے قریبی ممالک یعنی یمن کے علاقہ میں یہ کثرت سے ہوتے ان دونوں کو فواکہ سے نکال دیا اور فواکہ کا علیحدہ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کو الگ ذکر کیا کیونکہ کھجور کا پھل فَاكِهَةٌ اور کھانا ہے اور رمان فاکہہ اور دوا ہے تفکھ کے لیے انہیں خالص نہیں کیا گیا: یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فاکہہ نہیں کھائے گا اس نے انار یا تر کھجور کھائی وہ حانث نہیں ہوگا۔ صاحبین اور لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں انار پالان ڈالے گئے اونٹ کی طرح ہو گا۔ ابن مبارک نے کہا: سفیان، حماد سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجوروں کے تنے سبز زمرّد کے، شانخوں کے کاٹ دینے کے بعد ان کے تنے سرخ سونے کے، اس کی شاخیں جنتیوں کی چادریں ہوں گی انہیں سے ان کے چھوٹے کپڑے اور حلے ہوں گے ان کے پھل مشکوں اور ڈولوں جیسے ہوں گے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے، مکھن سے زیادہ نرم ان میں کوئی گٹھلی نہ ہوگی۔ مسعودی نے عمرو بن مرہ سے وہ ابو عبیدہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجور جڑ سے لے کر شاخ تک پھل سے بھری ہوگی، اس کے پھل مشکوں کی مثل ہوں گے جب کبھی اس کا پھل توڑا جائے گا اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا: اس کا پانی کھائی کے بغیر جاری ہوگا گچھا بارہ ہاتھ ہوگا۔

فِيْهِنَّ خٰیٰطٌ حٰسَنٌ ۝۲۰ فَمَا تَرٰی اِلَّا رَمٰمًا تَنۡكِبُ ۝۲۱

”ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس (اے جن والے!) تم اپنے رب کی کن کن

نعمتوں کو جٹلاؤ گے۔“

فِيهِمْ خَيْرٌ حَسَنٌ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** خَيْرٌ سے مراد عورتیں ہیں۔ اس کی واحد خیرۃ ہے معنی ہے ذوات خیر۔ خیر والیاں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ خیرات ہے خیرات کے معنی میں ہے پھر اس میں تخفیف کی گئی جس طرح ہین اور لین ہے۔ ابن مبارک نے کہا: اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے وہ سعید بن عامر سے روایت نقل کرتے ہیں اگر خَيْرٌ حَسَنٌ میں سے ایک خیرۃ آسمان کے سامنے آئے تو ہر چیز کو روشن کر دے اور اس کے چہرے کی روشنی، سورج اور چاند پر غالب آ جائے وہ اوڑھنی جو اسے پہنائی جاتی ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حَسَنٌ وہ شکل و صورت میں بہتر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَسَنٌ تو وہ کون ہوگا جو ان کے حسن کا اندازہ لگائے؛ زہری اور قتادہ نے کہا: وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی؛ یہی چیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (1)۔ ابوصالح نے کہا: کیونکہ وہ کنواری اور باکرہ ہوں گی۔

قتادہ، ابن مسیق، ابورجاء، عطار دی اور بکر بن حبیب سہمی نے خیرات شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خیرات یہ خیر کی جمع ہے معنی ہے خیر والیاں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مختارات۔ ترمذی نے کہا: خیرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار کے ساتھ ان کی صورتوں کو حسین و جمیل بنایا۔ جب حسن کا خالق کسی شی کی حسن کے ساتھ تعریف کرے تو غور کرواں حسن کا کیا عالم ہوگا۔ پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: قُصَاتُ الْكَرَفِ، كَأَنَّهِنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ تو غور کر خیرۃ جو اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی ہے اور قاصرات الطرف میں کیا فرق ہوگا؟ حدیث طیبہ میں ہے: حور عین میں سے بعض بعض کے ہاتھ پکڑیں گی وہ ایسی آوازوں سے گائیں گی مخلوق نے ان سے اچھی آواز نہ سنی ہوگی اور نہ اس کی مثل آواز سنی ہوگی۔ ہم راضی ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔ ہم ہمیشہ مقیم رہیں گے ہم کبھی بھی کوچ نہ کریں گے ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی ہم کبھی بھی نہیں مریں گی۔ ہم ہمیشہ نرم اندام رہیں گی کبھی سخت رو یہ اختیار نہ کریں گی۔ ہم خیرات و حسان میں اپنے خاوندوں کے ہاں محبوب ہیں۔“ امام ترمذی نے حضرت علی سے اسی کی ہم معنی روایت نقل کی ہے (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حور عین جب یہ بات کریں گی تو دنیا میں ان کی مومن بیویاں انہیں جواب دیں گی: ہم نمازیں پڑھتی تھیں جب کہ تم نے نمازیں نہیں پڑھیں، ہم نے روزے رکھے اور تم نے روزے نہیں رکھے، ہم نے وضو کیے اور تم نے وضو نہ کیے، ہم نے صدقے کیے اور تم نے صدقے نہ کیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم دنیا میں ان کی مومن بیویاں ان پر غالب آ جائیں گی۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس میں اختلاف ہے کہ حسن و جمال میں کون بڑھ کر ہوگا حوریں یا انسانوں کی نسل سے ان کی بیویاں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حوریں، کیونکہ قرآن و سنت میں ان کی صفت بیان کی گئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر جنازہ پڑھتے ہوئے ایک دعا میں کہا: وأبدله زوجاً خيراً من زوجہ۔ اس کی بیوی سے بہتر اسے بیوی عطا فرما۔ ایک قول یہ کیا



گیا ہے: انسان کی نسل سے عورتیں حوروں سے سترگنا زیادہ حسین ہوں گی۔ ایک مرفوع روایت اس بارے میں مروی ہے ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ رشدین، ابن النعم سے وہ حبان بن ابی جبلہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہوں گی وہ دنیا میں اعمال کرنے کی وجہ سے حور عین پر فضیلت والی ہوں گی“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حور عین جن کا ذکر قرآن میں ہے وہ انبیاء اور مومنین کی مومن بیویاں ہیں جنہیں آخرت میں دوبارہ اس سے بھی زیادہ حسین صورت میں پیدا کیا جائے گا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حور عین دنیا کی عورتیں نہیں ہیں انہیں جنت میں ہی پیدا کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمْ يَطْمِثْنِ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ جب کہ دنیا کی اکثر عورتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہوں گے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنت کے رہائشیوں میں سے بہت کم عورتیں ہوں گی“۔ ان میں سے ہر ایک عورت کو نہیں پائے گا جب کہ حور عین کا وعدہ تمام کے لیے ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے علاوہ ہیں۔

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ لَمْ يَطْمِثْنِ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

”یہ حوریں پردہ دار خیموں میں۔ پس (اے جن دانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو ابھی تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے“۔

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ حور یہ حوراء کی جمع ہے اس سے مراد ہے جس کی آنکھ کی سفیدی انتہا کی ہو ساتھ ہی ساتھ سیاہی بھی شدید ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مَقْصُورَاتٌ وہ محبوس ہوں گی اور خیموں میں پوشیدہ ہوں گی وہ گلیوں میں گھومتی پھرتی نہیں ہوں گی، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خیمہ ایسا موتی ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہا: یہ ایک فرخ چوڑا ایک فرخ لمبا ہوگا اس کے دروازے کے پٹ سونے کے ہوں گے۔ ترمذی حکیم ابو عبد اللہ نے حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ کے بارے میں کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک بادل نے عرش سے بارش برسائی تو حوریں رحمت کے قطرات سے پیدا کی گئیں پھر ان میں سے ہر ایک پر نہروں کے کنارے خیمہ لگا دیا گیا جن کی وسعت چالیس میل ہوگی اس کا کوئی دروازہ نہ ہوگا یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی جنت میں داخل ہوگا تو دروازہ سے خیمہ پھٹ جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو علم ہو جائے کہ فرشتوں اور خدام کی نظریں اس تک نہیں پہنچیں، یہ خیموں میں بند ہیں انہیں مخلوقات کی نظروں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِنَّ قُصْرٰتٌ اَعْرَافٍ یعنی انہوں نے اپنی نظروں کو اپنے خاوندوں تک محدود کر رکھا ہے ان کے بارے میں یہ ذکر نہیں کہ وہ مقصور ہیں یہ اس امر پر دال ہے کہ خیموں میں بند اعلیٰ و افضل ہیں۔ مجاہد نے کہا: مَقْصُورَاتٌ سے مراد یہ ہے انہیں اپنے خاوند تک محدود کر دیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ کا ارادہ نہیں کرتیں۔ صحاح میں ہے: قصرت الشئ اقصاه قصرا میں نے اسے محبوس کر دیا، اسی سے لفظ مقصورة الجامع ہے۔ قصرت الشئ

علیٰ کذا یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اسے اسی چیز تک محدود کر دے غیر کی طرف تو اسے متجاوز نہ کرے۔ امرأۃ قصیرۃ و قصورۃ مراد ہے وہ عورت جو کمرے میں بند ہو اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں جنت میں ایک نہر کے پاس سے گزرا جس کے کناروں پر مرجان کے تپے تھے اس سے مجھے ندا کی گئی: السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون ہیں؟ حضرت جبریل امین نے جواب دیا: یہ حور عین میں سے نوجوان عورتیں ہیں، انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کو سلام کہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا: ہم ہمیشہ رہیں گی، ہم کبھی بھی نہیں مریں گی، ہم نرم اندام ہیں، ہم سخت گیر نہیں، ہم راضی رہنے والیاں ہیں، ہم کبھی ناراض نہ ہوں گی، ہم معزز خاوندوں کی بیویاں ہیں“ پھر نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِی الْخِیَامِ ۝ یعنی ہم محبوس ہیں یہ جس حفاظت اور کرامت کے لیے ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید اشہلیہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کی: یا رسول اللہ! ہم عورتیں ہیں محصور رہتی ہیں تمہارے گھروں کا سہارا ہیں، تمہاری اولادوں کو اپنے پیٹوں میں اٹھانے والی ہیں کیا ہم اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم اپنے خاوندوں کے ساتھ حسن معاملہ کرو اور ان کی رضا کی طالب ہو“۔

لَمْ يَطْمِئِنَّ اُنْہیں چھو تک نہ ہوگا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ عام قرأت یطِیْہُن ہے۔ ابو حیوہ شامی، طلحہ بن مصرف، اعرج اور شیرازی نے کسائی سے دونوں حرفوں میں میم کو مضموم پڑھا ہے۔ کسائی ایک کو کسرہ دیتے اور دوسرے کو ضمہ دیتے اور اس میں اختیار دیتے جب پہلے کو رفع دیتے تو دوسرے کو کسرہ دیتے اور جب پہلے کو کسرہ دیتے تو دوسرے کو رفع دیتے؛ یہ ابو اسحاق سبیمی کی قرأت ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا تو وہ میم کو رفع دیتے، میں حضرت عبداللہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا تو وہ میم کو کسرہ دیتے۔ کسائی نے دونوں روایات پر عمل کیا یہ دونوں لغتیں ہیں طٹ، طٹ جس طرح یعرشون اور یعکفون ہے۔ جس نے ضمہ دیا اس نے دونوں لغتوں کو جمع کر دیا جس نے کسرہ دیا تو یہ عام لغت ہے۔

لَمْ يَطْمِئِنَّ کے قول کا اعادہ نہیں کیا تا کہ اس امر کی وضاحت ہو جائے کہ خیموں میں حور مقصورات کی صفت ایسے ہی ہے جس طرح ان حوروں کی صفت ہے جو قُصُرَاتُ الظُّرُف کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ اپنی نظروں کو جھکانے والی ہیں تو خیموں میں بھی ان کا یہی حال ہوگا۔

مُعْتَبِرِينَ عَلٰی مَا فَرَفِ حُضْرٍ وَ عِبْقَرٍ ۙ حَسَانٍ ۝ فَبِأَمْرِ الْاٰلِآءِ مَا تَكْذِبُن ۝

تَبَرَّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝

”وہ بکلیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جواز حد نفیس بہت خوبصورت ہوگی۔ (پس اے انسانو! اور جنو!) تم



دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا۔“

**مُطَهَّرِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُصْبٍ**، رَفْرَف سے مراد وہ چادر ہے جو اس بستر پر بچھائی جاتی ہے جس کو سونے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رَفْرَف سے مراد بستر وں اور قالینوں سے زائد چیز ہے (1)، ان سے یہ بھی مروی ہے: رَفْرَف سے مراد وہ چادریں ہیں (2) جن کے زائد حصہ پر وہ ٹیک لگاتے ہیں؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قرظی نے کہا: اس سے مراد قالینیں ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد تکیے ہیں۔ ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد چھوٹے تکیے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا بھی قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کپڑے کی ایک طرف ہے۔ لیث نے کہا: اس سے مراد سب کپڑوں کی ایک قسم ہے جسے بچھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بلند بستر ہیں (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے ہاں کپڑے کے جوڑے کو رَفْرَف کہتے ہیں۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ صحاح میں ہے: رَفْرَف سے مراد سبز کپڑے ہیں جن سے چادریں بنائی جاتی ہیں اس کا واحد رَفْرَفہ ہے۔ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس نے کہا: رَفْرَف سے مراد جنت کے باغات ہیں (4)۔ رَفْرَف یہ اُن یرف سے مشتق ہے وہ بلند ہو اسی سے رَفْرَفہ الطیر ہے کیونکہ وہ ہوا میں اپنے دونوں پروں کو حرکت دیتا ہے بعض اوقات زشت مرغ کو اسی وجہ سے رَفْرَف کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے پھر بھاگ جاتا ہے۔ رَفْرَف الطائر جب وہ کسی چیز کے ارگرد اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے تاکہ وہ اس پر گرے۔ رَفْرَف سے مراد خیمہ کا نچلا حصہ، قمیص کی جانب اور اس میں سے جو چیز لٹک رہی ہو، اس کا واحد رَفْرَفہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بارے حدیث میں ہے: رَفْرَف الرَفْرَف فرأینا وجهه كأنه ورقة یعنی خیمہ کی ایک جانب الثانی گئی تو ہم نے آپ کا چہرہ دیکھا گویا وہ چاندی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: رَفْرَف کا اصل رَفْرَف النبت یرف ہے جب وہ تروتازہ ہو؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ قتبی نے کہا: یہ لفظ کسی شے کے لیے اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب اس کا پانی زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ جھومنے لگے۔ رَفْرَف رَفْرَف یہ مہروی نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَفْرَف ایسی چیز کو کہتے ہیں جب اس کا مالک اس پر بیٹھے تو وہ دائیں بائیں اوپر نیچے حرکت کرے وہ اس کے ساتھ لذت حاصل کرے جس طرح جھولا جھولتا ہے، یہ قول ترمذی حکیم نے نوادر الاصول میں بیان کیا ہے ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔ ترمذی حکیم نے کہا: رَفْرَف فرش سے مرتبہ میں بلند ہے پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: **مُطَهَّرِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَّانَتُهَا مِنْ إِسْتَنْزَاقٍ** جب کہ یہاں فرمایا: **مُطَهَّرِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُصْبٍ**، رَفْرَف ایسی شے ہے جب ولی اس پر متمکن ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ حرکت کرتی ہے، یعنی اسے یہاں اڑا کر لے جاتا ہے اور یہاں اڑا لے جاتا ہے جہاں اس کا ارادہ ہوتا ہے جس طرح جھولا ہوتا ہے اس کی اصل رَفْرَف بین یدی اللہ عزوجل ہے۔

حدیث معراج میں ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو رَفْرَف آپ کے

پاس آیا آپ نے اسے جبرئیل امین سے لیا اور اس کے ساتھ مسند عرش کی طرف اڑ گئے۔ اس میں آپ نے ذکر کیا کہ ”وہ مجھے لے کر اڑا کبھی مجھے نیچے لے جاتا اور کبھی اوپر لے جاتا یہاں تک کہ مجھے میرے رب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر جب واپسی کا وقت ہوا آپ نے اسے پکڑا تو وہ آپ کو لے کر اڑا کبھی نیچے ہوتا اور کبھی اوپر جاتا یہاں تک کہ اس نے آپ کو جبرئیل امین تک پہنچا دیا جب کہ جبرئیل امین رو رہے تھے اور حمد کے ساتھ اپنی آواز بلند کر رہے تھے“ رُفَرَف ایک خادم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے دنو اور قرب کے محل میں اس کے خاص امور ہیں جس طرح براق ایک جانور ہے جس پر انبیاء سواری کرتے ہیں وہ اس کی زمین میں خاص ہے یہ رُفَرَف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دو جنت والوں کے لیے مسخر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب رکھتی ہیں یہ رُفَرَف ان کا تکیہ اور بستر ہے وہ ولی کو ان نہروں کے کناروں پر لے کر اڑتا رہتا ہے جہاں وہ جنتی چاہتا ہے جہاں ان کی بیویاں خیرات حسان کے خیمے میں ہوتی ہیں پھر فرمایا: **وَعَبْقَرِيَّتٍ حَسَانٍ** ⑤ **عَبْقَرِيَّتٍ** ان کپڑوں کو کہتے ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے ہیں جن کو پھیلا یا جاتا ہے جب ان نقوش کا خالق کہے کہ یہ حسان ہیں تو ان عبارت کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حجد ری، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے متکثرین علی رُفَرَف پڑھا ہے یہ جمع ہے غیر منصرف ہے، اسی طرح وعبقری حسان بھی ہے یہ **رَافَرَفٍ** اور **عَبْقَرِيَّتٍ** کی جمع ہے **رَافَرَفٍ** اسم جمع ہے عبقری واحد ہے جو جمع پر دلالت کرتی ہے جو **عَبْقَرِيَّتٍ** کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **رَافَرَفٍ** اور **عَبْقَرِيَّتٍ** کا واحد رُفَرَفہ اور عبقریہ ہے رُفَرَفہ اور عبارت جمع الجمع ہے۔

**عَبْقَرِيَّتٍ** سے مراد موٹی چٹائی ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکیے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد قالین ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ریشم ہے۔ قتبی نے کہا: ہر ایسا کپڑا جس پر نقش و نگار ہوں عرب اسے عبقری کہتے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: یہ ایسی زمین کی طرف منسوب ہے جس میں کپڑے پر نقش و نگار بنائے جاتے ہیں، اس کی طرف ہر اس نقش کو منسوب کیا جاتا ہے جس کو مضبوط نقش کہا جاتا۔

یہ کہا جاتا ہے: عبقریمن کی ایک جانب ایسی بستی ہے جس میں منقش قالین بنے جاتے۔ ابن انباری نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ عبقر ایک بستی ہے جس میں جن رہتے اس کی طرف ہر عمدہ چیز منسوب کی جاتی ہے۔ ظلیل نے کہا: مردوں، عورتوں اور اس کے علاوہ جو بھی عمدہ چیز ہو عربوں کے ہاں اسے عبقری کہتے ہیں؛ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمان ہے: **فلم أدر عبقریاً من الناس یغری قریۃ (1)** ابو عمرو نے کہا جب کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو فرمایا: عبقری سے مراد قوم کارمیں اور بزرگ ہے۔

جوہری نے کہا: عبقری ایسی جگہ ہے عرب یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کا علاقہ ہے۔ لبید نے کہا:

**كُهُولٌ وَشُبَّانٌ كَجَنَّةِ عَبْقَرٍ**

عبقر کے جنوں کی طرح ادھیڑ عمر اور جوان ہیں۔ پھر عربوں نے اس کی طرف ہر ایسی چیز کو منسوب کیا جس کی قوت اور عمدہ



صنعت سے وہ متعجب ہوتے انہوں نے کہا: عبقری۔ یہ واحد اور جمع ہے حدیث میں ہے: اِنَّهٗ كَانَ يَسْجُدُ عَلٰی عِبْقَرٰی (1) وہ عبقری پر سجدہ کرتا ہے۔ اس سے مراد ایسی قالین ہے جس میں رنگ ہوں اور نقوش ہوں یہاں تک کہ انہوں نے کہا ظلم عبقری، ہذا عبقری قوم۔ یہ جملہ اس آدمی کے لیے بولتے جو قوم میں سے قوی ہوتا۔ حدیث طیبہ میں ہے: فِلمْ اُرْعِبْ قَرِيْبًا يَفْرِیْ فَرِيْبَةً مِّنْ قَوْمٍ كَسَرْدَارٍ كُوْنٰہِمْ دِيْكُھَا جَوْجُھُوْثٌ بُوْلُوْا ہُو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا جس سے وہ متعارف تھے اور فرمایا: عِبْقَرِیْ حَسٰن۔ بعض قاریوں نے اسے عباقری پڑھا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ اسم منصوب کے جمع یا نسبت کو باقی رکھتے ہوئے نہیں بنائی جاتی۔ قطرب نے کہا: یہ منسوب نہیں یہ کرسی کرسی، بختی اور بختی کی طرح ہے۔ ابو بکر نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے یوں پڑھا متکئین علی رفارف خضر وعباقر حسان ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے (2) خضر کے ضاء کو مضموم پڑھنا بہت ہی قلیل ہے۔

تَبَرَّكَ اِسْمُ رَبِّكَ ذٰی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ تَبَرَّكَ یہ برکت سے تفاعل کا وزن ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ذٰی الْجَلٰلِ عظمت والا۔ یہ بحث بھی پہلے گزر چکی ہے۔ عامر نے ذوالجلال پڑھا ہے اور اسے اسم کی صفت بنایا ہے یہ اس امر کو قوت بہم پہنچاتا ہے کہ اسم میں مسمی ہے باقی قراء نے ذٰی الجلال پڑھا ہے انہوں نے ذٰی کو ربك کی صفت بنایا ہے گویا اس کے ساتھ اس اسم کا ارادہ کیا ہے جس کے ساتھ سورت کا آغاز کیا فرمایا: اَلْزَّخٰنِ اس اسم کے ساتھ آغاز کیا اور انسان اور جنوں کی تخلیق کا ذکر کیا، آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کیا، ان میں اپنی تدبیر کا ذکر کیا اور فرمایا: کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَآءٍ ۝ پھر قیامت، اس کی ہولناکیوں اور جہنم کی صفت کا ذکر کیا پھر جنتوں کی صفت کا بیان کیا پھر سورت کے آخر میں بیان کیا تَبَرَّكَ اِسْمُ رَبِّكَ ذٰی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ یعنی وہ اسم جس کے ساتھ سورت کا آغاز کیا۔ گویا انہیں آگاہ کیا کہ یہ سب کچھ تمہارے لیے میری رحمت سے پیدا ہوا ہے میں نے اپنی رحمت سے تمہیں پیدا کیا، تمہارے لیے آسمان، زمین، جنت اور دوزخ بنائے یہ سب کچھ تمہارے لیے رحمن کے اسم سے وقوع پذیر ہوا تو اس اسم کی مدح کی پھر کہا: ذٰی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ یعنی وہ ذات کے اعتبار سے جلیل ہے، افعال میں کریم ہے۔ قراء نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ سورت کے آغاز (3) میں وجہ کی صفت بنائیں جب کہ حالت رفیعی میں ہو۔ یہ اس امر پر دل ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مومن جس کو ملیں گے جب وہ اس کا دیدار کریں گے، حسن جزاء، خوبصورت ملاقات اور اچھی عطا سے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 520

3۔ مراد آیت نمبر 27 ہے۔

2۔ درمنثور، جلد 6، صفحہ 214 :

[illegible]

حضرت حسن بھری، عکرمہ، جابر اور عطا کے قول میں یہ مکی ہے (۱)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ایک آیت مدنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَتَجْعَلُونَ بِذُقِّكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ﴿۵﴾ کبھی نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات مدنی ہیں ان میں سے دو آیات یہ ہیں: اَفِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ﴿۱﴾ وَتَجْعَلُونَ بِذُقِّكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ﴿۵﴾ یہ مکہ مکرمہ کی طرف سفر میں نازل ہوئیں اور کَلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱﴾ وَكَلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿۵﴾ یہ مدینہ کی طرف سفر کے موقع پر نازل ہوئیں۔ مسروق نے کہا: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اولین و آخرین کی خبر، اہل جنت کی خبر، اہل جہنم کی خبر، ہر اہل دنیا کی خبر اور اہل آخری کی خبر کو جانے تو وہ سورۃ واقعہ کو پڑھے۔ ابو عمر بن عبد البر نے التسمید، التعلیق اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود کے پاس عیادت کے لیے گئے جس مرض میں وہ فوت ہو گئے تھے پوچھا: کیا تکلیف ہے؟ کہا: اپنے گناہوں کی شکایت کرتا ہوں پوچھا: کیا خواہش رکھتے ہو؟ کہا: اپنے رب کی رحمت کی خواہش کرتا ہوں۔ پوچھا: کیا تیرے لیے طبیب کو نہ بلاؤں؟ جواب دیا: طبیب نے ہی تو مجھے مریض کیا ہے۔ کہا: کیا ہم تیرے لیے عطیہ کا حکم نہ دیں؟ جواب دیا: مجھے اس کی ضرورت نہیں میری زندگی میں آپ نے اسے روک رکھا اور میری موت کے وقت مجھے دیتے ہو؟ فرمایا: یہ تیری بیٹیوں کو تیرے بعد فائدہ دے گا۔ جواب دیا: کیا آپ کو میرے بعد میری بیٹیوں کے بارے میں فائدہ کا ڈر ہے؟ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کیا کریں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: ”جس نے ہر روز سورۃ واقعہ کو پڑھا اسے کبھی بھی فائدہ نہیں آئے گا“ (۲)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

إِذَا وَكَلَمْتَ الْوَاقِعَةَ ۝ لَيْسَ يُوَفِّعُهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ إِذَا رُجَّتْ

الْأَرْضِ رَاجًا ۝ وَبُشِّرَ الْجِبَالُ بَشًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُمْبِلًا ۝

”جب قیامت برپا ہو جائے گی نہیں ہوگا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا، کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی، جب زمین تھر تھرا کانپے گی اور نوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے۔“



إِذَا وَكَلَمَتِ الْوَاقِعَةُ ① جب قیامت برپا ہوگی۔ مراد دوسرا نغمہ ہے اسے واقعہ کا نام دیا کیونکہ یہ قریب ہی وقت میں واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سی مشکلات واقع ہوں گی۔ اس میں اضمحار ہے یعنی یاد کرو اس وقت کو جب واقعہ ہونے والی واقع ہوگی۔ جر جانی نے کہا: اذا زائد ہے مراد ہے قیامت برپا ہوگی جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِفْتَرَسَتِ السَّاعَةُ (القدر: 1) آتِ أَمْرُ اللَّهِ (النحل: 1) جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد جاء الصومر یعنی روزے قریب آگئے پہلی تعبیر کی صورت میں اذا وقت کے لیے ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَأَصْحَبُ الْيَمِينِ مِمَّا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ② (الواقعہ)

لَيْسَ لَوْفَعَتَهَا كَاذِبَةٌ ③ کاذبہ مصدر ہے یہ کذب کے معنی میں ہے عرب بعض اوقات اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کو مصدر کی جگہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَسْمَعُ مِنْهَا كَاذِبَةٌ ④ (الغاشیہ) لغو کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں کوئی جھوٹ سنائی نہیں دے گا: یہ کسائی کا قول ہے اس معنی میں عام لوگوں کا قول ہے عائذ باللہ۔ یہ معاذ اللہ کے معنی میں ہے۔

ثم قائما، ثم قیاما کے معنی میں ہے ایک عربی عورت بچے سے دل لگی کرتی ہے۔

ثم قائما ثم قائما

اٹھ کھڑے ہواٹھ کھڑے ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاذبہ صفت ہے اس کا موصوف مخذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لیس لوفعتھا حال کاذبہ اور نفس کاذبہ یعنی جو بھی اس کے واقعہ ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے وہ سچا ہے۔ زجاج نے کہا: لَيْسَ لَوْفَعَتَهَا كَاذِبَةٌ کا معنی ہے اسے کوئی چیز رد نہیں کرتی، اس کی اصل حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ثوری نے کہا: اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی اس کو نہیں جھٹلائے گا۔ کسائی نے کہا: مراد ہے مناسب یہ ہے کوئی بھی اس کو نہ جھٹلائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قیام یقینی ہے یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ⑤ عکرمہ، مقاتل اور سدی نے کہا: مفہوم یہ ہے خَفَضَتِ الصَّوْتُ فَاسَمِعَتْ مِنْ دُنَا وَرَفَعَتْ فَاسَمِعَتْ مِنْ نَائِي یعنی اس نے قریب اور بعید کو آواز سنائی (1)۔ سدی نے کہا: اس نے حکمران کو پست کیا اور کمزوروں کو بلند کیا۔ قتادہ نے کہا: اس نے کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پست کیا اور کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف بلند کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو جہنم میں پست کیا اور اولیاء اللہ کو جنت میں بلند کیا (2)۔ محمد بن کعب نے کہا: اس نے ان لوگوں کو پست کیا جو دنیا میں بلند تھے اور اس نے ایسی قوموں کو بلند کیا جو دنیا میں پست تھے۔ ابن عطاء نے کہا: اس نے کچھ لوگوں کو عدل کے ذریعے پست کیا اور دوسروں کو فضل کے ذریعے بلند کیا۔ خفص رفع کا لفظ عربوں کے ہاں مکان، مرتبہ، عزت اور ذلت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خفص اور رفع کی نسبت قیامت کی طرف کی ہے

یہ بطور مجاز ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے کہ وہ فعل کی نسبت محل زمان اور دوسری چیزوں کی طرف کر دیتے ہیں جن سے فعل حقیقت میں واقع نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں لیل نائم، نہار صائم۔ قرآن کریم میں ہے ہَلْ مَكَوُ النَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا: 33) حقیقت میں بلند کرنے والا اور پست کرنے والا اللہ وحدہ لا شریک ہے اس نے اپنے اولیاء کو اعلیٰ درجات میں بلند کیا اور اس نے اپنے دشمنوں کو سب سے نچلے درجے میں پست کیا۔ حضرت حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے پڑھا خافضة رافعة یعنی منصوب پڑھا ہے (1) باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں مبتدا محذوف ہوگا۔ جس نے اسے نصب دی ہے تو حال ہونے کی حیثیت میں نصب دی۔ فراء کے نزدیک یہاں فعل مضر ہوگا، معنی ہوگا وقعت خافضة رافعة قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں یہ بعض لوگوں کو بلند کرے گی اور بعض کو پست کرے گی جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

إِذَا رَجَتْ الْأَرْضُ رَجًا ① جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور اس میں حرکت ہوگی؛ مجاہد اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجہ یرجہ رجاء سے حرکت دی اور اس میں زلزلہ برپا کیا۔ ناقة رجاء ایسی اونٹنی جس کی کہان بڑی ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے ”جو آدمی سمندر پر اس وقت سوار ہو جب وہ موجزن تھا تو اس کی کوئی ضمانت نہ ہوگی“ (2)۔ کلبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہوگی جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے وہ مضطرب ہوگی۔ مفسرین نے کہا: وہ اس طرح مضطرب ہوگی جس طرح بچہ ہنگھوڑے میں مضطرب ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس کے اوپر ہو گادہ گر جائے گا اور پہاڑ وغیرہ جو اس کے اوپر ہوگا وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رجہ سے مراد شدید حرکت ہے جس کی آواز سنی جائے گی۔ اذا، اذا وقعت کا بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ① کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اس وقت یہ کچھ کو پست کرے گی اور کچھ کو بلند کرے گی کیونکہ اس موقع پر جو بلند ہوگا وہ پست ہو جائے گا اور جو پست ہوگا وہ بلند ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا تو قیامت برپا ہو جائے گی یہ زجاج اور جر جانی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے اذ کر اذا رجت الارض رجًا، رجاء مصدر ہے یہ اس امر پر دلیل ہے کہ زلزلہ دوبارہ واقع ہوگا۔

وَأُتِسَّتِ الْجِبَالُ بُتًا ② یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: جس طرح آنے کو گھی سے لت پت کیا جاتا ہے۔ بسیرہ سے مراد ستویا آتا ہے جسے گھی یا تیل سے لت پت کیا جاتا ہے پھر اسے کھایا جاتا ہے اسے پکا یا نہیں جاتا۔ بعض اوقات اسے زاد راہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

لَا تُخْبِرُاُ خُبْرًا وَبُتًا بُتًا

تم دونوں روٹی نہ پکاؤ اسے گھی سے لت پت کر دو۔ ابو عبید نے یہ ذکر کیا ہے یہ غطفان کا ایک چور تھا اس نے روٹی پکانے کا ارادہ کیا اسے خوف ہوا کہ وقت کم ہے تو اس نے آٹا ہی کھالیا۔ مطلب یہ ہے انہیں خلط ملط کیا گیا تو وہ اس آٹے کی طرح ہو گئے



جسے پانی کے ساتھ ملا یا گیا ہو یعنی پہاڑ مٹی ہو جائیں گے اور بعض کو بعض سے ملا دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہست کا معنی ہے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا تو وہ ختم ہو جائیں گے؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا** (طہ) عطیہ نے کہا: انہیں پھیلا دیا جائے گا جس طرح ریت اور مٹی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابتس سے مراد چلانا ہے یعنی پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ ابو زید نے کہا: سب سے مراد ہانکنا ہے قد بست الابل اُبسھا بسا میں نے اونٹوں کو ہانکا۔ ابو عبید نے کہا: بست الابل، ابست یہ دونوں لغتیں ہیں جب تو ان کو جھڑکے اور تو انہیں کہے بس بس حدیث طیبہ میں ہے **يُخْرِجُ قَوْمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الْيَمَنِ وَالشَّامِ وَالْعِرَاقِ يُبْشُونَ وَالْمَدِينَةُ خَيْرُ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** (1)۔

اس معنی میں ایک اور حدیث ہے **جاءكم اهل اليمن يبشون عيالهم** (2) اہل یمن تمہارے پاس آئے جب کہ وہ اپنے عیال کو ہانک رہے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: **جئ به من حنك وبسك ابو زيد** نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ من حنك کا معنی ہے جہاں سے تو نے اس کا احساس کیا۔ من بسك جہاں سے اسے تیرا چلنا پہنچا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ بہہ پڑے۔ عکرمہ نے کہا: انہیں گرایا گیا۔ محمد بن کعب نے کہا: انہیں چلایا گیا؛ اسی معنی میں اغلب غلی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں کاٹ دیا گیا۔ معنی قریب قریب ہے۔

**فَكَانَتْ هَبَاءً مُتْبِثًا** ① حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: ہباء منبث سے مراد وہ غبار ہے جو چوپاؤں کے کھروں سے پھیلتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس طرح بنایا ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: ہباء سے مراد وہ شعاع ہے جو روشن دان میں ہوتی ہے جس طرح غبار کی کیفیت ہوتی ہے (4)؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب آگ میں حرکت ہوتی ہے تو اس سے جو شرارے اڑتے ہیں جب وہ کسی جگہ واقع ہوتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتے (5)؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ سورہ فرقان میں **وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مُتَّبِثًا** ② میں گزر چکا ہے۔ عام قرآت منبثا، مثلثہ کے ساتھ ہے۔ مراد ہے متفرق۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَهَبْنَا فِيهَا مِن كُلِّ ذَا نَبَاتٍ** (البقرہ: 164) یعنی اسے بکھیر دیا۔ مسروق، نخعی اور ابو جیوہ نے منبثا پڑھا ہے (6) جس کا معنی منقطع ہے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: **بته الله الله تعالى** نے اس کو قطع کر دیا۔ اس معنی میں بتات ہے۔

**وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ③ فَأَصْحَبُ الْيَمِينِ ④ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ⑤ وَأَصْحَبُ**

**الْيُسْخَ ⑥ مَا أَصْحَبُ الْيُسْخَ ⑦ وَالسَّيْقُونُ السَّيْقُونُ ⑧ أُولَٰئِكَ الْمَقَرَّبُونَ ⑨**

**فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ⑩**

”اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا شان ہوگی

2۔ ایضاً

1۔ مواطنا، ③، کتاب الجامع، ما جادل سكن المدينة والطرد منہا، ص 696

4۔ ایضاً

3۔ نمبر ۳۴۷، جلد 5، ص 447

6۔ ایضاً

5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، ص 239

دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا (نستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے وہی مقرب بارگاہ ہیں، ہمیشہ و سرور کے باغوں میں۔“

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ یعنی تین قسمیں۔ ہر قسم اس کے ہم مثل ہوگی جو اس میں سے ہے جس طرح زوج زوجہ کے ہم مثل ہوتا ہے پھر وضاحت کی کہ وہ کون ہیں تو فرمایا فاصحاب الیمین، اصحاب الشئبۃ، سابقون۔ اصحاب میمنہ وہ ہیں جن کو دائیں جانب سے پکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اصحاب مشئبہ وہ ہیں جن کو بائیں جانب سے پکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا؛ یہ سدی کا قول ہے (1)۔ مشئمہ کا معنی بایاں اسی طرح شئمہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے قعد فلان شئمۃ فلاں بائیں جانب بیٹھا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: یا فلاں شائم باصحابک یعنی ان کی بائیں جانب بیٹھو۔ عرب بائیں ہاتھ کو شؤمی کہتے اور بائیں جانب کو شمال کہتے۔ اسی طرح جو چیز دائیں جانب سے آتی ہے اسے یمن اور جو بائیں جانب سے آئی شؤمی کہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے جب آپ کی اولاد آپ کی پشت سے نکالی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ جنت میں ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس روز حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے نکالے گئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالے گئے۔ عطاء اور محمد بن کعب نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی گئی اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے بائیں ہاتھ میں دی گئی (2)۔ ابن جریج نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد نیکیوں والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد برائیوں والے ہیں (3)۔ حسن اور ربیع نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو اعمال صالحہ کرنے کی وجہ سے اپنی ذاتوں کے لیے مبارک ہوئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جو فحش اعمال کے ساتھ اپنے لیے منحوس ہوئے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے حدیث اسراء میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب ہم آسمان دنیا پر بلند ہوئے تو وہاں ایک شخصیت تھی جس کی دائیں جانب خلقت تھی اور اس کی بائیں جانب خلقت تھی۔ جب اپنی دائیں جانب دیکھتی تو ہنستی اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتی تو رو دیتی۔ اس نے کہا: نبی صالح اور ابن صالح کو خوش آمدید۔ میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں جانب اور ان کی بائیں جانب یہ سائے ان کی اولاد کی روحیں ہیں دائیں جانب وائے جنتی اور بائیں جانب وائے جہنمی ہیں“ (4)۔ حدیث کو ذکر کیا۔

مبرد نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد آگے بڑھنے والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: اجعلنی فی یمنک ولا تجعلنی فی شمالک مجھے آگے والوں میں سے بنا اور مجھے پیچھے رہ جانے والوں میں نہ بنا۔ مَا



أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ اور مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ میں تکرار، تفعیم اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے  
 الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ (الحاقہ) ۝ الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ (القارعة) جس طرح کہا جاتا ہے: زید مازید، ام  
 زرع بنی شہز کی حدیث میں ہے: مالک و ما مالک مقصود اصحاب میمنہ کے لیے ثواب کی کثرت کا اظہار ہے اور اصحاب مشئمہ  
 کے لیے عقاب کی کثرت کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب مبتدا اور خبر کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ مَا أَصْحَابُ  
 الْمَيْمَنَةِ ۝ گویا یوں کلام کی ما اصحاب المینہ ماہم معنی ہے وہ کیا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ ماتا کید کے  
 لیے ہو۔ معنی ہے وہ لوگ جن کو ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ آگے بڑھنے والے اور بلند مرتبہ والے ہیں۔  
 وَالسَّيْقُونِ السَّيْقُونَ ۝ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ”سابقون وہ ہیں جب انہیں حق دیا گیا تو انہوں نے  
 اسے قبول کیا جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو خرچ کیا اور انہوں نے لوگوں کے لیے وہی فیصلہ کیا جو انہوں نے  
 اپنے لیے فیصلہ کیا“ (1) یہ مہدوی نے ذکر کیا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: وہ انبیاء ہیں (2)۔ حضرت حسن بھری اور قوادہ نے کہا:  
 مراد ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں: اس کی مثل عکرمہ سے مروی ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا:  
 مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (3) اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالسَّيْقُونِ  
 الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ (التوبہ: 100) مجاہد وغیرہ نے کہا ہے: مراد جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے  
 ہیں اور نماز کی طرف سب سے پہلے جانے والے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: مراد پانچوں نمازوں کی طرف سبقت  
 لے جانے والے ہیں۔ ضحاک نے کہا: جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ سعید بن جبر نے کہا: توبہ اور نیکی کے  
 اعمال کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ ۖ فَإِنَّكُمْ تَرْجُونَ (آل عمران: 133)  
 پھر ان کی تعریف کی اور فرمایا: أُولَٰئِكَ يُسْرِعُ اللَّهُ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ (المومنون) ایک قول یہ کیا گیا: وہ چار ہیں  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حضرت حزقیل ہیں جو آل فرعون میں سے مومن تھا۔  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حبیب نجار ہے وہ صاحب انطاکیہ تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ  
 علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والے یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما: یہ حضرت ابن  
 عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے ماوردی نے بیان کیا ہے (4)۔ شمیٹ بن عجلان نے کہا: وہ تین قسم کے لوگ ہیں (۱) جس نے اپنی  
 ابتدائی عمر میں ہی بھلائی کی طرف جلدی کی اس پر دوام اختیار کیا یہاں تک کہ دنیا سے چلا گیا یہی سابق مقرب ہے (۲) ایسا  
 آدمی جس نے ابتداء میں گناہ کیے پھر طویل غفلت میں رہا پھر توبہ کی یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ اصحاب یمن میں  
 سے ہے (۳) ایسا آدمی جس نے ابتدائی عمر میں گناہ شروع کر دیئے پھر اسی پر کار بند رہا یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ  
 اصحاب شمال میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی صحیح امر کی طرف جلدی کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: السَّيْقُونِ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے دوسرا سابقون اس کی تائید ہے اس کی خبر

أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ ہے۔ زجاج نے کہا: الشَّقِيقُونَ مبتدا ہے دوسرا سابقون اس کی خبر ہے معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ ان کی صفت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سابقین مقربین میں سے کوئی جنت میں اپنی منزل سے نکلے گا تو اس کی اتنی روشنی ہوگی جسے اس سے کم مرتبہ کے لوگ پہچان لیں گے۔

كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ عَلَى سُرٍّ مَوْضُوعَةٍ ۝ مُتَّكِئِينَ  
عَلَيْهَا مُتَّقِلِينَ ۝

”ایک بڑی جماعت پہلوں سے اور قلیل تعداد پچھلوں سے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آئیں گے۔“

كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ گزری ہوئی امتوں میں سے ایک جماعت (1) وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ یعنی جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک جماعت ان میں سے جو اس امت سے قبل گزر چکے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کے صحابہ میں سے تھوڑے (2)۔ اے اللہ! ہمیں اپنے کرم کے ساتھ ان میں سے بنادے۔ انہیں قلیل ماقبل کی طرف نسبت کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء بہت زیادہ ہیں تو ان میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے بھی زیادہ ہیں۔ ہماری امت میں سے جنہوں نے تصدیق کی طرف سبقت کی ان پر ان کی تعداد بہت زیادہ ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر یہ امر شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ كَلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کا چوتھائی، بلکہ ایک تہائی بلکہ جنتیوں کا نصف ہو گے وہ باقی نصف میں باہم تقسیم ہوں گے۔“ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ماوردی اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ گویا آپ نے ارادہ فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ محکم ہے کیونکہ وہ خبر ہے اور یہ دو مختلف جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو اثنیں گزر چکی ہیں ان میں سے سابقین ہمارے سابقین سے زیادہ ہیں اسی وجہ سے فرمایا: وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ اصحاب یمن جو سابقین کے علاوہ ہیں کے بارے میں فرمایا: كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ كَلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں امید کرتا ہوں کہ میری امت جنتیوں کا نصف ہوگی“ (3) پھر اس آیت کی تلاوت کی كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ كَلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝

مجاہد نے کہا: یہ سب اس امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ سفیان، ابان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں الشلتان جمعیا من امتی (4) یعنی كَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ كَلَّةٌ مِنَ



الْآخِرِينَ ۝ یہ قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: دونوں جماعتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے اول سے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے آخر میں سے ہیں (1) وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ (فاطر: 32)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثَلَاثَةٌ مِنَ الْآوَلِينَ ۝ ایک جماعت اس امت کے اول سے تعلق رکھتی ہے۔ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ وہ طاعت میں جلدی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اولین کے درجہ تک جا پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں“ (2) پھر اصحاب یمن میں اولین و آخرین کو برابر قرار دیا ثَلَاثَةٌ يَهْدِي الشَّيْءَ مَا خُوذَ يَعْنِي فِيهِ اِسْمُ ثَلَاثَةٍ كَمَا مَعْنَى فِرَاقِهِ هُوَ: زَجَاجُ كَا قَوْلِ هُوَ۔

عَلَى سُرٍّ بِمَقْصُودَةٍ ۝ سبقت لے جانے والے جنت میں پلنگوں پر ہوں گے۔ سر، سریر کی جمع ہے موضونۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: ان میں موتی اور یاقوت جڑیں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا: مَقْصُودَةٌ وہ صف در صف ہوں گے جس طرح ایک اور موقع پر فرمایا: عَلَى سُرٍّ بِمَقْصُودَةٍ ان سے اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ تفاسیر میں ہے وہ سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے جن میں موتی، یاقوت اور زبرجد جڑیں ہوں گے۔ دضن کا معنی بننا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دضن فلان الحجر والآخر بعضہ فوق بعض فهو موضون فلاں نے پتھر اور اینٹ کو ایک دوسرے پر رکھا پس انہیں پیوست کر دیا گیا۔ درع موضونۃ ایسی زرہ جو بنائی میں محکم ہو جس طرح مصفوفۃ ہے۔ اعشی نے کہا:

ومن نسب داؤد موضونۃ

حضرت داؤد علیہ السلام کی بنائی بڑی مضبوط تھی۔ السامیر الموضون سے مراد ہے وہ چار پائی جس کی سطح بنی ہوئی چیز کی طرح ہو اس سے دضین ہے بطان من سیور ینسبح فیدخل بعضہ فی بعض تنگ بنے تسموں سے بنائے گئے تھے جن کے بعض بعض میں داخل کر دیئے گئے تھے؛ اس معنی میں اس کا یہ قول ہے:

الیک تعدد قلیقا و ضینھا (3)

مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا، ہا ضمیر سے مراد پلنگ ہیں۔ مُتَّكِئِينَ ۝ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے بلکہ پلنگ ان پر گھومیں گے۔ یہ مومن، اس کی زوجہ اور اس کے اہل کے بارے میں ہے یعنی وہ بالمقابل تکیہ لگائے ہوں گے؛ یہ مجاہد اور دوسرے علما کا قول ہے۔ کبھی نے کہا: ہر پلنگ کی لمبائی تین سو ہاتھ ہوگی ۞۔ جب بندہ اس پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اس پر بیٹھ جائے گا تو وہ اوپر اٹھ جائے گا۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۖ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ ۖ وَكَأْسٍ مِنْ مَّعِينٍ ۚ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۚ ۝۱۰ وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۚ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۚ ۝۱۱ وَحُورٌ عِينٌ ۚ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۚ ۝۱۲ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۚ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝۱۳

”گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نو خیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے، نہ سرد در محسوس کریں گے اس سے اور نہ مد ہوش ہوں گے اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں، (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ کرتے رہے تھے۔ نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔“

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۖ یعنی ایسے لڑکے جو نہیں مریں گے؛ یہ مجاہد، حسن اور کلبی کا قول ہے۔ نہ وہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں کوئی تبدیلی ہوں گی۔ سعید بن جبیر نے کہا: مُّخَلَّدُونَ کا معنی ہے انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی (1)۔ بانی کوخلدہ کہتے ہیں زیورات کے مجموعہ کوخلدہ کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کنگن پہنائے گئے ہوں گے اس کی مثل فراء سے مروی ہے؛ شاعر نے کہا:

وَمُخَلَّدَاتٌ بِاللُّجَيْنِ (2)

انہوں نے چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی۔ عکرمہ نے کہا: مُّخَلَّدُونَ ان پر انعام کیا گیا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب ہم عمر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنتیوں کے لیے پیدا کیا، ان پر گردش کرتے ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا ان میں ولادت کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں ولدان سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں جو چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں نہ ان کی نیکی ہوتی ہے اور نہ ہی برائی ہوتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: یہ مشرکوں کے بچے ہوں گے یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نہ ان کی نیکیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں بدلہ دیا جاتا اور نہ ان کی برائیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں عذاب دیا جاتا تو انہیں اس مقام پر رکھا جائے گا۔ مقصود یہ ہے کہ جنتی کامل سرور و نعمت میں ہوں گے اور خوشی و انبساط اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب خدام اور بچے انسان کے ارد گرد ہوں۔

بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ، اکواب، کوب کی جمع ہے سورۃ زخرف میں یہ گزر چکا ہے۔ یہ ایسے برتن ہوتے ہیں جن کی سنت اور دستہ نہیں ہوتا۔ أَبَارِيقٍ ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور سنت ہوتی ہے اس کا واحد ابریق ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے



کیونکہ صفائی کی وجہ سے اس کا رنگ چمکے گا۔

وَ كَأَيُّ مَقْنَعَيْنِ ① سورۃ الصافات میں اس کے بارے میں قول گزر چکا ہے۔ معین سے مراد جو پانی یا شراب سے جاری ہو۔ یہاں اس سے مراد ایسی شراب ہے جو چشموں سے جاری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آنکھوں کے لیے ظاہر ہوگی اس صورت میں معین، معاینہ سے مفعول کا صیغہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن سے فعیل کا وزن ہے جس کا معنی کثرت ہے یہ واضح کیا کہ یہ دنیا کی شراب جیسی نہیں جسے نچوڑنے، تکلف کرنے اور مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا اس کے پینے سے ان کے سروں میں درد نہیں ہوگا۔ معنی اس میں لذت تو ہوگی اس میں کوئی اذیت نہیں ہوگی جب کہ دنیا کی شراب کا معاملہ مختلف ہوگا۔ وَلَا يُنْزِفُونَ ② سورۃ الصافات میں یہ گزر چکا ہے انہیں نشہ نہیں آئے گا کہ ان کی عقلیں ضائع ہو جائیں۔ مجاہد نے کہا: لَا يُصَدَّعُونَ کا معنی ہے وہ نہیں پھٹیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَ مَن يَصَّدَّعُونَ ③ (الروم) اہل کوفہ نے اسے ینزفون ذاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کی شراب ختم نہ ہوگی؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

لَعَنِي لِّئِنْ أَنْزَفْتُمْ أَوْ صَحَوْتُمْ لَيْسَ الشَّامِي كُنْتُمْ آلَ أَبَجَرَا (1)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں نشہ، سرور، قے اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور اسے ان خصلتوں سے پاک کر دیا۔

وَأَكْهَمَ قَمَائِيَّتَ خَيْرُونَ ④ جو چاہتے ہیں اسے لے لیتے ہیں کیونکہ ان پھلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پھل جو پسندیدہ ہے۔ تخید کا معنی اختیار ہے۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ قَمَائِيَّتَهُونَ ⑤ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا؟ فرمایا: ”وہ ایسی نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے یعنی جنت میں جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھی ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں ان کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جیسی ہیں“ (3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ تو بڑی موٹی تازی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اس کا کھانا اس گردن کے کھانے سے زیادہ اچھا ہوگا“۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اسے ثعلبی نے حضرت ابو درداء کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں پرندے ہوں گے جس طرح بختی اونٹوں کی گردنیں ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاتھ پر صرف درصف ہوں گے ان میں سے ایک کہے گا: اے اللہ کے ولی! میں عرش کے نیچے چراگا ہوں میں چرا ہوں، میں نے تسنیم کا پانی پیا ہے، مجھ سے کھاؤ وہ اس کے سامنے اٹھکیلیاں کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ولی اللہ کے دل میں ان میں سے کسی کو کھانے کا خیال آئے گا تو وہ اس کے سامنے گر پڑے گا۔ ولی اللہ اس سے کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا جب وہ سیر ہو جائے گا تو پرندے کی

ہڈیاں جمع ہو جائیں گی تو وہ اڑ جائے گا اور جہاں چاہے گا جنت میں جے گا“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ بڑا لذیذ ہوگا۔ فرمایا: اس کو کھانے والا اس سے افضل ہوگا۔“

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں پرندہ ہوگا پرندے میں ستر ہزار پر ہوں گے وہ جنت کے پیالے میں آگرے گا پھر وہ پھٹ جائے گا تو ہر پر سے ایک مقیم کا کھانا نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ ٹھنڈا اور ملائم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں سے کوئی کھانا دوسرے کی مثل نہیں ہوگا۔ اس سے اتنا کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا، پھر وہ چلا جائے گا اور اڑے گا“ (2)۔

وَحُورٌ مَّعِينٌ ۝ اسے رفع، نصب اور جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جس نے اسے جر دی وہ حمزہ، کسائی اور دوسرے قراء ہیں۔ یہ جائز ہے کہ اس کا عطف باکواب پر ہو۔ یہ معنی پر محمول ہوگا کیونکہ معنی ہے وہ جاموں، پھلوں، گوشت اور حوروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف جنات پر ہو یعنی وہ جناب النعیم میں ہوں گے اور حوروں کی معاشرت میں ہوں گے اس صورت میں حور سے پہلے معاشرہ کا لفظ ہوگا۔ فراء نے کہا: جر لفظ کی اتباع میں ہوگی اگرچہ معنی میں مختلف ہیں کیونکہ حوریں ان پر طواف نہیں کریں گی؛ ایک شاعر نے کہا:

وَرَأَيْتُ دُؤَجَكَ فِي الْوَعَى مُتَقَلِّدًا سَيْفًا دُرْمَحًا

سب نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو کموار اور نیزے سے آراستہ تھا۔

کموار کو گلے میں لٹکایا جاتا ہے نیزے کو نہیں لٹکایا جاتا۔

قطرب نے کہا: یہ اکواب اور ہاریق پر معطوف ہیں معنی پر ان کا حمل نہیں۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان پر حوریں طواف کریں اور ان کے لیے اس میں لذت ہو۔ جس نے اسے نصب دی ہے وہ اشہب عقیلی، نخعی اور عیسیٰ بن عمر ثقفی ہے۔ حضرت ابی کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ اس صورت میں فعل مضمر ہوگا۔ گویا ارشاد فرمایا: دیوؤ جون حور اعینا نصب کی صورت اسی معنی پر حمل بھی اچھا ہے کیونکہ یطاف علیہم بمعنا معنی ہے انہیں وہ عطا کر دی جائے گی۔ جنہوں نے اسے رفع دیا ہے جب کہ وہ جمہور ہیں؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ تو اس صورت میں اس کا معنی ہے وعندہم حور عین کیونکہ حوریں ان پر گردش نہیں کریں گی۔ کسائی نے کہا: جس نے کہا وَحُورٌ مَّعِينٌ ۝ اسے رفع دیا ہے۔ اور علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان پر چکر نہیں لگائیں گی یہی چیز فاکھ اور لحم میں بھی لازم آئے گی کیونکہ یہ چیز بھی اس پر گردش کناں نہیں ہوگی۔ اس پر صرف شراب گردش کناں ہوگی۔ انفش نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ معنی پر محمول ہو کیونکہ اس کا معنی ہے لهم اکواب ولهم حور عین ان کے لیے جام اور حور عین ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ثلثہ پر ہو اور ثلثہ مبتدا ہو اور اس کی خبر علی سمری قَوْصُونُ ۝ ہو اسی طرح وَحُورٌ مَّعِينٌ ۝ ہے نکرہ کے باوجود اسے مبتدا بنایا کیونکہ صفت کی وجہ سے یہ خاص ہو گیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء من صفة طير الجنة، جلد 2، صفحہ 77

2۔ کنز العمال، ذکر اشراط الساعة الكبرى، جلد 14، صفحہ 462-463



كَأَمْثَالِ اللَّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ⑤، امثال، مثل کی جمع ہے لؤلؤ مکنون جسے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو اور اس پر غبار نہ پڑا ہو۔ یہ موتی صفائی اور چمک میں دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے یعنی وہ تمام اطراف سے حسن میں ایک جیسی ہیں۔

كَأَنَّا خُلِقْتُ فِي قَشٍّ لِّلْؤُلُؤِ

گویا اے موتی کی سیپی میں پیدا کیا گیا ہے۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥ جَزَاءً کا معنی ثواب ہے یہ مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہو کیونکہ يَطْوُفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ⑦ کا معنی ہے۔ انہیں جزادی جائے گی ایسے بچوں کے ساتھ جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔

حور عین کے بارے میں گفتگو سورہ طور وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حور عین کو زعفران سے پیدا کیا ہے“۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”ایک جنتی جنت کے سیپوں میں سے ایک پکڑے گا وہ اس کے ہاتھ میں پھٹ جائے گا تو اس سے حور نکلے گی اگر وہ سورج کو دیکھے تو سورج اس کے حسن سے شرمایا جائے جب کہ اس سیپ میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا“۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابوسلیمان! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سیپ میں کچھ نقص نہ ہوگا؟ فرمایا: ہاں جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے یا کئی چراغ جلانے جاتے ہیں تو اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اس پر قادر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حور عین کو اس کے پاؤں کی انگلیوں سے اس کے گھٹنوں تک زعفران سے، اس کے گھٹنوں سے اس کے پستانوں تک اذفر کستوری سے، پستانوں سے گردن تک عنبر اشہب سے، گردن سے سر تک کافور ابیض سے پیدا کیا ہے اس پر ستر ہزار حلے ہوں گے جس طرح شقائق (1) نعمان ہوتے ہیں جب وہ متوجہ ہوگی تو اس کا چہرہ روشن نور کے ساتھ چمک رہا ہوگا جس طرح سورج اہل دنیا کے لیے چمکتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیرے گی تو اس کا جگر کپڑوں اور جلد کی باریکی کی وجہ سے دکھائی دے گا۔ اس کے سر میں اذفر کستوری کی ستر ہزار مینڈھیاں ہوں گی ہر مینڈھ کی لیے ایک خادمہ ہوگی جو اس کے دامن کو اٹھائے ہوگی جب کہ وہ ندادے رہی ہوگی۔ یہ اولیاء کا ثواب ہے جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ⑦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ باطل اور جھوٹ نہ سنیں گے (2)۔ لغو اسے کہتے ہیں جو کلام میں سے لہو ہو۔ تائیم یہ اشتہار کا مصدر ہے یعنی میں نے اسے کہا: تو نے گناہ کیا۔ محمد بن کعب نے کہا ولا تائیم وہ ایک دوسرے کو گناہگار نہیں کہیں گے۔ مجاہد نے کہا: وہ اس میں گالی گلوچ نہیں سنیں گے (3)۔ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا، قِيلًا اور یہ يَسْمَعُونَ کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ استثناء منقطع ہے لیکن وہ قیل کہتے ہیں یا سلام سلام بنتے ہیں یہ قول کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مگر وہ خیر کہتے ہیں یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مگر یہ وہ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں یا یہ

قبلا کی صفت ہے دوسرا سلام پہلے کا بدل ہے معنی ہوگا ایسی بات جو لغو سے سلامت ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہوگی ”سلام علیکم“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں سلام کریں گے یا ان کا رب انہیں سلام کرے گا۔

وَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿١٠﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿١١﴾ وَ طَلْحٍ مَّنْضُودٍ ﴿١٢﴾ وَ ظِلِّ مُمْدُودٍ ﴿١٣﴾ وَ مَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿١٤﴾ وَ فَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿١٥﴾ لَا مَقْطُوعَةٍ وَ لَا مَمْنُوعَةٍ ﴿١٦﴾ وَ فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿١٧﴾ إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنْشَاءً ﴿١٨﴾ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ﴿١٩﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٢٠﴾ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٢١﴾ كُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٢﴾ وَ كُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٢٣﴾

”اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیڑیوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کی آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بھی بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے پس ہم نے بنالیا انہیں کنواریاں (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمن کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی۔“

وَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿١٠﴾ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿١١﴾، اصحاب میمنہ کی منازل کے ذکر کی طرف رجوع کیا وہ سابقون ہیں جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہ تکرار ان نعمتوں کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے جس میں وہ ہیں۔

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿١١﴾ ایسے بیری کے درختوں کے سایوں میں جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے؛ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ صفوان نے سلیم بن عامر سے حدیث نقل کی ہے (1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہا کرتے تھے کہ بدو اور ان کے سوالات ہمیں نفع دیا کرتے تھے کہا: ایک روز ایک بدو آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تکلیف دہ درخت کا ذکر کیا ہے میرا خیال نہیں کہ جنت میں کوئی ایسا درخت ہوگا جو جنتی کو اذیت دے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہ کون سا درخت ہے؟“ عرض کی بیری کا درخت اس کا کانا اذیت دینے والا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا اللہ تعالیٰ یہ ارشاد نہیں فرماتا فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿١١﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کو ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر کانٹے کی جگہ اس کا پھل بنادیا ہے وہ ایسا پھل نکالے گا کہ اس پھل سے بہتر قسم کے کھانے نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کھانا دوسرے سے مختلف ہوگا۔“ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: مسلمانوں نے وجہ وادی کو دیکھا تو اس کی بیری کے درختوں نے انہیں خوش کیا انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی ایسے درخت ہوتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امیہ بن صلت جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:



إِنَّ الْخَدَائِقَ فِي الْجَنَانِ ظَلِيلَةً فِيهَا الْكَوَاعِبُ سِدْرُهَا مَنْخُودٌ (1)

جنت میں باغ سایہ دار ہیں ان میں نو خیز عورتیں ہیں جس کے بیری کے درخت کانٹوں والے نہیں۔

ضحاک، مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا: فِي سِدْرٍ مَنْخُودٍ ① ایسی بیری جو پھل سے بو جھل ہو (2)۔ یہ اس معنی کے قریب قریب ہے جو ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا پھل منکے سے بڑا ہوگا۔ سورہ نجم میں یہ بحث گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ② اس کے پھل ہجر کے منکوں جیسے ہوں گے۔ یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے جس کو وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں (3)۔

وَ طَلْحٍ مَنْخُودٍ ③ طَلْح کیلے کا درخت ہے اس کا واحد طلحہ ہے؛ یہ قول اکثر مفسرین نے کیا ہے ان میں حضرت علی، حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ کیلے کا درخت نہیں بلکہ ایسا درخت ہے جس کا ٹھنڈا اور تر سایہ ہوتا ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا: مراد بڑا درخت ہے جس کا کاٹا ہوتا ہے؛ جعدی نے کہا:

بَشَرَهَا دَلِيلُهَا وَقَالَ غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَالْأَخْبَالَ

اس کی رہنمائی کرنے والے نے اسے بشارت دی اور دونوں نے کہا: کل تم طلح اور بیری کے درخت دیکھو گی۔

طَلْح سے مراد ہر ایسا بڑا درخت ہے جس کے بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ جنت میں ہو اور اس کے کانٹے زائل کر دیئے گئے ہوں۔ زجاج نے کہا: جس طرح کیکر کا درخت ہوتا ہے اس کی بہت سی عمدہ کلیاں ہوں گی۔ انہیں ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا اور اس چیز کا وعدہ کیا گیا جس کی مثل کو وہ پسند کرتے تھے مگر اس کی دنیا کی چیزوں پر فضیلت ایسی ہوگی جس طرح جنت میں جنتی چیزیں ہیں ان کی فضیلت دنیاوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: جنت کا کیلا اس طرح ہوگا جس طرح دنیا کا کیلا ہوگا مگر اس کا پھل شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے و طلع منضود پڑھا ہے یعنی حاء کی جگہ عین پڑھی ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ④ (اشعراء) یہ مصحف کے برعکس ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے سامنے وَ طَلْحٍ مَنْخُودٍ ⑤ پڑھا گیا ہے تو انہوں نے کہا: یہ طلع کیا ہے؟ وہ طلع منضود ہے پھر کہا: لہا طلع نصید انہیں کہا گیا: کیا ہم اسے بدل نہ دیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ مناسب نہیں کہ قرآن کے بارے میں جلد بازی کی جائے اور نہ اسے بدلنا مناسب ہے۔ انہوں نے اس قرأت کو پسند کیا مگر اسے مصحف میں لکھنے پر اتفاق نہ کیا کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر سب کا اتفاق ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

ابو بکر انباری نے اس کی سند ذکر کی کہا: سیرے والد نے حسن بن عرفہ سے وہ عیسیٰ بن یونس سے وہ مجالد سے وہ حسن بن سعید سے وہ قیس بن عبادہ سے روایت نقل کرتے ہیں قرأت عند علی أو قرأت عند علی مجاہد کو شک ہے یعنی میں نے حضرت علی کے ہاں اسے پڑھایا حضرت علی شیر خدا کے ہاں اسے پڑھا گیا؛ و طلع منضود حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ طلع کیا ہے؟ کیا تو اسے و طلع نہیں پڑھتا پھر کہا: لہا طلع نصید اس آدمی نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا ہم مصحف میں اسے مٹا

وَقَدْ ظَلَمَ مُنْذُ وُدٍّ وَهُوَ رَاكِبٌ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ أَسْفَهَاتٍ فَكَتَرْتُ لِلنَّاسِ صُرُفًا مِّنْ لَّدُنِّي وَلَهُمْ أَعْيُنٌ عَلَىٰ آلِهَتِنَا لَا تُبْصِرُونَ سَاعَةً وَمِنْ أَشْرِكِهِم مَّا يَكْفُرُونَ

وَقَدْ ظَلَمَ مُنْذُ وُدٍّ وَهُوَ رَاكِبٌ اِسے ختم نہیں کرے گا (1)؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اِیَّی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَ لَوْ شَاءَ لَجَعَلْنٰهُ سَاکنًا (الفرقان: 45) یہ صبح کے وقت ہوتا ہے یہ صبح کے روشن ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ جنت میں سایہ ہی سایہ ہے اس کے ساتھ کوئی سورج نہیں ہوگا۔ ربیع بن انس نے کہا: مراد عرش کا سایہ ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: اس کی لمبائی ستر ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ابو عبیدہ نے کہا: عرب طویل زمانہ، طویل عمر اور جو چیز ختم نہ ہو اسے مُنْذُ وُدٍّ کہتے ہیں۔ لبید نے کہا:

صحیح ترمذی اور دوسری کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے: **وَفِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَاقِعٌ وَابْنٌ شَتَمٌ وَظِلٌّ مَمْدُودٌ جَنَّتْ فِيهِ أَيْكَ إِيَّادِ رَحْتٍ هِيَ أَيْكَ سَوَارِ اسْ كِ سَايَ فِي سَوَسَالِ تِكِ چَلَارِ هِيَ كَادِ اسْ طِي نَهْ كِر سَكِي كَا۔ چَا هُو تُو پڑھو۔ وَظِلٌّ مَمْدُودٌ (2)۔**

وَمَا مَقْنُوطٌ ۝ یعنی جاری پانی ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ سبک کا اصل معنی بہانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبکہ سبکا، سکوہ کا معنی اس کا بہنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبک سکوہا، انسکب انسکا بہا یعنی بہایا گیا پانی رات، دن بغیر کھائی کے جاری رہے گا وہ ان سے ختم نہ ہوگا۔ عرب بادیہ نشین اور گرم علاقوں کے رہائشی تھے ان کے علاقوں میں نہریں نادر و نایاب تھیں وہ ڈولوں کے ذریعے ہی پانی تک پہنچ پاتے تو اس کے برعکس ان سے نہروں کا وعدہ کیا گیا۔ ان کے لیے سیر و سیاحت کے اسباب کا ذکر کیا گیا جو دنیا میں معروف ہیں جیسے درخت، ان کے سائے، پانی، نہریں اور ان کا عام ہونا۔

وَقَالَهُ كَثِيرًا ۝ وہ تھوڑے اور نادر و نایاب پھل نہیں ہوں گے جس طرح ان کے علاقے میں ہوتے ہیں لَا مَقْطُوعَةٍ وہ کسی وقت ختم نہ ہوں گے جس طرح موسم گرما کے پھل موسم سرما میں ختم ہو جاتے ہیں۔ وَلَا مَبْنُوعَةٍ ۝ یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح انہیں ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا مَبْنُوعَةٍ ۝ کا معنی ہے جو ان کا ارادہ کرے اسے کانٹے، دوری اور دیوار کے ساتھ نہیں روکا جائے گا بلکہ جب بندہ اس کی خواہش کرے گا پھل اس کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذِينًا ۝ (الانسان) ایک قول یہ کیا گیا



ہے: نہ وہ کسی زمانہ میں ختم ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے ممنوع ہوں گے۔

وَقَدْ رُشِّ مَرْفُوعَةٍ ۝ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”ان کی بلندی اتنی ہوگی جتنا زمین و آسمان کے درمیان دوری ہے یعنی پانچ سو سال“ (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں پہچانتے مگر رشید بن سعد کی سند سے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی وضاحت میں کہا: فرش درجہ بدرجہ ہوں گے اور درجات میں یوں فاصلہ ہوگا جس طرح زمین و آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں فرش سے مراد وہ عورتیں ہیں جو جنت میں ہیں ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ معنی ہے وہ عورتیں، اپنے حسن اپنے کمال میں بلند شان والی ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّا اَنْشَاْنَهُنَّ اِنْشَاءً ۝ ہم نے انہیں پیدا کیا اور حسین و جمیل بنایا۔ عرب عورتوں کو فرش، لباس اور ازار کا نام دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ (البقرہ: 186) پھر یہ قول کیا گیا وہ حور عین ہیں یعنی ہم نے انہیں ولادت کے عمل کے بغیر پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد انسانوں کی عورتیں ہیں، یعنی ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا یہ انہیں لوٹانا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں جوانی کی حالت اور جمال کے کمال کے ساتھ پیدا کیا۔ معنی ہے ہم نے بوڑھی اور بچی کو ایک ہی دفعہ پیدا کر دیا ان کے لیے ضمیر ذکر کی گئی اور ان کا ذکر پہلے نہ ہوا کیونکہ وہ اصحاب یمین میں داخل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرش، النساء سے کنایہ ہے جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّا اَنْشَاْنَهُنَّ اِنْشَاءً ۝ کے ضمن میں روایت گزری ہے فرمایا: منهن البكر والشيب (2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّا اَنْشَاْنَهُنَّ اِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَشْرَابًا ۝ کے بارے میں سوال کیا فرمایا: ”اے ام سلمہ! اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں دنیا میں اس حیثیت سے موت دی گئی تھی جب کہ وہ بوڑھی، ان کے بال سفید، آنکھیں کمزور چند ہیائی ہوئی اور میل بہہ رہی ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے کے بعد ہم عمر، برابر ایک ہی وقت کی پیدائش پر بنادیا“ (3)۔ نحاس نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا احمد بن عمر بن عمرو بن علی سے وہ ابو عاصم سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ یزید رقاشی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ ”مراد وہ بوڑھیاں ہیں جن کی آنکھیں دنیا میں چند ہیائی ہوئی اور آنکھوں سے میل بہہ رہی ہوتی تھی“۔ مسیب بن شریک نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مراد دنیا کی بوڑھی عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے انداز میں پیدا کیا جب بھی ان کے خاوندان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ پائیں گے“ (4)۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے سنا تو کہا: ”ہائے درد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہاں کوئی درد نہیں ہوگا“۔

عُرُبًا یہ عرب کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: عرب سے مراد ہے وہ عورتیں جو اپنے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء في صفة شباب اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 3261، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً، ج 27، صفحہ 218

2۔ تفسیر طبری، ج 27، صفحہ 217

4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

خاندانوں سے عشق کرتی ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عرب سے مراد مملکت (1) ہے عکرمہ نے کہا: غنجه (2) ہے ابن زید نے کہا: یہ اہل مدینہ کی لغت میں ہے اسی معنی میں لبید کا قول ہے:

وَلِي الْخَبَاءِ عَرُوبٌ غَيْرُ فَاحِشَةٍ

خیمہ میں ناز و ادا والی ہے فاحشہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اچھی گفتگو کرنے والی۔ عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے: عرب ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے خاندانوں سے محبت کرنے والیاں ہوں۔ یہ اعراب سے مشتق ہے۔ جب وہ وضاحت کرے۔ عرب ایسی عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاندان کے لیے ناز و ادا، نخرے اور حسن کلام کے ساتھ اپنی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاندان سے محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت کرے تاکہ لطف اندوز ہونے میں زیادہ لذت کا باعث ہو۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عربا سے مراد ہے ان کی کلام عربی زبان میں ہوگی۔ حمزہ اور ابو بکر نے عاصم سے غریبہ قرأت نقل کی ہے باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ دونوں قرأتیں جائز ہیں یہ فعل کی جمع ہے۔

أَشْرَابًا ۝ وہ ہم عمر ہوں گی ان کی عمر تینیس سال ہوگی (3)۔ ہم عمر عورتوں میں اترا ب اور ہم عمر مردوں میں اقرا ب کا لفظ بولتے ہیں۔ عرب اس عورت میں دلچسپی کا اظہار کرتے جو بچپن کی حد سے گزر چکی ہو اور بڑھاپے سے ابھی کم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اترا ب کا معنی ہے ہم مثل ہم شکل (4)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ سدی نے کہا: وہ اخلاق میں ہم مثل ہوں گی ان کے درمیان کوئی بغض اور کوئی حسد نہ ہوگا (5)۔ لَا صُحْبَ الْيَوْمَيْنِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حُورٌ عَيْنٌ ۝ سابقین کے لیے ہے اور اترا ب عرب اصحاب یمن کے لیے ہے۔

كُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَكُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے فرمان وَأَصْحَابُ الْيَوْمَيْنِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْيَوْمَيْنِ ۝ کی طرف راجع ہے یعنی ہم ثلثہ من الأولین وثلثہ من الآخرین اس کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے کہا: كُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ یعنی اس امت کے سابقین میں سے جماعت وَكُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ ان امت کے آخرین میں سے جماعت ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ سب میری امت سے تعلق رکھتے ہیں“ (6)۔ واحدی نے کہا: اصحاب جنت نصف نصف ہوں گے نصف سابقہ امتوں میں سے اور نصف اس امت سے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس باقی امتوں کی ہوں گی“ (7)۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ

1۔ خوشام کرنے والی۔ 2۔ ناز و نخرے کرنے والی۔ 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456

4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 245

7۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء في صف اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 2469، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب صفة لمة محمد ﷺ، حدیث نمبر 4278، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



حدیث حسن ہے۔ ثَلَاثَةٌ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے معنی یہ بنے گا لاصحاب الیومین ثلثان، ثلثہ من ہولاء و ثلثہ من ہولاء یعنی ایک جماعت ان سے اور ایک جماعت ان سے۔ پہلے سابقہ امتوں میں سے ہوں گے اور دوسرے اس امت کے ہوں گے۔ یہ دوسرے قول کی بنا پر ہے۔

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سُؤْمٍ وَحَيْمٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحُومٍ ۖ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصْرُؤْنَ عَلَى الْحِنْتِ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۖ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ أَأَنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۖ أَوْ آبَاءُنَا الْأَوَّلُونَ ۖ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۖ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الضَّالُّونَ الْمُكْذِبُونَ ۖ لَا تَكُونُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّومٍ ۖ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۖ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَيْمِ ۖ فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ ۖ هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۖ

”اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ یہ (بد نصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ یہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے اور اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرمادیجئے: بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! حکما کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن۔“

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ اہل تار کی منازل کا ذکر کیا اور انہیں اصحاب شمال کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں لیں گے۔ پھر بلاء اور عذاب میں ان کے ذکر کو بڑھ کر بیان کیا۔ فرمایا: فِي سُؤْمٍ، سُؤْمٍ سے مراد گرم ہوا ہے جو بدن کے مساموں میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد آگ کی گرمی اور اس کی لپک ہے۔ وَحَيْمٍ ۖ گرم پانی جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ جب آگ ان کے جگر اور ان کے جسم کو جلادے گی تو وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جلدی سے جائیں گے جس طرح ایک آدی آگ سے بھاگ کر پانی کی طرف جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ آگ کو بجھائے تو وہ اسے سخت گرم پاتا ہے جو گرمائش اور جوش مارنے میں انتہا کو پہنچا ہوتا ہے۔ یہ بحث وَ سُقُوا مَاءَ حَيْمًا فَفَكَتَمَ أَمْعَاءَهُمْ ۖ (محمد) میں گزر چکی ہے۔

لَا بَأْسَ ۖ تَتَّخِذُ الْبُحْرَانُ نَاحِيَةً ۚ وَكَذَٰلِكَ يَجْزِيكَ اللَّهُ بِمَا كُنتَ تَعْمَلُ ۚ  
سَعِيدٌ بْنُ جَبْرِ: اس کا منظر حسین نہیں ہوگا۔ جس میں خیر نہ ہو وہ کریم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَظَلَّ قَوْمٌ يَّحْضُرُ  
سے مراد ہے وہ اس آگ کا سایہ ہوگا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ قَوْمٌ  
فَوَقَّعَهُمْ فِي الْوَعْدِ ۚ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ يَصْطَفِي الْكَافِرِينَ ۚ (الزمر: 16)

وَكَاؤُوا يَقُولُونَ<sup>۱</sup> اٰیْذَا مِثْلَیْهِ اِن كِی جَانِب سے بعث کے امر کو حقیقت سے بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اے محمد! انہیں کہو اِنَّ الْاَوَّلَیْنَ وَالْاٰخِرَیْنَ ﴿۱﴾ لَمَجْمُوعُوْنَ<sup>۲</sup> اِلٰی مِیْقَاتٍ یَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵﴾ اولین سے مراد تمہارے آباء، آخرین سے مراد تمہاری ذاتیں ہیں۔ مِیْقَاتٍ یَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ مراد یوم قیامت ہے۔ کلام کا معنی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمَجْمُوعُوْنَ میں لام کا دخول قسم کے معنی پر دال ہے یعنی تم ضرور جمع ہو گے یہ حقیقی قسم ہے جو تمہاری باطل قسم کے خلاف ہے۔

لَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتُهَا الْهَادِيَةُ هَدَايَتِ سَبْعَةِ مَلَكٍ هُوَ الْمَكَدِّيُّونَ ﴿١٠﴾ بَعَثَ كَوْجَهْلَانِ وَالْمَلِكُ هُوَ لَا يَكُونُ مِنْ شَجَرٍ قِنْ



زَقُومٍ ⑤ زَقُوم سے مراد ایسا درخت ہے جس کا منظر بڑا کریمہ ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ بھی بڑا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ صافات میں گزرا ہے۔

فَمَا يَشْوَنُ مِنْهَا الْبُطُونُ ⑥ ہا ضمیر سے مراد شجرہ ہے کیونکہ شجر سے مقصود شجرہ ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا من زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف ہو گویا فرمایا: لا کلون من شجر من زقوم طعاما من زقوم شجر کی صفت ہے جب تو نے جار کو زائد مقدر کیا تو صفت کو معنی کے اعتبار سے نصب دے گا یا لفظ کے اعتبار سے جر دے گا۔ اگر تو مفعول کو محذوف مقدر کرے تو صفت محل جر میں ہوگی۔

فَشَرْبُونٌ عَلَيْهِ، ضمیر سے مراد زقوم، اکل یا شجر ہے کیونکہ یہ مذکر و مونث استعمال ہوتے ہیں مِنَ الْحَيَمِيمِ ⑦ اس سے مراد ابلا ہوا پانی ہے جس کا جوش سخت ہو۔ یہ جہنیوں کی پیپ ہے یعنی بھوک کے ساتھ جو وہ زقوم کھائیں گے وہ پیاس کا باعث ہوگی۔ وہ پانی پیئیں گے وہ گمان یہ کریں گے کہ یہ ان کی پیاس کو زائل کر دے گی تو وہ اسے جوش مارتا ہوا پانی پائیں گے۔

فَشَرْبُونٌ شَرْبِ الْهِيمِ ⑧ یہ نافع، عاصم اور حمزہ کی قرأت ہے باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں عمدہ لغتیں ہیں عرب کہتے ہیں: شَرِبْتُ شَرْبًا وَشَرْبًا شَرِبْتُ شَرِبًا یعنی شین اور راء پر ضمہ ہے۔ ابو زید نے کہا: میں نے عربوں کو شین کے ضمہ، فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے فتح یہی صحیح مصدر ہے کیونکہ ثلاثی سے ہر مصدر فعل کے وزن پر ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو اسے ایک دفعہ کے عمل کی طرف پھیر دیتا ہے تو کہتا ہے: فَعَلَةٌ جس طرح شَرْبَةُ اور ضمہ کے ساتھ یہ اس سے اسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتوح اور مضموم دونوں مصدر ہیں شَرْبِ جس طرح اکل، شَرْبِ جیسے ذُکْر اور شَرْبِ جو کسرہ کے ساتھ ہو اس سے مراد مشروب ہے جس طرح طَحْن مطحون کے معنی میں ہے ہیم سے مراد پیاس سے اونٹ ہیں جو بیماری کی وجہ سے سیراب نہیں ہوتے؛ حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، سدی اور دوسرے علماء نے یہی کہا: عکرمہ نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد مریض اونٹ ہیں۔ ضحاک نے کہا: ہیم سے مراد ایسے اونٹ ہیں جنہیں کوئی بیماری لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید پیاس لاحق ہوتی ہے اس کا واحد اھیم ہے اس کی مونث ہیاء ہے اس بیماری کو ہیام کہتے ہیں۔ قیس بن ملوح نے کہا:

يَقَالُ بِهِ دَاءُ الْهِيَامِ أَصَابَهُ وَقَدْ عَلِمْتَ نَفْسَ مَكَانٍ شِفَائِهَا (1)

یہ کہا جاتا ہے: اسے ہیام کی بیماری ہے جب کہ میرا نفس اس کی شفاء کے مکان سے آگاہ ہے۔

قوم ہیم پیاسے لوگ۔ ہاموا ہیاموا وہ پیاسے ہو گئے عربوں میں سے کچھ اونٹوں کے بارے میں کہتے ہیں: ہائم، ہائسہ اس کی جمع ہیم ہے۔

ضحاک، انخفش، ابن عیینہ اور ابن کسان نے کہا: ہیم سے مراد نرم ہموار زمین ہے جس میں ریت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ ریت کی طرح پیتے ہیں وہ پانی سے سیراب نہیں ہوتے۔ یہ کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو وہ اونٹ ہو یا ریت ہو اسے ہیم اور ہیاء کہتے ہیں: صحاح میں ہے: ہیام سے مراد شدید پیاس ہے ہیام سے مراد ایسا عشق جو جنون کی

طرح ہو۔ ہیام ایسی بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو وہ زمین میں سرگرداں رہتا ہے چرنا نہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناقتہ ہیاء۔ ہیاء سے مراد ایسا جنگل ہے جس میں پانی نہ ہو۔ ہیام سے مراد ایسی ریت ہے جو ہاتھ سے بہنے سے نہیں رکتی اس کی جمع ہییم ہے جس طرح قذال اور قذل ہے۔ ہیام سے مراد پیاسے اونٹ ہیں اس کا واحد ہیام ہے ناقتہ ہیاء جس طرح عطشان کی جمع عطاش آتی ہے۔

هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾ یہ وہ رزق ہے جو ان کے لیے تیار کیا جاتا ہے جس طرح وہ کھانا جو مہمانوں کے لیے بطور تکریم تیار کیا جاتا ہے اس میں استہزاء ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فبشرهم بعذاب الیم۔ ابوسعہ ضمی کا قول ہے: جعلنا القنأ والسرففات له نُزْلًا ہم نے نیزے اور باریک تلواروں کو اس کے لیے ضیافت کے طور پر تیار کیا۔

یونس بن حبیب اور عباس نے ابو عمرو سے یہ قرأت نقل کی ہے هَذَا نُزْلُهُمْ یعنی زاء ساکن ہے سورہ آل عمران کے آخر میں گفتگو اس کے بارے میں گزر چکی ہے يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾ سے مراد یوم جزا یعنی جہنم ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدْ رَّبَّانَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَى أَنْ تُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

”(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے بھلا دیکھو تو جو مٹی تم نکاتے ہو (اور سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم ہی نے مقرر کیا ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے۔“

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾ تم دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے (1)؟ کیونکہ دوبارہ اٹھانا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم نے تمہارے رزق کو پیدا کیا تو تم کیوں اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ تمہارا کھانا ہے اگر تم ایمان نہیں بھی لاتے؟

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ مراد ہے مٹی میں سے جو تم عورتوں کی رحموں میں نکاتے ہو۔ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ کیا تم اس سے انسان کی تصویر کشی کرتے ہو۔ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾ یا ہم مقدر کرنے والے اور تصویر کشی کرنے والے ہیں یہ ان کے



خلاف استدلال اور پہلی آیت کا بیان ہے یعنی جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں تو تم دوبارہ اٹھائے جانے کا اعتراف کر لو۔ ابوسال، محمد بن سمیع اور اشہب عقیلی نے پڑھا ہے تَمْنُون یعنی تاء پر فتح ہے امنی اور منی دونوں لغتیں ہیں، جس طرح اُمذی، مَذی، یُمنی، یُمنی، یُمنی، یُمنی؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ میرے نزدیک دونوں کے معنی مختلف ہوں تو امنی کا معنی ہو جب جماع سے انزال ہو اور منی سے مراد ہے جب احتکام سے انزال ہو۔ منی کو منی کہنے کی دو جہیں ہیں۔ (۱) ایک تو اس کے امناء کی وجہ سے ہے کہ اس کو بہایا جاتا ہے (۲) اس کا اندازہ لگانے کی وجہ سے۔ اس سے لفظ منا ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی مقدار ہوتی ہے اسی طرح منی ہے مخلوق کی تصویر کشی کے لیے صحیح تعداد ہے۔

نَحْنُ قَدْ نَأْتِيَنَّكُمُ الْمَوْتُ یہ بھی استدلال ہے یعنی وہ ذات جو موت دینے پر قادر ہے وہ پیدا کرنے پر قادر ہے جب وہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ مجاہد، حمید، ابن محیسن اور ابن کثیر نے قدر نادال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے ہم نے اہل آسمان اور اہل زمین کے درمیان برابری کر دی (۱)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہم نے لکھ دیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۱۰﴾ عَلَىٰ أَنْ نُبْهَلَ أَمْثَلُكُمْ اگر ہم ارادہ کریں کہ تمہاری جگہ اور پیدا کریں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا۔ گو یا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ کا معنی ہے ہم مغلوب نہیں۔ طبری نے کہا: معنی ہے ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے تاکہ ہم تمہاری موت کے بعد تمہاری جنس میں سے دوسروں کو لے آئیں اور تمہاری آجال میں ہم مغلوب نہیں نہ کوئی متاخر آگے ہو سکتا ہے اور نہ مقدم پیچھے ہو سکتا ہے (۲)۔

وَنُنْشِئُكُمْ فِي مَآلَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ یعنی جن صورتوں اور ہیئتوں کو تم نہیں جانتے ہم تمہیں ان میں پیدا کر دیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم تم کو بندر اور خنزیر بنادیں جس طرح ہم نے تم سے قبل قوموں کے ساتھ کیا ہے (۳)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں دوبارہ اٹھاتے وقت ایسی صورت میں پیدا کریں جو ان صورتوں سے مختلف ہوں جو تمہاری دنیا میں تھیں مومن اپنے چہرے کی سفیدی کی وجہ سے خوبصورت ہو گا اور کافر اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے بد صورت ہو گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے یعنی سیاہ بھندوں کے پوٹوں میں ہوں گے جو برہموت وادی میں ہوتے ہیں برہموت یمن میں ایک وادی ہے گو یا وہ آنکھیں ہیں۔ مجاہد نے کہا: فِي مَآلَا تَعْلَمُونَ کا معنی ہے ہم نے جس صورت میں چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں ایسے عالم میں پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے ہو گے اور ایسے مکان میں پیدا کریں گے جس کو تم نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ کیونکہ تم کو نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا کیا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾ تم سوچو و بچار کیوں نہیں کرتے؟ حدیث میں ہے ”دوبارہ پیدا کرنے کے جھٹلانے والے پر بڑا تعجب ہے جب کہ وہ پہلی پیدائش کو دیکھتا ہے اس پر بھی تعجب ہے اور جو دوبارہ پیدا کرنے کا اقرار تو کرتا ہے مگر دادر قرار کے لیے تنگ دو نہیں کرتا۔“ عام قرأت النشأة ہے۔ مجاہد، حضرت حسن بصری، ابن کثیر اور ابو عمرو نے النشأة الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورہ عنکبوت میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٣١﴾ ءَأَنْتُمْ تَرْعَوْنَہٗ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٣٢﴾ لَوْ نَشَاءُ

لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا الْمَغْرُمُونَ ﴿٣٤﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٣٥﴾

”کیا تم نے غور سے دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ (بج بجاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔“

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٣١﴾ یہ دوسری دلیل ہے مجھے اس چیز کے بارے میں بتاؤ: جو تم اپنی زمین میں کاشت کرتے ہو تم اس میں بیج ڈالتے ہو تم اسے کاشت کرتے ہو اور اس سے کھیتی حاصل کرتے ہو تو اس میں بالی اور دانہ بن جاتا ہے یا ہم یہ سب کچھ کرنے والے ہیں تمہارا کام بیج ڈالنا اور زمین پھاڑنا ہے جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ دانے سے بالی کا نکالنا تمہارے بس میں نہیں تو تم زمین سے مردوں کو نکالنے اور انہیں دوبارہ اٹھانے سے انکار کرتے ہو۔ حرث کی نسبت ان کی طرف کی اور زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ حرث ان کا فعل ہے اور ان کے اختیار پر جاری ہوتا ہے اور زرع اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ اپنے اختیار سے اگاتا ہے ان کے اختیار سے نہیں اگاتا؛ اس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ”تم میں سے کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیے زرع بلکہ وہ کہے: حرث کیونکہ زرع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنتے: ءَأَنْتُمْ تَرْعَوْنَہٗ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٣٢﴾ (واقعہ) جو آدمی بھی زمین میں بیج ڈالتا ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنے کے بعد یہ پڑھے أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٣١﴾ پھر وہ کہے: ہل اللہ الزارع والمنبت والمبدل اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما ہمیں اس کا پھل عطا فرما، اس کے ضرر سے ہمیں دور رکھ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر بجالانے والا بنادے، اپنی نوازشات کا ذکر کرنے والا بنادے اور اس میں ہمارے لیے برکت رکھ دے یا رب العالمین!۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ قول اس کھیتی کے لیے تمام آفات سے امان ہوگا، وہ کیڑا ہو، مٹی دل ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ہم نے ثقہ لوگوں سے اسے سنا ہے اس کا تجربہ کیا گیا ہے تو اسی طرح پایا گیا۔ ءَأَنْتُمْ تَرْعَوْنَہٗ یعنی تم اسے کھیتی بناتے ہو۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: فلان زارع جس طرح کہا جاتا ہے حرث یعنی وہ ایسا کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کھیتی ہو جو کاشتکاروں کو خوش کرے۔ بعض اوقات بطور مجاز زرع کا لفظ زمین میں بیج ڈالنے اور ہل چلانے پر بھی بولا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نبی راہنمائی کے لیے ہے یہ نبی روکنے اور واجب کرنے کے لیے نہیں اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا



ماوردی نے کہا: یہ آیت دو امور کو متضمن ہے (۱) ان پر احسان جتلا یا کہ اس نے ان کی کھیتی کو اگایا یہاں تک کہ اس کے ذریعے وہ زندہ رہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہے اس پر وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) ایسی دلیل جو عبرت حاصل کرنے کو لازم کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی کو اگایا جب کہ بیج ناپید ہو چکا تھا اور انتہائی بری حالت میں منتقل ہو چکا تھا کہ وہ مٹی میں مل چکا تھا یہاں تک کہ وہ سرسبز و شاداب کھیتی بن گیا پھر اسے اس سے کئی گناہ قوی بنا دیا جس پر وہ پہلے تھا تو جو انسان فوت ہو چکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے اور وہ اس پر زیادہ قادر ہے یہ دلیل فطرت سلیمہ کے لیے کافی و شافی ہے پھر فرمایا: **لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا** اگر ہم چاہتے تو اس کھیتی کو ریزہ ریزہ بنا دیتے (۱)۔ حطام ایسی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں جس سے کھانے اور غذا کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ دو امور پر متنبہ کیا۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی میں جو نعمتیں عطا کیں کہ اسے ریزہ ریزہ نہیں کیا تاکہ وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کے بارے میں عبرت حاصل کریں جس طرح جب وہ چاہتا ہے کھیتی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے جس طرح جب وہ چاہے گا انہیں ہلاک کر دے گا تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور ایسا کرنے سے رک جائیں۔

فَظَلَّمْتُمْ تَفَكُّهُونَ ﴿١٥﴾ اس کے ضائع ہو جانے پر تم تعجب کا اظہار کرتے ہو اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے اس پر شرمندہ ہوتے ہو (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ صحاح میں ہے: تفکھ کا معنی ہے اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ شرمندہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَظَلَّمْتُمْ تَفَكُّهُونَ ﴿١٥﴾ یعنی تم شرمندہ ہوتے ہو۔ تفکھت بالشیء یعنی میں اس سے لطف اندوز ہوا۔ ایمان نے کہا: تم اپنے خرچوں پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہو اس کی دلیل فَأَصْحَابُ يُقَلِّبُ كَفْيِهِ عَلَىٰ مَا أَلْفَقَ فِيهَا (کہف: 42)

عکرمہ نے کہا: وہ معصیت جو تم سے ہو چکی اور تمہاری سزا کا موجب ہوئی یہاں تک کہ تمہاری کھیتوں میں جا پہنچی اس پر تم ملامت کا اظہار کرتے ہو اور شرمندہ ہوتے ہو (3)۔ ابن کیسان نے کہا: تم غمگین ہوتے ہو (4)۔ معنی قریب قریب ہے اس میں دو لغتیں ہیں تفکھون، تفکنون۔ فراء نے کہا: نون عکل کی لغت ہے۔ صحاح میں ہے: تفکن سے مراد جو چیز فوت ہوئی اس پر شرمندگی کا اظہار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تفکہ کا معنی ہے بے مقصد گفتگو کرنا؛ اسی معنی میں فکاکہ کا لفظ ہے جو مزاح کے لیے بولا جاتا ہے جہاں تک فکاکہ کا تعلق ہے تو یہ فکہ الرجل فهو فکک کا مصدر ہے۔ جب وہ اچھی طبیعت کا اور مزاح کرنے والا ہو۔ عام قرأت فظلتم ہے (5)۔ عبد اللہ نے اسے فظلتم پڑھا ہے۔ ہارون نے حسین سے وہ ابو بکر سے

روایت نقل کرتے ہیں جس نے اسے فتح دیا وہ اصل پر ہے اصل میں ظلمت تھا پہلا لام تخفیف کے طور پر حذف کر دیا گیا جس نے ظاء کو کسرہ دیا ہے اس نے پہلے لام کے کسرہ کو ظاء کی طرف منتقل کیا پھر پہلے لام کو حذف کر دیا۔

إِنَّا لَنَعْلَمُ الْمُؤْمِنَ ۝ ابوبکر اور مفضل نے اثناد و ہمزہ کے ساتھ استفہام کی صورت میں پڑھا ہے عاصم نے اسے زر بن حبیش سے روایت کیا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا ہے یعنی وہ کہتے ہیں: ہم عذاب میں ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: غرام سے مراد عذاب ہے؛ اس معنی میں ابن محکم کا قول ہے:

وَلَمَّا بَانَ الْحَفْظُ مَنَى سَخِيَةً وَأَنْ فَوَادَى مُتَبَلِّ بَكَ مَغْرُمًا (2)

مجھے اعتماد ہے کہ میری طرف سے یاد رکھنا خصلت ہے اور میرا دل تیری وجہ سے پریشان اور عذاب میں ہے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: ہمیں شوق اور جوش دلایا گیا تھا؛ اس معنی میں نمر بن تولب کا قول ہے:

كَانَ رَهِينًا بِهَا مُغْرَمًا

وہ اس کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اسے جوش دلایا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرم فلان بفلانة فلاں سے بہت محبت کرتا ہے؛ اسی سے غرام ہے یہ ایسی شر ہے جو لازم ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: وہ شر کو پانے والے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: إِنَّا لَنَعْلَمُ الْمُؤْمِنَ یہ لفظ غرام سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہلاکت ہے جس طرح شاعر نے کہا۔

يَوْمَ النَّسَارِ وَيَوْمَ الْجَفَا رَكَانَا عَذَابًا، كَانَا غَرَامًا (3)

یوم نسا (چشمہ کا نام) اور یوم جفا (جگہ کا نام) دونوں عذاب اور ہلاکت تھے۔

ضحاک اور ابن کسان نے کہا: یہ غرام سے مشتق ہے مغرم اسے کہتے ہیں جس کا مال بغیر عوض کے چلا جائے یعنی ہمارا وہ دانہ بھی ضائع ہو گیا جو ہم نے بویا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: ہمارا محاسبہ کیا جائے گا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ یعنی ہم نے جس شادابی کا مطالبہ کیا تھا اس سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ محروم اسے کہتے ہیں جس کو رزق سے روک دیا گیا ہو محروم، مزدوق کی ضد ہے۔ قتادہ کے قول میں یہی محارف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ انصار کی زمین کے پاس سے گزرے پوچھا: ”کس چیز نے تمہیں کھیت کو کاشت کرنے سے روکا؟“ انہوں نے عرض کی: زمین کے بنجر ہونے نے۔ فرمایا: ”ایسا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَنَا الزَّادُ فِي كَيْتِ الْوَاغَاوِ، میں چاہوں تو میں پانی کے ساتھ کھیتی کو اگاؤں، چاہوں تو ہوا کے ساتھ اگاؤں اور چاہوں تو بیج کے ساتھ اگاؤں“۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ ۱۰ ؕ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهَا أَمْ نَحْنُ الظَّالِمُونَ ۝ (الواقعہ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اور اس سے قبل کی حدیث میں وہ دلیل موجود ہے جو اس کے قول کی صحت کو ثابت کرتی



ہے جس نے زارع کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں داخل کیا ہے۔ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ہم نے اس کی وضاحت کتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کر دی ہے۔

أَفْرَعَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿١٨﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿١٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٢٠﴾ أَفْرَعَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٢١﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٢٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا ﴿٢٣﴾ وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿٢٤﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٢٥﴾

”کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو (سجج بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنادیتے پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو (سجج بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لیے تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی۔“

أَفْرَعَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿١٨﴾ تاکہ اس کے ساتھ تم اپنے آپ کو زندہ رکھو اور اس کے ساتھ اپنی پیاس کو سکون بہم پہنچاؤ کیونکہ مشروب کھانے کے تابع ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے آیت میں کھانے کا ذکر پہلے ہوتا ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسے پلاتا ہے۔

ایک عرب کو مشروب پلایا گیا تو اس نے کہا: أنا لا اشرب إلا على شيلة میں نہیں پیتا مگر ہلکے پیٹ والا ہو کر۔ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ، مزن سے مراد بادل ہے اس کا واحد مزنہ ہے؛ شاعر نے کہا:

فَنَحْنُ كَمَاءِ الْمُزْنِ مَا نِيَصَابِنَا كَهَامٍ وَلَا فِينَا يُعَدُّ بَخِيلٌ (1)

ہم بادل کے پانی کی طرح ہیں نہ ہماری اصل میں کوئی مال سے خالی ہے اور نہ ہی ہم میں کوئی بخیل شمار ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہما کا قول ہے کہ مزن سے مراد بادل ہے۔ حضرت ابن عباس اور ثوری سے یہ مروی ہے کہ مزن سے مراد آسمان اور بادل ہے۔ صحاح میں ہے ابو زید نے کہا: مزنہ سے مراد سفید بادل ہے اس کی جمع مزن ہے مزنہ سے مراد بارش ہے شاعر نے کہا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مَزْنَةً

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کیا۔

أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٢٥﴾ جب تم نے پہچان لیا کہ میں نے اسے نازل کیا ہے تو تم میرے لیے عبادت کو خاص کر کے شکر

کیوں نہیں بجالاتے اور تم دوبارہ پیدا کرنے کی میری قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا یعنی ایسا نمکین جو حد درجہ نمکین ہو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سخت کڑوا تم پینے، کاشت وغیرہ میں اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتے۔ فَلَوْ لَا تَشْكُرُونَ ۝ تو کیا تم اس کا شکر بجا نہیں لاؤ گے جس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ مجھے اس آگ کے بارے میں تو بتاؤ جسے تم تر درخت سے رگڑنے کے ساتھ نکالتے ہو۔ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا جس درخت سے آگ جلائی جاتی ہے وہ مرغ اور عفار ہے؛ اسی معنی میں ان کا قول ہے: ہر درخت میں آگ ہے مرغ اور عفار میں زیادہ ہے گویا ان دونوں نے اس سے وہ حصہ لیا جو انہیں کافی ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: کیونکہ یہ دونوں آگ کو جلدی پھیلاتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: أَوْرِثْتُ النَّارَ جب تو اسے جلائے۔ وَرِى الزُّنْدَ يَرِى جب اس سے آگ نکلے اس میں ایک اور لغت بھی ہے وَرِى الزُّنْدَ يَرِى یعنی ماضی اور مضارع کے عین کلمہ میں کسرہ ہے۔ أَمْ نَخْنُ الْمُنْشُونَ ۝ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں یعنی جب تم میری قدرت کو پہچان چکے تو میرا شکر بجالاؤ اور دوبارہ اٹھانے پر میری قدرت کا انکار نہ کرو۔

نَخْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا یعنی دنیا کی آگ بڑی آگ کے لیے نصیحت ہے (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ لوگوں کے لیے تاریکی سے بصیرت ہے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ صحیح روایت مروی ہے ”تمہاری یہ آگ جسے انسان روشن کرتے ہیں یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے“۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو کافی ہے فرمایا: ”جہنم کی آگ ابتر گنا زائد ہے ان میں سے ہر جز دنیا کی آگ کی گری کی مثل ہے“۔

وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ۝ ضحاک نے کہا: یہ مسافروں کے لیے نفع کا باعث ہے (2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ وہ چٹیل میدان میں اترتے جسے قوی کہتے۔ فراء نے کہا: مسافروں کو مقوین کہا جاتا جب وہ چٹیل جگہ پر ڈیرہ ڈالتے جہاں کوئی چیز نہ ہوتی؛ اسی طرح قوی اور قواء ہے منزل قواء ایسی جگہ کو کہا جاتا جہاں کوئی انس کرنے والا نہ ہوتا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقوت الدار، قوت الدار جب وہ اپنے مکینوں سے خالی ہو جائے۔ عشرہ نے کہا:

حُيِّتَ مِنْ طَلَلٍ تَقَادَمَ عَهْدُهُ أَقْوَى وَأَقْفَرُ بَعْدَ أَمْرِ الْهَيْثَمِ (3)

تجھے طلل کی جانب سے سلام پہنچے جس کا زمانہ پہلے گزر چکا ہے جو ام ہیشم کے بعد بے آباد ہو چکا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقوی اصحابہ وقوی اصحابہ۔

اقوی إذا سافر یعنی وہ قواء اور قی میں فروکش ہوا۔ مجاہد نے کہا: لِلْمُقْوِينَ کا معنی ہے تمام لوگ سالن پکانے، روٹی پکانے، گرمائش حاصل کرنے اور روشنی حاصل کرنے میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے ساتھ جہنم کی آگ کو یاد دلایا جاتا



ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بھوکوں کے لیے ان کے کھانے کے بنانے میں فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنادیا ہے (1) یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقویت منذ کذا و کذا یعنی میں نے اتنے عرصہ سے کوئی چیز نہیں کھائی بات فلان القواء و بات القفر جب اس نے کوئی چیز کھائے بغیر بھوکے رات گزاری۔

شاعر نے کہا:

وإِنِّي لَأُخْتَارُ الْقَوَى طَائِفَى الْحَشَى

میں بھوکا رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

ربیع اور سدی نے کہا: المقویین سے مراد ایسے فروکش ہونے والے ہیں جن کے پاس آگ نہیں ہوتی جس کو وہ جلائیں اور اس کے ساتھ کھانا پکائیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ قطرب نے کہا: مقوی اضداد میں سے ہے یہ فقیر اور غنی کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقوی الرجل جب اس کے پاس ز اور راہ نہ ہو اقوی جب اس کے پاس بہت زیادہ چوپائے ہوں اور مال بہت زیادہ ہو۔

مہدوی نے کہا: یہ آیت تمام لوگوں کے لیے مناسب ہے کیونکہ آگ ایسی چیز ہے جس کے مسافر، مقیم، غنی اور فقیر ضرورت مند ہوتے ہیں؛ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ اکثر مفسرین پہلے قول کی طرف گئے ہیں۔ قشیری نے کہا: اس سے انتفاع کے اعتبار سے مسافر کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ مسافر مقیم کی نسبت اس سے زیادہ نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ جنگل و صحرا میں رہنے والوں کو رات کے وقت آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ درندے اس سے دور رہیں اس کے علاوہ بھی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝۱۰ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریکوں کی اور دوبارہ اٹھانے سے عجز کی نسبت کی ہے اس سے اس کی پاکی بیان کر۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ۝۱۱ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝۱۲ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ

کَرِيمٌ ۝۱۳ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝۱۴ لَا يَسْهُو إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝۱۵ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶

”پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا ایک کتاب میں جو محفوظ ہے اس کو نہیں چھوڑتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَلَا أُقْسِمُ اکثر مفسرین کے نزدیک لازائدہ ہے (2) معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی دلیل وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ ہے فراء نے کہا: یہ نفی ہے۔ معنی ہے معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا۔ اقسام میں قسم اٹھاتا ہوں۔ بعض اوقات ایک آدمی کہتا ہے: لا واللہ، کان کذا اس سے وہ قسم کی نفی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ پہلی

کلام کی نفی کا ارادہ کرتا ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے ذکر کیا بلکہ معاملہ اس طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا، اِلا کے معنی میں ہے جو تنبیہ کے لیے ہے۔

اس کے ساتھ قرآن کی فضیلت پر متنبہ کیا تا کہ وہ اس میں غور و فکر کریں یہ شعر نہیں، جادو نہیں اور کہانت بھی نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری، حمید اور عیسیٰ بن عمر نے فلا قسم لام کے بعد الف کے بغیر پڑھا یہ تحقیق کے معنی پر وال ہے۔ یہ فعل حال ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فلانا أقسم بذلك اگر اس سے مستقبل کا زمانہ مراد لیا جاتا تو نون لازم ہوتی۔ جب فعل سے استقبال مراد لیا جائے تو بعض اوقات نون کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ شاذ ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝** قتادہ اور دوسرے علماء کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد ان کے گرنے اور غروب ہونے کی جگہیں ہیں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: مراد ان کی منازل ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز ان کا بے نور ہونا اور بکھر کر گر جانا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں دور جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے جب ان پر بارش ہوتی (2): ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی۔ ماوردی نے کہا: فَلَا أَقْسَمُ یہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے نفی کا معنی دیتا ہے (3)۔ قشیری نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کی قسم اٹھا دے جب کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات قدیمہ کے سوا کسی چیز کی قسم اٹھا دیں۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر حضرت حسن بصری کی قرأت فلا قسم دلالت کرتی ہے (4) اور اسی طرح وہ قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جن چیزوں کی قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر قسم اٹھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مواقع النجوم سے مراد قرآن حکیم کا آیت در آیت نازل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بالا آسمان سے لوح محفوظ سے سفرہ کا تبین پر نازل کیا سفرہ نے جبریل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور جبریل امین بیس (5) سالوں تک تھوڑا تھوڑا کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ حضرت جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی مناسبت سے اسے نازل کرتے تھے: اسے ماوردی نے حضرت ابن عباس اور سدی سے روایت کیا ہے (6)۔

ابو بکر انباری نے کہا اسماعیل بن ابی اسحاق، قاضی حجاج بن منہال سے وہ ہمام سے وہ کلبی سے وہ ابوصالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قرآن حکیم آسمان دنیا میں پر ایک ہی دفعہ نازل ہوا۔ پھر زمین کی طرف تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اس کے بعد اسے پانچ پانچ اور کم و بیش کی صورت میں الگ الگ نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَلَا أَقْسَمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔ فراء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مواقع النجوم سے مراد محکم القرآن ہے (7)۔ حمزہ اور کسائی نے بموقع کا لفظ پڑھا



ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، نخعی، اعمش، ابن محیصن اور روایں نے یعقوب سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے اسے مفرد پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے جس میں واحد کو جمع کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اِنَّهُ لَقَرَّ اَنْ كَرِيْمٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاء ضمیر قرآن کی طرف لوٹی ہے کہ قرآن عظیم قسم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کی قسم اٹھائی ہے وہ عظیم ہے (2)۔ وہ قرآن کریم ہے۔ مقسم علیہ کا ذکر کیا یعنی نجوم کے مواقع کی قسم اٹھائی کہ بے شک یہ قرآن، قرآن کریم ہے (3)، یہ بحر اور کہانت نہیں، اس میں کوئی افتراء نہیں بلکہ یہ قرآن کریم اور محمود ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ یہ مومنوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفاء ہے۔ آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفاء ہے آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کردہ اور وحی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کریم سے مراد ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کریم اس لیے ہے کیونکہ اس میں اخلاق اور امور کے عظیم معانی کا ذکر ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حافظ کی عزت کی جاتی ہے اور اس کے قاری کی تعظیم بجالائی جاتی ہے (5)۔

**مسئلہ نمبر 4۔** یہ فِی کِتَابٍ مَّکْتُُوْبٍ ۝ مَّکْتُُوْبٍ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باطل سے محفوظ ہے (7)۔ یہاں کتاب سے مراد آسمان میں کتاب ہے (8)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جابر بن زید اور حضرت ابن عباس نے کہا: مراد لوح محفوظ ہے (9)۔ عکرمہ نے کہا: مراد تورات و انجیل ہے (10) ان دونوں میں قرآن کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے جس پر قرآن نازل ہوگا۔ سدی نے کہا: مراد زبور ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: مراد وہ صحف ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 5۔** لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ لَا يَمَسُّهُ کے معنی میں اختلاف ہے کیا یہ اعضاء سے مس کرنے کے معنی میں ہے (11) یا اس کے معنی کو چھونا مراد ہے؟ اس طرح الْمُطَهَّرُونَ میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت انس اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کتاب کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔ ابوالعالیہ اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک ہیں جس طرح ملائکہ میں سے رسل اور انسانوں میں سے رسل۔ جبرئیل امین جو اس کو لاتے رہے وہ مطہر ہیں اور وہ رسول جن کے پاس وہ لاتے رہے وہ بھی مطہر ہیں۔ کلبی نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ ایضاً 6۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 464 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً

9۔ ایضاً 10۔ ایضاً 11۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1737

مراد سفرہ، کرام براہ ہیں۔ یہ سب ایک ہی قول ہے۔ یہ اس کی مثل ہے جو امام مالک نے اختیار کیا ہے آپ نے فرمایا: میں نے لَا يَسْتُ إِلَّا الظُّهْرُ وَنَ کی تفسیر میں جو سب سے بہترین قول سنا وہ یہ ہے کہ یہ اس آیت کے قائم مقام ہے جو سورہ عبس میں ہے فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۖ فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۖ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۖ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۖ كَمَا يَرْسُلُ ۖ اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ مطہرین سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کی صفت سورہ عبس میں طہارت سے ذکر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَسْتُ کا معنی ہے اسے لے کر نازل نہیں ہوتے مگر فرشتوں میں سے رسول جو انبیاء میں سے رسولوں پر نازل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ جو کتاب مکنون ہے اسے نہیں چھوتے مگر پاکیزہ فرشتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت اسرائیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ فرشتے اسے کسی وقت بھی نہیں پکڑتے اور اس تک کسی وقت بھی رسائی حاصل نہیں کرتے اگر یہ مراد ہو تو اس میں استثناء کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی۔ جس نے یہ کہا کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ زیادہ مناسب ہے۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ عمرو بن حزم کا مکتوب جو رسول اللہ ﷺ نے اسے لکھا تھا اس میں یہ خط حضرت محمد ﷺ کی جانب سے شریل بن عبد کلال، حرث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ہے جو ذی رعیین معاصر اور ہمدان کے بادشاہ ہیں (1)۔ اما بعد، آپ کے مکتوب میں تھا خبردار! قرآن کریم نہ چھوئے مگر پاک آدمی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تو قرآن کو نہ چھوئے مگر اس وقت جب تو پاک ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے حضرت عمر کے اسلام لانے کے موقع پر کہا تھا جب کہ وہ ان کے پاس گئے اور صحیفہ منکویا تو حضرت عمر کی بہن نے کہا: لَا يَسْتُ إِلَّا الظُّهْرُ وَنَ ۖ اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، حضرت عمر اٹھے، غسل کیا اور اسلام لائے۔ یہ واقعہ سورہ طہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہاں مطہرون سے مراد احداث اور انجاس سے پاک لوگ ہیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ شرک سے پاک ہوں (3)۔ ربیع بن انس نے کہا: وہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے موحد ہی پڑھیں؛ یہ محمد بن فضیل اور عبدہ کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز سے منع کیا کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو قرآن پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ فراء نے کہا: اس کا ذائقہ، اس کا نفع اور اس کی برکت قرآن پر ایمان رکھنے والا ہی پاسکتا ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: یہ امام بخاری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذاق طعم الإیمان من رضى بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمداً رسولاً عليه وسلم نبياً (6) جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ حسین بن فضل نے کہا: اس کی تفسیر اور تاویل کو کوئی نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ نے شرک اور نفاق سے پاک کر لیا ہو۔

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

5۔ ایضاً

1۔ موطا امام مالک، کتاب القرآن، الأم بالوضوء عن مس القرآن، صفحہ 185

4۔ ایضاً

3۔ ایضاً

7۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

6۔ جامع ترمذی، ما جاء فی ترک الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86



ابوبکر و راق نے کہا: اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں دی جاتی مگر سعادت مندوں کو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ثواب کو مس نہیں کرے گا مگر مومن (7)؛ اسے حضرت معاذ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا ظاہر شرع کی خبر ہے یعنی شرعی طور پر پاکیزہ لوگ ہی اسے چھوتے ہیں اگر ان کے برعکس پایا گیا تو یہ شرع کے خلاف ہوگا؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اور اس امر کو باطل قرار دیا ہے کہ اس کا لفظ تو خبر کا لفظ ہو اور اس کا معنی امر کا ہو۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ یہ امر ہو اور سین کا ضمہ اعراب کا ضمہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نہ ہو اور سین کا ضمہ مبنی ہونے کا ضمہ ہو اور فعل مجزوم ہو۔

**مسئلہ نمبر 6۔** علماء نے وضو کے بغیر مصحف کے چھونے میں اختلاف کیا ہے جمہور نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ حضرت عمرو بن حزم کی حدیث اس بارے میں مروی ہے؛ یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم عطا، زہری، نخعی، حکم، حماد اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ سے مختلف روایات مروی ہیں ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ محدث اسے چھوسکتا ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس، امام شعبی وغیرہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس کے ظاہر، حواشی اور جس میں مکتوب نہ ہو اس کو چھوا جاسکتا ہے جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے اسے پاکیزہ آدمی ہی چھوسکتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر اسے کوئی تسلیم بھی کرے تب بھی یہ ان چیزوں میں سے ہے جس پر حجت غالب ہے کیونکہ ممنوع کا حرم بھی ممنوع ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس کے خلاف قوی ترین دلیل ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حالت طہارت میں نہ ہو نہ اسے کسی واسطہ سے اٹھائے اور نہ ہی تکیہ پر رکھ کر اٹھائے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی کسی واسطہ سے اسے اٹھاتا ہے یا کسی واسطہ سے چھوتا ہے اسے منع نہیں کیا۔ حکم، حماد اور داؤد بن علی سے مروی ہے کہ مصحف کو اٹھانے اور اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں، وہ مسلمان ہو یا کافر ہو، حالت طہارت میں ہو یا حالت حدث میں ہو مگر داؤد ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے کہا مشرک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے اٹھائے۔ وہ اس کی اباحت کا استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیصر کو خط لکھا جب کہ یہ تو مجبوری کا موقع تھا اس میں کوئی دلیل نہیں۔ بچوں کے اسے چھونے میں دو صورتیں ہیں (۱) بالغ پر قیاس کرتے ہوئے اسے منع کیا جائے گا (۲) یہ جائز ہے کیونکہ اگر بچے کو اس سے روک دیا جائے گا تو قرآن کی حفاظت نہ کی جاسکے گی کیونکہ بچے کا سیکھنا صغریٰ کی عمر میں ہی ہوا کرتا ہے بچے کو اگر چہ طہارت حاصل ہوتی ہے مگر وہ کامل نہیں ہوتی، کیونکہ بچے کی جانب سے نیت درست نہیں ہوتی۔ جب اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کامل طہارت کے بغیر اسے اٹھالے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ حالت حدث میں اسے اٹھالے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ⑤ یعنی رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے جس طرح ضرب الامید اور نسبح الیسن میں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تنزیل اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهٗ لَقَرَّانٌ کَرِیْمٌ ⑥ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَنْزِيلٌ یہ ہو ابتدا کی خبر ہے۔

أَفِيْهِذَا الْحَدِيْثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۖ وَتَجْعَلُونَ بِذِقْكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ۖ فَلَوْلَا  
إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ  
لَا تُبْصِرُونَ ۖ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۖ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ

”کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کی بے پایاں برکتوں سے تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے۔ پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح خلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس وقت بھی تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو۔“

أَفِيْهِذَا الْحَدِيْثِ، هذا الحديث سے مراد قرآن ہے أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۖ مُدْهِنُونَ کا معنی ہے جھٹلاتے ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، عطاء اللہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے (1)۔ مدھن اسے کہتے ہیں جس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو۔ گویا اسے دہن (تل) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کے ظاہر میں نرمی اور ملائمت ہوتی ہے۔ مقاتل بن سلیمان اور قتادہ نے کہا: مُدْهِنُونَ کا معنی ہے کافرون۔ اس کی مثل وَذُو الْوُثْدِ هُنَّ فَيُذْهِنُونَ ۖ (القلم) سورج نے کہا: مدھن سے مراد منافق یا کافر ہے جو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تاکہ اپنے کفر کو چھپائے۔ ادھان اور مدھانہ کا معنی جھٹلانا۔ کفر کرنا اور نفاق کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی نرمی کرنا ہے اور جو ظاہر کرے اس کے برعکس کو اپنے اندر چھپانا ہے۔ ابو قیس بن سلت نے کہا:

الْحَزْمُ وَالْقُوَّةُ خِيَرٌ مِنَ الْإِدْهَانِ وَالْقَهَّةِ وَالْهَاءِ

احتیاط اور قوت نفاق، عاجزی اور حرص سے بہتر ہے۔

ادھن اور دھن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کچھ لوگوں کا نقطہ نظر ہے دھنت کا معنی ہے تو نے چھپایا اور ادھنت کا معنی ہے تو نے دھوکہ کیا۔ ضحاک نے کہا: مدھنون کا معنی ہے تم عرض کرنے والے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: کفر کے باوجود کفار سے دوستی کرنے والے ہیں (3)۔ ابن کیسان نے کہا: مدھن اسے کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر کیا حق ہے اور حیلے بہانوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک لغوی نے کہا: مدھنون کا معنی ہے قرآن کو قبول کرنے میں وہ یقین کو ترک کرنے والے ہیں۔

وَتَجْعَلُونَ بِذِقْكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ۖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم نے اپنے شکر کو جھٹلانا بنا لیا ہے۔ ہشیم بن عدی نے کہا: یہ ازد شہر ہلکے لغت میں سے ہے ما رنہق فلان بمراد ہے اس کا شکر کیا ہے یہ مناسب ہے کہ رزق کے اسم کو شکر کی جگہ رکھا جائے کیونکہ رزق کا شکر اس میں زیادتی کا تقاضا کرتا ہے تو شکر اس معنی کی وجہ سے رزق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَتَجْعَلُونَ بِذِقْكُمْ سے اصل مقصود ہے وتجعلون شکر رنہقکم تم نے اپنے رزق کا شکر (جو اگر تم سے پایا جاتا تو وہ



تمہارے لیے رزق کی صورت میں لوٹا) یہ بنالیا ہے کہ تم رزق کو جھٹلاتے ہو، یعنی تم شکر کی جگہ رزق کو رکھتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً (الانفال: 35) یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ نماز کی جگہ سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بندوں کو جو بھی بھلائی پہنچی ہے تو ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسے واسطوں کے جانب سے دیکھیں جس کے بارے میں عام قاعدہ ہے کہ وہ واسطے اسباب ہوں بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیکھیں پھر اگر وہ نعمت ہے تو اس کے بالمقابل شکر کریں اور اگر وہ امر ناپسندیدہ ہو تو اس پر صبر کریں مقصود اس کے سامنے اپنی عبودیت اور عاجزی کا اظہار ہو۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پڑھا وتجعلون شکرکم انکم تکذبون (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے: اس سے مراد ستاروں سے بارش کو طلب کرنا ہے، یہ عربوں کا قول ہے مطرنا بنو کذا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی؛ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم ﷺ سے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں لوگوں پر بارش کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں میں سے کچھ نے شکر گزار بندے کی حیثیت سے صبح کی اور ان میں سے کچھ نے کافر کی حیثیت سے صبح کی قالوا هذه رحمة الله وقال بعضهم لقد صدق نوء كذا وكذا۔ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا: فلاں ستارہ نے سچ کہا (2)، تو یہ آیت نازل ہوئی: فَلَا أُقْسِمُ بِمَا وَقَعَ النُّجُومُ ۚ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۚ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۚ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۚ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۚ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۚ أَفَبِهَذَا الْحَذِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ۚ وَتَجْعَلُونَ رِذْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكَلِّبُونَ ۚ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں نکلے وہ پیاسے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے بتاؤ اگر میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور تم پر بارش ہو جائے تو ممکن ہے تم کہو: هذا المطر بنوء كذا وكذا یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہے“ (3)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ان ستاروں کا وقت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، اپنے رب سے دعا کی، ہوا چلی پھر بادل آئے تو لوگوں پر بارش ہوئی نبی کریم ﷺ چلے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جب کہ آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی وہ اپنے پیالے سے پانی بھر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی، اس نے یہ نہ کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو یہ آیت نازل ہوئی وَتَجْعَلُونَ رِذْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكَلِّبُونَ ۚ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر شکر بجالانے کی بجائے تم نے اپنا حصہ یہ بنالیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جھٹلاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو: ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: جعلت إحسانك إساءة منك إلی میں نے تجھ پر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ تو نے میرے ساتھ برائی کرنے کو بنا دیا۔ اور میرا تجھ پر جو انعام تھا اس کا تو نے یہ بدلہ دیا کہ تو نے مجھے اپنا دشمن بنالیا۔

موطا میں حضرت زید بن خالد جہنی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہوئی تھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا: ”جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟“ (1) صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور ستارے کے ساتھ کفر کیا۔ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ مجھ پر بارش کی گئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے جس نے کہا مجھ پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی تو وہ ستارے پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے مطرنا بنوء کذا و کذا اگرچہ ہمارے نزدیک نو، ایسا وقت ہے جو مخلوق ہے نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے، نہ بارش برساتا ہے اور نہ بارش کو روکتا ہے۔ جو پسند کرے تو یہ کہے: مطرنا وقت کذا کما تقول مطرنا شہر کذا ہم پر فلاں وقت بارش ہوئی جس طرح تو یہ کہتا ہے ہم پر فلاں مہینہ میں بارش کی گئی جس نے یہ کہا: مطرنا بنوء کذا وہ یہ ارادہ کرتا ہو کہ نو، نے بارش کو نازل کیا ہے جس طرح دور جاہلیت میں بعض مشرک ارادہ کرتے تھے تو وہ کافر ہوگا۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا خون حلال ہوگا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: جہاں تک نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حکایت بیان کرتے ہیں اصحاب من عبادی مومن بن و کافر (2) میرے نزدیک اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں (1) وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نو، ہی بارش نازل کرنے والا ہے، وہی بادل کو پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ صریح کافر ہوگا، اس سے توبہ طلب کرنا ضرور ہوگا اگر وہ انکار کرے تو اسلام کو چھوڑنے اور قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے اسے قتل کرنا ضروری ہوگا۔

(2) دوسری صورت یہ ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس ستارے کے ذریعے بارش نازل فرماتا ہے یہ بارش کا سبب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر کیا ہے اور اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔ اگرچہ یہ مباح صورت ہے پھر بھی اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے اور اس کی لطیف حکمت سے جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بارش نازل فرماتا ہے کبھی کسی ستارے کے واسطے سے اور کبھی کسی ستارے کے واسطے سے۔ بے شمار مواقع پر ستارے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بارش نہیں ہوتی۔ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ستارے کی طرف سے نہیں ہوتی، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے جب کہ بارش ہو چکی ہوتی: مطرنا بنوء الفتح پھر وہ اس آیت کی تلاوت کرتے مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: 2) ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک یہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے مطرنا بفضل اللہ و رحمته (3) ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ بارش ہوئی۔ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد ہے جب حضرت عمر نے ان کے واسطے سے بارش طلب

1۔ موطا امام مالک، کتاب الاستسقام، الاستسطار بالعظام، صفحہ 180

3۔ ایضاً

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59



کی: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا جان! کم بقی من تو الثریا حضرت عباس نے جواب دیا: علماء گمان کرتے ہیں کہ وہ افق میں عرضاً ظاہر ہوگی سات دنوں کے بعد ابھی ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ ان پر بارش ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمد للہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہے۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نوہ ثریا ایسا وقت ہے جس میں بارش کی امید کی جاتی ہے تو آپ نے حضرت عباس سے سوال کیا: وہ ظاہر ہو چکا ہے یا اس میں سے کوئی باقی ہے؟

سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن امیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سفر میں ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: مطرنا عشانین الاسد۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو نے جھوٹ بولا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بارش ہے۔“ سفیان نے کہا: عشانین الاسد سے مراد بازو اور پیشانی ہے۔

عام قرأت تکذیبون ہے جو تکذیب سے مشتق ہے، مفضل نے عاصم اور یحییٰ بن وثاب سے تکذیبون نقل کیا ہے۔ اس کا معنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس نے کہا: مطرنا بنو کذا حضرت انس بن مالک کی حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری امت میں تین چیزیں ہمیشہ رہیں گی حسب و نسب پر فخر، نوحہ اور انواء۔“ اس بارے میں صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ ”میری امت میں چار امور دور جاہلیت کے ہوں گے جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے۔ حسب و نسب پر فخر، انساب میں طعن، ستاروں کے ذریعے بارش کو طلب کرنا، نوحہ کرنا“ (1)۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ لَوْلَا، ہلا کے معنی میں ہے جب نفس اور روح حلقوم تک پہنچ جائے۔ نفس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ معروف ہے۔

حاتم نے کہا:

إِذَا حَشَا جَتَّ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

جب گھنگھرو بول جائے گا اور سینہ تنگ ہو جائے گا۔ محل استدلال حشاجت کی ضمیر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے ”ملک الموت کے مددگار ہیں جو رگوں کو کاٹتے ہیں اور آہستہ آہستہ روح کو جمع کرتے ہیں یہاں تک کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے“ (2)۔

وَأَنْتُمْ جُنُودٌ تَنْظُرُونَ ۝ تَنْظُرُونَ کا مفعول بہ امری اور سلطان ہے۔ یعنی تم میرا اصرار، میری سلطان دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تم میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو تم اس کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میت کے گھروالے انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کا نفس کب نکلے گا؟ پھر یہ کہا گیا ہے: یہ ان کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النہی عن الفخار بالأحساب والطعن بالأنساب والاستسقاء، جلد 1، صفحہ 303

2۔ کنز العمال، تلخیص المختصر، جلد 15، صفحہ 563، حدیث 12185

(آل عمران: 156) کیا جب روح حلقوم تک پہنچی تھی تو کیا انہوں نے ان میں سے کسی کی روح کو لوٹا یا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ایسا کیوں نہ ہوا جب تم میں سے کسی کا نفس نزع کے وقت حلقوم تک پہنچا جب کہ تم حاضر تھے تو تم اس کی روح کو اس کے جسم میں روک لیتے جب کہ تم اس کی طویل عمر کے حریص تھے اور اس کی بقا سے محبت رکھتے تھے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے: نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُفْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (الباقیہ: 24) ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس آدمی کو خطاب ہے جو حالت نزع میں ہے یعنی تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے تو تو نے اپنی روح کی حفاظت کیوں نہیں کی؟

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْكُمْ هَمْ قَدَرْتُمْ، علم اور رؤیت میں تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ عامر بن عبد القیس نے کہا: میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت اس کے زیادہ قریب دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے جو اس کی روح کو قبض کرنے کے ذمہ دار تھے وہ تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ وَ لَكِنْ لَا تَجْعَلُونِ ۝ یعنی تم نہیں دیکھتے۔

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ یہاں بھی لولا، ہلا کے معنی میں ہے یعنی اگر تمہارا محاسبہ نہیں ہونا اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جانا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنْ آتَاكَ الْمُشْكُوتُ ۝ (الصافات) یعنی ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ ہوگا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غَيْرَ مَدِينِينَ کا معنی ہے غیر مملوکین ولا مقہورین غیر مملوک اور غیر مغلوب ہوں۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: دتہ کا معنی ہے میں اس کا مالک ہوا، حطیہ کا شعر پڑھا:

لَقَدْ دَتَيْتُ أَمْرَ هَنِيكَ حَتَّى تَرَكْتَهُمْ أَدَقِّي مِنَ الطَّحِينِ

تجھے اپنے بیٹوں کے معاملات سپرد کیے گئے یہاں تک کہ تو نے انہیں آٹے سے بھی زیادہ باریک چھوڑا۔

دانہ اسے ذلیل کیا اور اسے اپنا غلام بنایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دتہ فدان میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ اس بارے میں بحث سورہ فاتحہ میں يَوْمَ الدِّينِ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

تَرْجِعُونَهَا ۝ تم روح کو جسم کی طرف لوٹاتے۔ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ اگر تم سچے ہو یعنی تم اسے ہرگز نہیں لوٹاؤ گے تو تمہارا گمان باطل ہو گیا کہ مملوک نہیں اور تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا۔ تَرْجِعُونَهَا ۝ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ اور فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ کا جواب ہے دونوں کا ایک ہی جواب ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ بعض اوقات عرب دو حرفوں کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کا معنی ایک ہی ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاَمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ فَمِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (البقرہ) دونوں کا ایک جواب دیا گیا جب کہ یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فَلَوْلَا هَلَا ان كنتم غير مديينين ترجعونها، تردون نفس هذا الميت إلى جسده إذا بلغت الحلقوم۔



فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۖ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝ وَأَمَّا إِنْ كَانَ  
مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ  
الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ۖ فَنُزُلٌ مِنْ حَبِيمٍ ۖ وَتَصْلِيَةٌ جَهِيمٌ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ  
الْيَقِينِ ۖ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۖ

”پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذا کیں اور سرور والی جنت ہوگی۔ اور اگر وہ اصحابِ یمن (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحابِ یمن کی طرف سے۔ اور اگر وہ (مرنے والا) جھٹلانے والے گروہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے۔“

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ موت اور بعث کے وقت مخلوق کے طبقات کا ذکر کیا اور ان کے درجات کو بیان کیا اور کہا: اگر یہ فوت ہونے والا مقربین میں سے ہو جو سابقون ہیں (1) فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۖ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۖ عام قرأتِ فردوس ہے واؤ پر فتنہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک اس کا معنی دنیا سے راحت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: روح سے مراد استراحت ہے (2)۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے لیے قبر میں عمدہ خوشبو ہوگی۔ ابوالعباس بن عطاء نے کہا: روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ ریحان سے مراد اس کی کلام اور وحی کو سننا ہے وَجَنَّتْ نَعِيمٌ اس سے مراد ہے کہ جنت میں وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ، نصر بن عاصم، محمد بن زید، یونس اور زید نے یعقوب سے یہ قرأت نقل کی ہے (3)۔ فَرَوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد رحمت ہے کیونکہ مرحوم کے لیے یہ زندگی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم ﷺ نے پڑھا فَرَوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے معنی ہے اس کے لیے جنت میں بقا اور زندگی ہے، یہی رحمت ہے۔ وَرَيْحَانٌ مجاہد اور سعید بن جیر نے کہا: اس سے مراد رزق ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حمیر کی لغت میں رزق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خراجت اطلب ریحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی تلاش میں نکلا۔ نمر بن قلوب نے کہا: سلام الہ و ریحانہ یہاں بھی ریحان سے مراد رزق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ ضحاک نے کہا: مراد رحمت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ معروف ریحان ہے جسے سونگا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ ربیع

بن خشم نے کہا: وہ موت کے وقت ہوگا اور جنت دوبارہ اٹھائے جانے تک اس کے لیے چھپا کر رکھی جائے گی۔ ابو جوزاء نے کہا: یہ اس کی روح کے قبض کے وقت ہوگا وہ ریحان کا بندل پائے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: مقربین میں سے کوئی بھی دنیا میں اپنی روح سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسے ریحان کی دو ٹہنیاں دی جائیں گی وہ ان دونوں کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کی جائے گی۔ ریحان کی اصل اور اس کا اشتقاق سورہ رحمن کے آغاز میں گزر چکا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ثعلبی نے ردح و ریحان میں ان اقوال کے علاوہ اقوال ذکر کیے ہیں جو ہم نے ذکر کیے، جو ان کا ارادہ کرے وہاں سے دیکھ لے۔

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ⑤ یعنی اگر فوت ہونے والا اصحاب یمین میں سے ہو فَسَلَّمَ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ⑥ تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ جو تو سلامتی سے محبت رکھتا ہے اس لیے ان کے بارے میں تو غمگین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کی جانب سے تیرے لیے سلامتی ہے یعنی تو ان کے لیے غمگین ہونے سے سلامت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب یمین آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اے محمد! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے اور تجھ پر سلام بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے بندے! تو اس چیز سے سلامت رہے جسے تو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ تو اصحاب یمین سے ہے یہاں سے انکے محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں سلام کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے مقصد تعظیم بجالانا ہے (1)۔ اس تاویل کی بنا پر سلام کے محل میں تین قول ہیں (1) جب دنیا میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے تو ملک الموت اسے سلام کہتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب ملک الموت آتا ہے تاکہ مومن کی روح قبض کرے تو وہ کہتا ہے تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے۔ یہ بحث سورہ نحل آیت 32 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ کے ضمن میں گزر چکی ہے (2) قبر میں جب اس سے سوال و جواب ہوتا ہے (3) تو منکر و نکیر اس کو سلام کہتے ہیں (3) قیامت کے روز جب اسے اٹھایا جاتا ہے تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں قبل اس کے کہ وہ پہنچے (4)۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ اسے تینوں مواقع پر سلام کیا جائے۔ یہ اس کے لیے اکرام کے بعد اکرام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد کے نزدیک ان کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے مہمایکون من شیء فسلام لک من اصحاب الیمین، ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین جواب شرط کو حذف کر لیا گیا کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے؛ جس طرح تیرے اس قول میں جواب محذوف ہے أنت ظالم إن فعلت کہہ کر ماقبل کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ انخس کا مذہب ہے کہ فاء (کا مابعد) اما اور ان کا جواب ہے اس کا معنی ہے فاء، اما کا جواب ہے یہ متقدمہ تقدیر کی بنا پر ان کے جواب کے قائم مقام ہے۔ فاء اس تعبیر کی بنا پر دونوں کا جواب ہے۔ زجاج کے نزدیک اما کا معنی ہے ایک شیء سے دوسری شیء کی طرف نکلنا یعنی جس میں ہم ہیں اس کو چھوڑ دے اور اس کے غیر میں شروع ہو جا۔



وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ⑤ یعنی بعث کا انکار کرنے والے اور ہدایت اور حق کے راستہ سے گمراہ۔  
فَنُزِّلَ مِنْ حَيْثُمْ ⑥ یعنی ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا رزق ہے، جس طرح فرمایا: لَكُمْ إِيَّهَا الضَّالُّونَ  
الْمُكَذِّبُونَ ⑦ لَا يَكُونُ جس طرح فرمایا: لَكُمْ إِنْ لَهُمْ عَلَيْهَا شُوبًا مِنْ حَيْثُمْ ⑧ (الصفات) وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ⑨ جہنم میں  
داخل کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم میں رہنا اور مختلف قسم کے عذابوں کو برداشت کرنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أصلاہ النار  
وصلاہ مراد ہے اسے بنادیا کہ وہ اسے تاپے۔ یہاں مصدر، مفعول کی طرف مضاف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نفلان  
أعطاء مال فلاں کو مال دیا جاتا ہے اسے و تصلیۃ تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی نزل من تصلیۃ جحیم پھر ابو  
عمرو نے تاء کو جیم میں مدغم کیا۔ یہ بعید ہے۔

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ⑩ جو ہم نے تم پر بیان کیا ہے یہ محض یقین اور حق ہے۔ حق کی یقین کی طرف اضافت درست  
ہے جب کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ان دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے عین  
الیقین، محض الیقین۔ کوفیوں کے نزدیک یہ شی کو اپنی ذات کی طرف مضاف کرنے کی طرح ہے۔ بصریوں کے نزدیک  
مراد ہے: حق الأمر الیقین أو الخبر الیقین۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یقین کی اصل یہ ہے  
کہ یہ حق کی نعت ہو تو مبعوث کو مجازاً نعمت کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح ہے وَلِلَّذِينَ آمَنُوا الْأُجْرَةُ ⑪ (الانعام: 32) قتادہ  
نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اسے اس قرآن کے  
بارے میں یقین پر کھڑا کرے گا جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس نے دنیا میں یقین کر لیا تو اس چیز نے اسے قیامت کے روز  
نفع دیا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے اسے قیامت کے روز یقین ہوگا تو اسے یقین نفع نہیں دے گا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ⑫ اللہ تعالیٰ کی ہر عیب سے پاکی بیان کرو۔ باء زائدہ ہے یعنی اپنے رب کی پاکی بیان  
کرو۔ اسم سے مراد مسمیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کے حکم پر عمل کرتے  
ہوئے اس کی نماز پڑھیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عظیم رب کے نام کا ذکر کیجئے اور اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ⑫ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے  
فرمایا: ”اسے اپنے رکوع میں رکھ لو“ اور جب سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ⑬ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو“ (1) اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔

## سورة الحديد

﴿سورة الحديد مكية ٢٩﴾ ﴿سورة الحديد مكية ٩٣﴾ ﴿سورة الحديد مكية ٢٩﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی اٹیس آیات ہیں۔  
حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے مسجات سورتیں پڑھا کرتے تھے (1)، ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ مسجات سورتوں سے مراد سورۃ الحديد، سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝  
الْاَرْضُ رُضٌ ۙ يُخْبِي وَيُخِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝  
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔  
وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور ہر عیب سے اس کی پاکی بیان کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں جو کچھ ہے یعنی فرشتے اور زمین میں جو کچھ ہے جس میں روح ہو یا نہ ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا اور نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تسبیح دلالت ہے۔ زجاج نے اس کا انکار کیا اور کہا: اگر مراد تسبیح دلالت اور صنعت کے آثار کا ظہور تھا تو یہ ایسی چیز تھی جس کو عقل میں سمجھنا تھا تو یہ کیوں فرمایا: وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ (الاسراء: 44) یہ تسبیح قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا گیا ہے: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ (الانبیاء: 49) اگر یہ تسبیح دلالت تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے کیا تخصیص ہوگی؟

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبجان میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَیْسَ بِحِصَّةٍ (الاسراء: 44) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝  
لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت صرف اس کے لیے ہے۔ ملک سے مراد ملکیت اور امر



کا نافرمان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ملک، قادر اور غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بارش، نبات اور تمام رزق کے خزانے ہیں۔

يُحْيِي وَيُمِيتُ وہ دنیا میں زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نطفہ کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہوتا ہے اور زندوں کو موت عطا کرتا ہے۔ يُحْيِي وَيُمِيتُ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے ہویحییٰ و یسیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ يُحْيِي وَيُمِيتُ محل رفع میں ہے، تقدیر کلام یہ ہے ہویحییٰ و یسیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ محییٰ و ممیتا کے معنی میں حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ لعل ضمیر سے حال ہے اور جار اس میں عامل ہے۔ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ اسماء کے معانی میں اختلاف ہے ہم نے انہیں الکتاب الاسنی میں بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایسی وضاحت فرمائی ہے جو ہر قول سے غنی کر دیتی ہے (1)۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ”اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں، تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ظاہر (غالب) ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے تجھ سے دور کوئی چیز نہیں ہمارے قرضوں کو ادا کرنے کے اسباب پیدا فرما اور ہمیں فقر سے غنی کر دے“۔ یہاں ظاہر سے مراد غالب ہے اور باطن سے مراد عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ② یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا ان میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ③ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ④ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ⑤ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑥ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ⑦ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ⑧ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ⑨ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑩

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑩

”وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے، داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔“

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ يَعْنِي بَارِشٌ وَغَيْرُهُ (1) جو زمین میں داخل ہوتی ہے وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مراد نباتات وغیرہ ہے (2)۔ وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ یعنی رزق، بارش اور فرشتے۔ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا جو آسمانوں کی طرف بلند ہوتے ہیں جیسے فرشتے اور بندوں کے اعمال۔ وَ هُوَ مَعَكُمْ یعنی اپنی قدرت، سلطان اور علم کے ذریعے تمہارے ساتھ ہے۔ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں (3) اس آیت میں اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ اور وَ هُوَ مَعَكُمْ کو جمع کر دیا گیا ہے دونوں کے ظاہر کو لیا جائے تو تناقص واقع ہوتا ہے اس لیے تاویل ضروری ہے، تاویل سے اعراض تناقص کو تسلیم کرنا ہے۔ امام ابوالمعالی نے کہا: حضرت محمد ﷺ لیلۃ المعراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہ تھے جب کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں معبود ہے۔ وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ امور سے مراد آخرت میں مخلوقات کے امور ہیں۔ حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابو حیوہ، ابن محیصن، حمید، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے ترجع پڑھا ہے (4)، باقی قراء نے ترجع پڑھا ہے۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ سورۃ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ هُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ اس پر ضمائر مخفی نہیں، جس کی یہ صفت ہو تو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی عبادت کی جائے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۚ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ ۚ ۝۱۱۱ قَالَ زَيْنٌ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفِقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱۲ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ ۝۱۱۳ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۴ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدٍ اٰيٰتٍ بِنِيْمَتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ ۝۱۱۵ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۶

”ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے، پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“



اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ یعنی اس امر کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔  
وَاَنْفَقُوْا اور صدقہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوٰۃ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوٰۃ کے علاوہ طاعات کی صورتیں ہیں (2) اور وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتی ہیں۔  
مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ یہ دلیل ہے کہ اصل ملک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بندے کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اس میں ایسا تصرف کرے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے۔ جس نے ان اموال میں سے حقوق اللہ میں خرچ کیا اور اس پر ان میں سے انفاق آسان ہوا جس طرح ایک آدمی کے لیے غیر کے مال میں سے مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب وہ اسے خرچ کرنے کی اجازت دے تو اس کے لیے بڑا ثواب اور اجر عظیم ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ سے مراد ہے کہ تمہیں تمہارے پہلوں کے مال کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہ چیز اس امر پر دال ہے کہ یہ اموال حقیقت میں تمہارے نہیں تم تو صرف ان میں نائب اور وکیل ہو تو تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو کہ قبل اس کے کہ یہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل کر تمہارے بعد تک جا پہنچیں تم اس میں حق بجالاؤ۔ قَالَزَيْنٌ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَكُمْ اَجْرٌ کہیں؟ ① تم میں سے جو ایمان لائے اور جس نے اعمال صالحہ کیے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ان کے لیے جنت ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یہ استفہام ہے مراد تو بیخ ہے یعنی ایمان نہ لانے کا تمہارے پاس کیا عذر ہے جب کہ تمام رکاوٹیں ختم ہو چکی ہیں وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ اِس کے ساتھ یہ واضح کیا کہ شرائع کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ ابو عمرو نے اسے پڑھا وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ، اخذ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ تم میں عقلیں رکھیں اور تم پر دلائل اور حجج قائم کیں جو رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی طرف لے جاتی ہیں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ② یہاں اِنْ، اذ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم حجّتوں اور دلائل پر ایمان رکھتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم کسی روز حق پر ایمان رکھتے ہو تو آج سب سے مناسب وقت ہے کہ تم ایمان لے آؤ کیونکہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے دلائل قائم ہو چکے ہیں پس اس کے دلائل صحیح ثابت ہو گئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم اللہ تعالیٰ جو تمہارا خالق ہے اس پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اس چیز کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایسی قوم کو خطاب ہے جو ایمان لائی نبی کریم ﷺ نے ان سے وعدہ لیا بعد میں وہ مرتد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ③ سے مراد ہے اگر تم ایمان کی شرائط کا اقرار کرتے ہو۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معجزات ہیں یعنی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا تم پر لازم ہے کیونکہ اس کے ساتھ معجزات ہیں اور قرآن حکیم ان میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ لِيُخْرِجَكُمْ تَاكِدْ تَمَہیں قرآن کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں رسول کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں موت کے ساتھ نکالے۔ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِس سے مراد شرک اور کفر ہے۔ اِلٰی اللّٰہِ اِس سے مراد ایمان ہے (3)۔ وَ اِنْ اِیَّ

اللہ بِكُمْ لِمَا عَوْفٌ رَّحِيمٌ ①

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي  
مِنْكُمْ مَنَ الْفَقْرُ مِنَ الْقَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْطُمَ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا  
مِن بَعْدُ وَكُنْتُمْ أَكْثَرًا ۚ وَلَا وَعْدَ اللَّهِ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۚ

”آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی، (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے اور ایسا کام کرنے سے روکتی ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرے جب کہ تم مر رہے ہو اور اپنے مال پیچھے چھوڑے جا رہے ہو جبکہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ کلام کا معنی خرچ نہ کرنے پر شرمندہ کرنا ہے۔ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یعنی جب ان دونوں میں رہنے والے ختم ہو جائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں جس طرح میراث اپنے مستحق کی طرف لوٹ جاتی ہے (1)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنَ الْقَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے (2)۔ عجبی اور زہری نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے (3)۔ قتادہ نے کہا: دونوں قتال تھے ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا، دونفقات تھے دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا۔ فتح مکہ سے پہلے قتال اور مال خرچ کرنا اس کے بعد قتال اور مال خرچ کرنے سے افضل تھا۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنَ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ وَمَنْ أَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ اسے حذف کیا گیا ہے کیونکہ کلام اس محذوف پر دال ہے۔ فتح سے پہلے نفقہ عظیم تھا کیونکہ لوگوں کی ضرورت زیادہ تھی کیونکہ اسلام کمزور تھا اور خرچ کرنے والوں پر یہ عمل زیادہ شاق تھا اور اجر تحکات کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: مناسب یہ ہے کہ اہل فضل اور اہل عزم کو مقدم رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنَ الْقَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقدیم پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: سب سے پہلے جس



نے اپنی تلوار کے ساتھ اسلام کی مدد کی وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر اپنا مال خرچ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھا جب کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے پاس حاضر تھے ان پر ٹاٹ کا لباس تھا انہوں نے اپنے سینے پر کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے تھے۔ حضرت جبریل امین حاضر ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا وجہ ہے میں حضرت ابوبکر صدیق پر ایسی عباد دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے سینے پر اس میں کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انہوں نے فتح سے پہلے اپنا مال مجھ پر خرچ کیا ہے“ (1)۔ حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتا ہے ابوبکر کو سلام کہیں اور اس سے پوچھیں کیا تو اس فقر کے عالم میں راضی ہے یا ناراض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے ابا بکر! اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا تو اپنے فقر میں راضی ہے یا ناراض ہے؟“ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے ارشاد فرماتا ہے میں تجھ سے اسی طرح راضی ہوں جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے حضرت جبریل امین نے عرض کی: اے محمد! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے حاملین عرش نے بھی اس وقت سے ایسی عباہیں پہنی ہوئی ہیں جن میں کانٹوں کے بٹن ہیں جب سے آپ کے اس دوست نے ایسی عبا پہنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اپنے آپ پر آپ کو مقدم کرتے اور ان کے لیے تقدم اور سبقت کا اقرار کرتے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم سبقت لے گئے، دوسرا نمبر حضرت ابوبکر صدیق کا ہے اور تیسرا حضرت عمر کا ہے میرے پاس کوئی آدمی نہیں لایا جائے گا جو مجھے حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دے گا تو میں اس پر افتراء باندھنے والے کی حد جاری کروں گا، اس کو اسی کوڑے ماروں گا، شہادت رد کروں گا۔ متقدمین نے متاخرین سے زیادہ مشقتیں اٹھائیں، ان کی بصیرت بھی زیادہ قوی تھیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** تقدم و تاخر دنیا کے احکام میں ہوتا ہے جہاں تک دین کے احکام کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی منازل میں رکھیں رتبہ کے اعتبار سے سب سے عظیم منزل نماز ہے (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: ”ابوبکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے“۔ فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو (3)۔ فرمایا: ”تم دونوں میں سے بڑا تمہاری امامت کرائے“ (4)۔ یہ حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے یہ سمجھا کہ مراد مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ولاء بڑے کے لیے ہے“ یہاں کبر سے مراد عمر میں بڑا نہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے کہا: عمر کا حق ہے۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: ”وہ مراعات کا زیادہ حق رکھتا ہے“

کیونکہ جب علم اور عمر جمع ہو جائیں تو عالم کو مقدم رکھا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کے احکام کا تعلق ہے وہ احکام دین پر مرتب ہیں جسے دین میں مقدم کیا جائے گا اسے دنیا میں مقدم کیا جائے گا۔ آثار میں ہے: ”جو آدمی ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے، ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں“ (1)۔ افراد کے بارے میں جو حدیث ثابت ہے اس میں ہے ”کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم بجا نہیں لاتا مگر اس کے بڑھاپے کے وقت اللہ تعالیٰ ایسا آدمی مقرر کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے“ (2)۔ علماء ان اشعار کو پڑھتے ہیں:

أَذْكَرُ إِذَا شِئْتَ أَنْ تُعَيِّرَهُمْ جَدَّكَ وَادَّكَرُ أَبَاكَ يَا بَنِي أَخِي  
وَاعْلَمْ أَنَّ الشَّبَابَ مَنَسِلٌ عَنْكَ وَمَا وَزُرَّاهُ بِمَنَسِلِ  
مَنْ لَا يَعْزُّ الشَّيْخَ لَا بِلَغْتٍ يَوْمًا بِهِ سِئُهُ إِلَى الشَّيْخِ

جب تو بوڑھوں کو عار دلانا چاہے تو اپنے دادا کو یاد کر اور اپنے باپ کو یاد کر، اے بھتیجے! جان لے تجھ سے جوانی جانے والی ہے اور اس کا بوجھ جانے والا نہیں۔ جو آدمی بزرگوں کی عزت نہیں کرتا اس کی عمر ایک روز اسے بڑھاپے کی عمر تک پہنچانے والی ہے۔  
**مسئلہ نمبر 5۔** وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى، کلا سے مراد آگے بڑھنے والے رکنے والے، اور سبقت لے جانے، پیچھے آنے والے اور لاحق ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا ہے اگرچہ ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عامر نے کل کو مرفوع پڑھا ہے اسی طرح اہل شام کے مصاحف میں یہ مرفوع ہے۔ باقی قراء نے اسے کلا پڑھا ہے جس طرح ان کے مصاحف میں ہے جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس کے نزدیک یہ مفعول بہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ حسنی کا وعدہ کیا ہے۔ جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے تو کیونکہ جب مفعول مقدم ہو تو فعل کا عمل کمزور ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ضمیر محذوف ہوگی یعنی وعدہ۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَى  
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ  
جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

”کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضہ حسدے اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہو گا ان کا نور ان کے آگے بھی ان کی دائیں جانب بھی (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے، یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔“

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں اس

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الادب، توقیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 33، حدیث 12610

2۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، ما جامد الجلال الکبیر، جلد 2، صفحہ 23



بارے میں گفتگو گزر چکی ہے جو آدمی بھی کوئی اچھا عمل کرے عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں: قد اقرض؛ شاعر نے کہا:

وَإِذَا جُوزِيَتْ قَرْضًا فَأَجْزِيَةً (1)

جب تیرے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو اس کا بدلہ دے۔

اسے قرض کا نام دیا گیا کیونکہ قرض بدل واپس لینے کے لیے دیا جاتا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بدل عطا فرماتا ہے۔ کبھی نے کہا: قرض سے مراد صدقہ ہے، حسنا سے مراد ہے وہ دل سے ثواب کی نیت رکھتا ہو، وہ احسان جتلانے اور اذیت دینے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فَيُضَعِفُهُ یعنی سات گنا سے سات سو گنا تک جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): قرض حسن سے مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے یہ کہے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا إله إلا اللہ، اللہ اکبر۔ یہ سفیان نے ابو حیان سے روایت نقل کی۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اپنے گھر والوں پر مال خرچ کرنا ہے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد غلی عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عمل خیر ہے (4): عرب کہتے ہیں: لی عند فلان قرض و قرض سوء۔ قشیری نے کہا: قرض حسن سے مراد ہے کہ صدقہ کرنے والا، سچی نیت اور پاکیزہ نفس سے صدقہ کرے وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو وہ ریا کاری اور شہرت کا خواہش مند نہ ہو، وہ مال حلال کا ہو۔ قرض حسن یہ ہے کہ وہ ردی چیز کا قصد نہ کرے کہ وہ اسے صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَتَّبِعُوا الْهَيْبَةَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ (البقرہ: 267) وہ اس وقت صدقہ کرے جب اسے زندگی کی امید ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ سے بہترین صدقہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ”تو صدقہ کرے جب کہ تو صحت مند ہو، بغل موجود ہو تو زندگی کی امید رکھتا ہو، تو اسے موخر نہ کیے رکھ یہاں تک کہ سانس ہنسی کی ہڈی تک آپہنچے تو تو کہے فلاں کے لیے اتنا، فلاں کے لیے اتنا“ (5)۔ وہ اپنے صدقہ کو مخفی رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى (البقرہ: 264) وہ جو کچھ دے رہا ہے اسے حقیر جانے کیونکہ تمام دنیا قلیل ہے، جو مال دے وہ اس کا محبوب ترین مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِنْ مَّا تُحِبُّونَ (آل عمران: 92) وہ بہت زیادہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بہترین غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو“ (6)۔

فَيُضَعِفُهُ ابن کثیر اور ابن عامر نے فیضعفه پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کر دیا ہے مگر ابن عامر اور یعقوب نے فاء کو نصب دی ہے۔ نافع اور اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے فیضاعفه پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور عین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے مگر عاصم نے فاء کو نصب دی ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے یہ یقرض پر معطوف ہے۔ نصب کی صورت میں یہ استفہام کا جواب ہے۔ سورہ بقرہ میں اس بارے میں قول منصل گزر چکا ہے۔ وَلَئِنَّ أَجْرَكُمْ لَمِنْكُمْ ۖ اس سے مراد جنت ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۝ ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے ولہ  
 اُجر کریم فی یوم تری فیہ المؤمنین والمؤمنات یسعی نورہم یعنی وہ پل صراط پر سے گزریں گے۔ بَشْرًا أَيْدِيهِمْ یعنی  
 ان کے سامنے و پائینانہم فراء نے کہا: بے، فی کے معنی میں ہے یا یہ عن کے معنی میں ہے۔ ضحاک نے کہا: نُورُهُمْ سے مراد  
 ان کی ہدایت ہے و پائینانہم سے مراد ان کی کتب ہیں؛ طبری نے اسے پسند کیا ہے، یعنی ان کا ایمان اور عمل صالح ان کے  
 سامنے ہوگا اور ان کے ہاتھوں میں ان کے اعمال کی کتابیں ہوں گی (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر ہذا، فی کے معنی میں ہے۔ اس تعبیر  
 کی بنا پر وقف نہ کیا جائے۔ سہل بن سعد ساعدی اور ابو حیوہ نے بایمانہم الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا مراد وہ ایمان لیا  
 ہے (2) جو کفر کی ضد ہے اور جو ظرف نہیں اس کا عطف ظرف پر ہے کیونکہ ظرف کا معنی حال ہے یہ محذوف کے متعلق ہے معنی  
 ہوگا یسعی کائناتین ایدیہم و کائناتین ایدیہم کا قول یسعی کی ذات کے متعلق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:  
 نور سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا (3)، ان  
 میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھجور کے درخت جیسا دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھڑے آدمی کی طرح  
 دیا جائے گا، ان میں سے سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کسی وقت بھی بجھ جائے گا اور کسی  
 وقت روشن ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومنوں میں سے  
 کچھ مومن ایسے ہوں گے جن کا نور مدینہ اور عدن کے درمیان کا علاقہ روشن کر دے گا یا مدینہ طیبہ اور صنعاء کے درمیان کا علاقہ  
 منور کر دے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایسا مومن بھی ہوگا جس کا نور صرف اس کے قدموں کی جگہ کو روشن کرے گا۔“  
 حضرت حسن بصری نے کہا: ”تا کہ وہ اس نور کے ساتھ صراط پر روشنی حاصل کریں۔“ جس طرح پہلے بات گزر چکی ہے۔  
 مقاتل نے کہا: ”تا کہ یہ جنت کی طرف ان کے لیے راہنما بن جائے۔“ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بُشْرًا لَّكُمْ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ تقدیر کلام یہ ہے یقال لہم بشرا کم الیوم یعنی قول محذوف ہے۔ یعنی  
 آج تمہیں جنات میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ مضاف کو حذف کرنا ضروری ہے کیونکہ بشری مراد ثنی ہے اور جنت یعنی  
 چیز ہے اس لیے بشری تو جنت نہیں ہو سکتی۔ ان کی رہائشوں کے نیچے دودھ، پانی، شراب اور شہد کی نہریں رواں ہوں گی۔  
 خُلْدًا یَنْفِیْہَا یہ دخول محذوف سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہے بشرا کم الیوم دخول جنات تجری من تحتہا الانہار  
 اس میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے یہ بُشْرًا لَّكُمْ سے حال نہیں کیونکہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے  
 کہ بشری جس پر دلالت کر رہا ہے اس سے حال ہو گیا کہا: تبشرون خالدین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف جو الیوم ہے یہ  
 بشرا کم کی خبر ہو اور جنات یہ بشری سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خُلْدًا یَنْفِیْہَا حال ہے جس  
 طرح پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے جنات پر نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حال ہے اس شرط پر کہ الْيَوْمَ، بُشْرًا لَّكُمْ کی خبر  
 ہے جب کہ یہ بعید ہے کیونکہ جنات میں فعل کا معنی موجود نہیں اس امر کو جائز قرار دیا کہ بُشْرًا لَّكُمْ منصوب ہو معنی یہ ہے



بیشرونہم بشمائی اور جنات کو نصب بشمائی کی وجہ سے ہو اس صورت میں صلہ اور موصول میں فرق ہوگا۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتِسِ مِنْ نُورِكُمْ  
قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ  
الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۚ يُنَادُوهُمْ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ ۚ قَالُوا بَلَى  
وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّى جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ  
وَعَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۚ قَالِيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ  
مَا أُولَئِكَ إِلَّا نَارٌ ۚ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۚ وَبُئْسَ الْمَصِيرُ ۚ

”اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو، پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خودفتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آپہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغا باز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے، وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی۔“

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ، يَوْمَ میں عامل ذَلِكْ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ۚ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے یوم سے بدل ہے (1)۔ انْظُرُونَا نَقْتِسِ عام قرأت ہمزہ وصلی اور ظاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ نظر سے مشتق ہے۔ نظر، انتظار کے معنی میں ہے یعنی ہمارا انتظار کیجئے۔ اعمش، حمزہ اور تکی بن وثاب نے انْظُرُونَا الف قطعاً اور ظاء کے کسر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انظار سے مشتق ہے یعنی ہمیں مہلت دو۔ انظر تہ میں نے اسے مہلت دی، استتظرتہ میں نے اس سے مہلت طلب کی۔ فراء نے کہا: عرب کہتے انظرنی انتظرنی اور عمرو بن کلثوم کا شعر پڑھا:

أَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا وَأَنْظِرْنَا نَخْبِرَكَ الْيَقِينَا (2)

اے ابوہند! ہم پر جلدی نہ کرو، ہمارا انتظار کرو ہم تجھے یقینی خبر دیتے ہیں۔

شعر میں انظرنا، انتظرنہ کے معنی میں ہے۔

نَقْتِسِ مِنْ نُورِكُمْ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں (3)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امامہ نے کہا:

قیامت کے روز لوگوں پر ظلمت چھا جائے گی۔ ماوردی نے کہا: میں گمان کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ کے بعد ہوگا۔ پھر انہیں نور عطا کیا جائے گا جس میں وہ چلیں گے۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو ان کے اعمال کے مناسب نور عطا فرمائے گا جس کی مدد سے وہ صراط پر چلیں گے۔ منافقوں کو نور دیا جائے گا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء: 142)** ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نور دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے سب اہل دعوت تھے کافروں کو نور نہیں دیا جائے گا (1)۔

پھر منافق کا نور اس کے نفاق کی وجہ سے سلب کر لیا جائے گا: یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابو امامہ نے کہا: مومن کو نور دیا جائے گا اور کفار و منافق کو نور کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ کلبی نے کہا: منافق مومنوں کے لیے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہیں گے انہیں نور نہیں دیا جائے گا اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہوا اور تاریکی بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا: اللہ تعالیٰ کے فرمان **رَہْبَنَّا آثِمُ لَنَا نُونَنَا (التحریم: 8)** کا یہی مصداق ہے۔ یہ مومن عرض کریں گے کیونکہ انہیں ڈر ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی سلب نہ کر لیا جائے جس طرح منافقوں کا نور سلب کیا گیا۔ جب منافق تاریکی میں رہیں گے تو وہ اپنی قدموں کی جگہ کو بھی نہ دیکھیں گے تو وہ مومنوں سے کہیں گے: **انظُرُونَا نَقْتُس مِنْ نُورِہُمْ**۔

**قَتِيلُہُمْ جَعُوا وَاَرَاءَہُمْ** فرشتے انہیں کہیں گے: واپس پلٹ جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات مومن انہیں کہیں گے کہ اس جگہ کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے ہم نے نور حاصل کیا ہے وہاں سے اپنے لیے نور حاصل کرو کیونکہ تم ہمارے نور سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ جب وہ نور کی تلاش میں واپس پلٹیں گے تو درمیان میں دیوار بنا دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم نے دنیا سے اپنا نور کیوں طلب نہیں کیا کہ تم ایمان لاتے۔ ہُنُو یعنی سور میں باء زائدہ ہے، یہ نسائی کا قول ہے۔ سور یہ جنت اور دوزخ کے درمیان آڑ ہوگی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ ”وہ دیوار بیت المقدس میں ہوگی یہ اس جگہ ہوگی جو وادی جہنم کے نام سے معروف ہے۔“

**بَاطِنُہُ فِیہِ الرَّحْمَۃُ** جس جانب مومن ہوں گے **وَقَاطِرُہُ مِنْ قَبْلِہِ الْعَذَابُ** ⑤ یعنی جس جانب منافق ہوں گے۔ کعب الاحبار نے کہا: مراد وہ دروازہ ہے جو بیت المقدس میں ہے جو باب رحمت کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: یہ بیت المقدس کی مشرقی دیوار ہے جس کی اندر کی جانب رحمت ہے اور باہر کی جانب جہنم ہے؛ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ زیاد بن ابی سوادہ نے کہا: حضرت عبادہ بن صامت بیت المقدس کی مشرقی دیوار پر کھڑے ہوئے اور روئے اور کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ آپ نے یہاں سے جہنم کو دیکھا۔ قتادہ نے کہا: یہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ **بَاطِنُہُ فِیہِ الرَّحْمَۃُ** رحمت سے مراد جنت ہے **وَقَاطِرُہُ مِنْ قَبْلِہِ الْعَذَابُ** ⑤ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ حجاب ہے جس طرح سورہ اعراف میں ہے، اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:



بے شک رحمت جس کے باطن میں سے مراد مومنین کا نور ہے اور عذاب جس کے ظاہر میں سے مراد منافقین کی تاریکی ہے۔  
يُنَادُوهُمْ مَنَاقٍ مَوْنُوں کو نداء دیں گے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ کیا وہ دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی ہم نماز پڑھتے تھے جس طرح تم نماز پڑھتے تھے، ہم جہاد کرتے جس طرح تم جہاد کیا کرتے تھے اور ہم وہی کام کیا کرتے تھے جس طرح تم کیا کرتے تھے (1)۔ قَالُوا بَلَىٰ مَوْنٍ کہیں گے: کیوں نہیں تم ظاہر اُمارے ساتھ تھے وَلَكِنْ كُنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ مجاہد نے کہا: تم نے نفاق کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: معاصی کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (3)؛ یہ ابوسنان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہوات اور لذات کے ساتھ ہلاک کیا (4)، یہ ابو نعیم ہمدانی نے روایت کیا ہے۔

وَتَرَبَّصُّهُمْ وَاَمَّا تَبَهُتُمْ تم نے نبی کریم ﷺ کی موت اور مومنین کے لیے حادثات زمانہ کا انتظار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے توبہ کا انتظار کیا اور توحید و نبوت میں شک کیا (5)۔ وَغَرَّكُمُ الْاَمَانِيُّ بَاطِل چیزوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمبی امیدوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو مومنین کو کمزور ہونے اور اس کے بارے میں مصائب کے نازل ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔ قتادہ نے کہا: یہاں اُمانی سے مراد شیطان کا دھوکہ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ ابوسنان نے کہا: مراد ان کا یہ قول ہے (7) سیغفر لنا ہلال بن سعد نے کہا: تیرا اپنی نیکیوں کو یاد کرنا اور اپنی برائیوں کو بھلا دینا یہ دھوکہ ہے۔

حَتَّىٰ جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اپنے نبی کی مدد ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد انہیں جہنم میں پھینکنا ہے۔ وَغَرَّكُمُ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ۝ یعنی شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: باقی کے لیے ماضی میں عبرت ہے بعد والے کے لیے پہلے میں جھڑک ہے۔ سعید وہ ہے جو طمع سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اور دھوکہ دینے والی چیزوں کی طرف مائل نہ ہو۔ جو موت کو یاد کرتا ہے آرزو کو بھول جاتا ہے، جو امید کو لمبا کرتا ہے عمل کو بھول جاتا ہے اور موت سے غافل ہو جاتا ہے۔ غرور کا لفظ مبالغہ کا وزن ہے مقصود کثرت کا اظہار ہے۔ ابو حیوہ، محمد بن سميع اور ساک بن حرب نے غرور پڑھا ہے یعنی غیبن پر ضمہ ہے۔ مراد باطل امور ہیں یہ مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے خط لگائے اور ایک ان سے ایک جانب لگایا فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ انسان اور اس کی تمنا کی مثال ہے، وہ خطوط درمیان میں امیدیں ہیں اسی اثناء میں کہ وہ تمنا کرتا ہے تو اسے موت آ جاتی ہے“ (8)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مربع خط لگایا اس کے درمیان ایک خط لگایا اور اسے مربع سے باہر نکالا، اس کی دائیں بائیں چھوٹے خطوط لگائے فرمایا: ”یہ انسان ہے، یہ اس کی موت ہے جو اس کو ہر طرف

سے گھیرے ہوئے ہے، یہ اس کی آرزو ہے جو اس کی موت سے باہر نکل رہی ہے، یہ چھوٹے خطوط آفتیں ہیں اگر یہ خطا جائے تو دوسری اسے نوج لیتی ہے اگر دوسری خطا جائے تو یہ اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔“

قَالِيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ خَطَابِ مَنَافِقُونَ كُوْهُ وَ لَا مِنْ الَّذِينَ كَفَرُوا انہیں نجات سے مایوس کر دیا۔ عام قرأت یؤخذ ہے کیونکہ فدیہ مؤنث غیر حقیقی ہے کیونکہ اس کے درمیان اور فعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابن عامر اور یعقوب نے تَوُخَذُ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے ہی اختیار کیا ہے کیونکہ فدیہ مؤنث ہے پہلی قرأت کو ابو عبید نے اختیار کیا ہے یعنی تم سے بدل، عوض اور کوئی اور نفس قبول نہ کیا جائے گا۔

مَاؤلَّكُمْ التَّائِبِينَ تمہارا مقام اور تمہاری منزل جہنم ہے ھٰی مَوْلٰیكُمْ یہی تمہارے حق میں مناسب اور بہترین ہے۔ مولیٰ اسے کہتے ہیں جو انسان کے مصالح کا ذمہ دار ہوتا ہے پھر اس کا استعمال اس شخص کے بارے میں ہونے کا جو کسی چیز کو لازم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آگ ان کے امور کی مالک ہوگی، معنی ہے اللہ تعالیٰ اس میں زندگی اور عقل پیدا فرما دے گا وہ کفار پر غصہ کی وجہ سے پھٹ جائے گی، اس وجہ سے اس ارشاد میں اسے خطاب کیا گیا: يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَ تَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۝ (ق)

وَبَشِّرِ الصَّادِقِينَ وہ کمپنی بری لوٹنے کی جگہ اور کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ قَطًّا عَلَيْهِمْ إِلَّا مَذُوقَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ فُسِقُونَ ۝ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَمْوَاتَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

”کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الہی کے لیے اور اس سچے کلام کے لیے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد، ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم سمجھو۔“

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا، يَأْنِ کا معنی ہے قریب ہونا قوت آنا، شاعر نے کہا

أَلَمْ يَأْنِ لِي يَا قَلْبُ أَنْ أَتَرَكَ الْجَهْلَ وَأَنْ يُخْدِثَ الشَّيْبُ السَّبِيحَ لَنَا عَقْلًا

اے میرے دل! کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میں جہالت کو ترک کر دوں اور یہ بڑھا پامیرے لیے عقل کو پیدا کر دے۔

اس فعل کا ماضی ان الف مقصورہ کے ساتھ ہے مضارع یأْن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے اَنْ لَكَ اَنْ تَفْعَلَ کذا، یشین اینا یعنی



وہ وقت آگیا ہے کہ تو اس طرح کرے۔ یہ اُن لکنی مثل ہے یہ اس سے مقلوب ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

أَلَتَا يَبْنَ لِي أَنْ تَجَلِّي عَمَاتِي وَأَقْصُرُ عَنْ لَيْلِي بَلَى قَدْ أَتَى لِيَا

کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میری گمراہی عیاں ہو جائے اور میں لیلی سے ہاتھ کھینچ لوں کیوں نہیں میرے لیے وہ وقت آچکا ہے۔

دونوں لغتوں کو جمع کیا۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا اَلْتَا يَابْنَ اس کی اصل اَلَمْ ہے (1) اس میں مازائدہ ہے۔ یہ قائل کے قول کی نفی ہے جو قد کان کذا ہے اور لم اس کے قول کان کذا کی نفی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عتاب کیا چار سال کا عرصہ حائل تھا (2)۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ناراضگی کا ذکر ہے تو کہتا ہے: عاتبتہ معاتبۃ۔

أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، تَخْشَعُ کا معنی ہے مطیع ہونا اور نرم ہونا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مزاح اور ہنسنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت زیادہ ہو گیا جب وہ مدینہ طیبہ میں خوشحال ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہارے خشوع میں آہستگی پاتا ہے“ تو اس موقع پر صحابہ نے کہا: ہم نے خشوع کو اپنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں سستی پائی تو نزول قرآن کے تیرہویں سال انہیں عتاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی؛ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منافقین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں تورات کے عجائب بیان کریں۔ تو اَلَا تَذَكَّرُ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ الْبٰیِّنٰتِ ۚ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف) تک آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ یہ غیر سے زیادہ حسین اور زیادہ نفع مند ہے۔ تو وہ حضرت سلمان سے سوال کرنے سے رک گئے۔ انہوں نے پھر پہلے کی طرح آپ سے سوال کیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس تاویل کی بنا پر ایمان داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے ایمان لائے۔

سدی وغیرہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہر ایمان لائے اور کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مومنین کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سعد نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ ہمیں کوئی قصہ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف: 3) کچھ عرصہ بعد انہوں نے عرض کی: کاش! آپ کچھ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ (الزمر: 23) انہوں نے کچھ عرصہ بعد عرض کی: کاش! آپ کچھ ذکر کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ کہا: ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ذریعے ہمارے عتاب کے درمیان چار سال کا عرصہ حائل ہے تو ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ہر کوئی یہ کہتا: ہم نے کیا کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سستی پائی جب کہ وہ مخلوقات میں سے وہ سب سے

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٠﴾ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رہبانیت شروع کی یعنی گرجے والوں نے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ نہیں جانتے جس کو وہ اپنائیں اور جو علم رکھتے ہیں اس کے خلاف عمل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان دار نہیں۔ ان میں سے ایک طائفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہا جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے پھر گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فاسق قرار دیا۔ محمد بن کعب نے کہا: صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، جب انہوں نے ہجرت کی تو خوشحال ہوئے تو جس حال میں پہلے تھے اس میں سستی ہوئی تو ان کے دل



ابن مبارک نے ذکر کیا: امام مالک بن انس نے ذکر کیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم علم نہیں رکھتے لوگوں کے گناہوں کو نہ دیکھو گویا تم مالک ہو انہیں دیکھو یا فرمایا: اپنے گناہ دیکھو گویا تم غلام ہو۔ بے شک لوگوں کی دو قسمیں ہیں جو عافیت میں ہیں یا جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ جو لوگ آزمائش میں مبتلا ہیں ان پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ یہ آیت کریمہ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی توبہ کا باعث بنی۔

أَلَمْ يَأْنِ لَ مِنْكَ أَنْ تَرْحَمَا وَتَعْصِ الْعَوَازِلَ وَاللُّرْمَا  
وَتَرْثِي لَصِيتَ بِكُمْ مُغْرَمٌ أَقَامَ عَلَى هَجْرِكُمْ مَأْتِيَا  
يَبِيتُ إِذَا جَنَّهُ لَيْلُهُ يُرَاعِي الْكَوَاكِبَ وَالْأُنْجُمَا  
وَمَا ذَا عَلَى الطَّبِي لَوَأْنَهُ أَحَلَّ مِنْ الْوَصْلِ مَا حَرَّمَ مَا

کیا میرے لیے تیری جانب سے وہ وقت نہیں آیا کہ تو رحم کرے اور ملامت کرنے والوں کی نافرمانی کرے اور اپنے عاشق پر شفقت کرے جو بڑی مصیبت میں ہے وہ تمہارے فراق میں ماتم کر رہا ہے۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ بکواکب اور انجم شماری کرتا رہتا ہے۔ اس ہرن کو کیا ہوگا اگر وہ اس وصل کو حلال کر دے جس کو اس نے حرام کر رکھا ہے۔

جہاں تک فضیل بن عیاض کا تعلق ہے اس کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق تھا اس نے ان سے رات کے وقت کا وعدہ کیا۔ اسی اثنا میں کہ وہ دیواریں چڑ رہے تھے تو ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو واپس پلٹ آئے اور کہہ رہے تھے: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! وہ وقت آچکا ہے۔ وہ رات انہیں ایک کھنڈر تک لے گئی جہاں مسافروں کی ایک جماعت تھی وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: فضیل ڈاکو ہے۔ فضیل نے کہا: افسوس! میں اپنی رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارتا ہوں مسلمانوں میں سے ایک قوم مجھ سے ڈرتی ہے، اے اللہ! میں نے توبہ کر لی ہے اور میں نے اپنی توبہ اس طرح کی ہے کہ

میں تیرے بیت اللہ میں ہی رہوں گا۔

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَمْثَاضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بِنَجْرِزِ مِین کو بارش کے ساتھ اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ صالح مری نے کہا: دلوں کی سختی کے بعد ان کو نرم کر دیتا ہے۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظلم کے بعد عدل کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو ایمان کی طرف ہدایت دے کر زندہ کرتا ہے جب کہ کفر اور گمراہی کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ امتوں میں سے مردوں کو زندہ کرتا ہے ان میں سے جو خشوع والے دل ہیں اور سخت دل ہیں ان میں فرق کرتا ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥﴾ زمین کے مردہ ہونے کے بعد انہیں زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

إِنَّ الْمَصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٧﴾

”بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں۔“

إِنَّ الْمَصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ ابن کثیر اور ابو بکر نے عاصم سے دونوں میں صاد کی تخفیف کے ساتھ کے ساتھ پڑھا ہے یہ تصدیق سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا اس کی وہ تصدیق کرتے ہیں باقی نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ المتصدقین اور المتصدقات تھا تاہم کو صادم میں مدغم کیا گیا ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی قرض حسن کا ذکر ہے اس سے مراد نفل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمل صالح ہے وہ صدقہ ہو یا کوئی اور صورت ہو جب کہ وہ ثواب کی نیت رکھتا ہو اور اپنی نیت میں سچا ہو۔ فعل کا عطف اسم پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسم فعل کے حکم میں ہے مراد ہے ان الذین صدقوا و اقترضوا ہے۔ يُضَعْفُ لَهُمْ انہیں اس کا کئی گنا عطا کیا جائے گا۔ عام قرأت عین کے فتح کے ساتھ ہے اور یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ اعمش نے اسے یضاعفہ پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے یضعف پڑھا ہے۔ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿٦﴾ مراد جنت ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ،



الشَّهَدَاءُ کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ ماقبل سے مقطوع ہے یا متصل ہے؟ مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: شہداء اور صدیقین ہی مومنین ہیں اور یہ ماقبل سے متصل ہے اسی کی ہم معنی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ اس اعتبار سے الصِّدِّيقُونَ پر وقف نہیں کیا جائے گا؛ آیت کی تاویل میں یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء: 69) صدیقین کا مرتبہ ہی انبیاء کے بعد ہوتا ہے، شہداء ہی وہ لوگ ہیں جو صدیقین کے بعد کا درجہ رکھتے ہیں اور صالحین کا درجہ شہداء کے بعد ہوتا ہے تو یہ جائز ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں ہو جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی میری مراد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ کا معنی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیں۔ تو ایک صدیق دوسرے صدیق سے درجات میں بلند ہوگا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جنت اعلیٰ کے مکین اپنے سے کم مرتبہ جنتیوں کو یوں دیکھیں گے جس طرح تم میں سے کوئی ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتا ہے“ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان میں سے ہیں اور فضیلت میں بڑھ کر ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور مسروق سے روایت مروی ہے کہ شہداء صدیقین کے علاوہ ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر شہداء ماقبل سے منفصل ہیں اور وقف اللہ تعالیٰ کے فرمان الصِّدِّيقُونَ پر اچھا ہے۔ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ کا معنی ہے ان کے لیے ان کے انفس کا اجر اور نور ہوگا۔ ان کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ رسل ہیں وہ اپنی امتوں کے بارے میں تصدیق اور تکذیب کی گواہی دیں گے؛ یہ کبھی کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جُنَّاهُكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (النساء: ۲) وہ رسولوں کی امتیں ہیں وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے جس کے بارے میں گواہی دیں گے اس میں دو قول ہیں (۱) وہ اپنے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ طاعت و معصیت کا عمل کرتے رہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے (۲) وہ انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو رسالت کی تبلیغ کی؛ یہ کبھی کا قول ہے۔ مقاتل نے ایک تیسرا قول بھی کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں، اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے مراد مومنوں کے شہید لیے ہیں۔ واؤابتداء کی واؤ ہے۔ اس قول کی بنا پر صدیقین شہداء سے الگ ہیں ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آٹھ افراد ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی شیر خدا، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی جب آپ نے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ ملا دیا۔ مقاتل بن حیان نے کہا: صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولوں پر ایمان لائے، آنکھ جھپکنے کے برابر بھی ان کی تکذیب نہ کی جس طرح آل فرعون کا مومن، صاحب آل یاسین، حضرت ابو بکر صدیق اور اصحاب اخدود (خندقوں والے)۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ ان کے لیے نہ اجر

ہے اور نہ ہی نور ہے۔

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ  
وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ  
حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ  
الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا  
كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ  
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

”خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب و نسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب سرسبز) کھیتی ہو وہ (یکا یک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھتے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے، اور (دنیا پرستوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہو گا۔ اور (خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہو گی، اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر نرا دھوکہ۔ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے جو تیار کر دی گئی ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، یہ اللہ کا فضل (و کرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔“

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ اتِّصَالٌ کی صورت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات قتل اور موت کے خوف سے جہاد ترک کر دیتا ہے۔ اس امر کو بیان کیا کہ دنیاوی زندگی حقیر چیز ہے اس لیے مناسب نہیں کہ جو چیز باقی رہنے والی نہیں اس کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا جائے۔ مازائد ہے تقدیر کلام یہ ہے جان لو دنیاوی زندگی باطل، کھیل اور خوشی کا لہو ہے پھر یہ ختم ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: لعب ولہو کا معنی ہے کھانا اور پینا۔

مجاہد نے کہا: یہ لعب لہو ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ معنی گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد ہے جو دنیا میں رغبت پیدا کرے اور لہو سے مراد ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد مال جمع کرنا اور لہو سے مراد عورتیں ہیں۔ وَزِينَةٌ زینت سے مراد وہ چیز ہے جس سے زینت حاصل کی جاتی ہے۔ کافر دنیا سے زینت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لیے عمل نہیں کرتا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے زینت حاصل کرتا ہے۔

وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ یعنی تم میں سے بعض بعض پر اس کے ذریعے فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خلافت اور قوت پر فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کی عادت کے مطابق انساب پر فخر کرتے ہو۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم باہم تواضع کرو یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر سرکشی نہ کرے اور کوئی



دوسرے پر فخر نہ کرے۔“ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے: ”میری امت میں چار چیزیں جاہلیت سے تعلق رکھتی ہیں انساب پر فخر کرنا۔“ یہ تمام باتیں پہلے گزر چکی ہیں۔

وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ کیونکہ دور جاہلیت کی عادت تھی کہ بیٹوں اور اموال پر فخر کیا جاتا تھا مومنین کا فخر ایمان اور طاعت پر ہے۔ بعض متاخرین نے کہا: لعب سے مراد بچوں کا کھیلنا ہے اور لہو سے مراد نو جوانوں کا لہو ہے۔ زینۃ عورتوں کی زینت ہے، تفاخر سے مراد ساتھیوں کا فخر کرنا ہے، تکاثر سے مراد تاجروں کا مال پر فخر کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا انہیں چیزوں کی طرح زائل اور فنا ہونے والی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمار سے فرمایا: دنیا کے بارے میں غمگین نہ ہو کیونکہ دنیا چھ چیزیں ہیں ماکول، مشروب، ملبوس، مسموم (جس کو سونگھا جائے) مرکوب، منکوح۔ بہترین کھانا شہد ہے یہ مکھی کا لعاب ہے، اکثر مشروب پانی ہے اس میں تمام حیوانات برابر ہیں، بہترین لباس ریشم ہے یہ کیڑے کا بنا ہوتا ہے، افضل خوشبو کستوری ہے یہ نافہ کا خون ہوتا ہے، بہترین سواری گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر لوگ قتل ہوتے ہیں، بہترین نکاح کی گئی عورتیں ہیں وہ بول کا محل بول کے محل میں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! عورت اپنے بہترین حصہ کو مزین کرتی ہے جس کے ساتھ اس کے بیچ ترین حصہ کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسی کھیتی سے دی جس پر بارش ہوئی ہو، فرمایا: كَمْثَلٌ غَيْثٌ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاثَةً، غَيْثٌ سے مراد بارش ہے یہاں کفار سے مراد کاشتکار ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دباتے ہیں۔ معنی ہے دنیاوی زندگی اس کھیتی کی مانند ہے جو زیادہ بارشوں کے باعث اپنی سرسبزی کے ساتھ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ تھوڑے وقت میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے گویا وہاں کوئی کھیتی تھی ہی نہیں۔ جب وہ کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے تو اس وقت حد درجہ حسین ہوتی ہے۔ اس کی مثل گفتگو سورہ یونس اور سورہ کہف میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کفار سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے ہیں کیونکہ مومنین کے مقابلہ میں وہ دنیا کی زینت سے زیادہ خوش ہونے والے ہیں۔ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اعجاب (خوش ہونا) اصل میں ان کے لیے اور انہی میں ہوتا ہے اور انہیں سے یہ چیز ظاہر بھی ہوتی ہے وہ دنیا اور مافیہا کی عظمت بجالانا ہے موحدین میں تو اس کی حیثیت فرع کی سی ہوتی ہے جو ان کی شہوات سے جنم لیتی ہے۔ جب وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں کاف کا محل رفع ہے کیونکہ یہ صفت ہے ثَمَّ يَهْبِجُ یعنی سرسبز و شاداب ہونے کے بعد وہ خشک ہو جاتی ہے۔ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا جو اس پر تر و تازگی تھی وہ متغیر ہو جاتی ہے ثَمَّ يَكُونُ حُطَامًا وہ ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کا حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح کافر کی دنیا ہے۔ وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ یعنی کافروں کے لیے آخرت میں شدید عذاب ہے۔ اس پر وقف بہت اچھا ہے پھر کلام سے آغاز ہو گا وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ یعنی یہ مومنین کے لیے ہے۔ فراء نے کہا: فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ (الحمدید: 28) اس میں تقدیر کلام یہ ہے اِمَّا عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاِمَّا مَغْفِرَةٌ تو لفظ شدید پر کوئی وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ الْعُرُوہ ۝ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے یعنی دنیاوی زندگی کفار کو دھوکہ میں ڈالتی ہے جہاں

تک مومن کا تعلق ہے دنیا اس کے لیے ایسی متاع ہے جو اسے جنت تک پہنچانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دنیاوی زندگی کے لیے عمل دھوکے کا بیان ہے یہ دنیا کے لیے عمل کرنے سے روکنا اور آخرت کے لیے عمل میں رغبت دلانا ہے۔

سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن تَرْبَتِكُمْ أَعْمَالٍ صَالِحَةٍ جَلَدِي كَرُو جَوْتَمْبَارِے لِيَعْمَارِے رَبِّ كِي مَغْفِرَتِ كَو ثَابِتِ كَر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ یہ عمل مغفرت کی طرف لے جاتا ہے: یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ: یہ کھول کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد پہلی صف ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا مِثْلُ عَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اِذَا نَزَلَ اِلَيْهَا جَاءَتْ حَسَنُ بَصَرِي نَعْمَا: مراد ہے تمام زمین اور تمام آسمان ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اتنی وسیع جنت ہوگی۔ ابن کيسان نے کہا: مراد جنتوں میں سے ایک جنت ہے۔ عرض، طول سے کم ہوتا ہے۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ کسی شے کی وسعت کو عرض سے تعبیر کرتے ہیں اس کی طوالت سے تعبیر نہیں کرتے؛ شاعر نے کہا:

كَأَنَّ بِلَادَ اللَّهِ وَهِيَ عَرِيضَةٌ عَلَى الْخَائِفِ الْمَطْلُوبِ كِفَّةٌ حَابِلٍ

گویا اللہ تعالیٰ کے ملک جب کہ وہ بڑے وسیع و عریض ہیں خوفزدہ اور مطلوب شخص کے لیے شکاری کا پھندہ ہیں۔

یہ سب آل عمران میں بحث گزر چکی ہے۔ طارق بن شہاب نے کہا: اہل حیرہ میں سے ایک جماعت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا مِثْلُ عَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بتائیے جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: بتاؤ جب رات چلی جاتی ہے اور دن آ جاتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کی: تو رات میں جو کچھ ہے اسی کو آپ نے اخذ کیا ہے۔

أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ يَهَا صِرَاطٌ اِيْمَانٍ كِي شَرَطٌ هے كُوِي اور شَرَطٌ نَحْمِيں اس ميں اميد كو تقويت دي گني هے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ایمان کی شرط ذکر کی اور سورہ آل عمران میں اضافہ کیا فرمایا أَعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُلُوبِ الْغِيظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران)

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ يَعْنِي جَنَّتِ كَو حَاصِلِ نَحْمِيں كِيَا جَا سَكْتَا اور اس ميں داخلِ نَحْمِيں بَوَا جَا سَكْتَا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ ہی اس میں داخل بوا جاسکتا ہے۔ یہ بحث سورہ اعراف وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلُ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ تَكِيلًا تَأْسُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

”نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں، بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ



ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے، اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو، جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہر تعریف کا مستحق ہے۔“

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كُتُبٍ مَحْفُوظَةٍ ۖ مِّنْ قَبْلِ أَن تَبَرَأَ آهًا ۚ

کیا ہے: کبھتی میں آفات ہیں۔ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ مراد جو تمہیں بیماریاں لاحق ہوتی ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حدود کا قائم کرنا ہے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معاش کی تنگی ہے۔ یہ وہ معنی ہے جسے ابن جریج نے روایت کیا ہے۔ إِلَّا فِي كُتُبٍ مراد لوح محفوظ ہے۔ مِّنْ قَبْلِ أَن تَبَرَأَ آهًا، ہا ضمیر نفوس، الارض، المصائب یا سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے قبل اس کے کہ وہ مصیبت کو پیدا کرے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے قبل کہ وہ زمین اور نفس کو پیدا کرے۔ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ ربیع بن سالم نے کہا: جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا گیا تو میں رونے لگا انہوں نے فرمایا: کس چیز نے تجھے رلایا ہے؟ میں نے کہا: میں آپ کے ساتھ جو سلوک دیکھتا ہوں اور جس کی طرف آپ جا رہے ہیں اس کو دیکھ کر رو رہا ہوں۔ فرمایا: نہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ایسا ہوگا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كُتُبٍ مِّنْ قَبْلِ أَن تَبَرَأَ آهًا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس امر کو آسان کر دیا جو انہیں جہاد میں قتل اور زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس امر کی وضاحت کی کہ اموال کی محافظت جو انہیں جہاد سے روکتی ہے اور ان اموال میں جو نقصان ہوا ہے سب مکتوب و مقدر ہے اس کو روکنے والا کوئی نہیں، بندے کے ذمہ امر کی اطاعت ہے۔ پھر انہیں ادب سکھایا تو یہ ارشاد فرمایا: تَكِيلًا تَأْسُوا عَلَىٰ مَافَاتِكُمْ یعنی تم سے جو رزق فوت ہوا ہے اس پر تم غمگین نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جانتے ہیں کہ رزق کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تو ان کے ہاتھ سے جو چیز نکل چکی ہے اس پر وہ غمگین نہ ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: لَا يَجِدُ أَحَدٌ كَمِ طَعْمِ الْإِيْمَانِ حَتَّىٰ يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ يَخْطئه وَمَا أَخْطَاهُ لَمْ يَكُنْ لِيَصِيبَهُ تَمِّمِمْ سے کوئی آدمی ایمان کا ذائقہ نہیں پاسکتا یہاں تک کہ وہ یہ جان لے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ بچنے والی نہ تھی۔ پھر تَكِيلًا تَأْسُوا عَلَىٰ مَافَاتِكُمْ کی قرأت کی۔ یعنی دنیا میں سے جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اس پر غمگین نہ ہو کیونکہ یہ تمہارے حق میں مقدر نہ تھی اگر تمہارے حق میں مقدر ہوتی تو وہ تم سے فوت نہ ہوتی۔

وَلَا تَقْرَءُوا هَٰذَا عَلَيْكُمْ يَعْنِي دُنْيَا مِنْ سِمْسِمَاتِهَا ۖ

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: جو تمہیں عافیت اور خوشحالی ملی ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر وہ غمگین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ لیکن مومن اپنی مصیبت کو صبر اور غنیمت کو شکر بنا دیتا ہے۔ حزن

اور خوشی جن سے منع کیا گیا ہے وہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن میں ایسی چیز کی طرف تجاوز کیا جاتا ہے جو جائز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ** ۝۱ اے دنیا میں سے جو عطا کیا گیا ہے اس کے ساتھ تکبر کرنے والا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں پر فخر کرتا ہے۔ عام قرأت آتا کہ ہے یعنی الف مد کے ساتھ ہے یعنی اس نے تمہیں دنیا میں سے جو چیز عطا کی؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ، نصر بن عاصم اور ابو عمرو نے آتا کہ الف کے قصر کے ساتھ اسے پڑھا ہے ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے معنی ہے جو تمہارے پاس آئے۔ یہ آتا کہ، فاتکم کا معادل ہے۔ اسی وجہ سے افاتکم نہیں فرمایا۔ حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اے انسان! تجھے کیا ہو گیا ہے تو مفتود چیز پر غمگین ہوتا ہے یہ غم کرنا فوت شدہ چیز کو تیری طرف واپس نہیں لوٹائے گا اور موجود چیز پر خوش نہ ہو کیونکہ موت اسے تیرے ہاتھ میں نہ چھوڑے گی۔ بزرگمہر سے کہا گیا: اے حکیم! تجھے کیا ہو گیا ہے تو فوت ہونے والی چیز پر غمگین نہیں ہوتا اور حاصل ہونے والی چیز پر خوش نہیں ہوتا؟ اس نے جواب دیا: فوت ہونے والی چیز آنسوؤں سے نہیں ملتی اور آنے والی چیز خوشی سے باقی نہیں رہتی۔ حضرت فضیل بن عیاض نے اسی بارے میں کہا: دنیا ہلاک کرنے والی اور فائدہ پہنچانے والی ہے جس کو ہلاک کر دے وہ چیز لوٹنے والی نہیں اور جس کا فائدہ پہنچائے تو اس کے کوچ کا اعلان کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مختال اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات کی طرف افتخار کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور فخور اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ دو شرک خفی ہیں فخور مصر اذکی طرح ہے جس کے تھنوں کو باندھا جاتا ہے تاکہ ان میں دودھ جمع ہو جائے اور مشتری کو وہم ہو کہ یہی اس کا معمول ہے اسی طرح وہ شخص جو اپنے اندر زینت و جمال دیکھتا ہے اس کے ساتھ وہ اس کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو اسے فخور کہتے ہیں۔

**الَّذِينَ يَبْخُلُونَ** یعنی وہ مختال کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ **الَّذِينَ يَبْخُلُونَ** جرم میں ہے اور یہ مختال کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہے **الَّذِينَ يَبْخُلُونَ** فائدہ غنی عنہم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودیوں کے رئیس ہیں جو نبی کریم ﷺ کی ایسی صفات کو بیان کرنے سے بخل کرتے تھے جو صفات ان کی کتابوں میں موجود تھیں تاکہ لوگ آپ کی ذات پر ایمان نہ لے آئیں تاکہ ان کا کھاجہ ختم نہ ہو جائے؛ یہ سدی اور بکلی کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: جو ظلم کے بارے میں بخل کرتے **وَيَا مُرْؤْنَ النَّاسِ بِالْبُخْلِ** اور لوگوں کو بھی یہ کہتے کہ وہ لوگوں کو کسی شے کی تعلیم نہ دیں۔

زید بن اسلم نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صدقہ اور حقوق میں بخل ہے؛ یہ عامر بن عبد اللہ اشعری کا قول ہے۔ طاؤس نے کہا: مراد ہے ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس میں بخل کرتے ہیں۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔

اصحاب خواطر نے بخل اور سخاوت میں لوگوں کو دو فریقوں میں تقسیم کیا ہے (۱) بخیل وہ ہے جو مال روکنے کے ساتھ لذت حاصل کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو مال عطا کر کے لذت حاصل کرتا ہے (۲) بخیل وہ ہے جو سوال کرنے کی صورت میں عطا کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو سوال کے بغیر عطا کرتا ہے۔



وَمَنْ يَتَوَلَّ جَوَائِمَانَ سَ عَرَا ضَ كَرَّ عَ فَإِنَّ اللَّهَ تَوَالَّهُ تَعَالَى اس سَ عَنَى هَ۔ یہ بھی جائز ہے جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر برا بیخستہ کیا تو لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے۔ عام قرأت بالبخل ہے یعنی باء مضموم اور فاء ساکن ہے۔ حضرت انس، عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر، مجاہد، حمید، ابن محیسن، حمزہ اور کسائی نے بالبخل دو فتحوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ ابوالعالیہ اور ابن سمیع نے بالبخل پڑھا ہے یعنی باء مفتوح اور خاء ساکن ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ نصر بن عاصم نے بالبخل دو صموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ سب کی سب مشہور لغتیں ہیں۔ سورہ آل عمران کے آخر میں بخل اور شح میں فرق گزر چکا ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فَإِنَّ اللَّهَ الْغَنَى الْحَمِيدَ، ہو کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہو الغنی پڑھا ہے یہ ضمیر فصل ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ یہ ضمیر مبتدا ہو اور الغنی اس کی خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہو۔ جس نے اس کو حذف کیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر فصل ہو کیونکہ ضمیر فصل کا حذف مبتدا کے حذف سے آسان ہوتا ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ١٥ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ١٦

”یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور (یہ سب اس لیے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔“

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ، بینات سے مراد واضح معجزات اور ظاہر شرائع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ رسولوں نے اس امر کی دعوت دی یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ سے مراد کتب ہیں یعنی ہم نے ان کی طرف ان سے پہلوں کی خبریں وحی کیں۔ وَالْمِيزَانَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور معاملہ کیا جاتا ہے۔ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی معاملات میں عدل کریں۔ اس کافرمان بِالْقِسْطِ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد معروف میزان ہے۔ ایک قوم نے کہا: مراد عدل ہے۔ قشیری نے کہا: جب ہم نے اسے معروف میزان پر محمول کیا تو معنی ہوگا ہم نے کتاب کو نازل کیا اور

میزان رکھا، یعنی الہیزان سے پہلے وضعنا کا لفظ محذوف ہے جس طرح اس جملہ میں ماء باردا اس سے پہلے فعل محذوف ہے: علفتها تبنا و ماء باردا

اسی قول پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالسَّمَاءَ رَافَعَهَا وَوَضَعَ الِہِیزَانَ ۝ (الرحمن) دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: وَأَقِیْمُوا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمن: 9) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِیدَ فِیْهِ هَآئِسٌ شَدِیدٌ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین کی طرف چار برکتیں نازل کیں۔ لوہا، آگ، پانی اور نمک۔“

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوئیں۔ حجر اسود یہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو جنت کی آس کی لکڑی کا تھا اس کی لمبائی دس ہاتھ تھی جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدم مبارک تھا اور لوہا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تین چیزیں نازل فرمائیں۔ آئرن، لوہا، زنبور اور ہتھوڑا یہی مطرکہ ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے جب کہ ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں تھیں جو لوہاروں کے آلات میں شمار ہوتی ہیں آہرن، زنبور، بڑا ہتھوڑا، ہتھوڑا اور سوئی۔ ہتھوڑا جس کے ساتھ کوٹا جاتا ہے یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے وقعت الحدیۃ أفعھا یعنی میں نے اسے کوٹا۔ صحاح میں ہے میقعہ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جس جگہ سے بازمانوس ہوتا ہے اور اس پر گرتا ہے اور دھوبی کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر وہ کپڑے کو مارتا ہے اور لمبی سان۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ لوہا منگل کو نازل کیا گیا۔ فِیْهِ هَآئِسٌ شَدِیدٌ یعنی خون بہانے کے لیے اس میں بڑی طاقت ہے اسی وجہ سے منگل کے روز فصد کرانے اور بچنے لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا دن ہے جس میں خون بہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ”منگل کے روز ایسی گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا“ (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: أَنْزَلْنَا الْحَدِیدَ کا معنی ہے ہم نے اسے پیدا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ لَحْمَیْنِیۡۃً أَذْوَاجَ (الزمر: 6) یہ حضرت بصری کا قول ہے: پس لوہا زمین سے ہے اسے آسمان سے نازل نہیں کیا گیا۔

علماء معانی نے کہا: لوہے کو معدن سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے صنعت کا علم سکھایا۔ فِیْهِ هَآئِسٌ شَدِیدٌ یعنی اسلحہ اور ڈھال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں قتل کے ڈر سے شدید خوف ہے۔

وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ڈھال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوگ لوہے سے بنی ضرورت کی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح چھری، کلہاڑا، سوئی وغیرہ۔ وَلَیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یُّنْصَرُکُ لوہے کو اتارتا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کون اس کی مدد کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف لَیَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ پر ہے یعنی ہم نے رسولوں کو بھیجا، ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور ان چیزوں کو پیدا کیا تا کہ لوگ حق و انصاف سے معاملہ کریں اور اس لیے تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ



کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟۔ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنا دیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝

”پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم، ہم ضمیر سے مراد ذریعہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورہ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ جَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا اسْمَ مَوْصُول سے مراد حواری اور قبیحین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَأْفَةً وَ رَحْمَةً مراد محبت ہے وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ بہم صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَأْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَأْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَأْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَحْمَانِيَّةٌ اِبْتَدَا عَوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ احسن حصہ کہ رَحْمَانِيَّةٌ کا لفظ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابو علی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے اِبْتَدَا عَوْهَا رَحْمَانِيَّةٌ اِبْتَدَا عَوْهَا۔ زجاج نے کہا: اِبْتَدَا عَوْهَا رَحْمَانِيَّةٌ جس طرح تو کہتا ہے رَأْفَةً زَيْدًا و عَمْرًا کہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَأْفَةً وَ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قرأتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رھب سے مشتق ہے۔ دوسری قرأت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رھبان کی طرف منسوب ہے جس مر ج رضوانیہ، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برا بھینٹے کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لوگالی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں کہ ”رہبانیت جس کو انہوں نے اپنا یا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جاتا ہے۔“

مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ نَهَمُ نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؛ یہ ابن زید کا قول ہے اِلَّا اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو؛ یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ہاء ضمیر سے بدل ہے جو کَتَبْنَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا اِبْتِغَاءَ مُسْتَقْنٰی منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ لٰكِنْ اِبْتَدَا عَوْهَا اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی



کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟۔ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑤ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجا اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنادیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ⑥ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا قُلُوبَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ⑦

”پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم، ہم ضمیر سے مراد ذریعہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورہ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا اسْمَ مَوْصُول سے مراد حواری اور تبعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَأْفَةً وَرَحْمَةً مراد محبت ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ: ہم صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَأْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَأْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَأْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَرَحْمَةً ابْتَدَعُوها یعنی انہوں نے اپنی جانب سے ربانیت کو گھڑ لیا ہے۔ احسن ہے کہ رَحْمَةً کا لفظ منصرف فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابوعلی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ابتدعوها رهبانیتہ ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوها رهبانیتہ جس طرح تو کہتا ہے رأیت زیداً و عمراً کلت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَأْفَةً وَرَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قرأتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رھب سے مشتق ہے۔ دوسری قرأت راء کے ضم کے ساتھ ہے یہ رھبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانیہ، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر براہیخت کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رهبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی۔ سخاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رهبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں کہ ”رهبانیت جس کو انہوں نے اپنا یا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جاتا ہے۔“

مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ نَهَمُ نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا: یہ ابن زید کا قول ہے إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو: یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ یہ ہاء ضمیر سے بدل ہے جو کَتَبْنَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِلَّا ابْتِغَاءَ مُسْتَشْنِ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ لَكِنْ ابْتَدَعُوها ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ۔

فَمَا تَرَعُوها حَقَّ رِغَايَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی



وہ قوم کے کچھ افراد تھے انہوں نے رہبانیت کے ساتھ لوگوں پر حاکمیت چاہی اور ان کے اموال کھانا چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاَكْفُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ** (التوبہ: 34) یہ ایسی قوم کے بارے میں ہے جنہیں رہبانیت آخر کار حکومت کی طلب کی طرف لے گئی۔

سفیان ثوری نے عطاء بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں **وَرَاهِبَانِيَّةٌ ابْتَدَعُوهَا** کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات اور انجیل کو بدل دیا تھا ان میں مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیا کرتے تھے تو کچھ لوگوں نے اپنے بادشاہوں سے کہا: کاش! تو اس جماعت کو قتل کر دیتا۔ مومنوں نے کہا: ہم تمہاری جانب سے اپنے نفسوں کو کافی ہیں۔ ایک طاغوت نے کہا: ہمارے لیے مینارہ بنادو اور ہمیں اس پر چڑھا دو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا اور اپنا پانی اوپر لے جاسکیں! ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک طاغوت نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم زمین میں گھومیں پھریں گے ہم اسی طرح پیئیں گے جس طرح وحشی جانور پانی پیتے ہیں، جب تمہیں ہمارے اوپر قدرت ہو تو تم ہمیں قتل کر دینا۔ ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے جنگلوں میں گھر بنادو ہم کنویں کھودیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے تم ہمیں نہیں دیکھو گے ان میں سے کوئی فرد نہیں تھا مگر ان لوگوں میں سے ایک جگری دوست تھا تو انہوں نے اس طرح کیا۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے کتاب کو تبدیل کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم سیاحت کریں گے اور ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح وہ عبادت کیا کرتے تھے جب کہ وہ شرک پر قائم تھے انہیں ان لوگوں کے ایمان کا کچھ علم نہ تھا جن کی وہ اقتدا کر رہے تھے تو یہی اس ارشاد کا مفہوم ہے **وَرَاهِبَانِيَّةٌ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهَا إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا آغاز تو ان صالحین نے کیا تھا تو متاخرین نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔

**فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ** یعنی جنہوں نے اس کا آغاز کیا اور اس کی رعایت کی انہیں ہم نے اجر دیا **وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ** ⑤ مراد متاخرین ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا تو ان لوگوں میں سے تھوڑے افراد ہی رہ گئے تھے تو وہ غاروں اور گرجوں سے نکل کر آئے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جو آدمی اچھا کام شروع کرے اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اس پر قائم دائم رہے اس کی ضد کی طرف نہ پھرے کہ وہ اس آیت میں داخل ہو جائے۔ حضرت ابو امامہ باہلی سے مروی ہے جن کا نام صدی بن عجلان تھا انہوں نے کہا: تم نے رمضان شریف کا قیام شروع کیا ہے جب کہ یہ تم پر فرض نہ تھا بے شک تم پر روزے فرض کیے گئے۔ جب تم نے یہ شروع کیا ہے تو اس پر دوام اختیار کرو اسے نہ چھوڑو۔ بے شک بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں نے ایسے امور کو شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ان چیزوں کو لازم نہیں کیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے تو انہوں نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ترک کرنے پر ان پر عیب لگایا جس طرح اس ارشاد میں ذکر ہوا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** آیت میں گرجوں اور گھروں میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانے پر دلیل موجود ہے جب زمانہ میں فساد برپا ہو جائے اور دوست و بھائی بدل جائیں تو یہ امر مندوب ہوگا۔ اس کی وضاحت سورہ کہف میں مفصل گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم ایک سریہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے کہا: ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں کچھ پانی موجود تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ اس غار میں رہے اس میں جو پانی ہے اس سے قوت حاصل کرے اور اس کے ارد گرد جو سبزیاں ہیں انہیں حاصل کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ کہا: اگر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میں آپ سے یہ بات عرض کروں گا اگر حضور ﷺ نے مجھے اجازت دی تو میں ایسا کروں گا۔ بصورت دیگر ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آدمی حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں پانی اور سبزی تھی جو میری خوراک کے لیے کافی تھی میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تمہارا پہلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اکیلے ساٹھ سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے“ (1)۔

کوفیوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تو جانتا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”لوگوں میں سے زیادہ علم رکھنے والا وہ شخص ہے جو حق کے بارے میں لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتا ہو جب لوگ اس میں اختلاف کریں اگرچہ وہ عمل میں کوتاہی کرنے والا ہو اگرچہ وہ اپنی سرین پر گھسٹتا ہو۔ کیا تو جانتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہاں سے رہبانیت کو شروع کیا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جابران پر غالب آگئے وہ تافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اہل ایمان ان پر ناراض ہوئے تو جابروں نے ان سے جنگ کی اور تین دفعہ اہل ایمان کو شکست دی۔ تو ان میں سے تھوڑے ہی افراد بچے۔ انہوں نے کہا: اگر ان جابر لوگوں نے ہمیں فنا کر دیا تو دین کے لیے کوئی بھی نہ بچے گا جو اس دین کی طرف دعوت دے آؤ ہم زمین میں بکھر جائیں یہاں تک کہ نبی امی مبعوث ہو جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ اس سے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مراد لیتے۔ وہ پہاڑوں کی غاروں میں بکھر گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو شروع کیا ان میں سے کچھ حضرت عیسیٰ کے دین پر کاربند رہے اور کچھ نے کفر کیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ کیا تو جانتا ہے میری امت کے لیے رہبانیت کیا ہے؟ ہجرت، جہاد، روزہ، نماز، حج، عمرہ اور بلند و پست زمین پر تکبیر کہنا۔ اے ابن مسعود! تم میں سے قبل جو یہودی ہو گزرے ہیں وہ اکہتر فرقوں میں بے ان میں سے ایک فرقہ نے نجات پائی اور باقی ہلاک ہوئے، تم میں سے قبل جو نصاریٰ ہوئے وہ بہتر فرقوں میں بے ان میں تین بچے باقی سب ہلاک ہو گئے۔ بادشاہوں نے ان سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا ایک فرقہ ایسا تھا جن میں بادشاہوں سے



مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ اپنی قوم میں ہی رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دی، بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا، انہیں قتل کیا اور انہیں آریوں کے ساتھ چیر دیا ایک جماعت ایسی تھی انہیں بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور نہ یہ طاقت تھی کہ وہ اپنی قوم کے درمیان رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیں وہ پہاڑوں میں سیاحت کرنے لگے اور ان میں رہبانیت کو پالیا یہی وہ جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَا هَبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا جَوْجُجْهُ** پر ایمان لایا، میری پیروی کی اور میری تصدیق کی اس نے اس کی رعایت کی کس طرح رعایت کرنے کا حق تھا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ فاسق ہے یعنی جس نے یہودیت اور نصرانیت کو اپنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کو پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ آیت میں نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے۔ یعنی پہلے لوگوں نے کفر پر اصرار کیا اس لیے اپنے زمانہ کے لوگوں پر تعجب نہ کیجئے اگر وہ کفر پر اصرار کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ  
وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٤﴾ لَيْلًا يَعْلَمَ أَهْلُ  
الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن  
يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٥٥﴾

اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گئے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (و کرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یعنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے۔ **اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ** رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ **يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ** تمہیں دو گنا اجر دیا جائے گا کیونکہ تم حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے **أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا** (القصص: 54) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ کفل کا معنی حصہ ہے۔ سورہ نساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اصل میں اس کا معنی ایسا کبل یا چادر ہے سوار جس کو اونٹ کی کہان لپیٹ لیتا ہے جو اسے گرنے سے بچاتی ہے؛ یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔ کیا اس سے مراد وہ چادر ہے جسے سوار اونٹ کی کہان کے ارد گرد لپیٹ لیتا ہے جب وہ اس کی کہان کی پچھلی جانب بیٹھتا ہے تاکہ وہ نہ گرے؟ اس کا معنی ہے وہ تمہیں دو حصے دے گا وہ دونوں حصے تمہیں معاصی کی ہلاکت سے محفوظ رکھیں گے

جس طرح کھل (چادر) سوار کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: کھلین کا معنی حبشہ کی زبان میں دھنسا ہے۔ حضرت ابن زید سے مروی ہے: کھلین سے مراد دنیا و آخرت کا اجر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت اُولَئِكَ يُؤْتُونَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (انقص: 54) نازل ہوئی تو اہل کتاب کے مومنوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ پر فخر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک نیکی کا اجر ایک مثل ہی ہوگا۔ کہا: حسنہ عام اسم ہے اس کا صدق ایمان کی ہر نوع پر آئے گا اور اسے عموم پر ہی بولا جائے گا۔ جب حسنہ کا لفظ ایک نوع پر بولا جائے تو اس پر ثواب بھی ایک مثل ہی ہوگا۔ اگر ایسی نیکی پر بولا جائے جو دونوں پر مشتمل ہو تو اس پر ثواب دو مثل ہوگا؛ اس کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ فرمایا: كُفِّلْنِي مِنْ ثَمَرَاتِهِ اور کھل کا معنی نصیب ہے جس طرح مثل ہوتا ہے۔ جو آدمی متقی ہو اور اس کے رسول پر ایمان لایا اس کے لیے دو حصے ہیں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے اور ایک حصہ اس کے رسول پر ایمان کے باعث ہے۔ اس چیز نے اس امر پر دلالت کی کہ وہ نیکی جس کا اجر دس گنا بنایا گیا ہے وہ نیکی کی دس انواع کو جامع ہے وہ ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت میں دس انواع کو جمع کیا ہے: جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ (الاحزاب: 35) یہ دس انواع جس کا ثواب ان کی مثل ہے تو یہ نوع کے بدلے میں ایک مثل ہوئی۔ یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ یہ ظاہر کلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام: 160) عموم کی تخصیص اس کا احتمال نہیں رکھتی، کیونکہ جو دس نیکیوں کو جامع ہو تو ہر نیکی کو اس کی مثل ہی بدلہ دیا جائے گا تو اس سے یہ امر باطل ہو گیا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہو جب کہ اخبار اس پر دال ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو حسنہ اور سیئہ میں کوئی فرق نہ ہو۔

وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا، نور سے مراد بیان اور ہدی ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ضیاء ہے۔

تَسْتَوْنَ جس کی روشنی میں تم آخرت میں پل صراط پر سے گزر رو گے اور قیامت کے روز جنت کی طرف جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی روشنی میں تم لوگوں میں چلو پھرو گے۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دو گے تو تم دین اسلام میں لوگوں کے روساء بن جاؤ گے تو تم سے وہ ریاست زائل نہ ہوگی جس میں تم ہو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ اگر وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے تو ان کی ریاست ختم ہو جائے گی۔ صل میں ان سے وہ رشوت ختم ہوتی تھی جو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف کر کے کمزور لوگوں سے حاصل کرتے تھے دین میں حقیقی سرداری ختم نہیں ہوتی تھی۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

لَمَّا يَعْلَمِ اَهْلُ الْكِتَابِ تا کہ اہل کتاب جان لیں۔ ان لازائدہ ہے تاکید کا فائدہ دے۔ یہاں ہے: یہ انفس کا قول ہے۔ قراء نے کہا: معنی ہے کہ وہ جان لیں۔ لاہر اس کلام میں زائد ہوتا ہے جس پر لام جہد داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: اہل کتاب نے مسلمانوں سے حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی لَمَّا يَعْلَمِ اَهْلُ الْكِتَابِ معنی ہے تا کہ اہل کتاب جان لیں۔



أَلَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ مُجَاهِدٌ نَّهَى عَنْ يَدَيْهِ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى: "لَا يَزِيدُ الْيَاسِقَ إِلَّا يَأْسِقُ" (طہ: 89) حضرت حسن بصری سے یہ قرأت منقول ہے لَمَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ: یہ مجاہد سے روایت مروی ہے۔ قطرب نے لام کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور جر کو فتح دینا یہ عام لغت ہے یاء کو ساکن کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے تو وہ لسا بن گیا تو نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا تو وہ لسا بن گیا جب تین لام جمع ہو گئے تو درمیانی لام کو یاء سے بدل دیا گیا مگر مشہور لغت میں لام کو باقی رکھا گیا تو وہ اس توجیہ سے اقویٰ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لَكَيْلَا يَعْلَمَ۔ حطان بن عبد اللہ سے مروی ہے لَأَنْ يَعْلَمَ۔ عکرمہ سے مروی ہے: لِيَعْلَمَ۔ یہ مصحف میں جو لکھا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ، فَضْلُ اللَّهِ سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ثواب ہے۔ کلبی نے کہا: مراد رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ تَعَالَى کا فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ان کے قبضہ قدرت میں نہیں کہ وہ نبوت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی طرف پھیر دیں جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسی کا ہے يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ جسے چاہے عطا فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے حکم بن نافع، شعیب سے وہ زہری سے وہ سالم بن عبد اللہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ منبر پر کھڑے تھے: ”تم سے قبل جو امتیں گزری ہیں ان کے مقابلہ میں تمہاری بقا اس قدر ہے جس قدر عصر کی نماز سے سورج غروب ہوتا ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ دن نصف تک پہنچ گیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے اس پر عصر کی نماز کے وقت تک عمل کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تمہیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر سورج کے غروب ہونے تک عمل کیا تو تمہیں دو دو قیراط دیئے گئے۔ تورات والوں نے کہا: اے اللہ! یہ عمل کے اعتبار سے کم اور اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے۔ عرض کی: نہیں تو فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں۔“ ایک روایت میں ہے: ”یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے عرض کی: اے ہمارے رب!“ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

## سورۃ المجادلہ

﴿سَبْعًا ۲۲﴾ ﴿سُورَةُ الْمُجَادِلَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۵﴾ ﴿مَرْكُوعَانِ ۳﴾

اس کی بائیس آیات ہیں۔

تمام کے قول میں یہ مدنی ہے مگر عطا کی روایت میں ہے کہ پہلی دس آیات مدنی ہیں اور باقی کئی ہیں۔ کلبی نے کہا: تمام کی تمام سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَايَهُمْ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ

تَحَاوَرَ كَمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ①

”بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو کمرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ تعالیٰ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو، بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ بنی نہشہ تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنت حکیم تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام جمیلہ تھا۔ اور خولہ نام زیادہ صحیح ہے ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ حضرت عمر بنی نہشہ اپنے دور خلافت میں اس عورت کے پاس سے گزرے جب کہ کچھ لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے آپ گدھے پر سوار تھے اس عورت نے طویل وقت تک آپ کو رد کے رکھا آپ کو نصیحتیں کیں کہا: اے عمر! کبھی تجھے عمیر کہا جاتا تھا، پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا، پھر تمہیں امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ جس کو موت کا یقین ہوتا ہے وہ فوت ہونے سے ڈرتا ہے جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا ہے جب کہ حضرت عمر کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! کیا آپ اس بڑھیا کے لیے اتنا ٹھہرتے ہیں؟ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ مجھے دن کے پہلے پہر سے آخری پہر تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا مگر فرض نماز کے لیے جاؤں گا کیا تم جانتے ہو یہ بڑھیا کون ہے؟ یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر اس کی بات کو سنا کیا رب العالمین اس کی بات کو سننے اور عمر اس کی بات کو نہ سنے؟ حضرت عائشہ صدیقہ بنی نہشہ نے کہا: بڑی ہی برکتوں والی ہے وہ ذات جس کی قوت سماعت ہر شی کو وسیع ہے۔ میں حضرت



خولہ بنت ثعلبہ کی گفتگو سن رہی تھی اور مجھ پر کچھ گفتگو مخفی تھی جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: یا رسول اللہ! اس نے میری جوانی کو کھالیا میں نے اپنے پیٹ کو اس کے لیے بکھیر دیا۔ جب میں بوڑھی ہو گئی اور میری جانب سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں۔ وہ وہیں تھی کہ حضرت جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں جو روایت ہے وہ یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی قوت سماعت تمام آوازوں کو جامع ہے۔ ایک جھگڑا کرنے والی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں کمرے کے ایک کونے میں موجود تھی میں اس کی بات نہیں سن رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔

ماوردی نے کہا: وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنت خویلد تھیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایک ان میں سے باپ اور دوسرا دادا تھا۔ ان دونوں میں ہر ایک کی طرف اسے منسوب کیا گیا۔ ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت تھے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مراد حضرت خولہ بنت خویلد خزرجیہ ہیں، یہ حضرت اوس بن صامت کے عقد میں تھیں۔ جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے یہ بڑے خوبصورت جسم کی مالک تھیں۔ ان کے خاوند نے انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اس کی سرزمین کو دیکھا تو معاملہ بڑا عجیب لگا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو خاوند نے ان کا ارادہ کیا تو اس نے انکار کر دیا تو خاوند اس پر ناراض ہو گیا۔

حضرت عروہ نے کہا: وہ ایسا آدمی تھا جسے جنون کی کچھ تکلیف تھی اسے یہ عارضہ لاحق ہوا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: انت عنی کظہر اُمی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ دور جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق تھے۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تو اس پر حرام ہو گئی ہے“۔ اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا۔ پھر کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے فاقہ، تنہائی، وحشت، اپنے خاوند کے فراق اور چچا زاد بھائی کی جدائی کی شکایت کرتی ہوں۔ میں نے اس کے لیے اپنے پیٹ کو بکھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اس پر حرام ہو گئی ہے“۔ وہ لگا تار بات دہراتی رہی اور رسول اللہ ﷺ اسے جواب دیتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس نے عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے دور جاہلیت کے طریقوں کو منسوخ کر دیا ہے جب کہ میرے خاوند نے مجھ سے ظہار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس بارے میں مجھ پر کوئی وحی نہیں آئی“۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ پر ہر چیز کے بارے میں وحی کی گئی اور آپ سے اس امر کو لپیٹ دیا گیا؟ فرمایا: ”میں نے جو کچھ تجھے کہا ہے وہی کچھ ہے“۔ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اس کے رسول کی بارگاہ میں شکایت نہیں کرتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي اِلَى اللّٰهِ۔

دارقطنی نے قتادہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ حضرت اوس بن

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ لوگوں کی رائے ہے کہ اس صحابی کے پاس اسی کی مثل مال موجود تھا تو یہ ساٹھ مسکینوں کے لیے ہو گیا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلمہ بن صخر بیاضی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک غلام آزاد کرو“ کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن پر ہاتھ مارا عرض کی نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اس کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ فرمایا: ”دو ماہ کے روزے رکھو“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے جو مصیبت پہنچی ہے وہ روزوں کی وجہ سے ہی پہنچی ہے۔ فرمایا: ”تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو“ (1)۔ ابن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے روایت کی گئی ہے کہ حضرت خولہ بنت خدیج سے ان کے خاوند نے ظہار کیا وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تو اس پر حرام ہو چکی ہے“ انہوں نے عرض کی: میں اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتی ہوں۔ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو اس پر حرام ہو چکی ہے“ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں جب کہ آپ ﷺ کے سر کے دائیں حصہ کو دھو رہی تھیں پھر وہ بائیں حصہ کی طرف متوجہ ہوئیں جب کہ وحی ان پر نازل ہو چکی تھی وہ دوبارہ عرض کرنے لگی۔ حضرت عائشہ نے کہا: خاموش ہو جا! آپ پر وحی نازل ہو چکی ہے جب قرآن نازل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاوند سے فرمایا: ”ایک غلام آزاد کرو“۔ اس نے عرض کی: میں تو کوئی غلام نہیں پاتا۔ فرمایا: ”دو ماہ کے پے درپے روزے رکھو“ اس نے عرض کی: اگر میں دن میں تین بار کھانا نہ کھاؤں تو مجھے خوف ہو جاتا ہے کہ میری آنکھیں ٹامیٹا ہی نہ ہو جائیں۔ فرمایا: ”ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو“ تو اس نے عرض کی: میری مدد کیجئے تو نبی کریم ﷺ نے اس کی مدد کی۔ ابو جعفر نخاس نے کہا: مفسرین کی رائے ہے کہ وہ حضرت خولہ تھیں اور ان کے خاوند کا نام حضرت اسامہ بن صامت تھا۔ اس کے نسب میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: وہ ایک انصاری عورت تھی جو شعبہ کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ خدیج کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خویلد کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ صامت کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ ایک لونڈی تھی جو عبد اللہ بن ابی کی ملک میں تھی یہی وہ لونڈی تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَلْمِزْهُنَّ

**۱۔ یمن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب النکاح، جلد ۲ صفحہ ۳۸۹ و ۴۰۵، کتاب الخلع، جلد ۱ صفحہ ۷۶، کتاب النکاح، جلد ۱ صفحہ ۱۰۲، کتاب الطلاق، جلد ۲ صفحہ ۳۸۹**



فَتَيَتُّكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ إِنْ أَرَادْتَ تَحَصُّنًا (النور: 33) کیونکہ وہ اسے بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حکیم کی بیٹی تھی۔ نحاس نے کہا: اس میں کوئی تناقض نہیں؛ یہ جائز ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہو، ایک دفعہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہو، ایک دفعہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ عبد اللہ بن ابی کی لونڈی ہو تو اسے ولہاء کی وجہ سے انصار یہ کہا گیا ہو کیونکہ عبد اللہ انصار میں شمار ہوتا تھا اگرچہ منافق تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** قَدْ سَمِعَ کو ادغام اور اظہار کی صورت میں بھی پڑھا گیا ہے۔ سماع میں اصل مسموعات کا ادراک ہے؛ یہ شیخ ابوالحسن کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابن فورک نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ مسموع کا ادراک ہے۔ حاکم ابو عبد اللہ نے سماع کے معنی میں کہا: وہ آوازوں کا ادراک کرتا ہے جن آوازوں کا مخلوقات کانوں سے ادراک کرتی ہے جب کہ اس کے کوئی کان نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آوازیں اس پر مخفی نہیں اگرچہ وہ اس حس سے متصف نہیں جو کانوں میں رکھی گئی ہے جس طرح لوگوں میں سے اصم (بہرہ) ہوتا ہے جب اس میں حاسہ نہیں ہوتا تو وہ آواز کے ادراک کا اہل نہیں ہوتا۔ سماع اور بصر دونوں صفتیں ہیں جس طرح علم، قدرت، حیات اور ارادہ۔ یہ دونوں صفات ذات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ان سے متصف ہے۔ شکی اور اشتکی کا معنی ایک ہے اسے تحادری بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ بات کو بار بار لوٹاتی تھی۔ تجادلک یعنی وہ آپ سے سوال کرتی ہے۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا آلٌ وَلَدَتْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ۝

”جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے، بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔“

اس میں تینیس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ ابن عامر، حمزہ، کسائی اور خلف نے یاء کے فتح، ظاء کی تشدید اور الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو اور یعقوب نے یظہرون یعنی الف کو حذف کرنے، ہاء اور ظاء کی تشدید اور یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو العالیہ، عاصم اور زر بن حبیش نے یظاہرون یعنی یاء کے ضم، ظاء کی تخفیف، الف اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورہ احزاب میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابی کی قرأت میں یظاہرون ہے؛ یہ ابن عامر اور حمزہ کی قرأت کا معنی ہے۔ ظہر کے لفظ کا ذکر رکوب کے معنی سے کنایہ ہے عورت کے بطن پر سوار ہوا جاتا ہے لیکن ظہر کو اس سے کنایہ ذکر کیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نزل عن امراته اسے طلاق دے دی، گویا وہ سواری سے اتر آیا۔ أنت علی کظہرامی یعنی تو مجھ پر حرام ہے تیرے اوپر سوار ہونا میرے لیے حلال نہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ظہر کو دوسری ظہر سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے حکم کا موجب یہ چیز ہے

کہ حلال پشت کو حرام پشت سے تشبیہ دی جاتی ہے (۱)۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے: اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا أنت عن کظہر بنتی او احنق وغیرہ جب کہ جس عورت کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے وہ ذوات المحارم میں سے ہو تو وہ مظاہر ہوگا؛ یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے۔ ان سے امام مالک کے قول جیسا قول بھی مروی ہے کیونکہ اس نے اپنی بیوی کو ایسی محرم کی پشت سے تشبیہ دی ہے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام تھی جیسے ماں۔ ان سے ابو ثور نے روایت کی ہے کہ ظہار صرف ماں کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے؛ یہ قتادہ اور شعبی کا مذہب ہے۔ پہلا قول حضرت حسن بصری، نخعی، زہری، اوزاعی اور ثوری کا نقطہ نظر ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ظہار کی اصل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے: أنت عن کظہر اُمی اللہ تعالیٰ نے ظہر کا لفظ بطن سے کنایہ اور پردہ کے طور پر ذکر کیا ہے اگر وہ کہے: أنت عن کأُمی اور ظہر کا ذکر نہیں کیا یا کہا أنت عن مثل اُمی اگر اس صورت میں ظہار کا ارادہ کیا تو جو اس نے نیت کی وہی حکم ہوگا۔ اگر طلاق کا ارادہ کیا تو امام مالک کے نزدیک اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی، اگر طلاق اور ظہار کی نیت نہ ہو تو وہ مظاہر ہوگا صریح ظہار نیت کے ساتھ طلاق کی طرف نہیں پھرے گا۔ جس طرح صریح طلاق اور معروف کنایہ ظہار کی طرف نہیں پھرے گا۔ ظہار کو جنفہ کنایہ کی صورت میں ذکر کیا گیا تو یہ نیت کے ساتھ طلاق بائنہ کی طرف پھر جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** ظہار کے الفاظ دو قسم کے ہیں صریح، کنایہ، صریح یہ ہے أنت عن کظہر اُمی، أنت عندی و أنت منی و أنت معی کظہر اُمی، تو مجھ پر، میرے ہاں میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اس طرح اس کا یہ قول أنت عن کبطن اُمی او کر أسہا او فرجہا او نحوه اسی طرح اس کا یہ قول فرجک، رأسک، ظہرک، بطنک، رجلك عن کظہر اُمی تو اس صورت میں بھی وہ مظاہر ہوگا۔ اس کا قول یدک، رجلك، رأسک، فرجک طالق تو اسے طلاق ہو جائے گی۔

امام شافعی کا ایک قول یہ ہے: وہ ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ موافقت کی ہے کہ ان اعضاء کی طرف طلاق کو منسوب کرنا صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا تو پس اس کی طرف ظہار کی نسبت کرنا بھی صحیح ہے۔ جس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں، اپنی دادی خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ ظہار ہوگا۔ اگر اس نے ان کے علاوہ کسی اور ایسی عورت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی جو کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہیں ہوتی جس طرح بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ تو اکثر فقہاء کے نزدیک وہ مظاہر ہوگا اور امام شافعی کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا کنایہ ہے کہ وہ کہے: أنت عن کأُمی او مثل اُمی اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اگر ظہار کا ارادہ نہ کیا تو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔ امام مالک کا مذہب اس کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو یہ ظہار ہوگا اس کی اصل یہ ہے کہ وہ ظہر کے لفظ کا ذکر کرے اور یہ قوی ہے کیونکہ لفظ کا معنی اس میں موجود ہے اور لفظ اپنے معنی کے ساتھ ہی ہوتا ہے ظہر کا



حکم اپنے لفظ کی وجہ سے لازم نہیں اسے اس کے معنی کی وجہ سے لازم کیا گیا ہے جو تحریم ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ (1)

**مسئلہ نمبر 5۔** اگر اس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا جب کہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے آپ کا کہنا ہے: اگر خاوند نے اپنی بیوی کو کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے حلال تھا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا۔ یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ استمتاع کے طریقہ پر اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں اس میں تشبیہ واقع ہے اور مظاہر نے اس کا قصد کیا ہے۔ امام شافعی نے ایک قول میں کہا: وہ صرف اس صورت میں مظاہر ہوگا جب وہ لفظ ظہر کا ذکر کرے گا۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ اس کا ہر عضو حرام ہے تو اس کے ساتھ تشبیہ ظہار ہوگا جس طرح ظہر کا لفظ ذکر کیا جائے تو ظہار ہوتا ہے کیونکہ ظہار کرنے والا حلال عورت کو حرام عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو حکم ضرور لازم ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ تشبیہ دی اگر اس نے ظہار کا ذکر کیا تو وہ ظہار ہوگا پہلے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے۔ اگر لفظ ظہر کا ذکر نہ کیا تو اس میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے ان علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ ظہار ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ طلاق ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں۔ ابن عربی نے کہا یہ فاسد ہے (2) کیونکہ حلال عورت کو حرام عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو یہ اس کے حکم کے ساتھ مقید ہوگی جس طرح ظہر کا لفظ ہے ہمارے نزدیک اسماء معانی کے ساتھ ہوتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک اپنے الفاظ کے ساتھ ہوتے ہیں یہ ان کی جانب سے اصل کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اجنبیہ کے ساتھ جب تشبیہ دی جائے تو امام مالک کے نزدیک ظہار میں اختلاف کیا ہے۔ آپ کے اصحاب میں سے کچھ وہ ہیں جو ظہار صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور باقی ماندہ عورتوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اسے کوئی چیز بھی قرار نہیں دیتے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اجنبی میں اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک جب اس نے کہا: کظہر ابنی أو غلامی أو کظہر زید أو کظہر أجنبية تو یہ ظہار ہوگا اس عورت کے ساتھ قسم کے ہوتے ہوئے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جب غیر ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو یہ کچھ بھی نہیں جس طرح کوئی اور امام شافعی نے کہا: اوزاعی نے کہا: اگر اس خاوند نے کہا: أنت عن کظہر فلان رجل تو یہ قسم ہوگی وہ اس قسم کا کفارہ دے گا۔

**مسئلہ نمبر 7۔** جب اس نے کہا: أنت عن حرام کظہر أمی یہ ظہار ہوگا، طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس کا قول أنت عن حرام یہ طلاق کے ساتھ حرمت کا احتمال رکھتا ہے تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ یہ ظہار کی وجہ سے بھی حرمت کا احتمال رکھتی ہے جب اس نے وضاحت کر دی تو یہ دو احتمالات میں سے ایک کی تفسیر ہوگی اس میں اس کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (3)

**مسئلہ نمبر 8۔** ظہار ہر ایسی بیوی کے بارے میں لازم ہو جائے گا وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو کسی بھی ایسی حالت میں جس میں

اس بیوی کو طلاق جائز ہو اسی طرح امام مالک کے نزدیک اس لونڈی کے ساتھ بھی ظہار کرنا جائز ہے جس کے ساتھ اس کا وطی کرنا جائز ہے۔ جب مرد نے ان کے ساتھ ظہار کیا تو ان کے بارے میں ظہار لازم ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: لازم نہیں ہوگا۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ ہمارے لیے بہت مشکل مسئلہ ہے کیونکہ امام مالک کہا کرتے تھے: جب اس نے اپنی لونڈی سے کہا انت عن حرام تو یہ لازم نہیں آتا۔ اس میں صریح تحریم کیسے باطل ہوگی اور کتنا یہ صحیح ہوگا۔ مگر لونڈی **قِنْ نِّسَاءِ** پھم کے عموم میں داخل ہے کیونکہ اس نے ان کی حلال عورتوں کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں علت یہ ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے جو بضع کے متعلق ہے عقد ختم کرنے کے متعلق نہیں پس لونڈی میں ظہار صحیح ہے اس کی اصل اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** نکاح سے پہلے بھی ظہار ہو سکتا ہے جب وہ اس عورت سے نکاح کرے جس سے اس نے ظہار کیا ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ جب کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہار لازم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **قِنْ نِّسَاءِ** پھم جب کہ وہ عورتیں جس سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو وہ اس کی عورتوں میں سے نہیں سورہ برأت میں اس مسئلہ کی اصل آیت **وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ (التوبہ: 75)** میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 10۔** ذمی کا ظہار لازم نہیں ہوتا؛ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے کہا: ذمی کا ظہار صحیح ہے ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **مِنْكُمْ** یعنی مسلمانوں میں سے۔ یہ کلام ذمی کے خطاب سے نکلنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: یہ خطاب کی دلیل سے استدلال ہے۔ ہم کہیں گے: یہ اشتقاق اور معنی سے استدلال ہے کیونکہ کفار کے نکاح فاسد اور فسخ کے مستحق ہیں ان کے ساتھ طلاق اور ظہار کا حکم متعلق نہیں ہوتا؛ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے **وَ اَشْهَدُ وَاَذُوْنِيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: 2)** جب نکاح صحت کی شروط سے خالی ہوں تو یہ فاسد ہوں گے نکاح فاسد میں کسی حال میں بھی ظہار نہیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 11۔** **مِنْكُمْ** کے الفاظ غلام کے ظہار کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتے ہیں جو اس سے منع کرتے ہیں انہوں نے اس سے اختلاف کیا ہے؛ ثعلبی نے اسے امام مالک سے حکایت کیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے اور اس کے حق میں احکام نکاح ثابت ہیں اگرچہ اس پر غلام آزاد کرنا اور کھانا کھانا معذور ہے۔ وہ صرف روزوں پر قادر ہے۔

**مسئلہ نمبر 12۔** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عورتیں ظہار نہیں کر سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **الَّذِيْنَ يَشْهَدُ وَّنْ مِّنْكُمْ قِنْ نِّسَاءِ** پھم یہ نہیں فرما یا واللہ لا یظہرن منکم من۔ جہن ظہار صرف مردوں کے لیے ہے۔ ابن عربی نے ہمارے، ابن قاسم، سالم، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابو زناد نے یہی روایت کیا ہے معنی کے اعتبار سے یہ صحیح ہے کیونکہ حل، عقد، تحلیل اور تحریم نکاح کے معاملہ میں مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سے عورتوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں یہی اجماع ہے۔ ابو عمر نے کہا: جمہور کے قول کے مطابق عورتوں پر کوئی ظہار نہیں۔ حسن بن زیاد نے کہا: وہ ظہار کر سکتی ہے۔ امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا: نکاح سے قبل اس کے بعد عورت اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام شافعی نے کہا: عورت



اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام اوزاعی نے کہا: جب عورت اپنے خاوند سے کہے انت علیٰ کظہرامی او کظہر فلا نفقویہ عورت کی جانب سے قسم ہو جائے گی وہ اس کا کفارہ دے گی۔ اسحاق نے اسی طرح کہا ہے: ایک عورت خاوند سے ظہار کرنے والی نہیں ہو سکتی لیکن اس پر قسم لازم ہوگی جس کا وہ کفارہ دے گی۔ زہری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ ظہار کا کفارہ دے اس کا یہ قول اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان حقوق زوجیت کے اعتبار سے حائل نہیں ہوگا۔ یہ روایت ان سے معمر نے نقل کی ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر جو امر حلال کیا تھا اس نے اسے حرام کر دیا اس پر کفارہ یمین ہوگا؛ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ محمد بن حسن نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

**مسئلہ نمبر 13۔** جسے کچھ جنون کا مرض ہو۔ کسی موقع پر اس کے کلام میں لقم پیدا ہو جائے جب وہ ظہار کرے تو اس پر ظہار لازم ہو جائے گا، کیونکہ حدیث طیبہ میں یہ روایت مروی ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ جن کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا اسے جنون کی کچھ شکایت تھی اور اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔

**مسئلہ نمبر 14۔** جس کو غصہ آئے اور وہ اپنی بیوی سے ظہار کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کا غصہ اس کے حکم کو ساقط نہیں کرے گا۔ ایک حدیث کی سند میں ہے کہ یوسف بن عبد اللہ بن سلام نے حضرت خولہ جو حضرت اوس بن صامت کی زوجہ تھیں سے روایت نقل کی ہے حضرت خولہ نے کہا: میرے اور اس کے (خاوند) کے درمیان کچھ ناراضگی ہوئی تو اس نے کہا: انت علیٰ کظہرامی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر وہ اپنی قوم کی مجلس کی طرف چلے گئے۔ حضرت خولہ کا قول کان بینی و بینہ شیء میں دلیل ہے کہ ان میں کوئی جھگڑا ہوا تھا جس نے انہیں مجبور کیا تو ان کے خاوند نے ان سے ظہار کر لیا۔ غضب انگو چیز ہے یہ کسی حکم کو ختم نہیں کرتی اور نہ ہی شرعی حکم میں تبدیلی کرتی ہے، اسی طرح نشہ ہے۔

**مسئلہ نمبر 15۔** جب خاوند نشہ کی حالت میں ہو اور وہ اپنے قول کو سمجھتا ہو اور کلام کو منظم کر سکتا ہو تو ظہار اور طلاق کا حکم اس پر لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (النساء: 43) جس طرح سورہ نساء میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 16۔** مظاہر اپنی بیوی کے قریب نہ آئے، اس سے مباشرت نہ کرے اور کسی بھی حوالے سے اس سے لذت حاصل نہ کرے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے مگر امام شافعی نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اختلاف کیا ہے کیونکہ خاوند کا یہ قول انت علیٰ کظہرامی تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کا استمتاع حرام ہو وہ لفظ کے ساتھ ہو یا اس کے معنی یعنی عمل کی صورت میں ہو۔

**مسئلہ نمبر 17۔** اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اور اس سے رک جائے یہاں تک کہ ایک کفارہ ادا کرے۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: اس پر دو کفارے لازم ہیں۔ سعید نے قتادہ سے اور مطرف نے رجاء بن حیوہ سے وہ قبیسہ بن ذویب سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مظاہر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں: جب اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کی تو اس پر دو کفارے ہوں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ قبیسہ بن

ذویب نے کہا: اس پر دو کفارے ہوں گے۔ ائمہ کی جماعت نے روایت کی جب کہ ان میں ابن ماجہ اور نسائی بھی ہیں: ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو کفارہ ادا کرنے سے قبل اس سے جماع کیا پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا آپ کے سامنے ذکر کیا آپ نے پوچھا: ”کس چیز نے تجھے اس امر پر برا بیختہ کیا؟“ اس نے عرض کی: میں نے چاند کی روشنی میں اس کے پازیب کی سفیدی کو دیکھا تو میں اپنے آپ پر قابو نہ کر سکا تو میں نے اس سے جماع کر لیا۔ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور اسے حکم دیا کہ ”وہ اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کر لے“ (1)۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے سلیمان بن یسار سے وہ حضرت سلمہ بن صخر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ظہار کیا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے ایک کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

**مسئلہ نمبر 18۔** جب کوئی مرد ایک ہی کلمہ سے چار عورتوں سے ظہار کرے جس طرح وہ کہے أنت عنی کظہرامی وہ ان میں سے ہر عورت سے ظہار کرنے والا ہوگا ان میں سے کسی سے بھی وطی کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور صرف ایک کفارہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ امام شافعی نے کہا: اسے چار کفارے لازم ہوں گے۔ آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ جمع کا لفظ عام مومنوں کے بارے میں ہے اعتماد معنی پر ہوگا۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کہا کرتے تھے: جب ایک مرد کی چار بیویاں ہوں تو وہ ان سے ظہار کرے تو اسے ایک کفارہ ہی کافی ہوگا۔ اگر وہ ایک کے بعد دوسری سے ظہار کرے تو ہر ایک میں ایک کفارہ لازم آئے گا۔ یہی اجماع ہے۔

**مسئلہ نمبر 19۔** اگر اس نے چار عورتوں سے کہا: اگر میں تم سے شادی کروں تو تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو اس نے ان میں سے ایک عورت سے شادی کی تو وہ ان کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ دے پھر سب عورتوں کے بارے میں اس کی قسم ختم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باقی عورتوں سے بھی وطی نہیں کر سکتا (شادی کے بعد) یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ پہلا قول مذہب ہے۔

**مسئلہ نمبر 20۔** اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: أنت عنی کظہرامی، وانت طالق البتہ (2) تو اسے طلاق اور ظہار دونوں لازم ہو جائیں گے، وہ کفارہ نہیں دے گا یہاں تک کہ اس عورت سے ایک اور خاوند کے بعد نکاح کرے اور جب اس سے نکاح کر لیا تو کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے وطی نہ کرے۔ اگر اس نے کہا: أنت طالق البتہ وأنت عنی کظہرامی اسے طلاق لازم ہو جائے گی اور اسے ظہار لازم نہیں ہوگا کیونکہ جس کو طلاق بائنہ دی جا چکی ہو اسے ظہار لاحق نہیں ہو سکتا۔

**مسئلہ نمبر 21۔** بعض علماء نے کہا: جس بیوی سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں اس کے ساتھ ظہار کرنا درست

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار، حدیث 1898۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب المظاہر بہا مع قبل ان یکلمہ، حدیث 2054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ یہاں البتہ سے مراد طلاقیں ہیں جس طرح عبارت سے اسے سمجھا جا رہا ہے جس طرح ابن عربی نے کہا ہے جب اس نے ظہار کے بعد تمین طلاقیں دیں پھر نکاح جدید کے ساتھ وہ عورت اس کی طرف لوٹی تو وہ وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔



نہیں۔ مرنی نے کہا: مطلقہ رجعیہ سے ظہار صحیح نہیں۔ یہ قول کچھ بھی نہیں کیونکہ دونوں صورتوں میں زوجیت کے احکام باقی ہیں جس طرح ایسی عورت کو طلاق ہو سکتی ہے اسی طرح ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ قیاس و نظر یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 22۔** مَا هُنَّ اُمَّهَاتُهُمْ ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں۔ عام قرأت اُمہاتہم ہے اہل حجاز کی لغت کے مطابق تاء مسکور ہے۔ جس طرح فرمایا: مَا هَذَا بَشَرًا (یوسف: 31) فراء نے کہا: اہل نجد اور بنو تمیم کہتے ہیں: ما هذا بشرا، ما هن اُمہاتہم یہ مرفوع ہے۔ اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اَنِّی وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں نہیں مگر جنہوں نے انہیں جنا ہے ضرب المثل ہے وَلَدَکَ مَنْ دَفَنَ عَقِبَکَ تیری والدہ وہ ہے جس نے تیرے بعد خون بہایا۔ اس بارے میں گفتگو سورہ احزاب میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 23۔** وَاِنَّهُمْ لَيَقُولُنَّ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، منکر کا معنی ہے ایسی بات جو شروع میں معروف نہ ہو اور زور سے مراد جھوٹ ہے (1) وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وہ عفو و غفور اس اعتبار سے ہے کہ اس نے کفارہ کو اس قول سے خلاصی کے لیے ذریعہ بنا دیا ہے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَاءِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ  
اَنْ يَّتَمَآ سَاۤءٌۢ ذٰلِكُمْ تُوْعَطُوْنَ بِہٖ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ  
فَصِیَامٌ شَهْرَيْنِ مُّتَتَابِعَيْنِ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآ سَاۤءٌۢ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ  
سِتِّیْنِ مِسْکِیْنًا ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْکٰفِرِیْنَ  
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۱

”جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے۔ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگا تاروزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو، یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور مکرین کیلئے دردناک عذاب ہے۔“

اس میں بارہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَاءِهِمْ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اسے حذف کر دیا گیا ہے یعنی فعلہم تحریر رقبہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار تمہم عتق رقبہ ظہار کے معاملہ میں جس قول پر تمام علماء کا اجماع ہے وہ ایک آدمی کا اپنی بیوی کو یہ کہنا ہے: انت علی کظہرامی یہ وہ قول منکر اور قول زور ہے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں فرمایا ہے: وَاِنَّهُمْ لَيَقُولُنَّ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا جس نے یہ

قول کیا اس پر اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام ہے، جس نے یہ بات کہی پھر اس سے رجوع کیا تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماں ہے وَالَّذِينَ يَظْهَرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یہ کلام اس بات کے رد پر ولالت کرتا ہے کہ کفارہ ظہار صرف قول سے لازم نہیں آتا یہاں تک کہ اس کے ساتھ رجوع ملا ہوا ہو۔ یہ مشکل حرف ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کے بارے میں سات اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد وطی پر عزم ہے یہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا مشہور قول ہے۔ امام مالک سے مروی ہے: اگر اس نے وطی کا عزم کر لیا تو یہ عود تصور ہوگا اگر اس نے وطی کا عزم نہ کیا تو یہ عود نہ ہوگا (۲) اس سے ظہار کرنے کے بعد امساک (اپنے پاس روکنے پر عزم)؛ یہ امام مالک کا قول ہے (۳) دونوں پر اس کا عزم؛ یہ امام مالک کا موطا میں قول منقول ہے۔ امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالَّذِينَ يَظْهَرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا کے بارے میں کہا: میں نے سنا کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرے پھر وہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے اور اس کو اپنے پاس روکنے کا پختہ عزم کرے۔ اگر اس نے یہ عزم کر لیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اگر اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے اور اسے پاس رکھنے کا ارادہ نہ کیا تو اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے اس سے اس کے بعد شادی کی تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (۴) عود سے مراد وطی کرنا ہے اگر اس نے وطی نہ کی تو یہ عود نہ ہوگا؛ یہ حضرت حسن بصری اور امام مالک کا نقطہ نظر ہے (۵) امام شافعی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ ظہار کے بعد طلاق پر قادر ہونے کے باوجود وہ اس کو اپنی بیوی کی حیثیت سے روکے رکھے کیونکہ جب اس نے ظہار کیا تھا تو اس نے تحریم کا قصد کیا تھا اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو اس نے اس کے برعکس کر دیا جو اس نے حرمت واقع کرنے کا قصد کیا تھا اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ طلاق دینے سے رک گیا تو وہ اس امر کی طرف لوٹ آیا جس پر وہ پہلے سے تھا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا (۶) ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے اسے کفارہ ہی ختم کر سکتا ہے۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک عود کا معنی ہے اس کے ساتھ وطی کرنا مباح نہیں مگر اس صورت میں کہ پہلے وہ کفارہ ادا کرے؛ یہ امام ابو حنیفہ آپ کے اصحاب اور لیث بن سعد کا نقطہ نظر ہے۔ (۷) اس سے مراد ظہار کے لفظ کو مکرر ذکر کرنا ہے؛ یہ اہل ظواہر کا قول ہے۔ جو قیاس کی نفی کرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر اس نے ظہار کا لفظ مکرر ذکر کیا تو یہی لوٹنا ہے اگر مکرر ذکر نہیں کیا تو یہ لوٹنا نہیں؛ اس قول کو بکیر بن اٹج، ابو العالیہ اور امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: آیت کا ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَمْ يَعُودُوا لِمَا قَالُوا یعنی جو انہوں نے کہا اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالَّذِينَ يَظْهَرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو کہتا ہے: انت عنی کظہر اُمی جب اس نے اپنی بیوی کو یہ کہا تو وہ اس پر حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ کفارہ ظہار ادا کرے (۱)۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ اس سے مراد لفظ ظہار کی طرف لوٹنا ہے تو یہ قطعی طور پر باطل ہے، یہ بکیر سے ثابت نہیں یہ اس کے



### 1- احكام القرآن لابن العربي

ہیں۔ انھیں نے کہا: لِمَا قَالُوا اور اے قالو دونوں ایک ہی ہیں لا مرا ورائی ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا (الاعراف: 43)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَافِدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ (الصافات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِ رَبِّكُمْ (النساء: 113) لہذا (الزلزال) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ (ہود: 36)

**مسئلہ نمبر 3۔** فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ اس پر غلام کا آزاد کرنا لازم ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حرارتہ یعنی میں نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر اس غلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامل ہو اور ہر عیب سے محفوظ ہو۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے کامل ہونے سے مراد اس کا مسلمان ہونا ہے جس طرح کفارہ قتل میں مسلمان غلام ہی آزاد کیا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک کافر غلام بھی آزاد کیا جاسکتا ہے اسی طرح وہ غلام بھی آزاد کیا جاسکتا ہے جس میں رق کا شائبہ ہو جیسے مکاتبت وغیرہ۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اگر اس نے دو غلاموں کا ایک ایک نصف آزاد کیا تو ہمارے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہو گا۔ امام شافعی نے کہا: جائز ہے کیونکہ دو غلاموں کا نصف ایک غلام کے معنی میں ہے کیونکہ غلام کی صورت میں کفارہ کا طریقہ مال ہے تو اس میں تبغیض اور تجزیہ جائز ہے جس طرح کھانا کھانا۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ اس اسم سے مراد ایک شخص ہے۔ رقبہ کا بعض رقبہ نہیں یہ ان چیزوں میں سے نہیں جس میں دو چیزوں کو ملا کر داخل کیا جاسکے کیونکہ وہ عبارت جو ایک رقبہ کے متعلق ہے تو دو رقبہ کا نصف اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب آدمی دو قربانیوں میں شریک ہوں اور اس لیے بھی کہ اگر کسی نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے ایک حج کریں تو ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ ان دونوں میں ایک اس کا نصف حج کرے اسی طرح یہ ہے اور اس لیے بھی کہ اگر اس نے وصیت کی کہ ایک غلام خرید جائے اور اس کی طرف سے اسے آزاد کر دیا جائے تو یہ جائز نہ ہو گا کہ دو غلام کا نصف نصف اس کی طرف سے آزاد کیا جائے اس طرح ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔ اس بحث کے ساتھ ان کی دلیل باطل ہو جاتی ہے کھانا کھانا وغیرہ میں بھی ہمارے نزدیک اس میں تجزیہ جائز نہیں۔

**مسئلہ نمبر 5۔** مَنِ قَبِلَ أَنْ يَتِمَّ شَأْنُ اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے۔ مظاہر کے لیے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کرنا جائز نہیں (1) اگر اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع کیا تو وہ گناہگار ہو گا، نافرمانی کرے گا اور اس سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا۔ مجاہد سے مروی ہے: اگر اس نے کفارہ ادا کرنے میں شروع ہونے سے پہلے ہی وطی کی تو اس پر دوسرا کفارہ لازم ہو جائے گا۔ دوسرے علماء سے یہ مروی ہے: وہ کفارہ جو ظہار کی وجہ سے واجب ہوتا ہے وہ اس سے ساقط ہو جائے گا اس پر اصلاً کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ واجب کیا ہے اور جماع کرنے سے قبل اسے ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب اس نے اسے موخر کیا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جماع کر لیا تو اس کا وقت فوت ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ کفارہ ثابت ہو گا کیونکہ وطی کے



ساتھ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو یہ کفارہ کو ساقط کرنے والا نہیں ہوگا اور اس کی قضا دے گا جس طرح اگر وہ نماز کو اس کے وقت سے موخر کرے گا۔

حضرت اوس بن صامت کی حدیث میں ہے جب نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے ہیں تو آپ نے اسے کفارہ کا حکم دیا، یہ اس میں نص ہے خواہ کفارہ عتق کی صورت میں ہو یا روزے کی صورت میں ہو یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: کفارہ اطعام کی صورت میں ہو تو یہ جائز ہوگا کہ وہ وطی کرے پھر کھانا کھلائے۔ جہاں تک وطی کے علاوہ بوسہ، معاشرت اور لذت حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اکثر علماء کے نزدیک حرام نہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور سفیان کا قول ہے؛ امام شافعی کا بھی صحیح مذہب یہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب حرام ہیں اور سب کے معافی ہیں؛ یہ امام مالک، امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** ذَلِكُمْ تُوَعُّظُونَ بِهٖ اس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے ۞ وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ یعنی تم جو کفارہ وغیرہ دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** جو غلام پائے اور نہ ہی اس کی قیمت پائے یا مالک تو ہو مگر اس غلام کی اس کو شدید ضرورت ہو یا وہ غلام کی قیمت کا مالک تو ہو مگر اس کو اپنے نفقہ کے لیے اس رقم کی ضرورت ہو یا اس کا مسکن تو ہو اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ پاتا ہو تو اس کے لیے روزے رکھنا جائز ہے؛ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر ہے امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ روزے نہ رکھے اس پر غلام ہی آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ اسے اس کی ضرورت بھی ہو۔ امام مالک نے کہا: جب اس کا گھر ہو اور اس کے پاس خادم بھی ہو تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اگر وہ غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو تو اس پر دو ماہ کے پے درپے روزے رکھنا لازم ہوں گے اگر اس نے عذر کے بغیر ان میں افطار کیا تو وہ نئے سرے سے روزے رکھے اگر اس نے سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنا کرے؛ یہ ابن مسیب، حضرت حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور یہ ہی ان کا صحیح مذہب ہے۔ امام مالک نے کہا: جب وہ کفارہ ظہار کے روزوں میں بیمار ہو گیا تو جب صحیح ہو تو پہلے روزوں پر بنا کر لے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** جب اس نے روزے شروع کر دیے پھر غلام پایا تو روزوں کو مکمل کرے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ ان میں داخل ہوا تو اسے روزوں کا ہی حکم دیا گیا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک روزے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے اور وہ غلام آزاد کرے گا۔ وہ اسے اس بچی پر قیاس کرتے ہیں جو

پہلے بالغ تھی جو مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی تھی تو وہ عدت کے ختم ہونے سے قبل خون دیکھتی ہے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ نئے سرے سے حیض کے اعتبار سے عدت گزارے گی۔ جب اس نے روزوں کی حالت میں سفر شروع کیا تو اس نے روزہ افطار کر دیا تو وہ نئے سرے سے روزہ رکھے گا؛ یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مُتَّاعَتَيْنِ**۔ حضرت حسن بصری کا قول یہ ہے کہ وہ پہلے روزوں پر ہی بنا کر لے کیونکہ یہ عذر ہے اور وہ رمضان پر قیاس کرتے ہیں۔ اگر ان روزوں کے درمیان کوئی زمانہ حائل ہو جائے تو کفارہ میں اس کا روزہ حلال نہیں رہے گا جس طرح عیدین اور رمضان شریف کا مہینہ، اس سے انقطاع واقع ہو جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ ایک ظہار کرنے والے نے دونوں مہینوں کے درمیان دن میں وطی کی تو امام شافعی کے نزدیک اس کاتابع باطل ہو جائے گا اگر رات کے وقت کی تو تابع باطل نہیں ہوگا کیونکہ رات روزے کا محل نہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا: ہر حال میں تابع باطل ہو جائے اور اس پر ابتداء سے کفارہ واجب ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **قَبْلَ أَنْ يَتَمَآتَا** یہ شرط دونوں مہینوں اور ان کے بعض کی طرف لوٹ رہی ہے جب اس نے دونوں مہینوں کو ختم ہونے سے پہلے وطی کی تو یہ وہ روزے نہیں ہوں گے جن کا اسے حکم دیا گیا تھا تو نئے سرے سے روزے رکھنے لازم ہوں گے، جس طرح فرمایا: **صل قبل أن تحکم زیدا** تو اس نے زید سے نماز کی حالت میں کلام کیا یا کہا: **صل قبل أن تبصر زیدا** تو اس نے نماز کی حالت میں زید کو دیکھا تو اس پر نئے سرے سے نماز پڑھنا لازم ہو جائے گی کیونکہ یہ نماز وہ نماز نہیں جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اسی طرح یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 11**۔ جس کا مرض لمبا ہو جائے جس سے تندرست ہونے کی امید نہ ہو تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے عاجز کے حکم میں ہوگا اور روزوں سے اطعام کی طرف عدول جائز ہوگا۔ اگر مرض ایسا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہو اور اسے اپنی بیوی سے وطی کی حاجت ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ صحت مند ہونے کا انتظار کرے یہاں تک کہ روزوں پر قادر ہو جائے۔ اگر اس نے کھانا کھلا کر کفارہ دے دیا اور روزوں پر قادر ہونے کا انتظار نہ کیا تو یہ جائز ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 12**۔ جس نے ظہار کیا جب کہ وہ تنگدست تھا پھر خوشحال ہو گیا تو اس کے لیے روزے رکھنا جائز نہ ہوں گے۔ جس نے ظہار کیا جب کہ وہ خوشحال تھا پھر وہ تنگدست ہو گیا جب کہ اس نے ابھی کفارہ ادا نہ کیا تھا تو وہ روزے رکھے جس دن اس نے کفارہ دیا اس کی اس دن کی حالت کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس نے تنگدست اور محرومی کی حالت میں جماع کر لیا اور اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ خوشحال ہو گیا تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہو جائے گا۔ اگر اس نے روزے رکھنے شروع کیے پھر وہ خوشحال ہو گیا اگر روزوں میں سے مناسب حصہ گزر چکا تھا جیسے جمعہ یا اس کی مثل (یعنی پورا ہفتہ گزر چکا ہو) تو اس سلسلہ کو جاری رکھے اگر ایک یا دو دن گزرے ہوں تو روزے کو ترک کر دے اور آزادی کی طرف لوٹ آئے یہ اس پر واجب نہیں ہوگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس پر نماز ترک کرنا واجب نہیں جس کو پانی میسر ہو جب کہ وہ تیمم کرنے کے بعد نماز میں داخل ہو چکا ہو اور نئے سرے سے وضو کرے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔



**مسئلہ نمبر 13**۔ اگر اس نے دو کفارہ ظہار کی جانب سے یا قتل اور رمضان کا روزہ توڑنے کی وجہ سے دو غلام آزاد کیے اور ان دونوں کو ہر ایک میں شریک کیا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ یہ اس کے قائم مقام ہوگا کہ اس نے دو کفاروں کی جانب سے ایک غلام کو آزاد کیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ان دونوں کی جانب سے چار ماہ کے روزے رکھے یہاں تک ان دونوں میں سے ہر ایک جانب سے دو ماہ کے روزے رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے لیے جائز ہوگا اگر اس نے اپنی دو عورتوں سے ظہار کیا اس نے ایک کی جانب سے ایک غلام آزاد کر دیا مگر کسی عورت کا تعین نہ کیا تو اس کے لیے ان دو میں سے کسی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ دوسرا کفارہ ادا کرے اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا تعین کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے ساتھ وطی کرے اور دوسری کی جانب سے بعد میں کفارہ ادا کرے۔ اگر اس نے چار عورتوں سے ظہار کیا تو اس نے ان کی طرف سے تین غلام آزاد کیے اور دو ماہ کے روزے رکھے تو اس کے لیے غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نے ہر ایک عورت کی جانب سے پندرہ روزے رکھے ہیں اگر اس نے اس کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں دیا تو اس پر دو مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز ہوگا اگر اکٹھے کھانا کھلانے پر قادر نہ ہو تو الگ الگ کھانا کھلا لے مگر غلام آزاد کرے اور روزہ رکھنے میں تفریق نہیں کر سکتا کیونکہ دو ماہ کے روزوں میں تفریق نہیں کر سکتا اور کھانا کھلانے میں تفریق کر سکتا ہے۔

فصل

اس میں چھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کفارہ کا ذکر ترتیب وار کیا ہے روزے رکھنے کی صورت نہ ہوگی یہاں تک غلام آزاد کرنے سے عاجز نہ ہو اسی طرح کھانا اس وقت تک نہیں کھلا سکتا جب تک روزے رکھنے پر قادر ہو جو آدمی روزے نہیں رکھ سکتا اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا ہر مسکین کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد لازم ہوں گے اگر اس نے ہشام کی مد سے کھانا دیا تو 1/2/3 یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب 1/1/2 مد دیا تو بھی جائز ہو جائے گا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: افضل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ ظہار میں یہ ارشاد نہیں فرمایا: مَنْ أَوْسَطَ مَا تَطْعُمُونَ (المائدہ: 89) اس لیے سیر ہو کر کھلانے کا ارادہ واجب ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے ابن قاسم اور ابن عبد الحکم کی روایت میں کہا ایک مد ہشام کے مد کے حساب سے اور اسی سے یہاں سیر ہوا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طعام کو مطلق ذکر کیا ہے اور وسط کا ذکر نہیں کیا۔ اشہب کی روایت میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد۔ انہیں کہا گیا: کیا تو ہشام کے مد کے حساب سے نہیں کہا کرتا تھا؟ کہا: کیوں نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد مجھے زیادہ محبوب ہیں؛ ابن قاسم نے بھی اس سے اسی طرح نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ابن وہب اور مطرف کی امام مالک سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد دے؛ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ امام شافعی وغیرہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد دے اس پر اس سے زائد لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کر رہا ہے اس پر ایک مد سے زیادہ دینا لازم نہیں ہے۔

گا۔ اس کی بنیاد روزہ تو اس نے اور قسم کا کفارہ ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاِطْعَامُ سِتِّیْنِ مِسْکِیْنًا** اور اطعام جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد سیر ہونا ہے۔ یہ عادت کے مطابق ایک مد سے نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے ہوتا ہے۔

اشہب نے اسی طرح کہا ہے کہ میں نے امام مالک سے کہا: کیا ہمارے اور تمہارے درمیان سیر ہونا مختلف ہے؟ فرمایا: ہاں ہمارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے ایک مد سے ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک اس سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں برکت کی دعا کی ہے تمہارے بارے میں برکت کی دعا نہیں کی، تم ہماری نسبت زیادہ کھاتے ہو (1)۔ ابوالحسن قابی نے کہا: اہل مدینہ نے کفارہ ظہار میں ہشام کے مد کا حساب لگایا مقصد ظہار کرنے والوں پر سختی کرنا تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ وہ منکر اور جھوٹ بولتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا (2): یہاں گفتگو ہشام کے مد کے بارے میں ہے جس طرح تم دیکھتے ہو میں پسند کرتا ہوں کہ زمانہ اس کا ذکر منادے اور کتابوں سے اس کا نشان منادے کیونکہ مدینہ طیبہ جہاں وحی نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وہاں مقیم رہے وہاں ہی ظہار واقع ہوا۔ اس کے بارے میں انہیں حکم دیا **فَاِطْعَامُ سِتِّیْنِ مِسْکِیْنًا** انہوں نے اس حکم کو سمجھا اور اس کی مراد کو سمجھا اور یہی سیر ہونا ہے ان کے نزدیک اس کی مقدار معروف تھی۔ اس سیر ہونا کا ذکر روایات میں کثرت سے ہوا اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ شیطان نے ہشام کے کان میں یہ پھونکا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ نبی کریم ﷺ کا مد بندے کو سیر نہیں کرتا شیطان نے اسے سورہ ذالکہ وہ ایک ایسا مد بنائے جس میں انسان سیر ہو جائے تو اس نے مد کو دو رطل کا بنادیا اور لوگوں کو اس پر مجبور کیا جب وہ بیماری سے صحت یاب ہوا تو اس نے مد تین رطل کا بنادیا اس نے سنت کو تبدیل کر دیا اور برکت کے محل کو ختم کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے جب اپنے رب سے اہل مدینہ کے لیے دعا کی کہ ان کے مد اور صاع میں برکت رکھے جس طرح حضرت ابراہیم کی دعا سے اہل مکہ کے مد میں برکت رکھی نبی کریم ﷺ کی دعا سے ان کے مد میں برکت جاری رہی شیطان نے اس سنت کو تبدیل کرنے اور اس برکت کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی ہشام کے علاوہ اس کی کسی نے بات نہیں کی۔ علماء پر لازم ہے کہ وہ اس کے ذکر کو لغو قرار دیں اور اس کے نشان کو منادیں جب وہ اس کے امر کو لغو قرار نہیں دیتے مگر جب وہ احکام میں اس کا ذکر کریں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو ذکر کیا ہے اس کی اسے تفسیر بنائیں جب کہ یہ امر صحابہ پر پہلے ہی منتشر تھا جن پر یہ حکم نازل ہوا تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی، اس وجہ سے اشہب کی روایت جس میں نبی کریم ﷺ کے مد کا ذکر ہے میرے نزدیک اس روایت سے زیادہ پسندیدہ ہے جس میں ہشام کے مد کا ذکر ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ امام مالک نے کیسے اس امر پر متنبہ کیا جس قول کا ذکر اشہب نے کیا ہمارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم ﷺ کے مد سے ہے اور تمہارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم ﷺ کے مد سے ہے؟ فرمایا: ہاں ہمارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے ایک مد سے ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک اس سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں برکت کی دعا کی ہے تمہارے بارے میں برکت کی دعا نہیں کی، تم ہماری نسبت زیادہ کھاتے ہو (1)۔ ابوالحسن قابی نے کہا: اہل مدینہ نے کفارہ ظہار میں ہشام کے مد کا حساب لگایا مقصد ظہار کرنے والوں پر سختی کرنا تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ وہ منکر اور جھوٹ بولتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا (2): یہاں گفتگو ہشام کے مد کے بارے میں ہے جس طرح تم دیکھتے ہو میں پسند کرتا ہوں کہ زمانہ اس کا ذکر منادے اور کتابوں سے اس کا نشان منادے کیونکہ مدینہ طیبہ جہاں وحی نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وہاں مقیم رہے وہاں ہی ظہار واقع ہوا۔ اس کے بارے میں انہیں حکم دیا **فَاِطْعَامُ سِتِّیْنِ مِسْکِیْنًا** انہوں نے اس حکم کو سمجھا اور اس کی مراد کو سمجھا اور یہی سیر ہونا ہے ان کے نزدیک اس کی مقدار معروف تھی۔ اس سیر ہونا کا ذکر روایات میں کثرت سے ہوا اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ شیطان نے ہشام کے کان میں یہ پھونکا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ نبی کریم ﷺ کا مد بندے کو سیر نہیں کرتا شیطان نے اسے سورہ ذالکہ وہ ایک ایسا مد بنائے جس میں انسان سیر ہو جائے تو اس نے مد کو دو رطل کا بنادیا اور لوگوں کو اس پر مجبور کیا جب وہ بیماری سے صحت یاب ہوا تو اس نے مد تین رطل کا بنادیا اس نے سنت کو تبدیل کر دیا اور برکت کے محل کو ختم کر دیا۔



آفت کا باعث اور زیادہ قوت کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ ساٹھ سے کم مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اگر ہر روز ایک ہی مسکین کو نصف صاع دے یہاں تک کہ ساٹھ کا عدد پورا ہو جائے تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: عجیب و غریب بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (☆) نے کہا: آزاد آدمی پر حجر کرنا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **فَتَّخِرُوا رَقَبَةً** سے استدلال کیا ہے مگر رشید اور سفیہ میں فرق نہیں کیا۔ یہ کمزور فقہ ہے جو ان کی شان کے مناسب نہیں۔ یہ آیت عام ہے اور اصحاب رسول میں حجر کا فیصلہ عام تھا اور مصالح کو پیش نظر رکھنا اس کا تقاضا کرتا ہے جس پر چھوٹی عمر یا ولایت کی وجہ سے حجر ہو اور وہ سفیہ کی حیثیت میں بالغ ہو مال اسے دینے سے منع کیا ہے تو اس کا عمل اس میں کیسے نافذ ہوگا؟ جب کہ خاص، عام پر غالب آجاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ بعض علماء کے نزدیک ظہار کا حکم اس ظہار کے لیے ناسخ ہے جو ان لوگوں میں طلاق کے طور پر موجود تھا؛ اس کا ہم معنی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو قلابہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ **ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَأْمُرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ** کفارہ میں جس تغلیظ کا ذکر کیا ہے اس لیے ہے کہ تم اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جب اس کا ذکر کیا تو اسے واجب کر دیا۔ فرمایا: یہ اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، اس کی قائم کردہ حدود پر رک جاؤ ان سے تجاوز نہ کرو اسے تکفیر کا نام دیا کیونکہ یہ طاعت ہے اور ایمان کی حیثیت سے حد کی رعایت کرنا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جو اس کے مشابہ ہو وہ ایمان ہے اگر یہ سوال کیا جائے: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ظہار کی طرف نہ لوٹو جو منکر قول اور جھوٹ ہے۔ اسے کہا جائے گا: یہ جائز ہے کہ یہ مقصود ہو اور پہلا قول بھی مقصود ہو اور معنی یہ ہو کہ یہ اس لیے ہے کہ تم قول منکر اور جھوٹ کی طرف نہ لوٹو بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتے ہوئے ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور جن عورتوں سے ظہار کیا ہے ان سے اجتناب کرو یہاں تک کہ تم کفارہ دے لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور کفارہ ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا حکم دیا ہے اور اس کی ادائیگی کو لازم کیا ہے اس کے ساتھ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہو جاؤ گے کیونکہ یہ ایسی حدود ہیں جس کی تم حفاظت کر رہے ہو اور ایسی اطاعتیں ہیں جن کو تم ادا کرتے ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

امام اعظم کے نزدیک حجر (بیع و شراہ کی اجازت نہ ہونا بلکہ اس کا کیا ہوا عقد ولی کی اجازت پر موقوف ہونا) کے تین اسباب ہیں بچہ، غلام اور پاگل پن۔ جب بچہ بالغ ہو جائے اور اس میں رشد کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اس کا سارا مال حوالے کرنے سے منع کیا گیا تاہم اسے معاملات کی اجازت دی گئی تاکہ تجربہ اس کی عقل میں انصاف کا باعث ہو جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو مال اس کے حوالے کرنے کا حکم ہے اس کے بعد کوئی اور فرد اس کے مال کو قبضہ میں نہیں رکھ سکتا۔ یہ میں حکمت کی بات ہے اس میں تعجب کے اظہار پر تعجب ہی کیا جاسکتا ہے۔ مترجم

**مسئلہ نمبر 6۔** وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ابْنِ نافرمانی اور اپنی طاعت کو بیان کیا اس کی معصیت ظہار ہے اور اس کی طاعت کفارہ ہے وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق نہ کرے اس کے لیے عذاب جہنم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۖ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

”بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے اور بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں، اور کفار کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

والوں کا بھی ذکر کیا۔ محاذ کا معنی دشمنی کرنا اور حدود کی مخالفت کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الحشر: 4) ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُحَادُّونَ اللَّهَ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی مخالفت کرتے ہیں جس طرح حدیث میں ہے مَنْ أَهَانَ لِي وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمَحَارَبَةِ جس نے میرے دوست کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا۔ زجاج نے کہا: محاذ یہ ہے کہ تو ایسی حد میں ہو جو تیرے ساتھی کی حد کی مخالف ہو۔ اس کا اصل معنی ممانعت ہے اسی سے لفظ حدید ہے اسی سے لفظ حداد ہے؛ یعنی لو ہار۔

كُبِتُوا ابوعبید اور خفش نے کہا: انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ قتادہ نے کہا: انہیں ذلیل و رسوا کیا گیا جس طرح ان سے قبل لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا گیا۔ ابن زید نے کہا: انہیں عذاب دیا تھا۔ سدی نے کہا: ان پر لعنت کی گئی۔ فراء نے کہا: خندق کے روز انہیں غیظ و غضب میں مبتلا کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: بدر کے روز انہیں غیظ و غضب میں مبتلا کیا گیا مراد مشرک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد منافق ہیں۔ گما کُبتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کُبتُوا سے مراد ہے انہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنوں کو مدد کی بشارت ہے کلام کو ماضی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے وہ قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مذجج کی لغت میں ہے۔

وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ جُنُودِ اللَّهِ ابْنِ نافرمانی اور اپنی طاعت کو بیان کیا اس کی معصیت ظہار ہے اور اس کی طاعت کفارہ ہے وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق نہ کرے اس کے لیے عذاب جہنم ہے۔

گزرے ہیں ان کے ساتھ جو ہم نے کیا اس بارے میں ہم نے آیات کو نازل کیا۔ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

یَوْمَ، پر نصب عذاب مہین کی وجہ سے ہے یا ایسے فعل کے ساتھ ہے جو مضمر ہے اس کی تقدیر ہے اذکر تعظیماً للیوم (1)۔



يَبْعَثُ اللَّهُ جَمِيعًا مردوں اور عورتوں کو ان کی قبروں سے ایک ہی حالت میں اٹھائے گا۔  
فَيَنْبِتُهُمْ یعنی انہیں خردے گا۔ بِمَا عَمِلُوا دنیا میں جو عمل کرتے رہے اَخْصَهُ اللَّهُ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے  
صحیفوں کو شمار کر رکھا ہے وَنُسُوکُ وہ اسے بھول چکے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اعمال کے صحیفوں میں یاد کرایا  
تا کہ حجت ان پر زیادہ بلیغ ہو جائے۔

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ اللہ تعالیٰ مطلع ہے اور دیکھ رہا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا  
هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ  
أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يَنْبِتُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتی کوئی  
سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ  
زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے  
رہے قیامت کے دن، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ اس پر کوئی راز مخفی ہے اور نہ ہی اعلانیہ بات۔ مَا يَكُونُ مِنْ  
نَجْوَى عام قرأت یا کے ساتھ ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع، اعرج، ابو حیوہ اور عیسیٰ  
نے ماتکون پڑھا ہے کیونکہ فعل مونث ہے۔ نجوی کا معنی رازداری ہے۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کے ساتھ کبھی صفت لگائی  
جاتی ہے یہ کہا جاتا ہے: قوم نجوی یعنی قوم ذونجوی اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ (الاسراء: 47)  
ثَلَاثَةٌ یہ مجرور ہے کیونکہ نجوی کا لفظ اس کی طرف مضاف ہے۔ فراء نے کہا: یہ نجوی کی صفت ہے اس وجہ سے مجرور ہے  
اگر تو چاہے تو نجوی کو اس کی طرف مضاف کر دے اگر تو فعل کو مضمراً مانتے ہوئے نصب دے تو یہ جائز ہے: یہ ابن ابی عبیلہ کی  
قرأت ہے۔ ثَلَاثَةٌ اور خَمْسَةٌ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہوں گے جب کہ یتناجون مضمراً ہو کیونکہ نجوی اس پر  
دلالت کرتا ہے: یہ زمخشری کا قول ہے۔ ثلاثہ پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ نجوی کے محل سے بدل ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ  
رازداری نجوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نجوی تین افراد میں ہوتی ہے وہ کسی امر کو چھپاتے ہیں اور اس کے بارے میں  
مشورہ کرتے ہیں اور اسرار اسے کہتے ہیں جو بات دو افراد کے درمیان ہوتی ہے۔

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وہ جانتا ہے اور ان کی سرگوشی کو سنتا ہے اسی چیز پر آیت کا آغاز اور اختتام دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔  
ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نجوی نجوة سے مشتق ہے اس سے مراد ابھری ہوئی زمین ہے دوسرگوشتیاں کرنے والے سرگوشتیاں  
کرتے ہیں اور رازداری میں تنہائی کا ماحول پیدا کرتے ہیں جس طرح زمین میں سے بلند جگہ متصل جگہوں سے الگ تھلک  
ہوتی ہے آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سماعت ہر کلام کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے مجادلہ کو سن لیا ہے جس

اس میں تین مسائل ہیں:





ہے (1)۔ وہ کہا کرتے تھے: اگر محمد (ﷺ) نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں گالی دینے اور انہیں حقیر جاننے کے باوجود ہمیں مہلت نہ دیتا اور اس امر سے ناواقف تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حلیم ہے جو اس کو گالی دیتا ہے اس کے بارے میں جلدی نہیں کرتا، تو جو اس کے نبی کو گالی دے گا اس کے بارے میں کیوں جلدی کرے گا؟ یہ بات تو ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ اس کے لیے بیوی اور بچے کا دعویٰ کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں عافیت عطا فرماتا ہے اور انہیں رزق عطا فرماتا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ان کے رازوں کو ظاہر کرنے، ان کے باطن کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے نازل فرمایا تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے معجزہ ہو جائے۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: السام علیکم نبی کریم ﷺ نے اسے جواب دیا اور پوچھا: ”کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا؟“ صحابہ نے عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم۔ فرمایا: ”اس نے یہ کہا، اے میرے پاس واپس لاؤ“۔ صحابہ اسے واپس لائے فرمایا: ”تو نے کہا السام علیکم“ اس نے کہا: ہاں۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو کہو تجھ پر وہی جو تو نے کہا“ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

میں نے کہا: امام ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے، کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ بات ثابت ہے انہوں نے کہا: کچھ یہودی لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا: السام علیک یا ابا القاسم! تو میں نے کہا: السام علیکم و فعل اللہ بکم و فعل۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! رک جاؤ اللہ تعالیٰ فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا“۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ دیکھتے نہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: کیا تو نہیں دیکھتی کہ میں انہیں وہی جواب دیتا ہوں جو وہ کہتے ہیں، میں کہتا ہوں و علیکم“ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ کہتے ہیں: السام علیک اور سام سے مراد موت ہے؛ اے امام بخاری نے نقل کیا ہے اور امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم کہو و علیکم“ روایت اسی طرح ہے یعنی و علیکم۔ علماء نے اس بارے میں گفتگو کی ہے کیونکہ واؤ عاطفہ شرکت کا تقاضا کرتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے ہمارے بارے میں جس موت کی دعا کی ہے وہ ان پر بھی واقع ہو یا یہ سامة سے مشتق ہے جس کا معنی اکتا جانا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: سئم یسئم سامة و ساما بعض نے کہا: واؤ زائدہ ہے جس طرح شاعر کے شعر میں

لَنَا أَجْزُنَا سَاخَةُ الْعَيْنِ وَاشْتَعَى

اصل کلام یہ ہے لَنَا أَجْزُنَا اشْتَعَى یہاں واؤ زائدہ ہے۔ بعض نے کہا: واؤ مستانفہ ہے گویا کہا: و السام علیکم۔ بعض نے کہا: یہ واؤ عاطفہ ہے اور ہمیں کوئی تکلیف نہیں دیتی کیونکہ جب ہم ان کے حق میں بددعا کرتے ہیں تو ہماری بددعا قبول کی



جاتی ہے اور ہمارے بارے میں ان کی بددعا قبول نہیں کی جاتی، جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا زبیر نے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کچھ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سلام کیا تو کہا: السام علیک یا ابا القاسم! تو فرمایا: وعلیکم حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں غصے ہو گئی عرض کی: ألم تسمع ما قالوا؟ کیا وہ جو کہتے ہیں آپ سنتے نہیں؟ فرمایا: ”کیوں نہیں میں نے اسے سنا ہے میں نے انہیں جواب دے دیا ہے۔ ان کے بارے میں ہماری بددعا قبول کی جاتی ہے اور ان کی بددعا ہمارے بارے میں قبول نہیں کی جاتی“۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے واد کی روایت معنی کے اعتبار سے اچھی ہے اس کا ثابت رکھنا زیادہ صحیح ہے اور زیادہ مشہور ہے۔

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ واجب ہے جس طرح مسلمانوں کو جواب دینا واجب ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور قتادہ نے کہا: یہ واجب ہے۔ امام مالک اس طرف گئے ہیں کہ جواب دینا واجب نہیں؛ یہ اشہب نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ اگر تو اسے جواب دے تو تو کہہ علیک۔ ابن طاؤس نے جواب میں یہ بنا پسند کیا ہے: عذات السلام۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھ چکی ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: السلام سین کے کسرہ کے ساتھ ہے مراد پتھر ہے۔ امام مالک نے جو کہا ہے سنت کی اتباع میں یہ اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہودی آئے انہوں نے کہا: السام علیک یا ابا القاسم! فرمایا: وعلیکم۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے کہا: بل علیکم السام والذام۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! فحش گفتگو کرنے والی نہ بن“۔ حضرت عائشہ نے کہا: انہوں نے جو کہا اس کو آپ نے نہیں سنا۔ فرمایا: ”انہوں نے جو کچھ کہا کیا میں نے اسے لوٹا نہیں دیا؟ میں نے کہا وعلیکم“ ایک روایت میں ہے۔ حضرت عائشہ انہیں بھانپ گئیں تو انہیں گالیاں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے عائشہ! رک جاؤ اللہ تعالیٰ فحش اور فحش کو پسند نہیں کرتا“ اور کچھ زائد ارشاد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: الذام میم کی تخفیف کے ساتھ ہے جس کا معنی عیب ہے ضرب المثل میں ہے لا تعدم الحسناء ذاماً۔ سینہ عیب سے خالی ہوتی۔ کبھی اس میں ہمزہ لایا جاتا ہے اور کبھی نہیں لایا جاتا یہ کہا جاتا ہے: ذامہ یذامہ جس طرح ذاب یذاب اس کا اسم مفعول مذعومہ ہے یہ مہوز ہے اس سے مَذْعُومٌ مَّامٌ حُورًا (الاعراف: 18) ہے یہ کہا جاتا ہے: ذامہ یذومہ جس طرح رامہ، یرومہ۔

وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ انہوں نے کہا: اگر حضرت محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو ہم جو کچھ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور عذاب دیتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہتے وہ ہمیں جواب دیتا ہے اور کہتا ہے وعلیکم السام اور سام کا معنی موت ہے اگر وہ نبی ہوتا تو ہمارے بارے میں اس کی دعا قبول کی جاتی اور ہم مر جاتے۔ یہ ان کی جانب سے تعجب کا موقع ہے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انبیاء کبھی غضب ناک ہوتے ہیں تو جن پر وہ غضب ناک ہوتے ہیں ان کو جلدی عذاب نہیں دیا جاتا۔

حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ دار آخرت میں سزا کے طور پر جہنم ان کے لیے کافی ہے فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ① یہ کتاب برا ٹھکانہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ  
الرَّسُولِ وَتَنَاجُوا بِالْبِرِّ وَالْتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٠﴾

”اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو موت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ) میں تمہیں جمع کیا جائے گا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ مومنوں کو اس سے منع کیا کہ وہ منافقوں اور یہودیوں کی طرح باہم سرگوشیاں نہ کریں تو فرمایا: اے مومنو! جب تم رازداری سے بات کرو فلا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجُوا یہ عام قرأت ہے یعنی بنت و ثاب، عاصم اور رويس نے یعقوب سے فلا تَتَنَاجُوا، استجاء سے پڑھا ہے۔ وَتَنَاجُوا بِالْبِرِّ، برت مراد طاعت ہے۔ وَالتَّقْوَىٰ اللہ تعالیٰ نے جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچنے کی بات کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب منافقوں کو ہے مراد ہو گا اے وہ لوگو! جو اپنے گمان کے مطابق مومن ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٠﴾ یعنی آخرت میں تمہیں جس کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا اس اللہ سے ڈرو۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَأَرِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ  
اللَّهِ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

” (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کر دے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اور اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔“  
اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ یہ نجوی شیطان کی طرف سے مزین کرنے کی وجہ سے ہے لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا کیونکہ مومن خیال کرتے تھے سراپا (مچھوئے لشکر) میں مسلمانوں کو کوئی مصیبت واقع ہوگئی ہے یا وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اجتماع کیا کرتے تھے بعض اوقات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناجات کیا کرتے تھے تو مسلمان گمان کرتے تھے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے نقائص بیان کیا کرتے ہیں۔ وَلَيْسَ بِضَأَرِهِمْ یہ سرگوشیاں مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے تم سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کے امر سے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ یعنی انہیں اپنے امور اللہ کے سپرد کرنے اور تمام لوگ اس کی مدد کے سپرد کرنے چاہئیں اور شیطان اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ اسی ذات نے بندے کے امتحان اور آزمائش کی خاطر شیطان کو دساؤں کے ساتھ ان پر مسلط کیا ہے اگر چاہے تو



شیطان کو اس سے دور کر دے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تین افراد ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم تین ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں یہاں تک کہ تم لوگوں میں گھل مل جاؤ تا کہ وہ اکیلا غمگین نہ ہو۔“ اس حدیث میں اس منع کرنے کی علت بیان کر دی ہے وہ یہ ہے کہ تیسرا آدمی اس کو پائے جس کے ساتھ وہ گفتگو کرے جس طرح حضرت ابن عمر نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک آدمی کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے تو ایک اور آدمی آ گیا جو آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا تو آپ نے اس سے رازداری سے بات نہ کی یہاں تک کہ چوتھے آدمی کو بلایا تو آپ نے اسے اور پہلے آدمی کو کہا: تم دونوں پیچھے ہو جاؤ اور جو سرگوشیاں کرنا چاہتا تھا اس کے ساتھ سرگوشی کی۔ اسے امام موطا نے نقل کیا ہے۔ اس میں علت پر تنبیہ بھی ہے۔ من اجل ان یحزنہ۔ یعنی اس کے دل میں ایسی بات واقع ہو جو اسے غمگین کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دل میں سوچے کہ یہ بات اس کے متعلق ہے جو اسے ناپسند ہے یا انہوں نے اسے اس کے اہل نہیں سمجھا کہ وہ اسے اپنی بات میں شریک کریں اس کے علاوہ شیطان کے وسوس اور نفس کے توہمات ہو سکتے ہیں یہ سب صورتیں تب ہو سکتی ہیں کہ وہ اکیلا رہ گیا ہو جب اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو وہ اس سے امن میں ہوگا اس علت کی بنا پر تمام عدد اس حکم میں برابر ہوں گے۔ چار ایک کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں اور دس ایک کو چھوڑ کر اسی طرح ایک ہزار کیونکہ یہی وجہ اس عدد میں بھی پائی جا رہی ہے بلکہ کثیر تعداد میں اس کا وجود زیادہ وقع ہے اس لیے اسے منع کرنا زیادہ مناسب ہے۔ تین کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ یہ پہلا وہ عدد ہے جس میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ظاہر تمام زمانوں اور احوال کو شامل ہے؛ اسی طرف حضرت ابن عمر، امام مالک اور جمہور گئے ہیں۔ خواہ سرگوشی کسی مستحب امر میں ہو، مباح میں ہو یا واجب میں ہو کیونکہ غم اس میں واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ یہ حکم منافقین کے بارے میں تھا منافق مومنوں کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے جب اسلام عام ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا۔ بعض نے کہا: یہ حکم سفر میں ایسے مواقع پر ہوتا ہے جس میں ایک آدمی اپنے ساتھی سے امن میں نہیں ہوتا جہاں تک شہر اور آبادی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہاں وہ ایسے شخص کو پاتا ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے سفر کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہاں دھوکہ کا امکان ہوتا ہے اور مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا ۚ فَيَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

”اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لیے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے جو

تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو ظلم دیا گیا درجات بلند فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ جب اس امر کی وضاحت کی کہ یہودی آپ کو ایسے انداز میں سلام کرتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں کیا اور اس امر پر ان کی مذمت کی ساتھ ہی انہیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حسن ادب کا حکم دیا تاکہ وہ آپ پر مجلس کو تنگ نہ کر دیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ باہم شفقت اور محبت کا اظہار کریں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ کھلی کر دیں تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات سن سکیں اور آپ کا دیدار کر سکیں۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: صحابہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں باہم مقابلہ کیا کرتے تھے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ کھلی کر دیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں مراد قتال کی مجالس ہیں جب وہ جنگ کرنے کے لیے صف بندی کیا کرتے تھے (2)۔ حضرت حسن بصری اور یزید بن ابی حبیب نے کہا: نبی کریم ﷺ جب مشرکوں سے جنگ کرتے تو آپ کے صحابہ پہلی صف میں کھڑا ہونے کو پسند کرتے تھے وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ نہ چھوڑتے وہ قتال اور شہادت میں رغبت رکھتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران: 121) مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ صفہ میں موجود تھے جمعہ کے روز جگہ میں تنگی ہو جاتی نبی کریم ﷺ بدری مہاجرین و انصاری کی تعظیم کرتے بدری صحابہ آئے ان میں حضرت ثابت بن قیس بن ثمال تھے ان سے پہلے ہی لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بدری صحابہ نبی کریم ﷺ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ ان کے لیے جگہ کھلی کر دی جائے گی تو لوگوں نے ان کے لیے جگہ کھلی نہ کی یہ امر نبی کریم ﷺ کو شاق گزرا آپ کے ارد گرد جو غیر بدری صحابہ موجود تھے آپ نے انہیں فرمایا: "اے فلاں تو اٹھ، اے فلاں تو اٹھ" اتنے افراد کا نام لیا جس قدر بدری صحابہ کھڑے تھے جسے اٹھایا گیا اس پر یہ امر شاق گزرا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں سے ناگواری کے آثار محسوس کر لیے۔ منافقوں نے آنکھوں سے اشارے کیے اور یہ کہا: ان سے انصاف نہیں ہوا انہوں نے اپنے نبی کے قرب کو پسند کیا اور پہلے آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تَفَسَّحُوا کا معنی ہے کھل جاؤ۔

فسح فلان لأخيه في مجلسه يفسح فسحا یعنی اس کے لیے جگہ کو کھلا کر دیا؛ اسی معنی میں ان کا قول ہے بلد فسیح ولت في كذا فسحة شبر کھلا ہے تیرے لیے اس میں وسعت ہے فسح يفسح کا باب منع یمنع کی طرح ہے معنی ہے بیٹھنے والی جگہ کو کھلا کر دیا۔ فسح يفسح فسحة جس طرح کمر یکر کمر کمر امة یعنی کھلا ہو گیا اسی معنی میں مکان فسیح ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** سلمیٰ، زر بن جیش اور عاصم نے فی المجالس پڑھا ہے۔ قتادہ، داؤد بن ہند اور حسن بصری نے ان سے اختلاف کیا ہے جب کہ باقی قراء نے تفسحوا فی المجلس پڑھا ہے۔ جس نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ اس امر کی خبر



دیتا ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح اگر جنگ کا ارادہ کیا جائے اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد نبوی کا ارادہ کیا جائے۔ صیغہ جمع کا ذکر کیا کہ ہر بیٹھنے والے کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اگر مجلس سے مراد نبی کریم ﷺ کی مجلس ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ جنس کے اعتبار سے جمع مراد ہو جس طرح عربوں کا قول ہے: کثر الدینار والدھم۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ ہر مجلس میں عام ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے لیے جمع ہوں خواہ جنگ کی مجلس ہو، ذکر کی مجلس ہو یا جمعہ کے دن کی مجلس ہو کیونکہ ہر ایک ایسی جگہ کا زیادہ حق دار ہے جس کی طرف وہ سبقت لے گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو ایسی جگہ کی طرف سبقت لے گیا جس کی طرف پہلے کوئی سبقت نہیں لے گیا تھا تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے مگر وہ اپنے بھائی کے لیے جگہ وسیع کر دے جب تک اس سے اذیت میں مبتلا نہ ہو کہ کہیں تنگی اسے اپنی جگہ سے ہی نہ نکال دے۔“

امام مسلم حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کوئی آدمی کسی آدمی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس میں خود بیٹھے“ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا کہ ایک آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے اور اس میں کوئی آدمی بیٹھے، بلکہ کھل جاؤ اور جگہ کو وسیع کر دو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر اسی جگہ بیٹھے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** جب لوگوں میں سے کوئی مسجد کی ایک جگہ میں بیٹھے تو کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ اسے اٹھائے اور اس کی جگہ بیٹھے۔ امام مسلم نے ابو زبیر سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو جمعہ کے روز اپنی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف آئے اور اس میں بیٹھ جائے بلکہ کہے کھل جاؤ۔“

مسئلہ۔ کسی جگہ بیٹھنے والا شخص جب اٹھے یہاں تک کہ کوئی اور اس کی جگہ بیٹھ جائے تو اس میں غور و فکر کیا جائے گا اگر وہ جگہ جس کے لیے وہ اٹھا ہے وہ امام کا کلام سننے میں پہلے کی طرح ہے تو اس کے لیے یہ مکروہ نہیں اگر وہ جگہ امام سے دور ہے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے کیونکہ اس میں اپنے حصہ کو فوت کرنا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** جب کوئی انسان دوسرے انسان کو کہے کہ وہ جامع مسجد کی طرف جلدی جائے وہ اس کے لیے ایک جگہ مختص کر دے جہاں وہ آ کر بیٹھے تو یہ مکروہ نہیں جب کہنے والا آئے تو پہلے سے موجود شخص اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو کیونکہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابن سیرین کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے غلام کو جمعہ کے روز بھیجتے کہ وہ ان کے لیے جگہ بنائے وہ غلام ان کے لیے ایک جگہ بیٹھ جاتا جب وہ آتے تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا۔

**مسئلہ۔** اس صورت میں یہ مسئلہ مستحب کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی قالین یا سجادہ بھیجے تو مسجد کی کسی جگہ اس کے لیے بچھا دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 5۔** امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا قام احدکم اور ابو عوانہ کی حدیث میں ہے من قام من مجلس یعنی جو آدمی اپنی جگہ سے اٹھا پھر وہ اسی جگہ کی طرف لوٹا تو وہ

اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا قول صحیح ہے جو یہ کہتا ہے کہ بیٹھنے والا اپنی جگہ کے لیے خاص ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے کیونکہ وہاں سے اٹھنے کے بعد جب وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے تو اس سے پہلے تو بدرجہ اولیٰ اسی جگہ کا مستحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس جگہ کا اس کے لیے خاص ہونا بطور ندب ہے کیونکہ یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں نہ بیٹھنے سے پہلے اور نہ ہی بیٹھنے کے بعد۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں لیکن یہ جگہ اس کے لیے خاص رہے گی یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو وہ جگہ اسی طرح ہو جائے گی گویا وہ اس کی منفعت کا مالک ہے کیونکہ کسی دوسرے فرد کو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ مزاحمت کرے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** يَفْجِ اللَّهُ لَكُمْ آلِهَةً تَعَالَى تَهَارَى قُبُورٍ فِي وَسْعَتٍ پيدا کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے دلوں میں وسعت پیدا کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا و آخرت میں تمہارے لیے وسعت پیدا کر دے گا (1)۔

وَإِذَا قِيلَ انْشُرُوا فَاَنْشُرُوا نَافِعٌ، ابن عامر اور عاصم نے دونوں میں شیعین کو مضموم پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح يُغْكَفُونَ اور يُغْفِرُونَ ہے اس کا معنی ہے نماز، جہاد اور عمل خیر کے لیے اٹھو؛ یہ اکثر مفسرین نے کہا۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: جب نماز کے لیے اذان کہی جائے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہو اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگ نماز سے سستی کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ ابن زید نے کہا: یہ حکم نبی کریم ﷺ کے گھر کے متعلق ہے ہر ایک آدمی یہ پسند کرتا کہ وہ سب سے آخر میں نبی کریم ﷺ کے گھر میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں نبی کریم ﷺ کی جانب سے کہا جائے اٹھو تو اٹھ جاؤ کیونکہ آپ کی کچھ ضروریات ہیں تو اس لیے رکے نہ رہو۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے جب تم کو معروف امر کی دعوت دی جائے تو اس پر لبیک کہو؛ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ اور نشز کا معنی بلند ہونا ہے یہ نشز الأرض سے ماخوذ ہے اس سے مراد زمین کا بلند ہونا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نَشَزَ يَنْشُرُ دَ يَنْشُرُ جب وہ اپنی جگہ سے اوپر اٹھ جائے۔ امرأة ناشزة یعنی وہ عورت جو اپنے خاوند سے علیحدگی اختیار کرے۔ اس کی اصل نشز ہے نشز کا معنی ہے جوزمین سے اوپر اٹھ جائے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ یعنی آخر میں ثواب اور دنیا میں کرامت میں درجات بلند فرمائے گا، اللہ تعالیٰ مومن کو غیر مومن پر بلند کرے گا اور عالم کو غیر عالم پر بلند کرے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کی مدح کی ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ علماء کو ان مومنوں پر درجہ میں بلند کرے گا جن کو علم نہیں دیا گیا جب کہ وہ ان امور کو بجالائیں جن کا انہیں حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنی لوگ ناپسند کرتے تھے کہ ان کے ساتھ وہ آدمی مل بیٹھے جو ان کا لباس زیب تن کرتا ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں جلدی جائے تو خطاب ان



کو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک غنی کو دیکھا جو ایک فقیر سے نفرت کی وجہ سے اپنے کپڑے کو سمیٹ رہا تھا جس فقیر نے اس کے پاس بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے فلاں! کیا تجھے ڈر ہوا کہ تیری غنا اس کی طرف متعدی ہو جائے گی یا اس کا فقر تیری طرف متعدی ہو جائے گی۔“

اس آیت میں اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رفعت و بلندی علم و ایمان کے ساتھ ہے مجالس میں آگے بیٹھنے کے ساتھ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ** سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو پڑھا۔ یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: **يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ** سے مراد صحابہ ہیں۔ **وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ** دَرَجَاتٍ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے عالم اور حق کے طالب کو بلند فرماتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مسئلہ میں عموم زیادہ وقع اور آیت کے معنی کے زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ مومن کو اس کے ایمان کے ساتھ اور دوسری دفعہ اس کے علم کے ساتھ بلند فرماتا ہے۔ صحیح میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس کو صحابہ پر مقدم رکھتے تھے صحابہ نے آپ سے اس بارے میں گفتگو کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بلایا اور حضرت عبد اللہ بن عباس کو بھی بلایا صحابہ سے **إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ** کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو صحابہ خاموش ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت ہے جس بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسے وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حسر بن قیس بن حصن کے ہاں ٹھہرے لوگوں میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں حضرت عمر اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ قراء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحاب مجلس اور اہل مشورہ ہوا کرتے تھے وہ بڑی عمر کے ہوتے یا جوان ہوتے۔ یہ چیز سورہ اعراف کے آخر میں واقع ہوئی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نافع بن عبد حارث حضرت عمر سے عسفان میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکہ مکرمہ کا عامل بنانا چاہتے تھے۔ پوچھا: اہل وادی پر کس کو آپ نے عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: ابن ابزی کو۔ پوچھا: ابن ابزی کون ہے؟ جواب دیا: وہ ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ پوچھا: کیا آپ نے ان پر ایک غلام کو عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا قاری ہے، وہ فرائض کا علم رکھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار! تمہارے نبی نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کئی لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور اس کے ذریعے دوسروں کو پست کرتا ہے۔“ کتاب کے شروع میں بحث گزر چکی ہے۔ علم و علماء کی فضیلت کے حوالے سے گفتگو اسی کتاب میں کئی اور مواقع پر گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے کہ فرمایا: ”عالم اور عابد کے درمیان ستر درجے ہیں اور ہر درجے کے درمیان ضامر گھوڑے کی ستر سال کی مسافت حائل ہے۔“ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے: ”عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودہویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔“ آپ سے یہ بھی مروی ہے: قیامت کے روز تین

قسم کے افراد شفاعت کریں گے انبیاء، علماء اور شہداء۔ اس مقام کی عظمت کو تصور کر جو نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم، مال اور ملک میں اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو پسند کیا تو مال اور ملک آپ کو ساتھ میں دے دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ  
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرٌ ۚ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

”اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (دلوں کو) کو پاک کرنے والی ہے، اور اگر تم (اس کی سکت) نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“  
اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ، نَاجَيْتُمْ یعنی تم رازداری سے بات کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بے شمار مسائل پیش کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ آپ کے لیے مشکلات پیدا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے نبی ﷺ سے اس پریشانی میں کمی کر دے۔ جب یہ کہا تو بہت سے لوگ رک گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت کے ساتھ اس میں تخفیف کر دی۔ حضرت حسن بصری نے کہا یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ سے تنہائی میں ملتے اور آپ سے سرگوشیاں کرتے تو مسلمانوں میں سے ایک قوم نے گمان کیا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ان کے نقائص بیان کرتے ہیں تو یہ چیز ان پر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے رازداری سے بات کرنے پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ خلوت میں بات کرنے سے رک جائیں۔

زید بن اسلم نے کہا: یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ منافقین اور یہودی نبی کریم ﷺ سے سرگوشیاں کرتے اور کہتے: یہ کان کے کچے ہیں جو کچھ انہیں کہا جائے اسے مان لیتے ہیں، وہ کسی کو مناجات سے منع نہیں کرتے۔ یہ امر مسلمانوں پر شاق گزرتا کیونکہ شیطان ان کے نفوس میں یہ القاء کرتا کہ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کی ہے کہ کچھ لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَلَا تَتَّخِذُوا بِاللَّيْلِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَهَذَا رُكْنٌ مِّنْ دِينِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَخْبَرُ ۚ اس آیت کو نازل فرمایا تو اہل باطل سرگوشی کرنے سے رک گئے کیونکہ انہوں نے سرگوشی سے قبل صدقہ نہ کیا۔ یہ امر اہل ایمان پر شاق گزرا اور وہ بھی سرگوشی کرنے سے رک گئے کیونکہ ان کی کثیر تعداد صدقہ پیش کرنے سے عاجز تھی تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان سے تخفیف فرمادی۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا (1): زید سے مروی اس خبر میں ایسی چیز ہے جو اس بات پر دال ہے کہ احکام مصالح کے اعتبار سے مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرٌ پھر اس کے خیر اور پاکیزہ ہونے کے



باوجود اسے منسوخ کر دیا۔ یہ معتزلہ پر عظیم رد ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ احکام میں مصالح کا التزام ضروری ہے لیکن اس حدیث کا راوی عبدالرحمن ہے جو زید کا بیٹا ہے علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَظْهَرُ** یہ معتزلہ کے رد میں نص متواتر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ امام ترمذی نے علی بن علقمہ انماری سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ** نازل ہوئی تو میں نے آپ سے پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: ”وینار کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”نصف دینار؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”تو کتنا؟“ میں نے عرض کی: جو (کے برابر وزن) فرمایا: ”تو تو بہت ہی زہد اختیار کرنے والا ہے“ تو یہ آیت نازل ہوئی **ءَاَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتْ** کہا: میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف فرمائی۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اسی سند سے ہی پہچانتے ہیں۔ ان کے قول شعیرہ (جو) کا معنی ہے سونے میں سے جو کا وزن۔ ابن عربی نے کہا: یہ امر دو اصولی اچھے مسالوں پر راہنمائی کرتا ہے (۱) عبادت پر عمل سے پہلے ہی منسوخ کرنا (۲) معین مقداروں میں قیاس کے ذریعے غور و فکر کرنا جب کہ امام ابو حنیفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

میں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ نسخ صدقہ کے فعل کے بعد ہوا۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اس بارے میں سب سے پہلے صدقہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ سرگوشی کی۔ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے انگٹھی کا صدقہ کیا۔ قشیری اور دوسرے علماء نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت ہے جس پر مجھ سے قبل کسی نے عمل نہیں کیا اور میرے بعد اس پر کوئی عمل نہیں کرے گا وہ یہ آیت ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ** میرے پاس ایک دینار تھا جس کو میں نے بیچا جب میں رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرتا تو میں ایک درہم صدقہ کرتا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔ تو اسے ایک دوسری آیت کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا **ءَاَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتْ**۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بعد والی آیت سے منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: حضرت علی شیر خدا کے لیے تین خصوصیات ایسی تھیں اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ (۱) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح (۲) غزوہ خیبر کے موقع پر جھنڈے کا عطا کیا جانا (۳) سرگوشی والی آیت۔ **ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَظْهَرُ** روکنے سے یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور نافرمانیوں سے پاکی کے لیے تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ **فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** ۱۰ اے فقراء! اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

**ءَاَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتْ ۖ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا**

## تَعْمَلُونَ ۝

”کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیے پس جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس (اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ءَأَشْفَقْتُمْ یہ جملہ استفہامیہ ہے اور کلمہ استفہام قد کے معنی میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے تم صدقہ کرنے میں بخل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ڈرتے ہو۔ اشفاق سے مراد ناپسندیدہ چیز سے خوف کھانا ہے (1)، یعنی تم ڈر گئے، صدقہ میں بخل کیا اور یہ امر تم پر شاق گزرا۔ اَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ مقاتل بن حیان نے کہا: یہ حکم دس دن تک رہا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ کلبی نے کہا: یہ حکم صرف ایک دن کے لیے رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ حکم دن کی چند گھڑیوں کے لیے رہا یہاں تک کہ منسوخ ہو گیا؛ قتادہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَاذْلَمْتُمْ تَفْعَلُوا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ یہ خطاب ان کو ہے جس نے ایسا مال پایا جس کو وہ صدقہ کر سکتا تھا۔ فَاَقِمْوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ فرض زکوٰۃ نے اس صدقہ کو منسوخ کر دیا۔ یہ امر اس پر دال ہے کہ فعل سے پہلے فسخ کرنا جائز ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے جو مروی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاذْلَمْتُمْ تَفْعَلُوا یہ اس امر پر دال ہے کہ کسی نے بھی کوئی چیز صدقہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ اس کے فرائض میں اس کی اطاعت کرو اور سنن میں اس کے رسول کی اتباع کرو۔  
وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلّٰوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۚ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكُذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۚ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْا اٰيٰتِنَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ

## عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا اس قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا، نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب، بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پس وہ (اسی طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، سو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدَرَهُ نَبَا: مراد منافق ہیں جنہوں نے یہودیوں سے دوستی کی صَاحِبُكُمْ وَلَا مِنْهُمْ اللَّهُ تَعَالٰی ارشاد فرماتا ہے: منافق یہودیوں اور مسلمانوں میں سے نہیں بلکہ وہ ان دونوں طبقات کے درمیان مذذب ہیں۔ وہ مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچاتے تھے۔ سدی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت عبد اللہ بن ابی اور عبد اللہ بن نبیل منافق کے حق میں نازل ہوئی ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا تھا پھر آپ کی گفتگو یہودیوں تک پہنچاتا تھا۔ اس اثناء میں کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ میں سے ایک حجرہ میں تھے کہ فرمایا: ”ابھی تم پر ایک ایسا آدمی داخل ہوگا جس کا دل جبار کا دل ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے“۔ تو عبد اللہ بن نبیل داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں نیلی، رنگ گندم گوں، قد چھوٹا اور داڑھی کے بال تھوڑے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟“ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: ”تو نے ایسا کیا ہے“۔ وہ گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا تو انہوں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی کہ انہوں نے آپ کو گالی نہیں دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے ہم معنی قول کیا ہے۔ عکرمہ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے سایہ آپ سے سمٹنے والا تھا کہ آپ نے فرمایا: ”تمہارے پاس ابھی ایسا آدمی آئے گا جس کی آنکھیں نیلی ہوں گی وہ تمہیں شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا“ ہم اسی طرح تھے کہ ایک آدمی آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں نبی کریم ﷺ نے اسے بلایا فرمایا: ”تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟“ اس نے جواب دیا: مجھے چھوڑ دیں میں انہیں لے آتا ہوں۔ وہ گیا اور انہیں لے آیا، ان سب نے قسم اٹھادی کہ ایسی کوئی بات نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہودیوں کا ذکر قرآن حکیم میں غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ اللَّهُ تَعَالٰی نے منافقوں کے لیے جہنم میں شدید عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ درک اسفل ہے إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ یعنی ان کے اعمال کتنے برے ہیں۔

إِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً وَه قَتْلُ سے بچنے کے لیے قسم کو ڈھال بناتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: یہاں ایسا نہم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سورۃ المنافقون میں بھی اسی طرح ہے انہوں نے اپنے اقرار کو ڈھال بنا لیا ان کی زبانیں قتل کے خوف سے ایمان لائی ہیں اور ان کے دلوں نے کفر کیا ہے۔

فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ دنیا میں قتل اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ صد سے مراد اسلام سے روکنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے مراد کفر کی وجہ سے قتل ہے جب انہوں نے نفاق کو ظاہر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ عذاب خوف پیدا کرنے، مسلمانوں کو جہاد سے روکنے اور ان کو ڈرانے کی وجہ سے ہوگا۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ

فَأَنسِبُهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٠﴾

”کچھ نفع نہ پہنچائیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الہی سے بچانے کے لیے، یہ لوگ جہنمی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھالے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کس مفید چیز پر تکیہ کیے ہیں، خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں تسلط جمالیایا ہے ان پر شیطان نے اور اس نے، اللہ کا ذکر انہیں فراموش کر دیا ہے، یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں، خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔“

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَعْنِي اس کے عذاب سے کچھ نفع نہ دے گا۔ مقاتل نے کہا: منافقوں نے کہا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کی مدد کی جائے گی تو اس وقت یقیناً ہم بد بخت ہوں گے اللہ کی قسم! اگر قیامت ہوئی تو قیامت کے روز ہماری مدد کی جائے گی ہماری ذاتوں، ہماری اولادوں اور ہمارے اموال کی وجہ سے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا اللَّهُ تَعَالَى انہیں جس روز دوبارہ اٹھائے گا ان کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ فَيُخَلِّفُونَ لَهُ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكُمْ وہ اس روز اسی طرح اس کے لیے قسم اٹھائیں گے جس طرح آج وہ تمہارے لیے قسم اٹھاتے ہیں۔ یہ عجب امر ہے وہ ان کا قسم کے ساتھ مغالطہ پیدا کرنا ہے، جب کہ تمام معارف عیاں ہو چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کا یہ قول ہے وَاللَّهِ مَا تَبْنَانَا كَمَا مُشِرْ كَيْنَ ﴿٥١﴾ (الانعام)

وَيَخْسِبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ یعنی انکار کرنے اور قسم اٹھانے کے ساتھ۔ ابن زید نے کہا: انہوں نے گمان کیا کہ وہ آخرت میں انہیں نفع پہنچائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دنیا میں گمان کریں گے کہ وہ بہت بڑی چیز پر قائم ہیں کیونکہ آخرت میں وہ مجبور ہو کر حق کو جانیں گے، جب کہ پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا اعلان کرے گا: اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنے والے کہاں ہیں؟ تو قدر یہ انھیں گے جب کہ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی، ان کی باجھیں ایک طرف مائل ہوں گی، ان کا لعاب بہہ رہا ہو گا تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم نے تیرے سوا کسی سورج، کسی چاند، کسی بت کی عبادت نہیں کی اور ہم نے تیرے سوا کسی کو اپنا الہ نہیں بنایا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا، ان تک شرک ایسی جگہ سے پہنچے گا جسے وہ نہیں جانتے ہوں گے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اللہ کی قسم! وہ قدر یہ ہیں یہ تین دفعہ قسم اٹھائی (1)۔

إِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا ہے یعنی دنیا میں اپنے دوسرے کے ساتھ ان پر غالب آ گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ان پر قوی ہو گیا ہے۔ مفصل نے کہا: اس نے ان کا احاطہ کر لیا ہے۔ یہ چوتھے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے شیطان نے انہیں جمع کر لیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اِخْوَذَ الشَّيْءُ اسے جمع کر دیا اور اس کے بعض کو بعض سے ملا دیا جب



انہیں جمع کر لیا تو وہ ان پر غالب آ گیا، ان پر قوی ہو گیا اور ان کو احاطہ میں لے لیا۔

فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ذَكَرَ اسے اس کے اوامر مراد ہیں۔ جب انسان طاعت کر رہا ہے تو اوامر کو بھلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد زواجر ہیں یعنی اس کی معصیت سے جو جھڑکنے والی چیزیں تھیں، انہیں بھلا دیا۔ نسیان کبھی غفلت کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی ترک کی صورت میں ہوتا ہے یہاں دونوں وجوہ کا احتمال ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ حِزْب سے مراد طائفہ اور رھط ہے۔ اَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَسِرُونَ ① یعنی وہ اپنی تجارت میں خسارے پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جہنم کے بدلے جنت کو بیچ دیا ہے اور گمراہی کے بدلے ہدایت کو بیچ دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْآذِلِينَ ② كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ③ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ④

”بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے اُولَٰئِكَ فِي الْآذِلِينَ ② وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں کَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبَنَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں ضرور غالب کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے: یہ قتادہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: کَتَبَ یہ قال کے معنی میں ہے۔ انا یہ ضمیر تاکید کے لیے ہے۔ وَرُسُلِي جس کو جہاد کے حکم کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ جہاد کے ساتھ غالب آئے گا، جس کو حجت کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ حجت کے ساتھ غالب آئے گا۔ مقاتل نے کہا: مومنوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکہ مکرمہ، طائف، خیبر اور اس کے ارد گرد کے علاقوں پر فتح دی تو ہم امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فارس اور روم پر بھی فتح دے گا۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے کہا: کیا تم روم اور فارس کو ان دیہاتوں کی طرح سمجھتے ہو جن پر تم غالب آ گئے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور قوت میں اس سے بہت سخت ہیں جتنا تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو تو یہ آیت نازل ہوئی اسی کی مثل وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْيَوْمَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ⑤ اُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ⑥ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ⑦ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ⑧ اُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ⑨ اَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑩

”تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر پھر وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ

اور اس کے رسولوں کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے، اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہ، (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِفُوا لِمَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَلَا تَفَتَحُونَ قُلُوبَكُمْ لِلَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قُلُوبُكُمْ مَقْفُولَةٌ يَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ

سے دوستی رکھتے ہو۔

مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ سَدَى نے کہا: یہ آیت عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے پانی نوش کیا انہوں نے عرض کی: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ آپ اپنے پانی میں سے کوئی چیز باقی چھوڑتے جسے میں اپنے باپ کو پلاتا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے دل کو پاکیزہ بنا دیتا؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے پانی چھوڑ دیا تو وہ پانی عبد اللہ بن ابی کے پاس لے آیا۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کا بچا ہوا پانی ہے تاکہ تو اسے پیے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تیرے دل کو پاکیزہ بنائے۔ اس کے باپ نے اسے کہا: تو اپنی ماں کا بول کیوں نہیں لے آیا وہ اس پانی سے پاکیزہ تر تھا۔ بیٹا غضب ناک ہو گیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بلکہ تو اس کے ساتھ نرمی کر اور اس پر احسان کر“ (1)۔

ابن جریج نے کہا: مجھے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو قحافہ نے نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہا ان کے بیٹے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک تھپڑ مارا اور وہ اپنے منہ کے بل گر گیا۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر آپ سے کیا۔ فرمایا: ”کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ آئندہ ایسا نہ کرنا“۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اگر تلواریں میرے قریب ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ احد کے موقع پر انہوں نے باپ جراح کو قتل کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم بدر کو قتل کیا تھا۔ جراح حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتا اور حضرت ابو عبیدہ ایک طرف ہو جاتے۔ جب یہ سلسلہ بار بار ہوا تو حضرت ابو عبیدہ نے اسے قتل کر دیا جب انہوں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ واقعہ یہ کہ اہل شام بھی یہ کہتے ہیں میں نے بنی حریث بن فہر کے لوگوں سے پوچھا انہوں نے کہا: حضرت ابو عبیدہ کے والد تو دور اسلام سے قبل فوت ہو چکے تھے۔



اَوْ اَبْنَاءَهُمْ مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو دعوت مبارزت دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے لطف اندوز کر کیا تو نہیں جانتا کہ تو میرے ہاں کان اور آنکھ کی طرح ہے۔“ اَوْ اِخْوَانَهُمْ مراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا۔ اَوْ عَشِيرَتَهُمْ مراد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن قتل کیا تھا اور حضرت علی شیر خدا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے بدر کے دن عتبہ، شیبہ اور ولید کو قتل کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی جب فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے متعلق انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھا۔ جس کی وضاحت سورہ ممتحنہ کے شروع میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ اس امر کو واضح کیا کہ کفار کی دوستی کی وجہ سے ایمان میں فساد برپا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ قریبی ہوں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قدر یہ سے دشمنی کی جائے اور ان کی صحبت کو ترک کر دیا جائے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: قدر یہ کی صحبت میں نہ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان سے دشمنی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (1) میں کہتا ہوں: اہل قدر سے مراد تمام ظلم و عدوان والے ہیں۔ ثوری سے مروی ہے انہوں نے کہا: علماء خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو سلطان کے مصاحب ہوتے تھے۔ عبدالعزیز بن ابی داؤد سے مروی ہے کہ وہ طواف میں منصور سے ملا جب منصور کو پہچانا تو اس سے دور بھاگ گیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کہتے: ”اے اللہ! کسی فاجر کے لیے میرے ہاں کوئی نعمت نہ بنا، بے شک تو نے جو جی میری طرف کی ہے میں نے اس میں پایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ رَأْسُ لَدُوْلُو كَانُوا اَبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيرَتَهُمْ“ اُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ (2) یعنی ان کے دلوں میں تصدیق پیدا کر دی۔ مراد ہے جس نے اس سے دوستی نہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ کتب کا معنی ثبت کرنا ہے؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جعل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَكَتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران) یعنی ہمیں شاہدوں کا ساتھی بنادے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کتب کا معنی جمع کرنا ہے؛ اسی سے الکتیبہ کا لفظ ہے یعنی وہ ان میں سے نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ عام قرأت کاف کے فتح کے ساتھ ہے اور ایمان کا نون منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ابوالعالیہ، زر بن حبیش اور مفصل نے عاصم سے کتب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور الایمان کو نون کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ زر بن حبیش نے وَعَشِيرَتَهُمْ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش نے ابوبکر سے وہ عاصم سے یہی روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمْ

کتب علی قلوبہم کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: فِی جُذُوعِ النَّخْلِ (طہ: 71) یہ عی جذوع النخل کے معنی میں ہے۔  
 قلوب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ ایمان کا مکمل ہے۔

وَ اَيَّدَهُمْ یعنی انہیں قوت بہم پہنچائی اور ان کی مدد کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح کا معنی نصر ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: قرآن اور دلائل کے ساتھ ان کی مدد کی۔ ابن جریج نے کہا: نور، ایمان، برہان اور ہدایت کے ساتھ ان کی مدد کی۔  
 ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ روح سے مراد رحمت ہے۔ بعض نے کہا: حضرت جبریل امین کے ساتھ ان کی مدد کی (1)۔

وَيَذِخْلَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدُوا فِيهَا رَاضِينَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَهَا رَاضِينَ سے مراد ہے ان کے اعمال کو قبول کیا۔ وَ رَاضُوا عَنْهُ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا اس پر وہ خوش ہیں۔ اُولَئِكَ جِزْبُ اللَّهِ اَلَا اِنَّ جِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ سعید بن ابی سعید جرجانی نے اپنے بعض مشائخ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے اللہ! تیری جماعت کون سی ہے اور تیرے عرش کے ارد گرد رہنے والے کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے داؤد! جن کی آنکھیں جھکی ہوئی، جن کے دل پاکیزہ، جن کے ہاتھ ظلم سے محفوظ ہیں وہ میری جماعت اور میرے عرش کے ارد گرد رہنے والے ہیں۔



## سورۃ الحشر

﴿اسما ۲۳﴾ ﴿۵۹ سورۃ الحشر مکیہ ۱۰۱﴾ ﴿مکعاقبا ۲﴾

تمام علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی چوبیس آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے سورہ حشر پڑھی تو جنت، جہنم، عرش، کرسی، آسمان، زمین، کیڑے مکوڑوں، بادلوں، پرندوں، چوپاؤں، درختوں، پہاڑوں، سورج، چاند، فرشتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر اس کے لئے دعا مانگتی ہے اور بخشش طلب کرتی ہے اگر وہ اس روز یا اس رات مر جائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے۔“ اسے ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

ثعلبی نے حضرت یزید رقاشی سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سورہ حشر کی آخرت آیات کو پڑھا تو اُنزلنا ہذا تو جو اسی رات فوت ہو گیا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا“ (1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے صبح کے وقت تین دفعہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور سورہ حشر کی آخری تین آیات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے، اگر وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو شہید کی حیثیت سے فوت ہوتا ہے اور جو شام کے وقت یہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔“ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

”اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔“ اس کی وضاحت سورہ حدید کی پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَاَتَتْهُمْ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي

## الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ①

”وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اس کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلا وطنی کے وقت تک تم نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا کہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ کا قہر اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اسے دیدہ ہمارے دیکھنے والو!“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مُوَالِذِیْ أَخْرَجَ الذِّنِّیْنَ کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: یہ سورہ حشر ہے؟ فرمایا: کہو سورہ نصیر یہ: یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب بنو اسرائیل مصائب کا شکار ہوئے تو یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں مدینہ طیبہ آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام پر اس امر کو بیان کیا تھا (1)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** لَا أُولِی الْاَحْشٰی حشر کا معنی جمع ہوتا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں: دو حشر دنیا میں اور دو حشر آخرت میں ہونگے۔ جو دنیا میں ہوگا اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: مُوَالِذِیْ أَخْرَجَ الذِّنِّیْنَ کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لَا أُولِی الْاَحْشٰی زہری نے کہا: وہ ایسے خاندان سے تھے انہیں جلا وطنی کی معیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی کو فرض کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا (2)۔ اول حشر سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں شام کی طرف جمع کیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا: جسے اس میں شک ہو کہ کیا محشر شام میں ہے تو وہ اس آیت کو پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ”تم یہاں سے نکل جاؤ“۔ انہوں نے عرض کی: کہاں جائیں؟ فرمایا: ”ارض محشر کی طرف“۔ حضرت قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ پہلے اہل کتاب ہیں جنہیں نکالا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک سے جلا وطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیبر کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ اور لَا أُولِی الْاَحْشٰی کا معنی ہے انہیں ان کے قلعوں سے خیبر کی طرف نکالا گیا۔ اور دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خیبر سے نجد اور اذرنات کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیاء اور اریحاء کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ ان کو یہ سزا ان کے کفر اور وعدہ توڑنے کی وجہ سے دی گئی۔ جہاں تک دوسرے حشر کا تعلق ہے: یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ہی رات گزارے گی، جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہاں آگ بھی قیلولہ کرے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ انہیں کھا جائے گی۔ یہ حدیث



صحیح ثابت ہے ہم نے اسے ”کتاب التذکرہ“ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے امام مالک سے عرض کی: اس حشر سے مراد ان کو ان کے گھروں سے جلا وطن کرنا ہے؟ آپ نے مجھے فرمایا: قیامت کے روز حشر، یہود کا حشر ہوگا فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کی طرف جلا وطن کیا جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے چھپایا، اس وجہ سے ان کی جلا وطنی حلال ہو گئی۔ ابن عربی نے کہا: حشر تین ہیں پہلا، درمیانی اور آخری۔ پہلا بنو نضیر کی جلا وطنی ہے۔ درمیانی بنو نضیر کی خیبر کی طرف جلا وطنی ہے؛ آخری قیامت کے روز ان کو ہانکنا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: مراد بنو قریظہ ہیں۔ باقی مفسرین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا بنو قریظہ کو جلا وطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا؛ ثعلبی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** الکیا طبری نے کہا: اہل حرب سے آج اس شرط پر صلح کرنا کہ بغیر کسی شرط کے انہیں ان کے گھروں سے جلا وطن کر دیا جائے یہ جائز نہیں یہ ابتداء اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا آج یا تو انہیں قتل کر دیا جائے گا، انہیں قیدی بنالیا جائے گا یا ان پر جزیہ نافذ کر دیا جائے گا۔

مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا مراد یہ ہے کہ یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں کے دلوں میں بڑا عظیم تھا، وہ بڑے محفوظ تھے، قوی تھے اور بڑے متحد تھے اس لیے مسلمان یہ گمان نہیں کرتے تھے۔ وَظَنُوا أَنَّهُمْ مَا نَعِثُهُمْ حُصُونُهُمْ ایک قول یہ کیا گیا: قلعوں سے مراد وٹح، نطاہ، سلام اور کتبہ ہے۔ مِّنَ اللَّهِ یعنی اللہ کے حکم سے۔ وہ بڑے اسلحہ اور محفوظ قلعوں والے تھے ان میں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہ رکھ سکی۔ فَأَشْهُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ کا امر اور اس کا عذاب انہیں آپہنچا۔

مِنْ حَيْثُ لَمْ يَخْتَسِبُوا جہاں انہیں گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں سے انہیں علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کعب بن اشرف کا قتل ہے؛ یہ قول ابن جریج، سدی اور ابوصالح نے کیا ہے۔

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کے ساتھ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جس صحابی نے اسے قتل کیا تھا وہ حضرت محمد بن مسلمہ حضرت ابوناٹلہ سلکان بن سلالہ بن وقش (جو کعب بن اشرف کے رضائی بھائی تھے) حضرت عباد بن بشر بن وقش، حضرت حارث بن اوس بن معاذ اور حضرت ابو عبس بن جبریلؓ تھے اس کا واقعہ سیرت کی کتاب میں مشہور ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے“ (1)۔ تو بنی نضیر کا محلہ جو ایک میل کی مسافت پر تھا وہاں آپ کی مدد کیوں نہ کی جاتی۔ یہ حضرت محمد ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ عام قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ یہ اخبار سے مشتق ہے یعنی وہ گرا دیتے ہیں۔ سلمیٰ، حضرت حسن بصری، نصر بن عاصم، ابوالعالیہ، قتادہ اور ابو عمرو نے یخربون قراءت کی ہے۔ یہ تخریب سے مشتق ہے۔ حضرت ابو عمرو نے کہا: میں نے تشدید کو اس لیے پسند کیا ہے کیونکہ اخبار کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو رہائش کے بغیر بے آباد چھوڑنا، جبکہ بنو نضیر نے اسے اس

طرح نہیں چھوڑا تھا انہوں نے اسے گرا کر برباد کیا تھا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ بِالْحَقِّ**۔ دوسرے علماء نے کہا: تخریب اور خراب کا معنی ایک ہی ہے اور تشدید، تکثیر کے معنی میں ہے۔ سیبویہ نے کہا: فعلت اور افعلت کا معنی ایک جیسا ہے جس طرح اُخربتہ اور خربتہ، اُفربتہ اور فربتہ، اُوبعید اور ابو حاتم نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مومن باہر سے انہیں اکھڑ رہے تھے تاکہ اندر داخل ہوں اور یہودی اندر سے اکھڑ رہے تھے تاکہ ان کے قلعے جو خراب کیے جا رہے ہیں انہیں درست کریں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ نہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ ﷺ کی مدد کریں گے۔

جب غزوہ بدر کے روز آپ کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے کہا: یہی وہ نبی ہیں جن کی تورات میں صفت بیان کی گئی ہے؛ تو اس کے جھنڈے کو لوٹا یا نہیں جاسکے گا (یعنی انہیں شکست نہ ہوگی)۔ جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہیں شک پڑ گیا اور انہوں نے اپنے معاہدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا، کعبہ معظمہ کے پاس ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو حکم دیا تو اس نے کعب کو ایک چال کے ذریعے قتل کر دیا پھر صبح کے وقت ان پر لشکروں سے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ”مدینہ طیبہ سے نکل جاؤ“۔ انہوں نے کہا: اس سے موت ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے۔ انہوں نے جنگ کے لئے اپنے حمایتیوں کو دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دس روز کے لئے رسول اللہ ﷺ سے مہلت طلب کی تاکہ وہ یہاں سے نکل جانے کی تیاری کر لیں۔ عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے انہیں خفیہ پیغام بھجوایا کہ وہ قلعوں سے نہ نکلیں۔ اگر مسلمان تم سے جنگ کریں تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور تمہیں بے یار مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، تو اکیس دنوں تک ان کی گلیوں اور قلعوں میں محبوس رکھا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہودی منافقوں کی مدد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے جلا وطنی کے سوا کسی بات پر اتفاق نہ کیا (1)۔ جس کی وضاحت بعد میں آرہی ہے۔

زہری، ابن زید اور حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: جب نبی کریم ﷺ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کے لیے وہ کچھ ہوگا جو اونٹ اٹھا کر لے جاسکے، تو وہ جو لکڑیاں اور ستون اچھے خیال کرتے تو اپنے گھروں کو گراتے اور انہیں اپنے اونٹوں پر باندھ لیتے باقی ماندہ کو مومن برباد کر دیتے۔

ابن زید سے یہ بھی مروی ہے، وہ اپنے گھروں کو اس لیے گرا رہے تھے تاکہ بعد میں مومن ان میں نہ رہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسلمان جب بھی ان کے گھروں میں سے کسی گھر پر غالب آتے تو اسے گرا دیتے تاکہ جنگ کا میدان وسیع ہو جائے جبکہ یہودی اپنے گھروں کی پچھلی جانب سے سوراخ کرتے تاکہ پچھلے گھر میں قلعہ بند ہو جائیں اور جس گھر سے نکالے گئے ہیں اس سے مومنوں پر تیر چلائیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ ان پر گلیوں کو بند کر دیں۔ مکرمہ نے کہا:



وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

جلاء اور اخراج اگرچہ دونوں کا معنی دور کرنا ہے تاہم دو وجوہ سے فرق ہے۔ (۱) جلاء وطنی اہل اور اولاد کے ساتھ ہوتی

ہے۔ اور اخراج کبھی اہل اور اولاد کو وہاں ہی رکھنے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ (۲) جلا وطنی صرف جماعت کے لئے ہوتی ہے اور اخراج کبھی ایک کے لیے اور کبھی جماعت کے لیے ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔  
 ذٰلِكَ یعنی وہ جلا وطنی بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وَمَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ طَلَحَ بن مصرف اور محمد بن سميع نے پڑھا۔ ومن يشاقت الله یعنی ہم جنس حروف کو اظہار کی سمت میں پڑھا ہے؛ جس طرح سورہ انفال میں ہے باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْ هَاقًا يَمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ⑤

”جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ، ماحل نصب میں ہے اس کو قَطَعْتُمْ نصب دے رہا ہے (1) گویا فرمایا: تم نے کس چیز کو کاٹا؟ اس کی وجہ یہ بنی جب نبی کریم ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ بویہ تھے یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف غزوہ احد کے موقع پر قریش کی مدد کی۔ آپ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا۔ علماء نے اس کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: صحابہ نے ان کے چھ کھجوروں کے درختوں کو کاٹا اور انہیں جلایا۔ محمد بن اسحاق نے کہا: صحابہ نے ایک درخت کو کاٹا اور اسے جلایا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے منع نہ کرنے کی وجہ سے تھا یا حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا۔ مقصود یا تو انہیں کمزور کرنا تھا یا ان درختوں کو کاٹ کر جگہ کو کھلا کرنا تھا۔ یہ امر یہودیوں کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ تم نبی ہو اور اصلاً پاتے ہو، کیا یہ کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور درختوں کو جلانا اصلاح احوال میں سے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس میں زمین میں فساد برپا کرنا مباح ہے؟ یہ بات حضور ﷺ کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوئی اور مومنوں نے بھی اپنے دلوں میں ایسی ہی بات پائی اور انہوں نے آپس میں اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں مال عطا کیا ہے اسے نہ کاٹو۔ بعض نے کہا: ان درختوں کو کاٹ دو تاکہ ہم ان کو غضب ناک کریں۔ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی تاکہ جنہوں نے درخت کاٹنے سے منع کیا تھا ان کی تصدیق کی جائے اور جنہوں نے انہیں کاٹنا تھا ان سے گناہ کو ختم کرنے کا اعلان ہو۔ اور اس امر کی خبر دی کہ انہیں کاٹنا اور ان کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ ان کے شاعر سہل بن عمرو نے اس بارے میں یہ اشعار کہے تھے۔

أَلَسْنَا وَرِثْنَا الْكِتَابَ الْحَكِيمَ عَنِ عَهْدِ مُوسَىٰ وَ لَمْ نُضَيِّفْ

کیا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کتاب حکیم کے وارث نہیں بنے اور ہم نہیں پھرے۔



وَأَنْتُمْ رِعَاءٌ لِّشَاءٍ عِجَافٍ بَسْهَلٍ تِهَامَةٍ وَالْأَخْيَفِ  
تم تہامہ اور اخیف کے میدانی علاقہ میں دہلی بکریاں چرانے والے ہو۔

تَرْوُونَ الرِّعَايَةَ مَجْذًا لَكُمْ لَدَى كُلِّ دَحْرٍ لَكُمْ مُجْهَفٍ  
تم ہلاک کرنے والے زمانہ میں بکریاں چرانے کو اپنے لیے بزرگی خیال کرتے ہو۔

فِيَأَيُّهَا الشَّاهِدُونَ انتَهَوْا عَنِ الظُّلْمِ وَالْمِنْطِقُ الْمُنَوِّفُ  
اے حاضرین! اس ظلم اور ترش گفتگو سے رک جاؤ۔

لَعَلَّ اللَّيَالِيَّ وَصَرْفَ الذُّهُورِ يُدِلِّنَ مِنَ الْعَادِلِ النِّصْفِ  
ممکن ہے یہ مصائب اور حادثات زمانہ حکومت ایک عادل منصف کو دے دیں۔

بِقَتْلِ النَّضِيرِ وَاجْلَاءِهَا وَعَقْرِ النَّخِيلِ وَ لَمْ تَقْطِفْ  
جو بنو نضیر کو قتل کیا گیا، انہیں جلا وطن کیا گیا اور کھجور کے ان درختوں کو کاٹ دیا گیا جن کا پھل ابھی کاٹا بھی نہیں گیا تھا۔  
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ جواب دیا (1):

تَفَاقَدَ مَعْشَرُ نَصْرُوا قَرِيشًا وَلَيْسَ لَهُمْ بَبِلْدَتِهِمْ نَصِيرُ  
ایک جماعت نے قریش سے معاہدہ کیا کہ وہ ان کے حلیف ہیں جبکہ ان کے شہر میں ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

هُمُ أَوْتُوا الْكِتَابَ فَضِيعَةً وَهُمْ عُتِيَ عَنِ التَّوْرَةِ بُورُ  
تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں کتاب دی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا وہ تورات سے اندھے اور ہلاک ہونے والے ہیں۔

كَفَرْتُمْ بِقُرْآنٍ أَنْ وَقَدْ أُبَيِّتُمْ بِتَصْدِيقِ الَّذِي قَالَ النَّذِيرُ  
تم نے قرآن کا انکار کیا اور نذیر نے جو کہا اس کی تصدیق کہنے سے بھی تم نے انکار کر دیا۔

وَهَانَ عَنِ سَرَّاقَةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُؤْرَةِ مُسْتَطَرٌ  
بویہ میں بنی لوی کے سرداروں پر پھلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے اسے یہ جواب دیا تھا:

أَدَامَ اللَّهُ ذَلِكَ صَنِيعٌ وَحَزَقَ فِي نَوَاحِيهَا السَّعِيرُ  
اللہ تعالیٰ اس عمل کو دوام بخشے اور ان کی اطراف میں آگ خوب بھڑکائے۔

فَلَوْ كَانَ النَّخِيلُ بِهَا رِكَابًا لَقَالُوا لَا مَقَامَ لَكُمْ فَمَيُّدَا  
اگر کھجوروں کے درخت وہاں اونٹ بھی کہتے اب تمہارے ٹھہرنے کا وقت ختم ہو گیا پس چلو۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ آور ہونے کے لیے ۴ھ ربیع الاول میں نکلے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچنے

کے لیے قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا اسی موقع پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں نے بنی نضیر کی طرف خفیہ پیغام بھیجا: ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اگر تمہیں جلا وطن کیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ جلا وطن ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے بنو نضیر دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ جب اصل صورتحال سامنے آئی تو منافقین نے یہودیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جلا وطن کر دیں اس شرط پر کہ ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو وہ اونٹوں پر لے جاسکتے ہیں مگر اسلحہ نہیں لے جاسکتے وہ اس طرح خیبر چلے گئے ان میں سے کچھ شام چلے گئے اس میں سے جو خیبر کی طرف گئے وہ ان کے اکابر بن تھے جس طرح حی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع سارا خیبر ان کا مطیع ہو گیا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا اور انہیں جلا یا اس بارے میں حضرت حسان بنی نضیر نے کہا:

وہان علی مرقا بنی لونی حریق بالبویرة مستطیر

بنو لونی کے سرداروں پر بویرہ میں پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

اس بارے میں مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ کے الفاظ نازل ہوئے۔

علماء نے دشمنوں کے گھروں کو بے آباد کرنے، ان کو جلانے اور ان کے پھل کاٹنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے (۱) یہ جائز ہے یہ مدونہ میں کہا ہے (۲) اگر مسلمانوں کو ظلم ہو جائے کہ یہ ان کے قبضہ میں آنے والے ہیں تو وہ ایسا نہ کریں۔ اگر وہ اس سے مایوس ہو جائیں تو ایسا کر گزریں؛ یہ امام مالک نے ”واضحہ“ میں کہا ہے۔ اصحاب امام شافعی اسی کی موافقت کرتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح پہلا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ظلم تھا کہ یہ درخت آپ ﷺ کے لیے ہی ہیں لیکن حضور ﷺ نے انہیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تاکہ یہ ان کے مغلوب ہونے اور ان کی کمزوری کا باعث بنیں یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائیں۔ بعض مال کو ضائع کرنا تاکہ باقی مال محفوظ رہے یہ ایسی مصلحت ہے جو شرعاً جائز اور عتلاً مقصود ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** مادردی نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہر مجتہد صحیح نتیجہ تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔ النبی طبری نے کہا: اگرچہ حضور ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد بعید از حقیقت ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ

سب کچھ دیکھا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ صحابہ نے اسی خاموشی سے جواز کا حکم اخذ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تھے اور حضور ﷺ کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں یہ نبی کریم ﷺ کے ایسے امور میں اجتہاد پر دال ہے جن میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ یہ حکم ان آیات سے اخذ کیا جن میں کفار کو اذیت دینے کا ذکر ہے اور ان کے بارے میں جڑ سے اکھیرنے اور ہلاکت کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس اجازت میں یہ بھی داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: يُخْزِي الْفَاقِينَ ۝ میں یہی مقصود ہے۔



**مسئلہ نمبر 5**۔ الدینۃ کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دس اقوال ہیں ۱۔ عجوہ کے علاوہ تمام قسم کے کھجور کے درخت، یہ قول امام زہری، امام مالک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور خلیل رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حضرت حسن بصری نے کہا: تمام قسم کے کھجور کے درخت ہیں، انہوں نے عجوہ اور کسی دوسری قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ایک قسم ہے۔ امام ثوری سے مروی ہے: یہ عمدہ کھجوروں کے درخت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: عجوہ اور برنی کے علاوہ تمام اقسام کے درخت مراد ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: اس سے مراد عجوہ ہے۔ یہ ذکر کیا عتیق اور عجوہ دونوں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ عتیق سے مراد نخل ہے۔ عجوہ تمام مونث درختوں کی اصل ہے؛ اس وجہ سے یہودیوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔ یہ کھجور کی ایک قسم ہے جس کے پھل کولون کہتے ہیں اس کی خشک کھجور سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ یہ سخت زرد ہوتی ہے، اس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں داڑھ غائب ہو جاتی ہے، اس کا درخت انہیں غلام سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو زمین سے قریب ہو زیادہ بلند نہ ہو۔

انفش نے یہ شعر پڑھا:

قد شجانی الحسام حین تَغْنَى بفراق الأحباب من فوق لیئنه

فاختہ نے جب لینہ درخت پر محبوبوں کے فراق میں گانا گایا تو اس نے مجھے غمگین کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لینہ سے مراد فسیلہ (قلبی کھجور) ہے کیونکہ یہ سب سے نرم کھجور ہوتی ہے؛ اسی بارے میں شاعر نے کہا:

عَرَسُوا لَیْنَهَا بِمَجْرَى مَعِینِ ثُمَّ حَفُّوا النَّخِیلَ بِالْأَجَامِ

انہوں نے لینہ کو چشمہ کی گزرگاہ پر لگایا پھر گھنے جنگلوں سے باغ کو چھپالیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: لینہ سے مراد تمام درخت ہیں کیونکہ اپنی زندگی کی وجہ سے نرم ہوتے ہیں؛ ذورمہ نے کہا:

طَرِاقُ الْخَوَافِیِ وَاقِعٌ فَوْقَ لَیْنَةٍ نَدَى لَیْلَهُ فِی رِیشِهِ یَتَرَقَّقُ

پرندوں کے چھوٹے پر، درختوں پر پڑے ہیں رات کی شبہم کے قطرے اس کے پر سے ہلکے ہلکے بہ رہے ہیں۔

دسواں قول یہ ہے: اس سے مراد ردی کھجور ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ کہا: اہل مدینہ کہتے ہیں: لا تستفخ السوائد حتی

توجد الألوان جب تک ردی چیز نہ ہو قدر و منزلت والی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں الوان سے ردی کھجور مراد لیتے ہیں۔ ابن

عربی نے کہا: زہری اور امام مالک نے جو کہا دو وجوہ سے صحیح ہے (۱) وہ دونوں اپنے شہر اور درختوں کو خوب جانتے تھے (۲)

اشتقاق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اہل لغت اس کی تصحیح کرتے ہیں کیونکہ لَیْنَةٌ کا وزن لونہ ہے۔ علماء کے اصول کے مطابق

اس میں تعلیل کی گئی تو وہ لینہ ہو گیا، یہی لون ہے جب اس کے آخر میں ہاء داخل ہوئی تو اس کے پہلے حرف کو کسرہ دے دیا

گیا جس طرح کبوت الصد ر یہ باء کے فتح کے ساتھ ہے۔ ہر کہ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ وجہ آخر میں ہاء کا آنا ہے۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: لینہ اصل میں لونہ تھا، واؤ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ اس کا قبل مکسور ہے لینہ کی جمع لین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کی جمع لیان ہے۔

انفش نے کہا: اسے لینہ نام دیا گیا یہ لون سے مشتق ہے یہ لین سے مشتق نہیں۔ مہدوی نے کہا: اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ لون سے مشتق ہے اس کی اصل لونہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں لینہ ہے یہ لان بدین سے مشتق ہے۔ عبد اللہ نے یوں قراءت کی ماقطعتہ من لینۃ ولا ترکتم قوماء علی اصولہا یعنی وہ اپنے تنوں پر کھڑے ہیں۔ اعمش نے یوں قراءت کی ماقطعتہ من لینۃ او ترکتم قوماء علی اصولہا معنی ہے تم انہیں نہ کاٹو اسے قوماء علی اصولہا بھی پڑھا گیا ہے، اس میں دو وجوہ ہیں (۱) یہ اصل کی جمع ہے جس طرح رھن اور رھن ہے (۲) واؤ کی بجائے ضمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسے قاتنا علی اصولہ بھی پڑھا گیا ہے اس میں لفظ ما کا اعتبار کیا گیا ہے۔

فَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ الْبَيْعَ مِنْكُمْ، امر کے معنی میں ہے۔ وَلِيُخْزِيَ الْفَاقِينَ ⑤ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اپنی کتب کے ذریعے انہیں ذلیل و رسوا کرے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِجَالٍ وَلَا بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ  
اللَّهُ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ⑥ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑦ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى  
رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ  
وَابْنِ السَّبِيلِ ⑧ كَىٰ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ⑨ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
فَخُذُوهُ ⑩ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ⑪ وَاتَّقُوا اللَّهَ ⑫ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑬

”اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسولوں کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

ان دو آیات میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بنو نضیر کے اموال لٹکا دیے تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے۔ ایجاب سے مراد رفتار میں تیزی دکھانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَجَفَ الْفَرَسُ جب گھوڑا تیز دوڑا، اوجفتہ انا میں نے اسے حرکت دی، میں نے اسے کسی کے پیچھے لگایا: اسی معنی میں تمیم بن مقبل کا قول



ہے: إِذَا الرُّكْبُ أَذْجَفُوا جب اونٹ تیزی سے چل پڑے۔ رکاب کا معنی اونٹ ہے اس کی واحد راہلہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم نے وہاں تک پہنچنے میں کوئی لمبا سفر طے نہیں کیا، نہ وہاں جنگ اور کسی مشقت کا سامنا کیا۔ یہ بستی مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ فراء نے کہا: صحابہ کرام پیدل ہی وہاں گئے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہ ہوئے مگر نبی کریم ﷺ اونٹ پر سوار ہوئے تھے یا ایسے دراز گوش پر سوار ہوئے تھے جس کو چھال کی رسی ڈالی گئی تھی۔ اس بستی کو صلح کے ذریعے فتح کیا۔ انہیں جلاوطن کیا اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لے لیے۔ مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ سے اس امر کا سوال کیا کہ یہ اموال بھی ان میں تقسیم کر دیئے جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ اللَّهُ تَعَالَى نے بنی نضیر کے اموال نبی کریم ﷺ کے لیے خاص کر دیئے جہاں آپ چاہیں انہیں صرف کریں، تو نبی کریم ﷺ نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔

علامہ واقدی نے کہا: اسے ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے تین محتاج انصاریوں کے علاوہ کسی انصاری کو کچھ بھی نہ دیا ان میں حضرت ابو دجانہ، حضرت سماک بن خرشہ، حضرت سہل بن حنیف اور حضرت حارث بن صمد رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضور ﷺ نے صرف دو انصاری صحابہ کو مال عطا کیا حضرت سہل اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہما۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابن ابی حقیق کی تلوار عطا کی۔ اس کی یہ تلوار ایسی تھی جس کا ان کے ہاں بڑا شہرہ تھا۔ بنو نضیر میں سے صرف دو افراد ایمان لائے سفیان بن عمیر اور سعد بن وہب، دونوں نے اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ ان کے اموال انہیں کے پاس رہیں گے تو انہوں نے اپنے اموال کو محفوظ کر لیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ بنو نضیر کے اموال وہ اموال تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا کر دیئے جن پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے لیے خاص تھے۔ آپ ﷺ ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ عطا کرتے اور ان اموال میں سے جو کچھ بچ رہتا اسے جہاد میں استعمال ہونے والے جانوروں اور اسلحہ میں استعمال کرتے تاکہ جہاد کی تیاری رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے اور حضرت علی کے درمیان ان اموال میں فیصلہ کر دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمائے۔ حضرت عمر نے کہا: کیا تم دونوں جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“ دونوں نے جواب دیا: ہاں ہم جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خاص کیا ہے کسی اور فرد کو ان اموال کے لیے خاص نہیں کیا مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ۔

میں نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی ہے یا نہیں پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے اموال تمہارے درمیان تقسیم کر دیئے اللہ کی قسم! حضور ﷺ نے ان اموال کو تمہارے مقابلہ میں اپنے لیے خاص نہیں کیا اور نہ تمہیں چھوڑ کر خود لیا یہاں تک کہ یہ مال باقی رہا۔ رسول اللہ ﷺ سال بھر کا روزینہ اس سے لیتے باقی ماندہ کو دوسرے اموال جیسا قرار دیتے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ ۚ يَعْنِي دُشْمَنُوں مِیں سے جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے، صحابہ کرام کا ان میں کوئی حصہ نہیں تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل قری سے مراد قرظہ اور بنی نضیر ہیں۔ یہ دونوں قبیلے مدینہ طیبہ اور فدک میں آباد تھے۔ فدک جو مدینہ طیبہ اور خیبر سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ عرینہ اور ینیع کی بستیاں بھی نبی کریم ﷺ کے لیے خاص تھیں۔ اس امر کی وضاحت کی کہ اس مال میں جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کیا اس میں رسول اللہ کے علاوہ کے لیے بھی حصے ہیں مقصد بندوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا تھا۔ علماء نے اس آیت اور اس سے قبل آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا مختلف ہے؟ آیت جو سورۃ انفال میں ہے تو علماء میں سے ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى اس کا حکم اس آیت کے حکم سے منسوخ ہے جو سورۃ انفال میں ہے کہ خمس ان افراد کے لیے ہے جن کا ذکر کیا گیا اور باقی چار حصے جہاد کرنے والوں کے لیے ہے۔ ابتداء اسلام میں غنیمت انہیں اقسام پر تقسیم ہوتی تھی؛ یہ قول یزید بن رومان، قتادہ اور دوسرے علماء کا ہے؛ اس کی مثل امام مالک سے مروی ہے۔ ایک قوم نے کہا: حضور ﷺ نے مال صلح کے ساتھ لیا اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تو یہ ان کے لیے ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے پہلا مال حضور ﷺ کے لیے خاص ہوگا جب ضرورت ہوتی تو حضور ﷺ اس سے لے لیتے اور باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ معمر نے کہا: پہلا مال نبی کریم ﷺ کے لیے ہے اور دوسرا مال جز یہ اور خراج ہے۔ یہ ان مذکورہ افراد کے لیے جن کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا مال غنیمت ہے جس کا ذکر سورۃ انفال میں ہے یہ مجاہدین کے لیے ہے۔ ایک قوم نے کہا جن میں امام شافعی بھی ہیں: دونوں آیتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی کفار کے دو اموال جو جنگ کے بغیر حاصل ہونگے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، چار حصے نبی کریم ﷺ کے لیے ہونگے اور پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہوگا، ایک حصہ قریبی رشتہ داروں کا ہوگا۔ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ کیونکہ انہیں زکوٰۃ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ تو مال فنی میں ان کا حق رکھ دیا گیا۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسکینوں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسافروں کے لیے ہوگا۔ جہاں تک نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد مال فنی میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے حصہ تھا۔ امام شافعی کے قول کے



مطابق ان مجاہدین پر صرف کیا جائے گا جو سرحدوں کی نگہبانی کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول ﷺ کے قائم مقام ہیں۔ دوسرے قول میں ہے: اس مال کو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے صرف کیا جائے گا جیسے سرحدوں کی حفاظت، نہریں کھودنا، پل بنانا۔ زیادہ اہم کو اہم پر مقدم رکھا جائے گا۔ یہ طریقہ مال فنی کے 4/5 حصہ میں جاری ہوگا یہ حکم مال فنی کے 4/5 حصہ میں ہے۔ جہاں تک مال فنی میں اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا تعلق ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے مصالح کے لیے استعمال ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ نہیں اور خمس (پانچوں حصہ) بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا گیا ہے۔“ اس بارے میں گفتگو سورہ انفال میں گزر چکی ہے؛ اسی طرح جو مال حضور ﷺ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں اس میں بھی وراثت جاری نہیں ہوگی بلکہ یہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فنی کا مال نبی کریم ﷺ کے لیے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنے رسول کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ آپ ﷺ مال جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ صرف اس قدر مال لیا کرتے تھے جس قدر آپ ﷺ کے گھروالوں کی ضروریات ہوتیں تھیں باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے خرچ کر دیتے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تین آیات میں تین معانی ہیں۔ جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشَىٰ پھر فرمایا: وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ۔ مِنْهُمْ سے مراد اہل کتاب ہیں اس کا عطف سابقہ کلام پر ہے۔

فَمَا آؤْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا مِثْلِهَا اس سے اسی چیز کا ارادہ کیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ پس تمہارا اس میں کوئی حق نہیں اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا۔ مراد بنی نضیر اور جوان کی مثل ہیں۔ یہ ایک ہی آیت ہے اور معنی بھی ایک ہی ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ یہ نئی کلام ہے پہلی سے مختلف ہے پہلی آیت میں موجود مستحقین کے علاوہ کے استحقاق کے لیے ہے۔

تیسری آیت سے مراد آیت غنیمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معنی اور ہے، ایک اور مستحق کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے مگر پہلی اور دوسری آیت دونوں اس میں شریک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سی ایسی چیز کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ پہلی آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ آیت انفال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال قتال کے ساتھ حاصل ہوا ہے جبکہ تیسری آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ اس امر سے خالی ہے کہ وہ مال جنگ سے یا بغیر جنگ کے حاصل ہوا؛ اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ ایک

جماعت نے کہا: یہ پہلی آیت کے ساتھ لاحق کی جائیگی، یہ سب کا سب صلح کا مال ہوگا یا اس کی مثل مال ہوگا۔ ایک جماعت کا قول ہے: یہ دوسری آیت جو آیت انفال ہے کے ساتھ لاحق کی جائیگی۔ جنہوں نے کہا: یہ آیت آیت انفال کے ساتھ لاحق کی جائیگی انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کیا یہ منسوخ ہے جس طرح پہلے گزرا ہے یا یہ محکم ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت جو اس سے پہلے ہے اسے اس کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک نیا فائدہ اور نیا معنی ہے؛ جبکہ یہ تو معلوم و مشہور ہے کہ آیت کے حرف جو دوسری آیت سے زائد ہوں اسے نئے فائدہ پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے نسبت اس کے کہ اسے سابقہ فائدہ پر ہی محمول کیا جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے **فَمَا آؤْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا مِرْكَابٍ** کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد بنو نضیر ہیں اس میں خمس لازم نہیں تھا اور نہ ہی ان اموال کو حاصل کرنے کے لیے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے گئے تھے۔ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا رسول اللہ ﷺ نے ان اموال کو مہاجرین اور تین انصاری صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیا جس طرح **مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ** کی تفسیر میں یہ قول گزر چکا ہے کہ **أَهْلُ الْقُرَىٰ** سے مراد قریظہ کا قبیلہ ہے۔ قریظہ اور غزوہ خندق کا واقعہ ایک ہی روز ہوا تھا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک کا قول کہ دوسری آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی آیت انفال کے معنی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اسے نسخ لاحق ہوتا ہے۔ اسے محکم قرار دینے کی نسبت یہ قول زیادہ قوی ہے۔ ہم کسی قول کو پسند نہیں کرتے مگر اسے ہی جسے ہم نے اس انداز میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ دوسری آیت کا معنی نیا ہے جس طرح ہم نے اس پر دلیل قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو پسند کیا ہے، وہ حسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سورہ حشر سورہ انفال کے بعد نازل ہوئی یہ امر محال ہے کہ مقدم بعد میں نازل ہونے والی آیت کو منسوخ کر دے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: مال تین قسم کے ہیں۔ مال غنیمت، مال فنی، صدقہ۔ ان میں سے کوئی درہم نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا محل بیان کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ وہ اموال جن میں ائمہ اور والیوں کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

- ۱۔ جو مسلمانوں سے اس طریقہ پر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو پاک کیا جائے جس طرح صدقات، زکوٰۃ وغیرہ۔
- ۲۔ مال غنیمت، اس سے مراد وہ مال ہے جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتا ہے جیسے جنگ و غلبہ کے ذریعے۔
- ۳۔ مال فنی: اس سے مراد وہ اموال ہیں جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں اس میں کوئی جنگ نہیں ہوتی اور نہ گھوڑوں کو دوڑایا جاتا ہے جس طرح صلح، جزیہ، خراج اور کافر تجارت سے ٹیکس، اس کی مثل یہ صورت بھی ہے کہ مشرک بھاگ جائیں اور اپنے اموال چھوڑ جائیں یا ان میں سے کوئی دارالسلام میں فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے اس کا مصرف فقراء، مساکین اور عالمین زکوٰۃ ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ جس کی وضاحت سورہ براءت میں گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے۔ ابتداء اسلام میں یہ نبی کریم ﷺ کے لیے تھے، جیسے چاہیں



اس میں صرف کریں جس طرح سورہ انفال میں فرمایا قُلِ إِلَّا نَفَالٌ لِلّٰہِ وَالزُّسُولِ (آیت: 1) پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ** (انفال: ۴۱) سورہ انفال میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال فئی کا تعلق ہے تو اس کی تقسیم اور خمس کی تقسیم برابر ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قسم کے اموال کی تقسیم کا انحصار امام کی رائے پر ہے۔ اگر اس کی رائے بنے کہ اسے ان مصائب کے لئے محفوظ کر لے جو مسلمانوں پر واقع ہوتی ہیں تو ایسا کرے اگر وہ دونوں یا ایک کی تقسیم کی رائے بنے تو لوگوں کے درمیان اسے تقسیم کر دے اور عربی اور اس کے مولیٰ میں برابری کرے اور مرد و عورت میں سے فقراء سے شروع کرے یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ مال فئی میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو وہ حصہ دے جو امام کی رائے بنے ان کے لیے کوئی معلوم حد نہیں ان میں سے غنی کو عطا کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ انہیں اس میں سے حصہ دیا جائے کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ امام مالک نے کہا: فقراء کے علاوہ کسی کو کچھ نہ دیا جائے گا کیونکہ ان کے حق میں یہ صدقہ کا عوض ہے۔

امام شافعی نے کہا: کفار کا جو مال بغیر قتال کے حاصل ہوتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پچیس حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ بیس حصے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جو چاہتے کرتے اور پانچواں حصہ وہاں صرف کیا جاتا جہاں مال غنیمت کا پانچواں حصہ صرف کیا جاتا۔

ابو جعفر بن داؤدی نے کہا: یہ ایسا قول ہے جو پہلے کسی نے نہیں کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں بلکہ یہ سارا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں ثابت ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: **خَالِصَةٌ لِّكَ مِنَ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ** (الاحزاب: 50) اس پر دلالت کرتا کہ کسی غیر کو ہبہ کرنا جائز ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **خَالِصَةٌ يُّوْمَ الْقِيٰمَةِ** (الاعراف: 32) اس امر کو جائز کرتا ہے کہ اس میں اور بھی شریک ہیں۔ امام شافعی کا اس بارے میں مفصل قول گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فئی کے خمس کا طریقہ وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا طریقہ ہے اور 4/5 حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہوگا۔ آپ کا ایک اور قول بھی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ان لوگوں کے لیے ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر رکھا ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** ہمارے علماء نے کہا: جس شہر سے جو مال اکٹھا کیا گیا ہے تمام مال وہاں ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس شہر سے وہ مال جمع کیا گیا ہے وہاں سے اسے منتقل نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ پھر وہاں سے قریبی کی طرف منتقل کیا جائے، مگر اس صورت میں کہ جس جگہ سے مال وصول کیا گیا ہے اس کی بجائے کسی اور جگہ سخت فاقہ کی نوبت آ جائے تو وہاں سے فاقہ والی جگہ کی طرف مال منتقل کر دیا جائے گا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آفت کے سالوں میں کیا تھا وہ پانچ سال تھے یا چھ سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دو سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک سال تھا جس میں طاعون کے ساتھ بھوک شدید ہو گئی تھی۔

اگر ایسی صورتحال نہ ہو جو ہم نے بیان کی اور امام کی یہ رائے ہو کہ مال فئی کو روک لے تو مسلمانوں پر واقع ہونے والی

آفتوں کے لیے اسے روک لے اور اس مال میں سے نوزائیدہ بچے کو دے اور اس کی تقسیم اس فرد سے شروع کرے جس کا باپ فقیر ہو۔ مال فنی اغنیاء کے لیے بھی حلال ہے۔ اس کی تقسیم میں سب لوگوں کو برابر رکھے مگر ضرورت مندوں کو ترجیح دے، جس قدر کسی کی ضرورت ہو اس کی مناسبت سے زیادہ دے۔ اس مال سے مقروضوں کو دے جس کے ذریعے وہ اپنے قرضے ادا کریں اگر کوئی انسان اہل ہو تو اس میں سے انعام اور عطیہ دے۔ قاضیوں، حکام اور ان کو دے جس میں انسان کی منفعت ہو۔ اس میں سے زیادہ حصہ کے مستحق وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہوں۔ جس نے مال فنی میں سے کوئی چیز دیوان میں نام لکھوا کر لی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو جب جہاد کیا جائے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** کَلَّا يَكُونُ دَوْلَةً عام قراءت یٰکُونُ یاء کے ساتھ ہے۔ اور دَوْلَةً نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کی لایکون الفی دولة۔ ابو جعفر، اعرج اور ہشام نے ابن عامر سے اور ابو حیوہ نے تکون تاء کے ساتھ اور دولة کو مرفوع پڑھا ہے۔ یہ کانفوجی سپاہیوں میں سے وظیفہ خواروں کا رجسٹر نامہ ہے۔ دولة یہ کانکا اسم ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ یہ ناقصہ ہو اور اس کی خبر بئین الاغنیاء منکم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ بئین الاغنیاء منکم یہ دولة کا وصف ہو۔ عام قراءت دول۔ دال کے ضم کے ساتھ ہے۔ سلمیٰ اور ابو حیوہ نے اسے نصب کے ساتھ یعنی دولة پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر، یونس اور اسمعی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ابو عمرو بن عطاء نے کہا: دولة سے مراد جنگ وغیرہ میں کامیابی کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور ضمہ کے ساتھ اس شے کا نام ہے جو مال ہو اور لوگوں کے درمیان گردش کناں ہو؛ ابو عبید نے یہی کہا ہے: الدولة ایسی چیز کو کہتے ہیں جو گردش کناں رہتی ہے اور دولة مصدر ہے آیت کا معنی یہ ہے مال فنی میں یہ اس لئے کہا تا کہ رؤساء، اغنیاء اور قوی لوگ آپس میں تقسیم نہ کر لیں فقراء اور کمزور لوگوں کو کچھ حصہ نہ ملے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی قوم مال غنیمت حاصل کرتی تو ان کا رئیس اس کا چوتھا حصہ اپنے لیے لیتا یہی مربع تھا پھر مربع کے بعد اپنے لیے جو چاہتا منتخب کر لیتا؛ اس بارے میں شاعر نے کہا:

لَكَ الْبِرْبَاعُ مِنْهَا وَالْصَّفَا

اس مال غنیمت میں سے تیرے لیے مربع اور چنا ہوا مال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تا کہ اس میں اس طرح کا معاملہ نہ کیا جائے جس طرح کا معاملہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ مال رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کر دیا تا کہ آپ ﷺ اسے وہاں صرف کر دیں جہاں صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس میں خمس نہیں جب خمس لازم ہوگا تو وہ تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** وَمَا أَلَيْسَ لِّلرَّسُولِ فَخْذُوكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُمْ عَالِمُونَ یعنی مال غنیمت میں سے رسول اللہ جو تمہیں

دیں وہ لے لو اور جس چیز کو لینے اور خیانت کرنے سے روکیں اس سے رک جاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقل نظر ہے۔ سدی نے کہا: مال فنی میں سے جو رسول اللہ تمہیں عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس کا مطالبہ نہ کرو۔ ابن جریج نے کہا: میری طاعت کے بارے میں جو پیغام لائیں اسے بجا لاؤ اور میری معصیت سے روکیں تو اس سے رک



جاؤ۔ ماوردی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ امر تمام ادا و امر و نواہی پر محمول ہے۔ آپ ﷺ صرف اچھے امر کا حکم دیتے ہیں اور فاسد امر سے روکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے مراد بھی وہی ہے جو اس سے ماقبل قول کی مراد تھی۔ یہ تین اقوال ہیں۔

**مسئلہ نمبر 7۔** مہدی نے کہا: وَمَا أَمَّاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یہ ارشاد اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کا حکم دیا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ غنائم کے بارے میں ہے پھر بھی نبی کریم ﷺ کے تمام ادا و امر اور نواہی اس میں داخل ہیں۔ حضرت حکم بن عمیر نے کہا جو صحابی تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ قرآن اس کے لیے سخت مشکل ہے جو اسے ترک کرے اور جو اس کی اتباع کرے اور اس کی طلب کرے اس کے لیے آسان ہے۔ اور میری حدیث بھی مشکل ہے جس نے میری حدیث کو مضبوطی سے پکڑا اور اسے یاد کیا تو وہ قرآن کے ساتھ نجات پا گیا جس نے قرآن اور میری حدیث کے بارے میں سستی کی تو وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں رہا۔ تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ میرے قول کو مضبوطی سے پکڑو، میرے حکم کی محافظت کرو اور میری سنت کی اتباع کرو۔ جو میرے قول پر راضی ہو وہ قرآن پر راضی ہو جس نے میرے قول کا مذاق اڑایا تو اس نے قرآن کا مذاق اڑایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَمَّاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** عبدالرحمن بن زید نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مجرم سے ملے جس کے جسم پر کپڑے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: یہ کپڑے اتار دو۔ اس آدمی نے عرض کی: کیا تم اس کی تصدیق کے لیے مجھ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھو گے؟ فرمایا: ہاں وَمَا أَمَّاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا عبداللہ بن محمد بن ہارون فریابی نے کہا: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو چاہو تم مجھ سے سوال کرو میں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ میں نے آپ سے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کے معاملات کو درست کرے، آپ اس مجرم کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بھڑکھڑا کر دیتا ہے؟ حضرت امام شافعی نے جواب دیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَمَا أَمَّاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔

سفیان بن عیینہ، عبدالملک بن عمیر سے وہ ربیع بن حراش وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اقْتَدُوا الدِّیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرُ مِیْرَے بَعْدَکُمَا اَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ کی پیروی کرنا۔

سفیان بن عیینہ، مسعر بن کدام سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھڑکھڑا کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے۔ امام شافعی نے حالت احرام میں بھڑکھڑا مارنے کا فتویٰ دیا اور امام شافعی نے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت عمر کی اقتداء کر رہے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کی اقتداء کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کو قبول کرنے کا حکم دیا جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو بھڑکھڑا کرنے کا جواز کتاب و سنت سے مستنبط ہے؛ یہی معنی عکرمہ کے قول میں گزر چکا ہے جب ان سے امہات اولاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: سورہ نساء میں انہیں آزاد قرار دیا گیا ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ (آیت: 59)

صحیح مسلم اور دوسری کتب میں علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعن اللہ الواشیاتِ و السُّتُوْشَاتِ و الْمُتَكَفِّفَاتِ و الْمُتَقَلِّحَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيَّرَاتِ خَلَقَ اللّٰهُ اللّٰهَ تَعَالٰی كِي لَعْنَتِ هُوَ كُوْدُ نَے و الیوں پر، گود جانے و الیوں پر، چرے سے بال نوچنے و الیوں پر، خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کھلا کرانے و الیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں تبدیلی کرنے و الیوں پر۔

بنی اسد کی ایک عورت تک یہ خبر پہنچی جسے ام یعقوب کہا جاتا وہ عورت آئی اس نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے اس اس عورت پر لعنت کی ہے۔ فرمایا: جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جبکہ وہ کتاب اللہ میں ہے؟ اس عورت نے کہا: دشمن میں جو کچھ ہے میں نے اسے پڑھا ہے میں نے اس میں وہ نہیں پایا جو تم کہتے ہو۔ فرمایا: اگر تو اس کو پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے اسے پڑھا: وَمَا أَسْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ یہ بحث سورہ نساء میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** وَمَا أَسْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ یہاں لفظ ابتداء آیا ہے جس کا معنی عطا کرنا ہے تاہم اس کا معنی حکم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا اس کے مقابل نہیں کا لفظ ذکر کیا۔ نہیں، امر کے سوا کسی کے مقابل نہیں ہوتی۔ جو چیز ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس کے فہم پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوا۔

جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو جتنی طاقت رکھو اس کو بجالاؤ اور جب میں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔ کبھی نے کہا: یہ آیت مسلمان رؤسا کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکوں کے اموال پر غالب آئے تو عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم پسندیدہ چیز اور چوتھا حصہ لے لیں باقی ہمارے لیے چھوڑ دیں، ہم دور جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے اور انہوں نے یہ پڑھا: لَكَ الْبِزْيَاعُ مِنْهَا وَالصَّفَايَا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ اور منتخب چیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

**مسئلہ نمبر 10۔** وَاتَّقُوا اللَّهَ اللَّهُ تَعَالٰی كَے عذاب سے بچو جس نے اس کی نافرمانی کی اس کے لیے وہ شدید ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی میں اس سے ڈرو تم اسے ضائع نہ کرو۔ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ اللہ تعالیٰ نے جس کا حکم دیا اس کے بارے میں وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

”(نیز وہ مال) : اور مہاجرین کے لیے جنہیں (جبرا) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے (یہ نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے



رسول کی، یہی راستباز لوگ ہیں۔“

مال فنی اور غنیمتیں مہاجر فقراء کے لیے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغنیاء میں ہی گردش کناں نہ رہے بلکہ یہ فقراء کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْسَّبِيلِ کا بیان ہے۔ جب ان کی اصناف کا ذکر کیا گیا تو کہا گیا: مال ان لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ یہ فقراء، مہاجر ہیں انہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے، یہ دوسرے لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کے لئے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے تاکہ یہ اموال دنیا داروں میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتے رہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کی وجہ سے کفار کو سخت سزا دینے والا ہے۔ ان فقراء میں وہ فقراء بھی داخل ہو گئے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے مگر یہاں واو عاطفہ نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: هَذَا الْمَالُ لِزَيْدٍ لِبَكْرِ لِفُلَانٍ لِفُلَانٍ یہاں مہاجرین سے مراد وہ مہاجر ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی مدد کی خاطر آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں وہ مہاجر مراد ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے اپنے گھر، اپنے اموال، اپنے اہل اور اپنے وطن کو چھوڑا یہاں تک کہ ایک آدمی بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے، ایک آدمی موسم سرما میں ایک گڑھا کھودتا موسم سرما میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی گرمی پہچانے والا بستر نہ ہوتا۔

عبدالرحمن بن ابزی اور سعید بن جبیر نے کہا: مہاجروں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کے پاس غلام، بیوی، گھر اور سواری نہ تھی جس پر سوار ہو کر وہ حج کرتا یا جہاد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقیر قرار دیا اور زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھا۔ اُخْرِ جُؤَامِنَ دِيَارِهِمْ کا معنی ہے کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکالا یعنی انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ سوا فراد تھے۔ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَىٰ سَے دنیا میں غنیمت اور آخرت میں اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔ وَ يُنْصَرُّونَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَىٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وہ اس فعل میں سچے ہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا فرمایا: جو آدمی قرآن کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہے تو وہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جائے، جو فرائض (وراثت) کا مسئلہ سمجھنا چاہے تو وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جائے، جو فقہ کا مسئلہ پوچھنا چاہے تو وہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس جائے، جو مال کا سوال کرنا چاہے تو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا خازن اور قاسم بنایا ہے۔ خبردار! میں مال کی تقسیم کا آغاز نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے کرنے والا ہوں، میں انہیں عطا کروں گا پھر مہاجرین اولین کا حق ہے میں اور میرے صحابہ کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا نہ ہمارے گھر رہے اور نہ ہی ہمارے اموال رہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَخْخِ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٦١﴾

”اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو، اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔“

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ سے مراد انصار ہیں جنہوں نے مہاجرین سے قبل مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بنایا تھا۔ الْإِيمَانَ کا لفظ تَبَوَّءُوا کی بجائے کسی اور فعل کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ تَبَوَّءُوا تعلق مکان سے ہوتا ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ، مَنْ تَبَوَّءُوا کے متعلق ہے معنی ہے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے یہاں رہائش اختیار کی، ایمان کا اعتقاد رکھا اور اس کے لئے اخلاص کا مظاہرہ کیا کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں جس کو ٹھکانہ بنایا جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ (یونس: 71) یہاں بھی تقدیر کلام یہ ہے وادعو شُرَكَاءَكُمْ ابوطی، زمخشری اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ کلام بھی اس طریقہ پر ہے عَنفَتُهَا تَبَنَّا و ماءً بارداً یہاں بھی ایجاز حذف کا قاعدہ ہے۔ اصل میں سَقِيَتْهَا مَاءً بارداً یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کے حذف پر اسے محمول کیا جائے گویا یوں ارشاد فرمایا: تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَمَوَاضِعَ الْإِيمَانِ یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جس پر تَبَوَّءُوا دلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا: لَزِمُوا الدَّارَ وَلَزِمُوا الْإِيمَانَ یہ بھی جائز ہے کہ تَبَوَّءُوا الْإِيمَانَ ضرب النثل کے طریقہ پر ہو جس طرح تو کہتا ہے: تَبَوَّءُوا مِنْ بَنِي فَلَانِ الصِّيمَ، التَّبَوُّاءُ سے مراد تمکن اور استقرار ہے۔ یہ مراد نہیں کہ انصار مہاجرین سے پہلے ایمان لائے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے پہلے ایمان لائے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کیا اس آیت کا ماقبل آیت سے اعرابی تعلق نہیں یا اس کا ماقبل پر عطف ہے؟ ایک قوم کی یہ رائے ہے: اس کا عطف لِلْفُقَرَاءِ الْمُحْجِرِينَ پر ہے سورہ حشر میں جتنی بھی آیات ہیں سب ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ پس اگر اس میں وہ غور و فکر کرتے اور انصاف سے کام لیتے تو جو نقطہ نظر انہوں نے اپنایا ہے اس کے

خلاف پاتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشَةِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَتْهُمْ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّغْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ﴿١٠٦﴾ وَلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ



انْجَلَاءَ لَعَذَابِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ فَانْ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَاطِعَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَاِذَنْ اللّٰهُ وَلِيْخِزِي الْفٰسِقِيْنَ ۝۔ میں نبی تفسیر اور بنی قینقاع کے بارے میں خبر دی ہے، پھر فرمایا: وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا اَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَاكِبٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَسْلُطُ رُسُلَهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ اس میں خبر دی کہ یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے ہیں کیونکہ جب اموال ان سے چھڑوائے گئے ان پر کوئی گھوڑے نہیں دوڑائے گئے۔ ان کے بارے میں جو گزرا کہ قتال ہوا، ان کے درخت کاٹے گئے۔ صحابہ نے اسے چھوڑ دیا تھا اور وہ امر ختم ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا: وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ اس کا ماقبل کلام پر کوئی عطف نہیں اسی طرح وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ انْصَارَ کي مدح اور ان کی ثنا کا آغاز ہو رہا ہے کیونکہ انہوں نے اس مال فنی کو مہاجرین کے سپرد کر دیا تھا گویا فرمایا: مال فنی مہاجر فقراء کے لیے ہے۔ انصار ان سے محبت کرتے ہیں اور مال فنی جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا انہوں نے اس سے حسد نہ کیا اسی طرح وَالَّذِيْنَ جَآءُوْهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ نٰی کلام ہے اس کی خبر یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ جَآءُوْهُمْ کما قبل پر عطف ہے۔

وہ مال فنی میں شریک ہیں، یعنی یہ مال مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ مالک بن اوس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرٰٓءِ (التوبہ: 60) فرمایا: یہ ان کے لیے پھر وَاَعْلَمُوْا اَنَّ مَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ يَدِ اللّٰهِ خُمْسُهُ (الانفال: 41) فرمایا: یہ ان کے لیے، پھر وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ کئی لَا يَكُوْنُ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اَتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرٰٓءِ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ، وَالَّذِيْنَ جَآءُوْهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ آيات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو ایک چرواہا جو حیر کے پہاڑوں (جو یمن کا علاقہ ہے) میں ہوگا اس کا حصہ اس کے پاس پہنچے گا، اس کی پیشانی کو پسینہ سے شرابور نہ ہونا پڑے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو بلایا اور اللہ تعالیٰ نے جو فتوحات عطا فرمائی تھیں ان کے بارے میں مشورہ طلب کیا فرمایا: معاملہ میں خوب غور و فکر کرو پھر اگلے روز میرے پاس آؤ، آپ نے رات بھر سوچ و بچار کی تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ آيات اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جب وہ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے فرمایا: میں نے گزشتہ رات ان آيات کو پڑھا جو سورہ حشر میں ہیں اور ان آيات کو تلاوت کیا۔ وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ کئی لَا يَكُوْنُ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اَتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرٰٓءِ الْمُهٰجِرِيْنَ جب اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّدٰقُوْنَ ۝ تک پہنچے فرمایا: یہ اموال صرف ان کے لیے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی وَاَلَّذِيْنَ جَآءُوْهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِی قُلُوْبِنَا غِلًا لِلَّذِيْنَ

اَمْثُوَا رَهْتَا اِنَّكَ رَهْؤُفٌ رَّحِيْمٌ ۝ پھر فرمایا: اہل اسلام میں سے کوئی آدمی نہیں بچا جو اس میں داخل نہ ہو۔

**مسئلہ نمبر 3۔** امام مالک نے زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اگر بعد میں آنے والے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بستی فتح نہ کی جاتی مگر میں اسے اس طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا۔ کثیر سندوں سے اخبار مشہورہ میں یہ موجود ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کا دیہاتی علاقہ، مصر اور ان کی غنیمتوں کو مجاہدین میں تقسیم کیے بغیر باقی رہنے دیا تاکہ ان اموال سے مجاہدین کے عطیات، کمزور لوگوں اور بچوں کو روزینہ کا بندوبست ہو سکے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کو ان میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اس میں اختلاف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ نے یہ عمل غازیوں کی خوشنودگی سے کیا۔ جس نے اپنا حصہ بغیر قیمت کے چھوڑ دیا تاکہ مسلمانوں کے لئے باقی چھوڑے اور وہ اس پر راضی تھا وہ آپ نے لے لیا اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا آپ نے اسے اس کے حصہ کی قیمت دے دی۔ کچھ نے کہا: آپ نے لوگوں کی رضامندی کے بعد زمین کو اس طرح رہنے دیا آپ کے اس عمل کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا دیا جائے گا کیونکہ آپ نے خیبر کے علاقہ کو تقسیم کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خریدا اور جس نے اپنے حصہ کو خوشدلی سے ترک کر دیا یہ اس کی تقسیم کے قائم مقام ہی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ آپ نے مجاہدین کو کوئی چیز دیے بغیر اس علاقہ کو مملکت اسلامیہ کی ملکیت میں باقی رہنے دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان لِفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدِّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْهَا جِزًا لِّیْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكَ رَهْؤُفٌ رَّحِيْمٌ ۝ میں تاویل کر دی تھی۔

**مسئلہ نمبر 4۔** زمینوں اور جاگیروں کی تقسیم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح کے لئے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: امام کو اختیار حاصل ہے کہ ان زمینوں کو تقسیم کر دے یا مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اسے وقف کر دے۔ امام شافعی نے کہا: مجاہدین کی رضا کے بغیر امام کو وہ زمینیں روکنے کا حق نہیں بلکہ دوسرے اموال کی طرح ان زمینوں کو بھی ان میں تقسیم کر دے۔ جس نے خوش دلی سے اپنا حق امام کے حوالے کر دیا کہ وہ لوگوں کے مصالح کے لئے اسے وقف کر دے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اور جو راضی نہ ہو تو وہ اپنے مال کا زیادہ ہتھار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو راضی کیا اور ان سے وہ زمینیں خرید لیں (1)۔

میں کہوں گا: اس تعبیر کی بنا پر وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ ماقبل کلام سے لاتعلق ہوگا انہیں پہلوں کے حق میں دعا اور ان



کی تعریف کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو مدینہ طیبہ کی دوسرے علاقوں پر فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے سنا: مدینہ کو ایمان اور ہجرت کا ٹھکانہ بنایا گیا جبکہ دوسری بستیاں انہیں بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ پھر آپ نے اس آیت وَ الَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ کی قراءت کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اور اسی طرح دونوں مسجدوں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کی بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ نمبر 6۔** وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا۔ مال فنی اور دوسری چیزوں کو جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا ہے اس پر انصار کوئی حسد نہیں کرتے؛ اسی طرح لوگوں نے کہا: اس میں دو مضاف مقدر ہونگے تقدیر کلام یہ ہوئی مَسَّ حَاجَةً مِّنْ فَقْدٍ مَا أُوتُوا انسان اپنے سینہ میں کوئی ایسی چیز پاتا ہے جس کے ازالہ کی اسے ضرورت ہوتی ہے تو اسے حاجت کہتے ہیں مہاجرین، انصار کے گھروں میں رہتے جب نبی کریم ﷺ کو بنو نضیر کے اموال حاصل ہوئے تو آپ ﷺ نے انصار کو بلایا انہوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا کہ انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور اپنے اموال میں انہیں شریک کیا اس پر ان کا شکر یہ ادا کیا پھر فرمایا: ”اگر تم پسند کرو تو اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے جو اموال ہمیں عطا کیے ہیں وہ میں تمہارے اور ان کے درمیان تقسیم کر دوں اور مسلمان اسی طرح تمہارے گھروں اور اموال میں حصہ دار رہیں اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال ان کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل جائیں۔“

حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کی: نہیں بلکہ ان اموال کو مہاجرین میں تقسیم کر دو اور وہ ہمارے گھروں میں ہی رہیں جس طرح وہ پہلے گھروں میں رہتے تھے۔ سب انصار نے یک زبان ہو کر کہا: یا رسول اللہ! ﷺ ہم اس پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یوں دعا کی: اَللّٰهُمَّ الْاَنْصَارُ وَ اَبْنَا الْاَنْصَارِ اے اللہ! انصار اور انصار کی اولادوں پر رحم فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ اموال مہاجرین کو دے دیئے اور انصار کے تین افراد کے سوا کسی کو کچھ نہ دیا جن کا ذکر ہم پہلے آیت 10 کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد وَ لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا ہو جب مال تھوڑا ہو تو وہ اس پر قناعت کرتے ہیں اور اسی پر راضی ہوتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری زندگی میں اسی طرح تھے اور آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی اسی طرح رہے نبی کریم ﷺ نے انہیں خبردار کیا تھا فرمایا: سَتُونَ بَعْدِي اَثَرًا فَاصْبِرُوا حتی تَلْقَوْنَ عِلَى الْحَوْضِ (1) تم میرے بعد دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیا جاتا دیکھو گے تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھے ملو۔

**مسئلہ نمبر 7۔** وَيُؤْثَرُونَ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک آدمی کے پاس مہمان نے رات نزاری۔ اس کے پاس صرف اپنے اور اپنے بچوں کے لیے کھانا موجود

تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو، چراغ بجھا دو اور جو کچھ تیرے پاس ہے مہمان کی خدمت میں پیش کر۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میں بڑی مشقت میں مبتلا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ معبود کیا! میرے پاس تو صرف پانی ہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے بھی اس کی مثل عرض کی یہاں تک کہ تمام ازواج مطہرات نے یہی گزارش کی۔ نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ معبود کیا میرے پاس تو پانی نہیں۔ فرمایا: ”آج رات کو اس کی جو مہمان نوازی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔“ ایک انصاری اٹھا عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے! میں (یہ خدمت سرانجام دوں گا) وہ انصاری اس مہمان کو گھر لے گیا اپنی بیوی سے کہا: کیا تیرے پاس کوئی شے ہے۔ اس نے کہا: نہیں مگر بچوں کا کھانا ہے۔ کہا: بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا لینا، جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو چراغ کو بجھا دینا، میں اسے یہ ظاہر کروں گا کہ میں کھانا کھا رہا ہوں۔ جب وہ کھانا کھانے کے لئے جھکا تو عورت چراغ کی طرف اٹھی اور اسے گل کر دیا۔ کہا: وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے بہت خوش ہوا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ حضور ﷺ اس کو کھانا کھلائیں۔ آپ ﷺ کے پاس کوئی کھانا نہیں تھا جو آپ اسے کھلاتے فرمایا: ”کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس کی ضیافت کرے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔“ ایک انصاری اٹھا جسے ابو طلحہ کہتے وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور پہلی حدیث کی مثل حدیث نقل کی۔ اس میں آیت کے نزول کا ذکر کیا۔

مہدوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور انصار کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ثابت اس کے پاس مہمان کے طور پر آئے تھے جسے ابو التوکل کہا جاتا۔ حضرت ابو التوکل کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کھانا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور بچوں کو سلا دو جو کچھ کھانا ہے اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو؛ نحاس نے بھی اسی کی مثل ذکر کیا ہے۔ کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک انصاری جس کو ابو التوکل کہا جاتا کے پاس حضرت ثابت بن قیس مہمان کے طور پر ٹھہرے ان کے پاس اپنے اور بچوں کے کھانے کے سوا کوئی کھانا نہیں تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور اپنے بچوں کو سلا دو۔ تو یہ آیت **وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** تو من یؤق شخ نفسه فأولیک هم انفاحون نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عمل کرنے والے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے (۱)۔ قشیری ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکرم نے ذکر کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک کو ایک سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس نے کہا: میرا



فلاں بھائی اور اس کے اہل ہم سے اس کی زیادہ ضرورت رکھتے ہیں۔ اس نے وہ سر اس کی طرف بھیج دیا۔ وہ سر لگا تار ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سات گھروں تک پہنچا اور پھر انہیں تک واپس آ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی؛ ثعلبی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک کو بکری کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا وہ بڑے تنگدست تھے۔ اس نے وہ سر اپنے پڑوسی کو بھیج دیا۔ وہ سر سات گھروں میں سے سات افراد تک گھومتا رہا، پھر وہ پہلے کی طرف لوٹ آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے ساتھ جنگ کے موقع پر انصار سے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہارے گھروں اور اموال کو مہاجرین کے لئے تقسیم کر دوں اور تم بھی اس غنیمت میں شریک ہو جاؤ۔ اگر تم چاہو تو تمہارے گھر اور تمہارے اموال تمہارے پاس رہیں اور مال غنیمت میں سے کوئی چیز تمہیں نہ دیں۔“ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک صحابی اپنی زمین میں سے کچھ کھجوروں کے درخت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص کرتا یہاں تک کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوئی۔ اس صحابی نے جو درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس کر دیے۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب مہاجر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے، ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار زمینوں اور جائیدادوں والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں یوں تقسیم کی کہ انصار ہر سال اپنے اموال کا نصف مہاجرین کو دیں گے اور مہاجرین کام اور مشقت کے ذمہ دار ہوں گے۔ حضرت انس بن مالک کی ماں جسے حضرت ام سلمہ کہتے ہیں جو حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہ کی والدہ تھی۔ یہ حضرت انس کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کھجوروں کے کچھ درخت پیش کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی لونڈی حضرت ام ایمن عطا کی جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھی۔

ابن شہاب نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل خیبر کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے مہاجرین کو عطا فرمائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں (ام انس بن مالک) کو کھجوریں واپس کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کو ان کی جگہ اپنے باغ میں سے کھجوریں عطا کیں۔

**مسئلہ نمبر 8۔** ایثار کا معنی ہے کس غیر کو اپنی ذات اور نفس کے دنیاوی فوائد پر مقدم کرنا اور دینی منافع کی خواہش رکھنا۔ یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مضبوط یقین، قوی محبت اور مشقت پر صبر کی صلاحیت موجود ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اثرتہ بکذا میں نے اسے اس کے ساتھ خاص کیا اور اسے فضیلت دی۔ ایثار کا مفعول یہاں محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی یوشد نہم منازلہم وہ اپنے اموال اور اپنے گھروں کے بارے میں انہیں اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ خود غنی

ہیں بلکہ انہیں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ بنی ثنیہ سے ایک سائل نے سوال کیا جبکہ وہ روزے سے تھیں، آپ کے گھر میں صرف ایک روٹی موجود تھی۔ آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ اس نے عرض کی: آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ آپ روزہ افطار کریں گی۔ فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ لونڈی نے کہا: میں نے اسی طرح کیا۔ اس نے کہا: جب ہم نے شام کی تو کسی گھروالے یا کسی انسان نے ہمارے لیے وہ ہدیہ بھیجا جو وہ بھیجا کرتا تھا، یعنی بکری کا بھنا ہوا گوشت جسے روٹیوں میں لپیٹا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنی ثنیہ نے مجھے بلایا فرمایا: اس سے کھاؤ یہ تیری اس روٹی سے بہتر ہے۔

ہمارے علماء نے کہا: یہ نفع مند مال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھنے والا فعل ہے، جتنا چاہتا ہے جلدی بدلہ دے دیتا ہے اور اس کے لیے آخرت میں جو ذخیرہ کیا ہوا ہے اس میں سے کوئی کمی نہیں کرتا۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو چھوڑتا ہے تو اس کو ناپید ہونے والا نہیں پاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنی ثنیہ اپنے اس فعل کی وجہ سے ان لوگوں میں شامل ہو گئی ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے کہ خود انہیں ایک چیز کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ دوسرے لوگوں پر اپنی ذات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس نے یہ عمل کیا تو اس نے اپنے آپ کو نفس کے بخل سے بچا لیا اور کامل کامیابی حاصل کر لی اس کے بعد اس کے لیے کوئی خسارہ نہیں۔

شَاذٌ وَكَفَّهَهَا كَمَا مَعْنَى هِيَ تَمَامُ عَرَبٍ، بعض عرب یا ان میں سے بعض رؤساء کا یہ کھانا ہوا کرتا تھا۔ وہ بکری یا بکرے کے بچے کی جلد جب اتار لیتے تو گندم کا آٹا اس پر مل دیتے اور کوئی حصہ خالی نہ چھوڑتے۔ پھر اسے تنور میں لٹکا دیتے اس کی چربی اسی آنے میں ہی رہتی۔ یہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ کھانا شمار ہوتا تھا۔

امام نسائی نے حضرت نافع سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے اور انگور کی خواہش کی۔ ایک درہم میں ان کے لئے انگور کا گچھا خریدا گیا۔ ایک مسکین آیا اس نے سوال کیا۔ فرمایا: گچھا اسے دے دو۔ ایک آدمی اس کے پیچھے گیا اس نے وہ انگور کا گچھا اس سے ایک درہم میں خریدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لایا۔ سائل نے ارادہ کیا کہ وہ لوٹے تو اسے روک دیا گیا۔ اگر حضرت ابن عمر کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ وہی گچھا ہے تو اسے نہ کھاتے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو آپ اس کی طرف نہ لوٹتے۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک نے ذکر کیا کہ محمد بن مطرف، ابو حازم سے وہ عبد الرحمن بن سعید بن یربوع سے وہ مالک الدار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار لیے انہیں ایک تھیلی میں رکھا پھر غلام سے کہا: یہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے پاس لے جاؤ، پھر کسی بہانے سے وہاں ٹھہر جانا تاکہ دیکھو آپ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ غلام وہ تھیلی لے کر وہاں گیا۔ عرض کی: حضرت امیر المومنین کہتے ہیں انہیں اپنی ضرورت کے لئے خرچ کرو۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحم کرے پھر فرمایا: اے بچی! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ انہیں خرچ کر دیا۔ غلام حضرت عمر کے پاس واپس آیا تو سب واقعہ عرض کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا کہ آپ نے



اسی کی مثل دینا حضرت معاذ کے لئے شمار کر رکھے ہیں۔ فرمایا: یہ دینا حضرت معاذ بن جبل کے پاس لے جاؤ اور وہاں بہانے سے کچھ دیر ٹھہرنا تاکہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ غلام وہ مال لے کر ان کے پاس گیا۔ عرض کی: امیر المومنین فرماتے ہیں انہیں اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرو۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ فرمایا: اے بچی! اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ، اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کی اطلاع ہوئی عرض کی اللہ کی قسم! ہم مساکین ہیں ہمیں بھی کچھ دواں تھیلی میں صرف دو دینار باقی تھے وہ دونوں آپ نے اسے دے دیے غلام حضرت عمر کی طرف واپس لوٹا اور سب واقعہ بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے خوش ہوئے۔ فرمایا: وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اس کی مثل واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ کا بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں مال بھیجا جس کی تعداد دس ہزار دینار تھی حضرت منکدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے.....

اگر یہ سوال کیا جائے: انسان جتنے مال کا مالک ہو تمام مال صدقہ کرنے سے نبی وارد ہوئی ہے اور اس کے بارے میں صحیح احادیث ہیں۔ اس کی خدمت میں عرض کی جائے گی: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جسے فقر کے عالم میں صبر پر اعتماد نہ ہو اور جب ضروریات کے لیے مال نہ پائے تو سوال کرنے کا خوف ہو۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ اس صفت کے حامل نہیں بلکہ وہ اس طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرِّ آءٍ وَحِينَ الْبَأْسِ (البقرہ: 177) ان کے بارے میں ایثار مال روکنے سے بہتر ہے اور جو آدمی صبر نہ کرے اور سوال کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اس کے لیے ایثار کی بجائے مال روک لینا افضل ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے: ایک آدمی ایک انڈے کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی: یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینکا فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک وہ تمام مال لے آتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے، اسے صدقہ کرتا ہے پھر لوگوں سے سوال کرنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے“ (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** ذات کی قربانی مال کی قربانی سے بڑھ کر ہے اگرچہ وہ آخر کار نفس کی طرف ہی طرف لوٹ آئے مشہور و معروف ضرب الامثال میں سے یہ ہے: وَالْجُودُ بِالنَّفْسِ أَقْصَى غَايَةِ الْجُودِ ذات کی سخاوت سب سے بڑی سخاوت ہے۔ محبت کی تعریف میں صوفیاء کی عمدہ عبارات ہیں وہ یہ کہ یہ بھی ایثار ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اپنی قربت پر آپ کو ترجیح دی کہا: أَنَا رَاوِدْتَهُ عَنْ نَفْسِهِ مِثْلَ نَفْسِهِ نے اپنے بارے میں بہلانا چاہا۔ اپنی ذات کی سخاوت میں سے سب سے افضل سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سخاوت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ (احد) کے موقع پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھانکتے تھے تاکہ قوم کو دیکھیں تو حضرت ابو طلحہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نہ جھانکے کہیں وہ آپ کو تیری نہ ماریں میری گردن حاضر ہے نہ کہ آپ کی گردن، تیرے مجھے لگے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے

رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تو ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔

حضرت حذیفہ عدوی نے کہا: میں جنگ یرموک کے موقع پر اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میرے پاس کچھ پانی تھا۔ میں کہہ رہا تھا: اگر اس میں زندگی کی رمت ہوئی تو میں اسے پانی پلاؤں گا، اچانک میں اس کے پاس تھا۔ میں نے کہا: میں تجھے پانی پلاؤں؟ اس نے سر سے اشارہ کیا: ہاں، تو اچانک میں ایک ایسے آدمی کو پاتا ہوں جو آہ آہ کہہ رہا ہے۔ میرے چچا زاد بھائی نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کی طرف جاؤ (میں اس کی طرف گیا) تو وہ فوت ہو چکا تھا میں واپس ہشام کی طرف آیا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا، میں اپنے چچا زاد بھائی کی طرف لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مجھ پر کبھی کوئی آدمی اس طرح غالب نہیں آیا جس طرح بلخ کا ایک نوجوان مجھ پر غالب آیا۔ وہ حج کے ارادہ سے ہمارے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: اے ابایزید! تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا: اگر ہم کوئی چیز پاتے ہیں تو کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں بلخ کے کتوں کی یہی صورتحال ہے۔ میں نے پوچھا: تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ اس نے کہا: اگر ہم نہ پائیں تو شکر کرتے ہیں اور اگر ہم کوئی چیز پائیں تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں (1)۔ حضرت ذوالنون مصری سے پوچھا گیا: وہ زاہد جسے انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا: تین چیزیں، جمع شدہ چیز کو تقسیم کر دینا، مفقود چیز کی طلب کو ترک کرنا اور روزی کے حصول کے وقت دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ ابوالحسن انطاکی سے مروی ہے: ری کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات میں ان کے پاس تیس سے زائد آدمی جمع ہو گئے۔ ان کے پاس چند روٹیاں تھیں جو سب کو سیر نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کیے، چراغ کو گل کر دیا اور کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب کھانے کو اٹھایا گیا تو کھانا اسی طرح تھا۔ اس کھانے میں سے کسی نے بھی کوئی چیز نہ کھائی تھی، متعدد دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا تھا۔

**مسئلہ نمبر 10۔** وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ خَصَاصَةٌ سے مراد ایسی حالت ہے جس کی وجہ سے اموال میں خلل واقع ہو جائے۔ اس کی اصل اختصاص ہے اس سے مراد کسی امر کے لیے خاص ہونا۔ خَصَاصَةٌ کا معنی ہوا حاجت میں منفرد ہونا یعنی اگرچہ انہیں فاقہ اور حاجت لاحق ہو، اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَمَّا الرِّبْعُ إِذَا تَكُونُ خَصَاصَةٌ

جہاں تک ربع کا تعلق ہے جب اسے حاجت لاحق ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُؤَقِّ شَخَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفُلُحُونَ ①۔ شخ اور فحل دونوں برابر ہیں، رجل شعیح جس کا بخل واضح ہو اس کے لیے شخ، شخ اور شحاصہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے: عمرو بن مکتوم نے کہا:

تَرَالنَّحِزَ الشَّعِیْحَ تَوَانْتَهَانِیْ بَخْلٍ كَوْدٍ كَيْفَ كَا۔

بعض اہل لغت نے شخ کو بخل سے بھی زیادہ شدید قرار دیا ہے۔ صحاح میں ہے: شخ سے مراد بخل کے ساتھ حرص مراد



ہے۔ تو کہتا ہے: شَحِخْتُ، تَشِخُّ، شَحَخْتُ، تَشِخُّ، تَشِخُّ، رَجُلٌ شَحِيحٌ، قومٌ شَحاحٌ، قومٌ أَشْحَةُ۔

آیت سے مراد ہے زکوٰۃ میں بخل کرنا اور ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی اور ضیافت وغیرہ جو فرض نہیں ان میں بخل کرنا۔ جو آدمی ان مصارف پر مال خرچ کرے اور اپنے لیے بھی کچھ روک لے تو وہ شح اور بخیل نہیں اور جو آدمی اپنی ذات پر زیادہ خرچ کرے اور ہم نے زکوٰۃ اور طاعات میں سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں خرچ نہ کرے تو اس نے اپنے آپ کو بخل سے نہیں بچایا۔

اسود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَ مَنْ يُؤْتِ شَيْخٌ نَفْسَهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں ایک بخیل آدمی ہوں، میں اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکالتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ شح نہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ بے شک وہ شح جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا مال ظلماً کھائے، لیکن جس چیز کا تو نے ذکر کیا ہے وہ بخل ہے اور بخل بھی کتنی بری چیز ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے؟ طاؤس نے کہا: بخل سے مراد یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں بخل کرے اور شح یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کے بارے میں کنجوسی کرے۔ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے حلال و حرام کے طریقہ سے حاصل کرے، وہ اس میں قناعت نہیں کرتا۔

ابن جبیر نے کہا: شح سے مراد زکوٰۃ روک لینا اور حرام چیز کو ذخیرہ کرنا۔ ابن عیینہ نے کہا: شح سے مراد ظلم ہے۔ لیث نے کہا: فرائض کو ترک کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو اپنانا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جو اپنی خواہش کی اتباع کرے اور ایمان کو قبول نہ کرے وہ شح ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع کیا ہو وہ نہ لے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز کا حکم دیا ہے شح اسے اس چیز سے نہ روک سکے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شح سے بچالیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَرِيءٌ مِنَ الشُّحِّ مَنْ أَذَى الزَّكَاةَ وَقَرَى الضَّيْفَ وَأَعْطَى فِي النَّاسِثَةِ وَهُوَ آدَمِيٌّ جَسَ نَزَكَةَ دِيٍّ، مَهْمَانٌ كِي ضِيَا فِت كِي اور مصیبت کے وقت کسی کو مال دیا تو وہ شح سے بری ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَحِّ نَفْسِيْ وَاَسْرَافِهَا وَاَسَاوِسِهَا۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کے شح، اس کے اسراف اور اس کے وساوس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابو الہیاج اسدی نے کہا: میں نے طواف میں ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شح سے بچا۔ وہ اس سے زیادہ کوئی دعا نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا: جب میں نے اپنے نفس کو شح سے بچالیا تو میں چوری نہیں کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا اور اس جیسا کوئی فعل نہیں کروں گا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ہیں۔

میں کہتا ہوں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ

فَإِنَّ الشَّخْرَ أَهْلَكَ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَسْبُكُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحْلَوْا مَحَارِمَهُمْ ظَلَمَ سَ بْجُو كَيْونَكَ قِيَامَتِ كَ رُوزِ ظَلَمَ تَارِكِيَا بَ هُؤ لَ كَ ، شَخ سَ بْجُو كَيْونَكَ شَخ نَ اَن لُؤ كُؤ كُؤ هَلَاك كَر دِيَا جُؤ م سَ سَ بْ لَ تَ تَ هَ اَس نَ لُؤ كُؤ كُؤ بَرَا يَ غِيْخَتَ كِيَا كَ وِ هَ اَ پَ نَ خُؤ نُؤ كُؤ بَ هَا كِيَا اُؤ رَا پَ نِي مَحَارِم كُؤ حَلَال جَانِيَا . هَ م نَ اَس كِي وَضَا حَت سُؤ رَ اَلْ اَمْرَان كَ اَخْرِيَا كِي هَ . كَسْرِي نَ اَ پَ نَ سَا تَ حِيُؤ سَ كَ بَا تَ هَا : اَن سَان كَ لِيَ سَ ب سَ زِيَا دَ تَ كَلِيْف دَ هَ چِيْز كِيَا هَ ؟ لُؤ كُؤ كُؤ نَ كَ بَا : فُؤ رُؤ تَ لَ غَدَسْتِي . كَسْرِي نَ كَ بَا : شَخ فُؤ رُؤ سَ زِيَا Dَ نَقْصَان دِيَنَ وَا لِي هَ كِيُونَكَ فُؤ قِيْر جَ ب كُؤ نِيْ چِيْز پَا تَا هَ تُو سِيْر هُو جَا تَا هَ اُؤ رِ شَخ جَ B پَا تَا هَ تُو كَ بَ هِيْ سِيْر نَ هِيَا هُو تَا .

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا

بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

”اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ مراد تابعین اور قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: لوگوں کے تین درجے ہیں (۱) مہاجرین (۲) انصار جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ۔ (۳) بعد کے مومنین جو قیامت تک آئیں گے جن کا ذکر وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ کے ساتھ کیا گیا ہے، اس لیے کوشش کرو کہ ان سے باہر نہ نکلو۔ کسی نے کہا: سورج بنو، اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چاند بنو، اگر یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو روشن ستارہ بنو۔ اگر تم یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو چھوٹا ستارہ بن جاؤ اور نور کی جہت ختم نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا معنی ہے مہاجر ہی بن جاؤ۔ اگر تو کہے: میں تو ایسا موقع نہیں پاتا تو انصاری بن جاؤ اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو ان کے اعمال جیسے اعمال کرو، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھو تو ان سے محبت کرو اور ان کے حق میں بخشش طلب کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔

حضرت مصعب بن سعد نے کہا: لوگوں کی تین منازل ہیں دو منزلیں گزر چکی ہیں اور ایک منزل باقی ہے جس پر تم ہو اس میں بہترین یہ ہے کہ جو منزل باقی ہے تم اسی منزل پر رہو۔

جعفر بن محمد بن علی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے نواسے! آپ حضرت عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے اسے فرمایا: اے بھائی! تو اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلْفَقْرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اگر تو اس آیت کا مصداق نہیں تو ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ اس نے عرض کی: نہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو تیسری آیت کا مصداق بھی نہ بنے تو تم اسلام سے خارج ہو جاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا



الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت محمد بن علی بن حسینؑ بنیہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عراق کے چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کو سب و شتم کیا پھر حضرت عثمان غنیؓ کو بھی برا بھلا کہا اور حد سے تجاوز کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، پوچھا: کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے دارحجرت کو پہلے ہی ٹھکانہ بنایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: تم ان دونوں جماعتوں سے نہ ہونے کا اعلان کر چکے ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ اٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا کرے (1)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت صحابہ کرام کی محبت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ ان کے بعد جو لوگ بھی ہو گئے مال فنی میں ان کا حصہ اس صورت میں ہے جب تک وہ لوگ صحابہ کی محبت، ان کی حمایت اور بخشش طلب کرنے پر قائم رہیں گے جس نے ان سب کو گالیاں دیں یا ان میں سے ایک کو گالیاں دیں یا ان میں کسی شرکا اعتقاد رکھا تو مال فنی میں ان کا کوئی حق نہیں؛ یہی چیز امام مالک اور دوسرے علماء سے بھی مروی ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حضرت محمد ﷺ کے اصحاب میں سے کسی سے بھی بغض رکھتا ہے یا اس کے دل میں ان کے بارے میں کوئی کینہ ہے تو مسلمانوں کے مال فنی میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء کے اقوال میں سے صحیح یہ ہے کہ منقولہ اموال کو تقسیم کر دیا جائے اور جائیداد اور زمین کو تمام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے باقی رکھا جائے جس طرح حضرت عمرؓ نے کیا مگر یہ کہ والی اجتہاد کرے، وہ امر نافذ کرے اور اس کا عمل اس میں جاری و ساری ہو جائے کیونکہ لوگوں کا اس میں اختلاف تھا یہ آیت اس بارے میں فیصلہ کرنیوالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فنی کے بارے میں خبر دی اور اسے تین طائفوں کے لیے بنایا، مہاجرین، انصار یہ تو معلوم و مشہور ہیں، وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ یہ آیت تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے عام ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے، فرمایا: السلام علیکم دار قوم مؤمنین و انان شاء اللہ بکم الاحقون و حدث ان رأیت اخواننا، اے مومن قوم کے گھر (والو!) تم پر سلام ہو ہم ان شاء اللہ تمہیں لاحق ہونے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: بلکہ تم میرے صحابہ ہو ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے میں حوض پر پہلے جا کر ان کا انتظام کرنے والا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے واضح کیا کہ ان کے بھائی وہ ہیں جو ان کے بعد آئیں گے (3)۔ بات اس طرح نہیں جس طرح

**مسئلہ نمبر 4۔** يَقُولُونَ حَالِ بُونِے كِ حِشِيَتِ ے مَحَلِ نَصَبِ مِی ے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
 آخِرُ جَزَاءِ لَنَا خُرُوجُ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ  
 اللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○

”کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے



بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔“

منافقوں نے یہودیوں کے ساتھ مدد کا جو وعدہ کیا اس سے یہودیوں کے دھوکہ کھانے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ منافق نہ کسی دین پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کتاب پر اعتقاد رکھتے ہیں ان منافقین میں سے عبد اللہ بن ابی سلول، عبد اللہ بن نبتل اور رفاعہ بن زید تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رافعہ بن تابوت اور اوس بن قنیطی تھے۔ وہ انصار میں سے تھے لیکن انہوں نے منافقت کی اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کہا: لَیِّنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قول بنو نضیر نے بنو قریظہ سے کیا تھا۔ اور وَلَا تُطِيعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا میں احد سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس میں علم غیب کی جہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر دلیل موجود ہے کیونکہ یہودیوں کو نکالا گیا اور منافقین نہ نکلے ان کے ساتھ جنگ کی گئی اور منافقین نے ان کی مدد نہ کی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰی گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں جھوٹے ہیں۔

لَیِّنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَیِّنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَیِّنْ نَّصْرُوْهُمْ  
لَیُّوْلُنَّ اِلَّا ذُبَابًا ۚ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝۱۰

”(سن لو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔“

یعنی وہ شکست کھا کر پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خوشی خوشی ان کی مدد نہ کریں گے۔ اگر وہ مجبوراً مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کی ہمیشہ مدد نہیں کریں گے۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب دونوں ضمیروں کا مصداق ایک ہو۔ اگر مصداق مختلف ہو تو اس کا معنی ہے اگر یہودیوں نے منافقین کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَیِّنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی کے علم میں تھا اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ وَلَیِّنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ اگر ان سے قتال کیا گیا ہے تو منافق ان کی مدد نہ کریں گے۔ پھر فرمایا: لَیُّوْلُنَّ اِلَّا ذُبَابًا تو یہ گفتگو اس انداز میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا الْبَآلُھُۡۤ اَعْنٰہُ (الانعام: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے وَلَیِّنْ نَّصْرُوْهُمْ یعنی اگر ہم چاہیں کہ وہ ان کی مدد کریں تو یہ امر ہم ان کے لیے مزین کر دیں گے لَیُّوْلُنَّ اِلَّا ذُبَابًا۔

لَا اَنْتُمْ اَشَدُّ رَہْبَةً فِیْ صُدُوْا بِھُمْ مِّنْ اللّٰہِ ۚ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَھُوْنَ ۝۱۱

”اے فرزند ان اسلام! ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے، یہ اس لیے کہ وہ نا سمجھ لوگ ہیں۔“

لَا اَنْتُمْ یعنی اے مسلمانوں کی جماعت! اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تم بنو نضیر کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہیبت والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافقین کے سینوں میں تم زیادہ ہیبت والے ہو۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ ہم ضمیر دونوں جماعتوں کے لیے ہو یعنی یہ دونوں طبقات اللہ تعالیٰ کی نسبت تم سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کی قدر نہیں سمجھتے۔

لَا يُقَاتِلُوْكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرَىٰ مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ

شَدِيْدٌ ۚ تَحْصِيْنُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتٰی ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

”(یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔“

لَا يُقَاتِلُوْكُمْ جَمِيْعًا اَوْ ضَمِيْر سے مراد یہودی ہیں۔ اِلَّا فِيْ قُرَىٰ مُّحَصَّنَةٍ وہ دیواروں اور گھروں کی اونٹوں میں رہتے ہوئے تم سے جنگ کریں گے وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں انہیں تم سے محفوظ رکھیں گی۔ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ دیواروں کے پیچھے سے وہ بزدلی اور خوف کی وجہ سے ان کے پیچھے چھپے ہیں۔ عام قراءت جُدُر ہے جو جمع کا صیغہ ہے؛ یہ ابو عبیدہ اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فِيْ قُرَىٰ مُّحَصَّنَةٍ کی طرح ہے۔ اور قرمی جمع کا صیغہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابن کثیر، ابن محیسن اور ابو عمرو نے جدار واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مکہ کے ایک قاری نے اسے جدر پڑھا ہے یہ بھی جدار میں ایک لغت ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو وہ اپنے باغوں اور درختوں کی اوٹ سے لڑیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَجْدَر النخل جب موسم بہار میں کھجور کی کونپلیں پھوٹیں جدر سے مراد بوٹی ہے اس کی واحد جدرہ ہے اسے جدر پڑھا گیا ہے۔ جو جدار کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے واحد میں الف اس طرح ہو جس طرح کتاب میں الف ہے اور جمع میں الف اس طرح ہے جس طرح ظراف میں الف ہے۔ اس کی نقل ناقة هَجَا وْنَوْقٌ هَجَا ہے کیونکہ ثنیہ میں هَجَانان ہے پھر واحد اور جمع کا لفظ لفظاً ایک دوسرے کے مشابہ اور معنی میں مختلف ہیں؛ یہ ابن جنی نے قول کیا ہے۔

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ یعنی ان کی ایک دوسرے کے حق میں عداوت شدید ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ سخت گفتگو کرتے ہیں اور یوں دھمکیاں دیتے ہیں: لنفعلن کذا سدی نے کہا: مراد ان کے دلوں کا اختلاف ہے وہ ایک امر پر متفق نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب دشمن سے ملاقات نہیں ہوتی تو وہ اپنے آپ کو شدت اور باس کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو شکست کھا جاتے ہیں۔

تَحْصِيْنُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتٰی مراد یہود و منافقین ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ ثوری نے کہا: مراد مشرک اور اہل کتاب ہیں۔ قتادہ نے کہا: تم ان کے بارے میں گمان کرو گے کہ وہ ایک امر اور رائے پر مجتمع ہیں جبکہ ان کے دل مختلف ہیں۔ اہل باطل کی آراء مختلف ہیں ان کی شہادتیں مختلف ہیں، ان کی خواہشات مختلف ہیں اور



وہ اہل حق کی عداوت میں مجتمع ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ ارادہ کیا کہ منافقین کا دین، یہودیوں کے دین کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے واضح کیا تا کہ ان کے خلاف مومنوں کے دل قوی ہو جائیں؛ شاعر نے کہا:

ہی الیوم شتی وھی أمس جتلم

وہ آج مختلف ہے اور وہ کل مجتمع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وقلوبہم اشبت ہے یعنی ان کے دل اختلاف میں بہت شدید ہیں۔ ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْقِلُونَ ۝ ان میں یہ اختلاف اور کفر اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے، اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں سمجھتے۔

کَمَثَلِ الذِّینَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَا قُوَا وَبَالَ أَمْرِ هُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیمٌ ۝

”یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنو قریظہ ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں (1)۔ بنو قریظہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت عطا فرمائی۔ مجاہد نے کہا: غزوہ بدر کے موقع پر قریش کے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ہر اس قوم کے بارے میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بنو نضیر سے قبل اس کے کفر کی وجہ سے انتقام لیا۔ وبال کا معنی ان کے کفر کی جزا ہے۔ جس نے کہا: وہ بنو قریظہ ہیں تو اس نے وَبَالَ أَمْرِ هُمْ کی تعبیر ان کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے آنا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے ان کے جنگجو افراد کو قتل کرنے اور ان کے بچوں کو قیدی بنالینے کا حکم دیا؛ یہ نحاک کا قول ہے۔ جس نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں اس نے کہا: وبال سے مراد ان کی جلا وطنی ہے، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے واقعہ کے درمیان دو سال کا عرصہ حائل تھا۔ غزوہ بدر کا واقعہ غزوہ بنو نضیر سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا؛ اسی وجہ سے فرمایا: قَرِيبًا ایک قوم کا کہنا ہے کہ بنو نضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیمٌ ۝ آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کَمَثَلِ الشَّیْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اٰکْفُرْ ۖ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْکَ اِنِّیْ

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَکَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدٰیْنِ فِیْہَا ۖ وَ

ذٰلِکَ جَزَآؤُ الظَّالِمِیْنَ ۝

”منافقین اور یہودی کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے: انکار کر دے، اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں

(شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ یہ منافقوں اور یہودیوں کے لیے ضرب المثل ہے کہ وہ بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں اور مدد کے وعدہ کو پورا نہیں کرتے (1)۔ حرف عطف کو حذف کیا كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ نہیں کہا کیونکہ حرف عطف اکثر حذف ہوتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: انت عاقل، انت کریم، انت عالم۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ انسان جسے شیطان نے کہا تھا تو کفر کروہ ایک راہب تھا اس کے ہاں ایک عورت چھوڑ دی گئی جس کو سایہ کا مرض تھا تا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے۔ شیطان نے اس راہب کے لیے اس عمل کو مزین کیا تو راہب نے اس عورت سے وطی کی تو وہ عورت حاملہ ہو گئی پھر شرمندگی سے بچنے کے لیے اس عورت کو قتل کر دیا۔ شیطان نے اس کی قوم کو اس عورت کی میت کی جگہ سے آگاہ کر دیا، وہ لوگ آئے انہوں نے راہب کو نیچے اتارا تا کہ اسے قتل کریں۔ شیطان اس راہب کے پاس آیا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ لوگوں سے اسے بچالے گا۔ اس راہب نے اس کے سامنے سجدہ کیا تو شیطان نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا اور اسے ان کے سپرد کر دیا۔“ اس روایت کو اسماعیل اور علی بن مدینی نے سفیان بن عیینہ سے وہ عمرو بن دینار سے وہ عروہ بن عامر سے وہ حضرت عبید بن رفاعہ زرقی سے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، الفاظ مختلف ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ راہب فترہ کے دور میں تھا جسے برصیصا کہتے۔ اس نے اپنی عبادت گاہ میں ستر سال تک عبادت کی اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی یہاں تک کہ اس نے ابلیس کو بھی بے بس کر دیا۔ ابلیس نے سرکش شیاطین کو جمع کیا اس نے کہا: کیا میں تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں پاتا جو برصیصا کے معاملہ میں مجھے کافی ہو؟ انہیں نے کہا: جو انبیاء کو آزمائش میں ڈالنے کی کوشش کرتا یہی وہ شیطان تھا جس نے جبریل امین کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دی تا کہ وحی کی صورت میں وسوسہ اندازی کرے۔ حضرت جبریل امین حاضر ہو گئے اور دونوں کے درمیان آگئے پھر اس شیطان کو ہاتھ سے دھکا دیا یہاں تک کہ وہ بند کے در دراز علاقہ میں جا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذِی قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِينٍ (الکوثر) میں اسی قوت کی طرف اشارہ ہے۔ انہیں نے کہا: میں اس راہب کو تیری طرف سے کافی ہوں، وہ گیارہویں کا لباس پہنا، سر کے درمیان سے حلق کرایا یہاں تک کہ برصیصا کی عبادت گاہ کے پاس آیا۔ انہیں نے برصیصا کو ندا دی تو برصیصا نے اس انہیں شیطان کو کوئی جواب نہ دیا وہ اپنی عبادت میں وقفہ نہیں کرنا تھا مگر دس دنوں میں سے ایک دن وقفہ کرتا اور دس دنوں میں سے ایک دن روزہ افطار کرتا۔ وہ دس دن، بیس دن اور اس سے زیادہ دن صوم وصال رکھتا۔ جب انہیں نے یہ دیکھا کہ وہ اسے کوئی جواب نہیں دے رہا تو وہ بھی برصیصا کی عبادت گاہ کے نیچے والے حصہ میں عبادت کرنے لگا جس روز برصیصا نے نماز میں وقفہ کیا تو اس نے انہیں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر عبادت کر رہا



ہے اور راہوں کی بہت ہی اچھی حالت میں ایسا کر رہا ہے تو اس نے اس امر پر شرمندگی کا اظہار کیا کہ اس نے اسے اس وقت کوئی جواب نہ دیا تھا جب اس نے اسے بلایا تھا۔ برصیصاء نے پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ادب سے ادب سیکھنا چاہتا ہوں اور تیرے عمل سے اقتساب فیض کرنا چاہتا ہوں اور ہم اکٹھے عبادت کریں گے۔ برصیصاء نے کہا: میں تجھ سے اعراض کرنے والا ہوں۔ پھر اپنی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا اور ابیض بھی نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب برصیصاء نے اس کی سخت محنت اور عبادت کو دیکھا تو پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے پاس اوپر آ جاؤں۔ برصیصاء نے اسے اجازت دے دی۔ ابیض اس کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ وہ چالیس دنوں میں صرف ایک روز افطار کیا کرتا تھا اور چالیس دنوں میں عبادت میں ایک دن وقفہ کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ اس عرصہ کو چالیس روز تک بڑھا دیتا۔ جب برصیصاء نے اس کی محنت کو دیکھا تو اسے اس کے مقابلہ میں اپنا عمل تھوڑا محسوس ہوا۔ پھر ابیض نے کہا: میرے پاس ایسی دعائیں ہیں اللہ تعالیٰ جن کے ذریعے بیمار، ابتلاء زدہ اور مجنون کو شفاء عطا فرماتا ہے اور وہ دعائیں برصیصاء کو سکھا دیں۔ پھر ابلیس کے پاس آ گیا۔ اس سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر ایک آدمی سے آ منا سامنا ہوا، اس کا گلہ دیا یا پھر اس کے گھر والوں سے کہا جب کہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا: تمہارے ساتھی کو جنون کا مرض ہے کیا میں اس کا علاج کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جنیہ پر میرا کوئی اختیار نہیں بلکہ تم اسے برصیصاء کے پاس لے جاؤ۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جب اس کے واسطے سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کر دیتا ہے اور جب اس کے واسطے سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرتا ہے۔ لوگ برصیصاء کے پاس آئے تو شیطان اس آدمی کے پاس سے چلا گیا پھر ابیض لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتا اور برصیصاء کی طرف ان کی راہنمائی کرتا اور لوگ اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر وہ بادشاہ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی تک جا پہنچا جس کے تین بھائی تھے ان کا باپ بادشاہ تھا، وہ خود مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا نائب بنایا ان کا چچا بنی اسرائیل میں بادشاہ تھا۔ ابیض نے اس بچی کو بڑی تکلیف دی اور اس کا گلہ دیا یا پھر ایک معالج کی حیثیت سے ان کے پاس آیا تاکہ اس کا علاج کرے، پھر کہا: اس کا شیطان بہت ہی سرکش ہے وہ قابو آنے والا نہیں بلکہ اسے برصیصاء کی طرف لے جاؤ اور اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ جب اس کا شیطان آئے گا، برصیصاء اس کے حق میں دعا کرے گا تو وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا: برصیصاء ہماری اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ ابیض نے کہا: اس کی عبادت گاہ کے قریب ایک اور مینارہ بنا دو۔ پھر اس میں اس بچی کو رکھ آؤ اور اسے کہہ آؤ: یہ تیرے پاس امانت ہے اس کا خیال رکھنا۔ لوگوں نے برصیصاء سے پوچھا: اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس طرح کی عبادت گاہ بنائی اور لڑکی کو وہاں ہی چھوڑ آئے۔ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہوا اس نے اس لڑکی اور اس کے جمال کو دیکھا تو اس کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ نیچے گر گیا۔ شیطان اس بچی کے پاس آیا اور اس کے گلے کو دبایا، اس نے عبادت میں وقفہ کیا، اس کے حق میں دعا کی تو شیطان اس کے پاس سے چلا گیا۔ پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شیطان اس کے پاس پھر آیا اور اس کا گلہ دیا یا۔ شیطان اس کے ستر سے پردے کو ہٹاتا اور برصیصاء کے سامنے کرتا پھر برصیصاء کے پاس

شیطان آیا اور کہا: تو ہلاک ہو، اس سے لطف اٹھا تو اس کی مثل کوئی عورت نہیں پائے گا، پھر توبہ کر لینا۔ شیطان لگا تا اس کے پاس آتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکی سے بدکاری کی وہ لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس کا حمل ظاہر ہو گیا۔ شیطان نے اسے کہا: تو ہلاک ہو! تو تورا سوا ہو گیا۔ کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو اس کو قتل کرے پھر توبہ کر لے اور رسوا نہ ہو۔ اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور تجھ سے سوال کریں تو کہہ دینا: اس کا شیطان اس کے پاس آیا تھا اور اسے لے گیا ہے۔ برصیصاء نے اسے قتل کر دیا اور رات کے وقت دفن کر دیا۔ شیطان نے اس لڑکی کے کپڑوں کی ایک جانب کو پکڑ لیا یہاں تک کہ مٹی میں سے باہر نکال دیا اور برصیصاء اپنی عبادت گاہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔ پھر شیطان خواب میں اس کے بھائیوں کے پاس آیا اور کہا: برصیصاء نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ عمل کیا ہے پھر اسے قتل کیا اور فلاں فلاں پہاڑ میں اسے دفن کیا ہے۔ انہوں نے اس امر کو عجیب و غریب جانا۔ انہوں نے برصیصاء سے پوچھا: تو نے ہماری بہن کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: اس کا شیطان اسے لے گیا۔ انہوں نے برصیصاء کی تصدیق کی اور واپس چلے گئے۔ شیطان پھر ان کے پاس نیند میں آیا، اس نے کہا: وہ تو فلاں فلاں جگہ مدفون ہے اور اس کی چادر کی ایک جانب مٹی سے باہر ہے۔ وہ لوگ اس جگہ گئے اور اسے اس طرح پایا۔ انہوں نے برصیصاء کی عبادت گاہ کو گرا دیا، اسے نیچے اتارا اور اس کا گلابا دیا اور اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ برصیصاء نے اپنے خلاف اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ جب برصیصاء کو سولی پر لٹکایا گیا تو شیطان نے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! کہا: میں وہی تیرا ساتھی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں۔ کہا: تو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا، کیا تجھے حیا نہ آئی جبکہ تو بنی اسرائیل میں سے سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔ پھر تیرا عمل تجھے کافی نہ ہوا یہاں تک کہ تو نے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر لیا اور اپنے خلاف اقرار کر لیا اور اپنے جیسے لوگوں کو بھی ذلیل و رسوا کر دیا۔ اگر تو اسی طرح مر گیا تو تیرے بعد تجھ جیسے افراد میں سے کوئی کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ برصیصاء نے پوچھا: میں کیا کروں؟ اس نے کہا: تو میری ایک بات مان میں تمہیں ان سب سے نجات دلا دوں گا اور ان کی آنکھیں سلب کر لوں گا۔ برصیصاء نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابیض نے کہا: تو مجھے ایک سجدہ کر۔ اس نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں۔ برصیصاء نے اللہ تعالیٰ کی بجائے اسے سجدہ کیا۔ ابیض نے کہا: اے برصیصاء! میں نے تجھ سے اسی کا ارادہ کیا تیرا انجام یہ ہوا کہ تو نے اپنے رب کا انکار کر دیا، میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ عبادت گزار تھا اس کے زمانہ میں تین بھائی تھے اور ان کی ایک بہن تھی۔ وہ نو جوان بچی تھی، اس کی کوئی اور بہن نہیں تھی۔ تینوں کو ایک فوجی مہم پر جانا پڑا وہ نہیں جانتے تھے کہ اپنی بہن کو کس کے پاس چھوڑ جائیں؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کس کے پاس محفوظ رہے گی اور کس کے پاس سے اسے ضائع کر بیٹھیں گے؟ ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ وہ اسے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار کے پاس چھوڑ جائیں انہیں اس پر اعتماد تھا وہ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ وہ اپنی بہن کو اس کے پاس چھوڑ جائیں، وہ اس کی عبادت گاہ اور پناہ میں رہے گی یہاں تک کہ وہ جنگ سے واپس آ جائیں۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ان سے اور ان



کی بہن سے اللہ کی پناہ چاہی وہ لگا تار اس سے مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کی بات مان لی۔ اس نے کہا: میری عبادت گاہ کے سامنے والے کمرے میں اسے ٹھہرا جاؤ۔ انہوں نے اسے اس کمرہ میں ٹھہرا دیا پھر وہ چلے گئے اور اسے وہاں چھوڑ دیا۔ وہ ایک زمانہ تک اس عبادت گزار کی پناہ گاہ میں رہی وہ اپنی عبادت گاہ سے اس کے لیے کھانا لاتا، اسے عبادت گاہ کے دروازہ پر رکھتا پھر دروازہ بند کر دیتا اور اپنی عبادت گاہ پر چلا جاتا، پھر اسے حکم دیتا وہ اپنے کمرے سے نکلتی تو اس کے لیے جو کھانا رکھا ہوتا اسے لے لیتی۔ شیطان نے اس کے ساتھ لطیف حیلہ کیا وہ اسے بھلائی کی رغبت دلاتا اور بچی کے لیے دن کے وقت گھر سے نکلنے کو بہت برا خیال کرتا اور اسے ڈراتا کہ کوئی اسے دیکھ ہی نہ لے اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ وہ ایک زمانہ تک اسی خیال میں رہا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی اور اجر میں رغبت دلائی اسے کہا: اگر تو خود اس کی طرف کھانا لے جائے یہاں تک کہ تو خود کھانا اس کے کمرے میں رکھ آئے تو یہ تیرے لیے بڑے اجر کا باعث ہو گا۔ وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ کھانا اس کے کمرے تک لے گیا اور کھانا اس کے کمرے میں رکھ آیا۔ وہ کافی عرصہ سے یہی کام کرتا رہا پھر اس کے پاس ابلیس آیا، اسے بھلائی کی طرف رغبت دلائی اور اسے اس پر برا ہیچنتہ کیا اور کہا: اگر تو اس کے ساتھ کلام کرتا اور وہ تیری گفتگو سے مانوس ہوتی کیونکہ اسے سخت تنہائی کا سامنا ہے۔ وہ اس طرح کرتا رہا وہ اپنی عبادت گاہ سے اس پر جھانکتا پھر ابلیس اس کے پاس آیا کاش! تو اس کی طرف اترتا تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر بیٹھتا اور تو اس سے بات کرتا اور وہ اپنے کمرے کے دروازے پر بیٹھتی تو یہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوتا۔ وہ اس طرح باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اسے نیچے اتارا اور اسے اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر لا بٹھایا وہ اس لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا، وہ لڑکی اپنے کمرے سے نکلتی وہ طویل عرصہ تک اسی طرح باتیں کرتے رہے، پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے خیر و ثواب کی رغبت دلائی جو وہ اس لڑکی کے ساتھ حسن عمل کر سکتا تھا اور کہا: اگر تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ سے نکلے اور اس لڑکی کے کمرہ کے دروازہ کے قریب بیٹھے تو وہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہو گا، وہ اسی طرح راغب کرتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے یہ عمل بھی کیا۔ وہ طویل عرصہ تک اسی طرح رہے۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی کی رغبت دلائی اور جو وہ احسان اس لڑکی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے حسن ثواب کا ذکر کیا اور اس سے کہا: اگر تو اس کے کمرے کے دروازے کے قریب چلا جائے اور وہ اپنے کمرے سے نہ نکلے۔ اس عبادت گزار نے اسی طرح کیا وہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اترتا اس کے کمرے کے دروازے پر بیٹھتا اور اس سے باتیں کرتا۔ وہ دونوں اسی حالت میں رہے اس کے پاس پھر ابلیس آیا کہا: اگر تو اس کے کمرے میں داخل ہو اور اس سے باتیں کرے اور وہ لڑکی کسی کے لیے بھی اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے تو یہ تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ وہ اسی طرح دوسرے ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا، وہ سارا سارا دن اس سے باتیں کرتا رہا، جب شام ہوتی وہ اپنی عبادت گاہ میں چلا جاتا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا وہ لگا تار اس لڑکی کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا یہاں تک کہ عبادت گزار نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لیا۔ ابلیس لگا تار اسے مزین کر کے پیش کرتا رہا اور غلاتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے اس کے ساتھ بدکاری کی اور اس لڑکی کو حمل ہو گیا تو اس کا لڑکا پیدا ہو گیا۔ ابلیس اس کے پاس آیا اسے کہا: بتا اگر اس لڑکی کے بھائی

تیرے پاس آئے جبکہ اس لڑکی نے تجھ سے یہ بچہ جنا ہے تو تو کیا کرے گا؟ مجھے تو خوف ہے کہ تو رسوا ہو جائے گا۔ اس کے بیٹے کی طرف اٹھو اسے ذبح کر دو اور اسے دفن کر دو۔ یہ اپنے بھائیوں کے ڈر سے تیرا راز مخفی رکھے گی کہ جو کچھ تو نے اس کے ساتھ کیا ہے وہ اس پر مطلع ہوں۔ اس نے اسی طرح کیا، پھر اسے کہا: کیا تیرا خیال ہے کہ یہ اس راز کو اپنے بھائیوں سے مخفی رکھے گی جو تو نے اس کے ساتھ کیا اور اس کے بیٹے کو قتل کیا؟ اسے پکڑ لے اسے ذبح کر دے اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے بھی دفن کر دے۔ شیطان لگا تا رہا اور اسے درغل تا رہا یہاں تک کہ اسے بھی ذبح کر دیا اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے گڑھے میں پھینک دیا اور اس پر بہت بڑی چٹان ڈال دی اور اپنے گرجے میں عبادت کرنے لگا۔ وہ اس میں اس طرح رہا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہے یہاں تک کہ اس کے بھائی جنگ سے واپس آئے وہ اس کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ رابب نے اس کی خبر دی اور اس کے لیے دعا کی اور ان کے لیے رویا اور کہا: وہ بہت اچھی بچی تھی، یہ اس کی قبر ہے اسے دیکھ لو۔ بھائی قبر پر آئے اور اس کی قبر پر روئے اور اس کے لیے رحم کی دعا کی، چند روز اس کے قبر پر رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔ جب رات تاریک ہو گئی اور اپنے بستر پر سوئے تو شیطان ان کے پاس ایک مسافر کی صورت میں آیا۔ ان میں سے بڑے سے ان کی بہن کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عابد کے قول، اس کی موت اور دعا کے بارے میں بتایا اور جس طرح اس نے انہیں قبر دکھائی سب کا ذکر کیا۔ شیطان نے اسے جھٹلایا، کہا: اس نے تم سے تمہاری بہن کے بارے میں سچ نہیں بولا۔ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اس نے بچے اور اس لڑکی کو ذبح کیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا جو اس نے اس دروازہ کے پیچھے بنایا تھا جو آدی اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے اس کی دائیں جانب یہ گڑھا ہے۔ تم چلو اور دروازے سے داخل ہو جاؤ وہ گڑھا اس آدی کی دائیں جانب ہو گا جو آدی اس میں داخل ہوتا ہے، میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے تم وہاں سب کچھ پالو گے۔ وہ درمیانے کو خواب میں آیا اور اسے اس طرح بتایا پھر سب سے چھوٹے کے پاس آیا اسے بھی اس کی مثل بتایا۔ جب وہ سارے اٹھے تو ان میں سے ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس پر متعجب ہوا وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا: میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے اور ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: یہ خواب پریشان ہے یہ کوئی چیز نہیں چلو اور اس کو چھوڑ دو۔ ان میں سے سب سے چھوٹے نے کہا: میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اس جگہ کو نہ دیکھ لوں۔ وہ سب گئے یہاں تک کہ اس کمرے میں داخل ہوئے جن میں ان کی بہن رہتی تھی انہوں نے دروازہ کھولا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا جو خواب میں ان کے لیے بیان کی گئی تھی انہوں نے اپنی بہن اور اس کے بیٹے کو ذبح شدہ پایا وہ دونوں اس گڑھے میں تھے جس طرح ان کے لیے بیان کیا گیا تھا انہوں نے اس عبادت گزار سے پوچھا تو اس نے ابلیس کے قول کی تصدیق کر دی کہ اس نے ان دونوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ انہوں نے اپنے حاکم سے اس عبادت گزار کے خلاف مدد طلب کی اسے اس کے گرجا سے اتارا گیا اور وہ اسے لے گئے تاکہ اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ جب انہوں نے اسے سولی پر کھڑا کیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور اسے کہا: تو جانتا ہے میں وہی تیرا ساتھی ہوں میں نے تجھے اس عورت کے بارے میں فتنہ میں ڈالا یہاں تک کہ تو نے



اسے حاملہ کر دیا، تو نے اس کو ذبح کیا اور اس کے بیٹے کو ذبح کیا اگر تو آج میری اطاعت کرے اور جس اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے اس کا انکار کر دے تو تو جس مصیبت میں ہے میں تجھے اس سے نجات عطا کر دوں گا۔ اس عبادت گزار نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا۔ جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان اس کے اور اس کے ساتھیوں کے درمیان سے ہٹ گیا اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکا دیا، کہا: اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے منافقین کے یہودیوں کے ساتھ رویہ کی مثال بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ بنو نضیر کو مدینہ طیبہ سے جلا وطن کرے گا منافقین نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے نہ نکلوا اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور اگر وہ تمہیں گھروں سے نکالیں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو منافقوں نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ منافقوں نے ان سے یوں براءت کا اظہار کر دیا جس طرح شیطان نے برصیصا عابد سے براءت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد راہب تقیہ اور خفیہ انداز کو اپناتے فاسقوں اور فاجروں نے راہبوں پر ہمتیں لگائیں یہاں تک کہ جرتج راہب کا واقعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے بری کیا۔ اس کے بعد راہب پھیل گئے اور لوگوں کے لیے ظاہر ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے (1): منافقوں کو بنو نضیر کے ساتھ دھوکہ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ابلیس کی مثال ہے جب اس نے قریش کے کفار کو کہا۔ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ (الانفال: 48) مجاہد نے کہا: یہاں انسان سے مراد تمام لوگ ہیں جن کو شیطان دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ كَافِرًا إِنَّكَ كَاذِبٌ سَافِرٌ (الانفال: 48) انسان نے کہہ دیا کہ میں کافر ہوں شیطان کا قول اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ حقیقی معنی پر نہیں یہ صرف انسان سے براءت کے اظہار کے سلیقہ پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّیْ بِمِیْثَاقِکُمْ اِنِّیْ بَرِّئْتُکُمْ اِنِّیْ کَانَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَنَا بَرْءٌ (البقرہ: 177) کی تاکید کے طریقہ پر ہے (2)۔ اِنِّیْ کَانَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَنَا بَرْءٌ، ابن کثیر اور ابو عمرو نے فتح دیا ہے اور باقی نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔

فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنْهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا شَيْطَانٌ اور اس انسان کی عاقبت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے خَالِدَيْنِ حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ جس نے آیت کو راہب اور شیطان میں خاص کیا ہے اس میں تو تثنیہ ظاہر ہے جس نے اسے جنس کے لیے بنایا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا دونوں فریقوں اور دونوں صنفوں کا انجام عَاقِبَتُهُمَا کی نصب کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ کان کا اسم اَنْهُمَا فِي النَّارِ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا رَفْع کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ پہلے کی ضد ہے۔ اعمش نے خالد ان فیہا رَفْع کے ساتھ پڑھا ہے اس کا رَفْع اس صورت میں ہوگا کہ یہ انہی کی خبر ہے اور ظرف لغو ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اس کے اوامر، نواہی، فرائض کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَتَنْتَظِرْ نَفْسَ مَآقِدِّ مَٹ لُغْوِ غَد سے مراد یوم قیامت ہے۔ عرب زمانہ مستقل کو غد سے کنایہ تعبیر کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غد کا ذکر اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ قیامت قریب ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا: وَإِنْ غَدَ النَّاسُ قَرِيبٌ دیکھنے والوں کے لیے قیامت قریب ہے۔

حضرت حسن بھری اور قتادہ نے کہا: قیامت کو قریب کر دیا یہاں تک کہ اسے غد کی طرح بنا دیا (1)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور موت ہر صورت میں آنے والی ہے۔ مَآقِدِّ مَٹ سے مراد خیر اور شر ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اس قول کو تکرار کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: اعجل، اعجل، ارم، ارم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا تقویٰ سابقہ گناہوں سے توبہ ہے اور دوسرے تقویٰ سے مراد زمانہ آئندہ میں معاصی سے بچنا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ① سعید بن جبیر نے کہا: جو عمل تمہاری جانب سے ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (2)۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ② أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ③

”اور ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یہی نافرمان لوگ ہیں۔“

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا (3) فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا کہ وہ اپنے لیے بھلائی کا عمل کرے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفوس کا حق بھلا دیا؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس کا شکر اور تعظیم ترک کر کے اس کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دے کر بھلا دیا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے ذکر کریں؛ ابن عسلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: انہوں نے گناہوں کے وقت اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور توبہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا۔ فَأَنْسَاهُمْ میں اللہ تعالیٰ نے فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہ اس امر اور نبی کی وجہ سے تھا جس کو انہوں نے ترک کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا امر اور نبی کو ترک کرنے والا پایا۔ جس طرح تیرا یہ قول ہے: احدث الرجل جب تو نے اسے تعریف کیا گیا پایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے شدائد میں انہیں بھلا دیا۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ④ ابن جبیر نے کہا: مراد نافرمان ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ جھوٹے ہیں۔ فسق کا اصل معنی نکلنا ہے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گئے۔

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ⑤ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ⑥



”یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت، اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں۔“

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ یعنی فضیلت اور رتبہ میں ایک جیسے نہیں۔ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ الْفَائِزُونَ یعنی جنتی مقرب و مکرم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آگ سے نجات پانے والے ہیں۔ سورہ مائدہ آیت 100 میں قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ۔ سورہ سجدہ میں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱﴾ اور سورہ ص آیت 28 میں اَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲﴾ کے ضمن میں کلام گزر چکی ہے۔ اس لیے اس کے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ  
الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱﴾

”اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

لَوْ اَنْزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا قرآن کے مواعظ میں غور و فکر کرنے پر براہِ بخشتہ کیا جا رہا ہے اور اس امر کو واضح کیا کہ ترکِ تدبر میں کوئی عذر نہیں کیونکہ اس قرآن کے ساتھ اگر پہاڑوں کو خطاب کیا جاتا جبکہ ان میں عقل بھی ہوتی تو پہاڑ بھی اس کے مواعظ کو سنتے اور آپ انہیں دیکھتے کہ وہ انتہائی مضبوط ہونے کے باوجود عاجزی کا اظہار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے پھٹ جاتے۔ خاشع کا معنی ذلیل ہے اور متصدع کا معنی پھٹنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَاشِعًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جن امور میں اپنی طاعت کا مکلف بنایا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع کرنے والے ہیں۔ مُتَصَدِّعًا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے پھٹنے والے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے لیے مثال کے طریقہ پر ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتا تو وہ پہاڑ اس کے وعدہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی وعید کے سامنے پھٹ جاتا (۱)۔ اے لوگو! جو اس کے اعجاز کے سامنے مغلوب ہو تم اس کے وعدے میں رغبت نہیں رکھتے اور اس کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: خطابِ نبی کریم ﷺ کو ہے (۲)، یعنی اے محمد ﷺ! اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ثابت نہ رہتا اور قرآن کے نازل ہونے سے پھٹ جاتا جبکہ ہم نے اسے آپ پر نازل کیا ہے اور ہم نے آپ کو اس کے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ اس چیز کے لیے ثابت رہے جس کے لیے پہاڑ ثابت نہیں رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب امت کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کے ذریعے پہاڑوں کو ڈراتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جاتے انسان قوت میں کم اور

ثابت قدمی میں بڑھ کر ہے اگر وہ طاقت رکھے تو وہ اس کے حق کو بجالاتا ہے اور اگر نافرمانی کرے تو اس کے اوپر قادر ہے کیونکہ اس کو ثواب کا وعدہ اور عقاب کی وعید دی گئی ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ⑩

”اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا وہی بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ راز اور علانیہ امور کو جانتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ ماکان (جو کچھ ہو چکا) اور مایکون جو کچھ ہونے والا ہے اس کو جانتا ہے۔ سہل نے کہا: وہ آخرت اور دنیا کو جاننے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غیب سے مراد ہے جس کو لوگ نہ جانتے ہیں اور نہ بھی انہوں نے اسے دیکھا ہوتا ہے اور شہادت سے مراد ہے جس کو لوگ جانتے ہیں اور جسے لوگوں نے دیکھا ہوتا ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَلَمَلِكُ الْقُدُّوسِ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْهَيِّئُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ ⑪ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑫

”اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامتی رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔“

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَلَمَلِكُ الْقُدُّوسِ ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک۔ قدس اہل حجاز کی لغت میں سطل (ایک برتن) کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے قادوس ہے یہ لفظ اس برتن کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ساتھ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور اونٹنی سے مدد لی جاتی ہے۔ سیبو یہ کہا کرتے تھے: قدوس اور سیبو دونوں میں پہلا لفظ مفتوح ہے۔ اور ابو حاتم نے یعقوب سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کسائی کے نزدیک ایک فصیح بدو کو سنا جس کو ابودینار کہتے وہ پڑھ رہا تھا۔ القدوس یعنی قاف پر فتح پڑھ رہا تھا۔ ثعلب نے کہا: ہر اسم جو فَعُول کے وزن پر ہو اس کا پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جس طرح سَفُود، کَلْب، تَنُور، سَمُور، سَبُوط مگر السَّبُوح اور القدوس کیونکہ ان دونوں میں اکثر ضمہ آتا ہے۔ بعض اوقات ان دونوں پر فتح آتا ہے؛ اسی طرح ذرود بعض اوقات اس کو فتح دیا جاتا ہے۔

السَّلَام وہ نقائص سے سلامت ہے۔ ابن عربی نے کہا: علماء کا اتفاق ہے کہ لفظ السلام جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولا جائے تو یہ نسبت کے معنی میں ہوگا تقدیر ہوگی ذوالسلامۃ پھر اس اسم منسوب کے ترجمہ میں اختلاف ہے۔ وہ ہر عیب سے سلامت اور ہر نقص سے بری ہے۔ ذوالسلام جنت میں اپنے بندوں کو سلام کرنے والا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّكَ جَنَّاتٍ ⑬ (یس) مخلوق اس کے ظلم سے محفوظ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ خطاب کا قول ہے اسے اور اس سے قبل جو اسم ہے اس پر صفات افعال کا اطلاق ہوگا۔ یہ تعبیر کی جائے وہ



عیوب و نقائص سے بری ہے تو یہ صفت ذات میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ السلام کا معنی ہے وہ اپنے بندوں کو سلام کرنے والا ہے۔ الْمُؤْمِنُ وہ اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے معجزات کا ظہور فرماتا ہے۔ مومنوں سے ثواب کا جو وعدہ کیا اس کی تصدیق کرنے والا ہے اور کافرین کو جو عقاب کی دھمکی دی اس کو سچ کر دکھانے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن اسے کہتے ہیں جو اپنے اولیاء کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے بندوں کو ظلم سے محفوظ رکھتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آمَنَ بِهِ اَمان سے مشتق ہے جو خوف کی ضد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَأَمَّنَّهُم مِّنْ خَوْفٍ** (القریش) اس سے اسم فاعل مومن ہے۔

مجاہد نے کہا: مومن اسے کہتے ہیں جس نے اپنی وحدانیت کا اظہار اپنے اس ارشاد سے کیا: **شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** (آل عمران: 18) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ اہل توحید کو آگ سے نکالے گا، سب سے پہلے جہنم سے جو نکلے گا وہ وہ ہوگا جس کا نام نبی کریم ﷺ کے نام کے موافق ہوگا جب جہنم میں کوئی ایسا نہیں رہے گا جس کا نام نبی کریم ﷺ کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ باقی سے فرمائے گا: تم مسلمان ہو اور میں السلام ہوں تم مومنین ہو اور میں مومن ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی برکت سے انہیں جہنم سے باہر نکالے گا۔

**الْهَيْبُ الْعَزِيزُ** سورہ مائدہ میں **الْهَيْبُ**، اور مواقع پر **الْعَزِيزُ** کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ **الْجَبَّارُ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عظیم ہے (1)۔ جبروت اللہ سے مراد اس کی عظمت ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ صفت ذات ہے۔ اس معنی میں ان کا قول ہے: **نَخْلَةُ جِبَارَةٍ** کھجور کا بڑا درخت۔ یہ اسم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ نقائص اور صفات حادثہ اس کو لاحق ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جب سے ماخوذ ہے جس کا معنی اصلاح ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: **جَبَرَتِ الْعِظَمُ** فجبر میں نے ہڈی کو درست کیا تو وہ ہڈی درست ہو گئی۔ یہ جب سے فعال کے وزن پر ہے۔ جب وہ ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کر دے اور فقیر کو غنی کر دے۔ فراء نے کہا: یہ اجبرۃ علی الامر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس پر غلبہ پایا۔ لغت میں باب افعال سے فعال کا وزن نہیں آتا مگر جبار یہ اجبر سے اور ذرا کہ یہ ادرك سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار اسے کہتے ہیں جس کی سطوت کی طاقت نہ رکھی جائے۔

**الْمُتَكَبِّرُ** وہ اپنی ربوبیت کی وجہ سے متکبر ہے، اس کی مثل کوئی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر برائی سے بالا ہے اور ہر نامناسب چیز جیسے حادثہ اور مذمت کی صفات سے عظیم ہے (2)۔ کبر اور کبریا کا اصل معنی رکنا اور اطاعت نہ کرنا ہے۔

کبریا، اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفات مدح میں شمار ہوتی ہے اور مخلوق کی صفات میں صفات مذمت میں سے ہے۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کا فرمان حدیث قدسی کی صورت میں بیان کیا ہے: **الْكِبْرِيَاءُ رِذَائِي وَالْعِظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي فِي وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَصَصْتُهُ ثُمَّ قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ** (3) کبریا کی میری چادر اور عظمت میرا عزاز ہے ان دونوں میں جس نے بھی مجھ سے منازعہ کیا میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا پھر اسے آگ میں

چینک دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: متکبر کا معنی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی کبیر ہے کیونکہ وہ اس سے عظیم ہے کہ وہ کبر کا تکلف کرے۔ بعض اوقات تظلم، ظلم کے معنی میں، تشتم، شتم کے معنی میں اور استقہ، قر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح متکبر، کبیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس طرح نہیں جس طرح مخلوق کے لیے اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے کیونکہ جب کسی مخلوق کی اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جائے تو وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان فرمائی فرمایا: **سُبْحَنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** اپنی عظمت اور جلالت کی پاکی بیان کی۔

**هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝**

”وہی سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا، (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے، سارے خوبصورت

نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔“

**هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ** یہاں خالق سے مراد مقدر ہے۔ **الْبَارِئُ** سے مراد پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ **الْمُصَوِّرُ** صورتیں بنانے والا اور مختلف ہیئتوں میں ترکیب دینے والا۔ تصور، خلق اور ہر ایتہ پر مرتب اور ان دونوں کے تابع ہے۔ تصویر کا معنی خط لگانا اور شکل بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ماں کے رحم میں تین انداز میں پیدا کیا اسے خلق بنایا، پھر مضغ بنایا پھر اس کی صورت بنائی یہی تشکیل ہے جس کے ذریعے صورت اور ہیئت ہوتی ہے، جس کے ساتھ اس کی پہچان ہوتی ہے اور غیر سے اپنی علامت کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے۔ فتبارک الله احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی ذات جو احسن الخالقین ہے وہ بڑی برکتوں والی ہے؛ نابغہ نے بھی انہیں اسماء کو اپنے شعر میں ذکر کیا ہے:

الخالق الباری الصور فی الارحام ماء حتی یصیر دماً (1)

بعض لوگوں نے خلق کو تصویر کے معنی میں کیا ہے جبکہ بات اس طرح نہیں تصویر آخری مرحلہ میں ہوتی ہے۔ تقدیر سب سے پہلے اور برایتہ یہ درمیان میں ہوتی ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّنِّ کَھیئۃَ الظِّلِّ (المائدہ: 110)**

زہیر نے کہا:

وَاَنْتَ تَفْزِي مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْزِي

شاعر کہتا ہے: تو اندازہ لگاتا ہے جو لگاتا ہے پھر اپنے اندازہ کے مطابق اسے کر گزرتا ہے۔ تیرے سوا آدمی اندازہ لگاتا ہے جو اس کے لیے مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں اس کی مراد پوری ہوتی ہے یا تو اس کے اندازہ کے تصور میں کوتاہی ہوتی ہے یا وہ اپنی مراد کو مکمل کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق تمام بحث الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں کر دی ہے۔ الحمد للہ



حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے الباری علی الصّور پڑھا یعنی وہ ذات جو مختلف ہیچوں کے ساتھ اس کو ممتاز کرتی ہے جس کی تصویر بناتی ہے (1)؛ زحشری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٠﴾ اس کے بارے میں گفتگو پہلے (جلد اول) میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے خلیل ابوالقاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ”اے ابو ہریرہ! سورہ حشر کے آخری حصہ کو لازم پکڑو اس کو کثرت سے پڑھا کرو“۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال دہرایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو مجھ پر دہرایا۔ میں نے پھر آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے پھر مجھ پر اسی قول کو دہرایا۔

حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت کے مکان کی وجہ سے اللہ ہی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے سورہ حشر کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے“ (2)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے رات یا دن کے وقت سورہ حشر کے آخر کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس رات یا اس دن اس کی روح کو قبض کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا“ (3)۔

## سورۃ الممتحنہ

﴿اسما ۱۳﴾ ﴿سورۃ الممتحنہ ۹۱﴾ ﴿مکوعا ۲﴾

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، اس کی تیرہ آیات ہیں۔  
الممتحنہ حاء کے کسرہ کے ساتھ امتحان لینے والی۔ فعل کو مجازاً اس کی طرف منسوب کیا جس طرح سورۃ براءت کو مبشرہ اور فاصحہ نام دیا گیا کیونکہ اس نے منافقوں کے عیوب کو ظاہر کر دیا۔ جس نے اس سورت کے بارے میں الممتحنہ کہا تو اس نے اسے اس عورت کی طرف مضاف کیا جس کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ وہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاصْبِرْ لَهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ**۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بیوی تھیں ان کے بطن سے ان کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ  
وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا  
بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ  
إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ  
ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

”اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنے (جگری) دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے، انہوں نے نکالا ہے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے، اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے، اور جو تم نے ظاہر کیا ہے اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے۔“

اتخذ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ وہ عدوؤکم اُولیاء ہے عدو یہ عدائے فعل کا وزن ہے جس طرح عفو، عفا سے ہے کیونکہ اس کا وزن مصدر کا ہے اس طرح یہ جمع پر اس طرح صادق آتا ہے جس طرح واحد پر صادق آتا ہے۔



اس آیت میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا عِدُوِّيْ وَعِدُوْكُمْ اَئِمَّةً نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جبکہ الفاظ امام مسلم کے ہیں (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو بھیجا۔ فرمایا: ”روضہ خاخ (جگہ کا نام) جاؤ وہاں ایک ہودج میں عورت ہوگی اس کے پاس خط ہے وہ خط اس سے لے لو“۔ ہم چلے ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر دوڑ رہے تھے تو اچانک ہم اس عورت تک جا پہنچتے ہیں ہم نے کہا: خط نکال دو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: خط نکال دو یا تو اپنے کپڑے اتارے گی۔ اس نے اپنے جوڑے سے وہ خط نکال دیا۔ ہم وہ خط رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے تو اس میں یہ تھا۔ ”حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے اہل مکہ کے مشرکوں کی جانب“۔ وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ کے بلوے میں آگاہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے حاطب! یہ کیا ہے؟“ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ میں ایسا شخص ہوں جو قریش کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے وہ قریش کے خاندان میں سے نہ تھے۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں وہاں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل کی حفاظت کرتے ہیں جب کہ میرا وہاں کوئی رشتہ نہیں تو میں نے یہ پسند کیا کہ میں ان میں ایک ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ عمل کفر یا دین سے ارتداد اختیار کرتے ہوئے نہیں کیا اور نہ ہی اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس نے سچ کہا ہے“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا: ”یہ غزوہ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اعمال پر مطلع تھا اسی لیے ارشاد فرمایا: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے“۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا عِدُوِّيْ وَعِدُوْكُمْ اَوْلِيَاً۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورت سارہ تھی جو قریش کے غلاموں میں سے تھی (2)۔ خط میں یہ تھا اُما بعد فراق رسول اللہ ﷺ قد توجہ الیکم بحیث کا لیل یسیر کالسیل وأقسم بالله لو لم یسن الیکم الا وحده لا ظفر الله بکم و أنجز له موعده فیکم فإِنَّ الله ولیُّه و ناصره۔

اما بعد رسول اللہ ﷺ ایک ایسے لشکر کے ساتھ روانہ ہونے والے ہیں جو رات کی مانند ہے۔ سیلاب کی طرح چلے گا۔ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر آپ صرف اکیلے ہی تمہاری طرف چلیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تم پر کامیابی عطا فرمائے گا وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ اس کا حمایتی اور مددگار ہے: یہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

قشیری اور ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ یمن کے باشندے تھے ان کا مکہ مکرمہ میں بنی اسد بن عبد العزی جو حضرت زبیر بن عوام کا خاندان تھا سے معاہدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت زبیر بن عوام کے حلیف تھے۔ مکہ مکرمہ سے ابو عمرو بن صفی بن ہشام بن عبد مناف کی لونڈی سارہ مدینہ طیبہ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جبکہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے لشکر کی تیاری میں مصروف تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ”اے سارہ کیا تو ہجرت کر کے آئی ہے؟“ اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: ”کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟“ اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: ”کس وجہ سے آئی ہو؟“ اس نے عرض کی: آپ لوگ ہی میرے اہل، آقا، اصل اور خاندان تھے سب آقا تو چلے گئے یعنی غزوہ بدر میں قتل ہو گئے۔ میں سخت مصیبت کا شکار ہو گئی میں آپ لوگوں کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں تاکہ تم مجھے مال اور لباس دو۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اہل مکہ کے جوانوں کا تیرے ساتھ کیا سلوک ہے؟“ وہ لونڈی مغنیہ تھی۔ اس نے عرض کی: واقعہ غزوہ بدر کے بعد مجھ سے کسی نے گانے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبد المطلب اور بنی مطلب کو رغبت دلائی کہ وہ اسے مال عطا کریں۔ انہوں نے اسے مال عطا کیا، لباس دیا اور اسے سواری دی اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اس کے پاس آئے فرمایا: میں تجھے دس دینار اور دھاری دار چادریں دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تو میرا یہ خط اہل مکہ تک پہنچا دے۔ خط میں یہ تحریر تھی۔ رسول اللہ ﷺ تمہارا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے محتاط رہو۔ سارہ لونڈی وہاں سے نکلی تو حضرت جبریل امین حاضر ہو گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی اور حضرت عمار بن یاسر کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی، حضرت عمار، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد اور حضرت ابو مرثد کو بھیجا۔ یہ سب شاہسوار تھے۔ انہیں فرمایا: ”تم چلو یہاں تک کہ تم روضہ خاخ پنچو گے۔ وہاں ہودج میں ایک عورت ہوگی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکوں کے نام خط ہوگا، وہ اس سے لے لینا اور اسے چھوڑ دینا۔ اگر وہ خط تمہیں نہ دے تو اسے قتل کر دینا۔“ ان صحابہ نے اسے وہاں ہی پایا۔ صحابہ نے پوچھا: خط کہاں ہے؟ اس نے قسم اٹھادی اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ صحابہ نے اس کے سامان میں خط کو تلاش کیا خط اس میں نہ ملا۔ صحابہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ہم سے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ہم نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ اور اپنی تلوار سونت لی۔ فرمایا: خط نکال دو بصورت دیگر میں تیرے کپڑے اتار دوں گا اور تیری گردن اتار دوں گا۔ جب اس نے آپ کے پختہ ارادہ کو دیکھا تو خط اپنی مینڈھیوں سے نکال دیا۔ ایک روایت میں ہے: جہاں تہہ بند باندھا جاتا ہے وہاں سے نکال دیا۔ انہوں نے اسے جانے دیا اور خط رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کو بلا بھیجا پوچھا: ”کیا تو یہ خط پہچانتا ہے؟“ عرض کی: جی ہاں۔ پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے تمام لوگوں کو امان دے دی مگر چار افراد کو امان نہ دی یہ سارہ لونڈی ان میں سے ایک تھی۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ سورت کفار کے ساتھ دوستی سے نفی میں اصل ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے جیسے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران: 28) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْبَاطِلَةَ قُرْبً دُونَكُمْ (آل عمران: 118) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ (المائدہ: 51) اس جیسی کثیر آیات ہیں۔ حضرت حاطب بن بلتعہ کو جب مومن ہونے کی حیثیت میں خطاب کیا گیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔



**مسئلہ نمبر 6۔** اگر جاسوس کافر ہو تو اوزاعی نے کہا: اس کو قتل اس لیے کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے عہد کو توڑا ہے۔ اصبح نے کہا: حربی جاسوس قتل کیا جائے گا۔ جاسوس مسلمان ہو یا ذمی ہو انہیں سزا دی جائے گی مگر جب وہ اسلام کے خلاف کام کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مشرکوں کا ایک جاسوس پیش کیا گیا جس کا نام فرات بن حیان تھا (3)۔ اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا وہ چلایا اے جماعت انصار! مجھے قتل کیا جائے گا جبکہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی گواہی دیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اسے چھوڑ دیا گیا پھر فرمایا: ”تم میں سے جسے میں اس کے ایمان کے سپرد کرتا ہوں۔ ان میں سے

ایک فرات بن حیان ہے“ (1)۔ وَقَدْ كَفَرُوا حَال ہے یا تَوَلَّاهُ تَتَّخِذُوا کی ضمیر سے یا تَتَلَقَّوْنَ کی ضمیر سے یعنی تم ان سے دوستی اختیار نہ کرو اور تم ان سے محبت نہ کرو جبکہ اس کی یہ حالت ہو۔ محمد ری نے یہ کہا: ہما جَاءَ کُمْ کا معنی ہے انہوں نے کفر کیا کیونکہ تمہارے پاس حق آیا۔

**مسئلہ نمبر 7۔** يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ یہ نئی کلام ہے جو ان کے کفر اور سرکشی کی تفسیر بیان کرتی ہے یا یہ کفر و استے حال ہے۔ وَ إِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ یہ يُخْرِجُونَ کی علت ہے معنی ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور تمہیں مکہ مکرمہ سے نکالتے ہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت حاطب بھی ان صحابہ میں سے تھے جنہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکالا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے (2) تقدیر کلام یوں ہے۔ لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنْ كُنْتُمْ خِرَاجَتُمْ مَجَاهِدِينَ لِي سَبِيلًا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے معنی ہے اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو تو ان کی طرف محبت کا پیغام نہ بھیجو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي شرط ہے اور اس کا جواب مقدم ہے (3)۔ معنی ہے اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ جہاد اور ابتغاء مفعول لہ ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔

لُئِمَّا ذَنْ إِلَيْهِم بِالسُّودَّةِ یہ تَلَقُّوْنَ کا بدل ہے اور اس کی وضاحت کر رہا ہے۔ افعال، افعال سے بدل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ (الفرقان) سیویہ نے یہ شعر پڑھنا ہے:

مَتَى تَأْتِنَا تُنِمْ هِنَا لِي دِيَارِنَا تَجِدُ حَطَبًا جَزَلًا وَ نَارًا تَأْجَبًا

جب تم ہمارے پاس آؤ گے ہمارے گھروں میں پڑاؤ ڈالو گے تو تم بڑا ایندھن اور سرکش آگ دیکھو گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے اَنْتُمْ تَسْتَدُونَ إِلَيْهِم بِالسُّودَّةِ جو یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ سب حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کو عتاب ہے۔ یہ عتاب حضرت حاطب کے فضل، کرامت اور حضور ﷺ کے لیے مخلص ہونے اور ان کے ایمان کے صدق پر دال ہے کیونکہ عتاب صرف محب کا حبیب کے لیے ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

أَعَاتِبَ ذَا السُّودَّةِ مِنْ صَدِيقٍ إِذَا مَا رَابَنِي مِنْهُ اجْتِنَابٌ

إِذَا ذَهَبَ الْعِتَابُ فَلَيْسَ وَدُّي يَتَّقِي الْوَدَّ مَا بَقِيَ الْعِتَابُ

1۔ احکام القرآن لابن العربی۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الجاسوس الذمی، حدیث نمبر 2280، ضیاء القرآن پبلیشرز

3۔ معالم الشریع، جلد 5، صفحہ 361

2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 36



میں محبت والے دوست کو عتاب کرتا ہوں۔ جب اس کی طرف سے اجتناب مجھے شک میں ڈالتا ہے۔ جب عتاب چلا جائے تو کوئی محبت نہیں اور جب تک عتاب باقی رہے تو محبت باقی رہتی ہے۔ بِالسُّوءَةِ کا معنی ہے انہیں خط لکھنے میں اخلاص کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا باء زائدہ ہے یا ثابت ہے زائدہ نہیں۔

وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔ بسا میں باء زائدہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: علت کذا و علت بكذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں تم سے ہر ایک فرد کی ہر اس بات کو جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو یا جو تم ظاہر کرتے ہو۔ تو من کل احد مخدوف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان أعلم و أفضل من غيره۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو تم اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہو اور جو تم اپنی زبانوں سے اقرار تو حید کو ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہوں۔ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ جو ان کی طرف رازداری سے پیغام بھیجتا ہے اور تم میں سے جو انہیں خط لکھتا ہے۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

اِنْ يَتَّقُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاءً وَ يَبْسُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتُهُمْ بِالسُّوءِ وَ  
وَدُوْلَهُمْ يَتَكْفُرُوْنَ ۝

”اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ۔“  
اِنْ يَتَّقُوْكُمْ اگر وہ تمہیں ملیں اور تمہیں اچانک پالیں۔ اس سے شائقہ ہے جس کا معنی ہے تلوار چلانے وغیرہ کے لیے موقع کی تلاش کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تم پر کامیابی حاصل کریں (1) اور تم پر قدرت حاصل کریں اَيْدِيَهُمْ وار کرنے اور قتل کرنے اور اَلْسِنَتُهُمْ گالی گلوچ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وَ دُوْلَهُمْ تَكْفُرُوْنَ وہ خواہش کرتے ہیں کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دو پس تم ان کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ نہ کرو وہ تم سے مخلص نہیں۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ ۝ وَاللّٰهُ بِمَا  
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

”نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔“  
لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ جب حضرت حاطب نے معذرت پیش کی کہ ان کی قریش مکہ کے ہاں اولاد اور رشتہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اہل اور اولاد قیامت کے روز کچھ نفع نہ دیں گے اگر اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔  
يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ وہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو آگ میں داخل فرمائے گا۔ يُفْصَلُ میں سات قرأتیں ہیں۔ عاصم

نے یُفَصِّل قراءت کی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے اسے یُفَصِّل پڑھا ہے۔ طلحہ اور نخعی نے نُفَصِّل قراءت کی ہے۔ علقمہ سے نُفَصِّل مروی ہے۔ قتادہ اور ابو حیوہ نے یُفَصِّل قراءت کی ہے۔ یہ افصل سے مضارع کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے یُفَصِّل قراءت کی ہے؛ ابو عبیدہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ جس نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے وہ ان آیات کی وجہ سے قراءت کرتے ہیں۔ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِلَيْنِ ⑤ (الانعام) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ (الدخان: 40) جس نے اسے مشدد پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس فعل میں زیادہ واضح ہے جو کثیر، مکرر اور متعدد ہے۔ جس نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل معروف و مشہور ہے۔ اور جو اسے معروف کا صیغہ پڑھتا ہے تو وہ ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے۔ جو اسے جمع متکلم کا صیغہ پڑھتا ہے تو وہ تعظیم کی بنا پر ایسا کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑥ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُۥٓ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءُۤاۤ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحَدّٰهٖ اِلَّا قَوْلُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَا تُسْتَغْفَرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ رَبَّنَا عَلٰىكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنْتَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑦ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧

”بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (بر ملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا۔ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لیے اور ہمیشہ بخش دے اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے۔“

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ دوستی سے منع کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا۔ آپ کی سیرت میں یہ بات تھی کہ آپ نے کفار سے برائت کا اظہار کیا۔ یعنی تم آپ کی اقتداء نہ کرو مگر جو آپ نے اپنے اب آذر کے لیے استغفار کی اس میں اقتداء نہ کرو۔ اُسوة اور اُسوة سے کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے۔



جس طرح قَذْوَةٌ اور قَذْوَةٌ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ہو اسوتک یعنی وہ تیری اور تو اس کی مثل ہے۔ عاصم نے اسے اُسْوَةٌ پڑھا ہے دو لغتیں ہیں۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ یعنی مومنین میں سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ تھے۔ ابن زید نے کہا: مراد انبیاء ہیں (1)۔ اِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَّاءٌ وَاَمِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَوْمٌ سے مراد کفار ہیں۔ ما سے مراد بت ہیں براء یہ بڑی کی جمع ہے جس طرح شریک کی جمع شرکاء، ظریف کی جمع ظرفاء عام قراءت فعلاء کے وزن پر ہے۔

عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے براء قراءت کی ہے یہ فعال کا وزن ہے؛ جس طرح قصیر کی جمع قصار، طویل کی جمع طوال، ظریف کی جمع ظراف ہمزہ کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں تک کہ تو پڑھے گا برا اور تنوین دے گا۔ اسے براء مصدر کی صورت میں صفت پر بھی پڑھا گیا ہے اسے براء کسرہ کو ضمہ سے بدل کر کے بھی پڑھا گیا ہے جس طرح رخال اور رباب ہے۔ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افعال میں اقتدا کے بارے میں نص ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے۔ وہ ہمارے لیے بھی شرعی احکام ہیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ یعنی جن بتوں پر تم ایمان لائے ہو ہم اس مسئلہ میں تمہارا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم تمہارے افعال کا انکار کرتے ہیں اور ہم تمہارے حق پر ہونے میں تمہیں جھٹلاتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا جب تک تم کفر کرو گے تمہارے ساتھ ہمارا یہی رویہ ہوگا تو ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ظاہر ہے۔ حَتّٰی تُوْمِتُوْا بِاللّٰهِ وَحْدًا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ اس وقت دشمنی دوستی میں بدل جائے گی۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لَا يَبِيْهُ لَا سْتَعْفِرَنَّ لَكَ استغفار میں تم آپ کی اقتداء نہ کرو کہ تم مشرکوں کے لیے استغفار کرنے لگو کیونکہ انہوں نے یہ عمل ایک خاص وعدہ کی وجہ سے کیا تھا؛ یہ قول قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے دوری اختیار کی مگر اپنے اب آذر کے لیے استغفار میں دوری اختیار نہ کی پھر سورت تو بہ میں ان کے عذر کو واضح کیا۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ ہمیں آپ کی اقتدا کا حکم دیا گیا اور یہ امر مطلق ہے۔ فرمان عالی شان ہے: وَمَا اَتٰكُمْ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7) جب ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا تو بعض افعال کی استثناء کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستثنیٰ منقطع ہے، یعنی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جو انہوں نے اپنے اب آذر کے حق میں کیا تھا۔ یہ اس لیے انہوں نے کیا کیونکہ انہیں گمان تھا کہ وہ مسلمان ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ مسلمان نہیں تو آپ نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔ اس تاویل کی بناء پر اس آدی کے حق میں استغفار کرنا جائز ہے جس کے مسلمان ہونے کا گمان ہو۔ تم جب اس قسم کا ظن نہیں پاتے تو تم کیوں ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو۔

وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اب آذر کے لیے قول ہے یعنی اگر تو نے شرک کیا تو میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ بھی تم سے دور نہیں کر سکوں گا۔ رَبَّنَا عَلَيْنِكَ تَوَكَّلْنَا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کی دعا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین کو یہ تعلیم دی کہ وہ یہ کہیں یعنی کفار سے براءت کا اظہار کرو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور کہو: رَبَّنَا عَلَيْنِكَ تَوَكَّلْنَا یعنی ہم نے بھروسہ کیا وَإِلَيْكَ أُنْتَبْنَا ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ آخرت میں تیری طرف ہی رجوع ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا همارے دشمنوں کو ہم پر غلبہ نہ دے تو وہ یہ گمان کرنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور اس وجہ سے فتنہ میں پڑ جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو انہیں ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہمیں فتنہ میں ڈالیں اور ہمیں عذاب دیں (1)۔

وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے تو عزیز و حکیم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ مَنْ

يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِينَ

عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ⑦ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ⑧ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑨

”بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے، اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا، یقیناً اللہ پیدا فرمائے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو، محبت، اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اہم ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ انبیاء و اولیاء ہیں۔ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی کفار سے براءت کا اظہار کرنے میں بہترین اسوہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکید کے لیے اسے مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ ذکر کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی، قرآن حکیم میں اکثر تکرار اسی وجہ سے ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ جو آدمی اسلام اور ان مواعظ کو قبول کرنے سے اعراض کرے فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ اللہ تعالیٰ غنی ہے، اس نے اپنی کسی حاجت کی وجہ سے انہیں اپنا بندہ نہیں بنایا۔ الْحَمِيدُ ⑥ وہ اپنی ذات و صفات میں محمود ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے مشرک رشتہ داروں سے دشمنی شروع کر دی اس وجہ سے مسلمانوں کو جس دکھ کا سامنا کرنا پڑا اللہ تعالیٰ کو علم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ⑦ اس طرح ہوا کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے ان میں سے ایک قوم نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور مسلمانوں سے میل جول رکھا جس طرح حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت حکیم بن حزام ⑧۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں مودہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی ہے۔ اس موقع پر ابوسفیان کی نخوت ٹوٹ پھوٹ



کا شکار ہو گئی اور عداوت میں ان کی طبیعت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مودہ سے مراد فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کرنا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ انہوں نے اور ان کے خاوند نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے خاوند نصرانی ہو گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ دین میں اس کی اتباع کریں حضرت ام حبیبہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ہی کاربند رہیں اور ان کا خاوند نصرانیت پر ہی فوت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت ام حبیبہ کو دعوت نکاح دی۔ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے پوچھا: تم میں سے کون اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ صحابہ نے بتایا: حضرت خالد بن سعید، نجاشی نے کہا: ام حبیبہ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دو۔ اس نے اسی طرح کیا۔ نجاشی نے اپنی جانب سے چار سو دینار بطور مہر پیش کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کی طرف ان کے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ جب حضرت عثمان نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تو نجاشی کی طرف ان کے بارے میں پیغام بھیجا نجاشی نے اپنی جانب سے مہر دیا اور حضرت ام حبیبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ ابوسفیان جو ابھی مشرک تھا جب اسے یہ خبر پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی ہے تو اس وقت کہا: ذلک الفحل لا یُقَدَّمُ اَنْفُه یعنی یہ ایسا نہ ہے جس کی ناک پر ضرب نہیں لگائی جاتی (1)۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بہت ہی معزز ہو۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ  
اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۱

”اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس آیت میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کی رخصت ہے جو مومنوں سے دشمنی نہیں رکھتے اور ان سے برسر پیکار نہیں رہتے۔ ابن زید نے کہا: یہ ابتداء اسلام میں تھا جب ایک دوسرے کو چھوڑنے اور قتال کے معاملہ کو ترک کرنے کا حکم تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا (2)۔ قتادہ نے کہا: اسے فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ (التوبہ: 5) سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم خاص علت کی بناء پر تھا اور وہ صلح تھی جب فتح مکہ کے ساتھ صلح ختم ہوئی تو یہ حکم بھی منسوخ کر دیا گیا اور صرف اس کی قراءت و تلاوت باقی رہ گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان تھا جس کو انہوں نے نہ توڑا تھا ان کے لیے ہے: یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: وہ بنو خزاعہ اور بنو حارث بن عبد مناف ہیں۔ ابوصالح نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد بنو خزاعہ

1۔ منن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، کچھ کمی کے ساتھ، حدیث نمبر 1802، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ تفسیر مآوردی، جلد 5، صفحہ 519

ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عورتیں اور بچے ہیں کیونکہ یہ قتال نہیں کرتے (1)، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کا حکم دیا؛ بعض مفسرین نے یہ قول کیا ہے۔ اکثر علماء تاویل نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔ انہوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہے جبکہ وہ مشرک کی حیثیت میں اس کے پاس آئی ہے؟ فرمایا: ”ہاں“۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت انہیں کے حق میں نازل ہوئی۔ عامر بن عبد اللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں اپنی بیوی قتیلہ کو طلاق دی یہی حضرت اسماء بنت ابوبکر کی والدہ تھی (2)۔ یہ اس وقت حضرت اسماء کے پاس آئی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح تھی۔ اس نے حضرت اسماء کو ایک بالی اور کچھ اشیاء تحفہ کے طور پر دیں۔ حضرت اسماء نے انہیں قبول کرنے کو ناپسند کیا یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اس واقعہ کو ماوردی اور دوسرے علماء نے بیان کیا۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں اسے نقل کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اَنْ تَكْرَهُهُمْ، ان محل جرم میں ہے اور الذین سے بدل ہے یعنی وہ افراد جو تم سے جنگ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ صلہ رحمی سے منع نہیں کرتا۔ وہ بنو خزاعہ تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کرنے اور وقت مقررہ تک اسے پورا کرنے کا حکم دیا؛ یہ فراء نے بیان کیا ہے۔

وَتُقْضُوا إِلَيْهِمْ یعنی اپنے اموال میں سے کچھ حصہ صلہ رحمی کے طور پر انہیں دے دو (3)۔ اس سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو قتال کرنے والے اور قتال نہ کرنے والے کے درمیان واجب ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** قاضی ابوبکر نے کتاب ”الاحکام“ میں کہا: اس سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان بچے کا غفہ کا فر باپ پر واجب ہے (4)۔ یہ بڑی منطقی اور بھول ہے کیونکہ کسی چیز کے بارے میں اذن اور کسی شے کے بارے میں نہی کا نہ ہونا اس کے واجب ہونے پر دال نہیں۔ یہ انداز تجھے صرف اباحت عطا کر سکتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسماعیل بن اسحاق قاضی کے پاس ایک ذمی آیا آپ نے اس کی تکریم کی تو اس بارے میں حاضرین نے ان کی گرفت کی تو آپ نے اسی آیت کو ان پر تلاوت کیا۔

إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَتَلُواكُمْ فِي الدِّينِ وَ أَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَ

ظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ①

”اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں



تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں۔“

قُتِلُوا كُفْرًا یعنی دین کے خلاف تمہارے ساتھ جنگ کی۔ آخر جو امیں واؤ ضمیر سے مراد اہل مکہ میں سے سرکش لوگ ہیں۔ وَظَهَرُوا انہوں نے تمہیں نکالنے میں مدد کی اور وہ اہل مکہ کے شرک ہیں۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ میں ان محل جرم میں ہے اور ان تبذہم سے بدل ہے۔ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ جوا نہیں اولیاء، انصار اور احباب بناتا ہے۔ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ یہی لوگ ظالم ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلَيَتْهُنَّ مُؤْمِنَاتٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَاتُّوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفَارِ ۚ وَسُئِلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيَسَّلُوا مَا أَنْفَقُوا ۚ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کرلو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو، نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے، اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے، اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو، اور (اس طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانہ ہے۔“

اس آیت میں سولہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ جب اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ساتھ دوستی کے ترک کرنے کا حکم دیا اس امر نے یہ تقاضا کیا کہ مسلمان مشرکوں کے علاقے چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقوں کی طرف ہجرت کر جائیں۔ باہم نکاح، باہم دوستی کا موکد ترین سبب تھا تو عورتوں کی ہجرت کے احکام کو بیان کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش کے مشرکوں کے ساتھ حدیبیہ کے سال صلح ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں سے جو بھی شخص مدینہ طیبہ آئے گا اسے ان کی طرف واپس کر دیا جائے گا ابھی تحریر سے فراغت ہوئی تھی کہ حارث اسلمیہ کی بیٹی حضرت سعیدہ آگئی۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہی تھے اس کا خاوند آگیا جبکہ وہ کافر تھا اس کا نام صیفی بن براہب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مسافر مخزومی تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! سنی نبی! میری بیوی مجھے واپس کر دو کیونکہ آپ نے یہ شرط تسلیم کی ابھی تحریر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ

نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط آئی تو اس کے خاندان والے واپس لے جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے خاوند عمرو بن عاص سے بھاگ آئی اس کے ساتھ اس کے دو بھائی عمارہ اور ولید تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کے دونوں بھائیوں کو واپس بھیج دیا اور اسے روک لیا۔ قریش نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: اسے شرط کی وجہ سے واپس کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شرط مردوں کے متعلق تھی عورتوں کے متعلق نہ تھی“ (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت عروہ سے مروی ہے: سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہیں آئے گا اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو تو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مومنات کے بارے میں یہ آیت نازل کی (3)۔ یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کے بارے میں شرط کو اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو عورت آئی تھی وہ امیمہ بنت بشر تھی جو ثابت شمر کے عقد میں تھی (4)۔ وہ ثابت سے بھاگ آئی جبکہ وہ ابھی کافر تھا اور حضرت سہل بن حنیف نے اس سے شادی کر لی تو اس کے بطن سے ان کا بیٹا عبد اللہ پیدا ہوا۔ مہدوی نے کہا: ابن وہب نے خالد سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت امیمہ بنت بشر جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد سعیدہ ہے جو صفی بن راہب کی زوجہ تھی جو اہل مکہ میں سے مشرک تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ عورت ام کلثوم بنت عقبہ تھی۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کیا عورتیں صلح میں لفظاً شامل تھیں یا عموماً شامل تھیں (5)؟ ایک طائفہ کا کہنا ہے: صلح میں واضح اور صراحۃً یہ شرط شامل تھی کہ عورتوں کو واپس کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے معاہدہ سے ان کے لوٹانے کی شرط کو منسوخ کر دیا اور اس سے منع کر دیا اور مردوں کی شرط کو اسی طرح باقی رکھا جس طرح وہ تھی۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ احکام میں اپنی رائے سے اجتہاد فرما سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو خطا پر قائم نہیں رکھتا۔ علماء میں سے ایک طائفہ کا کہنا ہے صراحۃً ان کی واپسی کی کوئی شرط نہ تھی۔ معاہدہ اس پر ہوا تھا کہ جو مسلمان ہوگا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ عموم کا ظاہر مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عموم سے عورتوں کے نکلنے کو واضح کیا اللہ تعالیٰ نے دو امور کی وجہ سے مردوں اور عورتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ (1) اب ان کی شرمگاہیں کفار پر حرام ہیں۔ (2) وہ زیادہ رقیق القلب اور مردوں کی نسبت جلدی پھر جانے والی ہیں۔ ان میں سے جو مشرک پر قائم رہیں وہ ان پر لوٹادی جائیں گی۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَأَمَّا جُنُودُهُمْ قَالَ تَبِيعُوا كُفْرًا كَبِيرًا (6): ان میں سے جو اپنے خاوند کو جنگ کرنا چاہتی وہ کہتی: میں عنقریب حضرت محمد ﷺ کی طرف ہجرت کر جاؤں گی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینے کا حکم دیا۔ جس چیز کے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 39

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1786

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 364

4۔ ایضاً

5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 521

6۔ ایضاً



ساتھ ان کا امتحان لیا جائیگا اس کے بارے میں تین قول ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: امتحان یہ ہے کہ ان سے اللہ کے نام کی قسم لی جائیگی (۱) کہ وہ خاوند سے ناراض ہو کر اور ایک علاقہ کی بجائے دوسرے علاقہ کی محبت، دنیا کے لالچ اور کسی مرد کی محبت کے لیے نہیں نکلی بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے نکلی ہے۔ جب وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا دیتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاوند کو اس کا مہر عطا فرما دیتے اور اس نے اس پر جو خرچ کیا ہوتا وہ بھی عطا فرما دیتے اور اسے واپس نہ کرتے اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ**..... کا یہی مدعا و مقصود ہے۔ (۲) امتحان یہ ہے کہ وہ یہ گواہی دے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ**، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (۳) جس کی وضاحت بعد میں اسی سورت میں کی گئی ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ**۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا (۲): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ آزماتے **إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ**۔ اسے معمر نے زہری سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت اس معاہدہ کے لیے ناسخ ہے جو آپ نے قریش سے کیا تھا کہ جو بھی مسلمان آئے آپ اس کو واپس کر دیں۔ اس کے ساتھ عورتوں کا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ اس کا مذہب ہے جو قرآن کے ساتھ سنت کے نسخ کو جائز سمجھتا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم منسوخ ہے۔ یہ جائز نہیں کہ امام دشمنوں کے ساتھ اس بات پر صلح کرے کہ جو آدمی مسلمان ہو کر آئے وہ اسے واپس کر دے گا کیونکہ کسی مسلمان کو مشرکوں کی سرزمین پر رکھنا جائز نہیں؛ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس نقطہ پر صلح جائز ہے۔ کوفیوں نے جو نقطہ نظر اپنایا ہے وہ اسے اسماعیل بن ابی خالد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ قیس بن ابی حازم سے وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنو خثعم کی طرف بھیجا انہوں نے انہیں سجدہ کی حالت میں پکڑ لیا اور قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصف دیت دی اور فرمایا: ”میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو دارالحرب میں مشرکوں کے ساتھ مقیم ہو وہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھیں“ (۳)۔

انہوں نے کہا: یہ روایت اس روایت کے لیے ناسخ ہے جس میں مسلمانوں کو مشرکوں کے حوالے کرنے کا ذکر تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے براءت کا اظہار کیا جو ان کے ساتھ دارالحرب میں مقیم ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: اس قسم کا معاہدہ خلیفہ یا ایسا شخص جو امر کرتا ہے وہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ تمام اموال کا والی ہوتا ہے خلیفہ کے علاوہ جس نے یہ عقد کیا تو وہ عقد مردود ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ **اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ** یہ امتحان تمہارے لیے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے کیونکہ وہ

رازوں کو خوب جانتا ہے۔ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ إِيْمَانِ مِیْنْ میں سے جو ظاہر ہے اگر تم انہیں مومن جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم امتحان سے قبل ان کے مومن ہونے کا علم رکھتے ہو۔ فَلَا تَزِرُكُمْ إِلَيَّ إِلَى الْكَفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَكِنَّ اللَّهَ تَعَالٰی نے کوئی مومنہ کسی کافر کے لیے حلال نہیں کی اور نہ ہی کسی مومن کے لیے کسی مشرک سے نکاح کو حلال کیا ہے۔

یہ واضح ترین دلیل ہے کہ جس امر نے مسلمان عورت کی اپنے خاوند سے جدائی کو ثابت کیا وہ اس کا اسلام لانا ہے، اس کا ہجرت کرنا نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جس امر نے ان کے درمیان تفریق کو ثابت کیا وہ دونوں داروں کا مختلف ہونا ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اسی کی طرف اشارہ ہے بلکہ وہ اس میں صریح اور عبارة النص ہے۔ صحیح قول پہلا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَكِنَّ اللَّهَ تَعَالٰی اس امر کو واضح کیا کہ عدم حل کی علت اسلام ہے داروں کا مختلف ہونا نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابو عمر نے کہا: دار میں کوئی فرق نہیں نہ کتاب اللہ میں ایسی بات ہے نہ سنت میں ہے اور نہ ہی قیاس میں ہے۔ اس میں جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دودین ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف اور اجتماع کے ساتھ حکم مرتب ہوگا، دار کی وجہ سے کوئی حکم نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَآتَوْهُمْ مَّا آتَفَقُوا جب مسلمان عورت کو اس بات سے روک دیا جائے کہ اسے اس کے خاوند کے پاس واپس بھیجا جائے تو اس کے خاوند نے اس پر جو مال خرچ کیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ یہ وعدہ کو پورا کرنے کی صورت ہے کیونکہ جب اسلام کی حرمت کی وجہ سے اسے روکا گیا ہے تو اس کے مال کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دونوں صورتوں میں اس پر خسارہ واقع نہ ہو، بیوی اور مال۔

**مسئلہ نمبر 7۔** کوئی چٹی وغیرہ لازم نہ ہوگی مگر اس صورت میں جب کافر خاوند مطالبہ کرے، جب وہ حاضر ہو اور مطالبہ کرے ہم اسے روک لیں گے اور چٹی بھر دیں گے۔ اگر وہ عورت خاوند کے آنے سے پہلے ہی مرجائے تو ہم مہر چٹی کے طور پر نہ دیں گے کیونکہ روکنا متحقق نہیں ہوا۔ اگر مہر شراب یا خنزیر، دو ہم کسی چیز کے ذمہ دار نہیں ہونگے کیونکہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (۱) یہ منسوخ ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایسے افراد کے پاس سے مسلمان عورت آئے جن کے ساتھ صلح ہو جبکہ وہ مسلمان ہو مہاجر ہو دارالحرب سے امام کی طرف دارالاسلام میں یا دارالحرب میں آئے۔ اگر اسکے خاوند کے علاوہ ولی نے مطالبہ کیا تو بغیر عوض کے اسے روک لیا جائے گا اگر خاوند اپنے لیے یا کسی غیر کے لیے اپنی وکالت کے ساتھ مطالبہ کرے تو اس میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ عوض دے گا دلیل وہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (۲) اس میں دوسرا قول بھی ہے: مشرک خاوند کو کوئی عوض نہیں دیا جائیگا جس کی بیوی مسلمان ہو کر آئی اگر امام عورتوں کے واپس کرنے کی شرط لگائے تو یہ شرط باطل ہوگی۔ جس نے یہ قول کیا اس نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حدیبیہ کے لیے یہ شرط لگائی تھی کہ ان میں سے جو بھی آئے گا اسے واپس کر دیا جائیگا۔ عورتوں کے بارے میں ان کی جانب سے شرط، شرط صحیح تھی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور عوض کو رد کر دیا جب اللہ تعالیٰ



نے فیصلہ کر دیا پھر اس کے رسول نے فیصلہ کر دیا کہ ان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے گا تو جس نے بھی عورتوں کے واپس کرنے کی شرط لگائی وہ شرط منسوخ ہوگی اور اس پر کوئی عوض نہ ہوگا کیونکہ منسوخ کو شرط قرار دینا باطل ہے اور باطل چیز کا کوئی عوض نہیں۔

**مسئلہ نمبر 8۔** خاوندوں نے جس قدر خرچ کیا ہو اس مقدار میں اللہ تعالیٰ نے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اس امر کا مخاطب امام ہے اس کے پاس بیت المال میں جو ایسا مال ہے جس کا مصرف متعین نہ ہو اس میں سے وہ خرچ کرے گا۔ مقاتل نے کہا: وہ مہر کا فر خاوند کو واپس کرے گا جس مہر پر عورت سے مسلمان مرد شادی کرے گا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس سے شادی نہ کرے تو کا فر خاوند کے لیے کوئی چیز نہ ہوگی۔ قتادہ نے کہا: مہر واپس کرنے کا حکم ان لوگوں کی عورتوں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و پیمان ہوں۔ جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ نہیں انہیں کوئی مہر وغیرہ نہیں دیا جائیگا۔ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا۔

**مسئلہ نمبر 9۔** وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوا هُنَّ یعنی جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی عدت ختم ہو گئی۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشرک اور معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر ایسی عورت حقوق زوجیت سے قبل ہی مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اسی وقت ثابت ہو جائے گا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 10۔** إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مہر کی شرط کے ساتھ ان کے ساتھ نکاح کرنے کو مباح قرار دیا کیونکہ اسلام نے اس کے اور اس کی کا فر بیوی کے درمیان جدائی کر دی ہے۔

**مسئلہ نمبر 11۔** وَلَا تَنْسِكُوا بِعَصَمِ الْكَوَافِرِ عام قراء کی قراءت تخفیف کے ساتھ ہے یہ امساك سے مشتق ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَمْسِكُوا هُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرہ: 231) حضرت حسن بصری، ابو العالیہ اور ابو عمرو نے لَا تَنْسِكُوا پڑھا ہے یہ تسیك سے مشتق ہو گا یوں کہا جاتا ہے: مَسَكَ يَسْكُ تَسِيكًا۔ یہ امساك يُنْسِكُ کے معنی میں ہے۔ اسے لَا تَنْسِكُوا کے نصب کے بھی ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اصل میں یہ لَا تَنْسِكُوا تھا۔ العصم یہ عصمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ انسان محفوظ رہتا ہے یہاں عصمہ سے مراد نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کی مکہ مکرمہ میں کا فرہ بیوی ہو وہ اسے بیوی شمار نہ کرے وہ اس کی بیوی نہیں (1)۔ دار کے مختلف ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔

امام نخعی سے مروی ہے: مراد وہ مسلمان عورت ہے جو دار الحرب بھاگ گئی اور کا فر ہو گئی۔ کفار مسلمان عورتوں سے شادیاں کیا کرتے تھے اور مسلمان مرد مشرک عورتوں سے شادی کیا کرتے تھے پھر اس آیت میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ایسی عورتوں کو طلاق دے دی جو مکہ مکرمہ میں تھیں اور مشرک تھیں ان میں سے ایک قریبہ بنت ابی امیہ تھیں جس سے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی جو دونوں مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ اور ام کلثوم بنت عمرو خزاعیہ جو عبد اللہ بن مغیرہ کی والدہ تھیں ابو جہم بن حذافہ نے اس سے شادی کی جو دونوں مشرک تھے۔ جب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو حضرت ابوسفیان نے اپنے بیٹے حضرت معاویہ سے کہا: قریبہ و طلاق دے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال نہ کریں اس کا چھیننا ہوا مال تیرے گھر میں ہے۔ حضرت معاویہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت طلحہ بن عبد اللہ کے عقد میں اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب تھی اسلام نے دونوں میں تفریق کر دی پھر حالت اسلام میں ان سے حضرت خالد بن سعید بن عاص نے شادی کی۔ یہ بھی کفار کی ان عورتوں میں سے تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک لیا اور حضرت خالد سے ان کی شادی کر دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے کی تھی۔ عبدالرزاق ابن جریج سے وہ ایک آدمی سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ان کا خاوند ابوالعباس بن ربیع عبدالعزیٰ مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت میں تھا اس کی یہ وضاحت ہے کہ اس نے حضرت زینب سے بعد اسلام قبول کیا۔ شعبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ شعبی نے کہا: حضرت زینب بنت رسول اللہ ابوالعاص بن ربیع کی زوجہ تھیں وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلی گئیں پھر ان کا خاوند مدینہ طیبہ آیا حضرت زینب نے اسے امان دی تو وہ اسلام لے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو اس کی طرف لوٹا دیا۔

ابوداؤد نے مکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ پہلے نکاح کی وجہ سے ہی انہیں واپس کر دیا اور کوئی نیا عمل نہ کیا۔ محمد بن عمر نے اپنی حدیث میں کہا: یہ واقعہ چھ سال بعد ہوا۔ حسین بن علی نے کہا: دو سال بعد ہوا (1)۔ ابو عمر نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو یہ دو وجوہ سے خالی نہیں۔ آپ کو حیض ہی نہ آیا یہاں تک کہ ان کا خاوند مسلمان ہو گیا یا ان کے بارے میں یہ امر منسوخ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ (البقرہ: 228)** یہ ایسا امر ہے جس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد عدت ہے۔ ابن شہاب زہری نے حضرت زینب کے اس قصہ میں کہا: یہ فرائض کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ قتادہ نے کہا: یہ سورۃ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے واقع ہوا جس میں مشرکین کے ساتھ تمام معاہدے ختم کرنے کا حکم ہوا۔

**مسئلہ نمبر 12۔** **بَعْضُ الْكَوَافِرِ**، کوافر سے یہاں مراد بت پرست ہیں ان کے ساتھ ابتدائے ہی نکاح کرنا جائز نہیں۔ یہ حکم اہل کتاب کے علاوہ کوافر کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے۔ اہل کتاب کی عورتوں کا حکم اس سے منسوخ ہے۔ اگر آیت کے ظاہر کو دیکھا جائے تو کوئی کافر عورت کسی صورت میں حلال نہیں۔ پہلے قول کی بناء پر جب کوئی بت پرست یا مجوسی مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی مسلمان نہ ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی، یہ قول بعض علماء کا ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: عدت کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ جس نے یہ کہا: اسی وقت ان میں تفریق کر دی جائے گی اور عورت کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلح، باب ان منق ترو البید، حدیث نمبر 1913، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی زوجین مشرکین یسلم احدهما، حدیث نمبر 1062، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ان زوجین یسلم احدهما قبل الآخر، حدیث نمبر 1998، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



عدت کے مکمل ہونے کا انتظار نہ کیا جائیگا جب اس پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام قبول نہ کرے وہ امام مالک بن انس ہیں؛ یہی قول حضرت حسن بصری، طاؤس، مجاہد، عطاء، عکرمہ قتادہ اور حکم کا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: **وَلَا تُنْكِحُوا بِعِصْمِ الْكُوفِرِ**۔ زہری نے کہا: وہ اس کے ساتھ عدت کا انتظار کرتا ہے؛ یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اپنی بیوی ہند بنت عتبہ سے پہلے اسلام لائے انہوں نے مرالظہر ان کے مقام پر اسلام قبول کیا پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹے جبکہ ہند وہاں کافرہ کی حیثیت سے رہ رہی تھی اور اپنے کفر پر قائم تھی۔ اس نے حضرت ابوسفیان کی داڑھی کو پکڑ لیا اور کہا: اس گمراہ شیخ کو قتل کر دو پھر اس کے چند روز بعد وہ مسلمان ہو گئی۔ دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے کیونکہ ان کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا: اس کی مثل حضرت حکیم بن حزام کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیوی مسلمان ہوئی۔ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہے۔ امام شافعی نے کہا: جس نے **وَلَا تُنْكِحُوا بِعِصْمِ الْكُوفِرِ** سے استدلال کیا ہے اس کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ مسلمان عورتیں کافروں پر حرام ہیں جس طرح مسلمان مرد کافر، بت پرست اور مجوسی عورتوں کے لیے حلال نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ** پھر سنت نے اس کی وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوتے مگر اس صورت میں کہ دوسرا فرد عدت میں اسلام قبول کر لے۔ جہاں تک کوفیوں کا تعلق ہے کوفیوں سے مراد حضرت سفیان ثوری، حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں انہوں نے ذمی کافروں کے بارے میں کہا: جب عورت مسلمان ہو جائے تو خاوند پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائیگی۔ ان علماء نے کہا: اگر دونوں حربی ہوں تو یہ اس کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ اس کے تین حیض گزر جائیں۔ جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں یا دارالاسلام میں ہوں۔ اگر ان میں سے ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں ہو تو دونوں میں عصمت ختم ہو جائے گی۔ ان علماء نے دار کا اعتبار کیا ہے جبکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 13**۔ یہ اختلاف مدخول بہا کے بارے میں ہے۔ اگر وہ غیر مدخول بھا ہو تو دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جانے میں کسی اختلاف کو نہیں جانتے کیونکہ اس پر کوئی عدت نہیں۔ امام مالک اس عورت کے بارے میں بھی کہتے ہیں جو خود مرتد ہو جائے اور اس کا خاوند مسلمان ہو: دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل **وَلَا تُنْكِحُوا بِعِصْمِ الْكُوفِرِ** ہے یہی قول حضرت حسن بصری اور حضرت حسن بن صالح بن جحی کا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ عدت کے مکمل ہونے کا انتظار کرے۔

**مسئلہ نمبر 14**۔ اگر دونوں میاں بیوی نصرانی ہوں اور بیوی مسلمان ہو جائے اس میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا کہنا یہ ہے کہ وہ عدت کے مکمل ہونے تک وقوف کرے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس طرح بت پرست ہے اس کی بیوی مسلمان ہو جاتی ہے۔ اگر وہ عورت کی عدت میں مسلمان ہو جائے تو خاوند اس کا زیادہ حقدار ہوگا جس طرح حضرت صفوان بن امیہ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیویوں کے زیادہ مستحق رہے جب وہ دونوں اپنی بیویوں کی

عدت میں مسلمان ہوئے تھے۔ روایت ابن شہاب سے مروی ہے، اسے امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے۔ ابن شہاب نے کہا: حضرت صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے میں ایک ماہ کا عرصہ حائل ہے۔ ابن شہاب نے کہا: ہمیں یہی خبر پہنچی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرے اور اس کا خاوند کافر ہو اور دار الحرب میں مقیم ہو مگر ہجرت اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دے گی ہاں یہ صورت مختلف ہے کہ اس کا خاوند عدت ختم ہونے سے پہلے آجائے (1)۔ علماء میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: دونوں کے درمیان نکاح منسوخ ہو جائے گا۔ یزید بن علقمہ نے کہا: میرا دادا مسلمان ہو گیا اور میری دادی مسلمان نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں تفریق کر دی؛ یہ طاؤس کا قول ہے۔ دوسری جماعت جن میں عطاء، حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: دعوت نکاح کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

**مسئلہ نمبر 15۔** وَسَلُّوْا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا مفسرین نے کہا: مسلمان عورتوں میں سے جو عورتیں مرتد ہو کر ان کفار کے پاس چلی گئیں جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے تھے تو کفار کو کہا جائے گا: ان عورتوں کے مہر دے دو (2)۔ جب کفار کی عورتوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجائے تو مسلمانوں کو کہا جائے گا: کفار کو ان عورتوں کے مہر واپس کر دو۔ یہ دونوں حالتوں میں عدل کی صورت ہے۔ اجماع امت یہی ہے کہ یہ حکم اس زمانہ میں ایک خاص واقعہ کے ساتھ خاص ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 16۔** ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَعْني جو اس آیت میں مذکور ہے۔ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ یہ پہلے نئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَقَبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ  
مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

”اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے (کہ کوئی کافر تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا اتنا انہیں دے دو، اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس پر ہم راضی ہیں اور مسلمانوں نے مشرکوں کو خط لکھے تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو یہ حصہ نازل ہوا۔ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَقَبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا ازہری نے عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت جحش سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے وَسَلُّوْا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا مسلمانوں نے کفار کو خط لکھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر ہماری کوئی عورت تمہارے پاس آئے تو تم ہمیں مہر دو



اور اگر تمہاری کوئی عورت ہمارے پاس آئے تو ہم اس کا مہر تمہیں دیں گے۔ جواب میں انہوں نے مسلمانوں کو خط لکھے: جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم نہیں جانتے کہ تمہارا کوئی حق ہم پر ہے اور اگر ہمارا تم پر کوئی حق ہے تو اسے ہماری طرف بھیج دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو نازل کیا: وَإِنْ قَاتِلْتُمْ شَيْئًا مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ قَتْلَ مَا أَنْفَقُوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ یہ ان مسلمانوں اور ان کفار کے بارے میں ہے جو اہل مکہ سے تھے جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ زہری نے کہا: اگر عہد و پیمان نہ ہو تو مسلمان عورتوں کو روک لیا جائے گا اور انہیں مہر واپس نہیں کیا جائے گا (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کیا: انہیں حکم دیا گیا کہ جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں اتنا مال، مال فنی اور غنیمت میں سے دے دو جتنا انہوں نے بیویوں پر خرچ کیا تھا۔ دونوں نے کہا: یہ حکم اس کے بارے میں ہے جس کے ساتھ ہمارا اس معاملہ میں کوئی عہد و پیمان ہو جبکہ ہمارا اور ان کے درمیان تو کوئی ایسا معاہدہ نہیں۔ دونوں نے کہا: فَعاقِبْتُمْ کا معنی ہے تم بدلہ لو۔

فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ قَتْلَ مَا أَنْفَقُوا مراد مہر ہیں۔ یہ تمام کفار میں عام ہے۔ قتادہ نے یہ بھی کہا ہے: اگر تم میں سے کسی کی بیوی ان کفار کے پاس چلی جائے جن کا اور تمہارا عہد و پیمان ہو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں اس کے برابر مال دو جتنا انہوں نے خرچ کیا۔ پھر سورہ براءت میں یہ حکم منسوخ ہے۔ زہری نے کہا: فتح مکہ کے سال یہ حکم منقطع ہو گیا۔ سفیان ثوری نے کہا: آج اس پر عمل نہیں ہوگا۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہ حکم آج بھی ثابت ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَعاقِبْتُمْ عام قراءت فَعاقِبْتُمْ ہے۔ علقمہ، نخعی، حمید اور اعرج نے فَعَقِبْتُمْ مشدود پڑھا ہے۔ مجاہد نے اسے فَعاقِبْتُمْ پڑھا ہے کہا: تم نے اس طرح کیا۔ جس طرح انہوں نے تمہارے ساتھ کیا۔ زہری نے فَعَقِبْتُمْ الف کے بغیر تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ مسروق اور شقیق بن سلمہ نے فَعَقِبْتُمْ قاف کے کسرہ کے ساتھ بغیر تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور کہا: اس کا معنی ہے تمہیں غنیمت حاصل ہو۔ تمام لغات کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ عاقِب، عَقِب، عَقَب، أَعَقِب، تَعَقَّب، أَعْتَقِب اور تَعاقِب جب غنیمت حاصل ہو۔ قتبی نے کہا فَعاقِبْتُمْ کا معنی ہے تم یکے بعد دیگرے جنگ میں شریک ہو۔ ابن بحر نے کہا: تم مرتد عورت کو قتل کی سزا دو تو مسلمانوں کی غنیمتوں سے اس کے خاوند کو اس کا مہر واپس کیا جائے گا (2)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ قَتْلَ مَا أَنْفَقُوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر کوئی مومن عورت اہل مکہ کے کفار تک جا پہنچے، تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو اور اس کا خاوند مسلمان ہو اور تمہیں غنیمت حاصل ہو تو تم اس مسلمان خاوند کو مال غنیمت سے مہر کے برابر مال دے دو اور یہ ادائیگی پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہو۔ زہری نے کہا: مال فنی سے اسے مہر دیا جائے گا (3)۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: جو ہمارے ساتھ آ ملا ہے اسے مہر دیا جائیگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر کفار اس عورت کے مہر کی چٹی ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں جو ان کے پاس چلی گئی ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ ختم کر دو یہاں تک کہ تم فتح پاؤ اور وہ مہر ان سے لے لو۔ ائمہ نے کہا: یہ منسوخ ہے۔

عطا نے کہا: بلکہ اس کا حکم ثابت ہے۔ یہ سب پہلے نذر چکا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ آیت ام حکم بنت ابی سفیان کے حق میں نازل ہوئی وہ مرتد ہو گئی تھی اور اس نے اپنے خاوند عیاض بن غنم قرشی کو چھوڑ دیا۔ قریش میں سے اس کے علاوہ کوئی عورت مرتد نہیں ہوئی تھی پھر اسلام قبول کر لیا۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ کل چھ عورتیں تھیں جنہوں نے اسلام چھوڑا اور مشرکوں کے ساتھ جا ملی تھیں یہ مہاجر مسلمانوں کی بیویاں تھیں (۱)۔ (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن ابی شداد فہری کے عقد میں تھی۔ (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو حضرت ام سلمہ کی بہن تھی۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو اس نے انکار کیا اور مرتد ہو گئی۔ (۳) بروغ بنت عقبہ یہ حضرت شماس بن عثمان کے عقد میں تھی۔ (۴) عبیدہ بنت عبد العزیٰ یہ حضرت بشام بن عاص کے عقد میں تھی۔ (۵) ام کلثوم بنت جروہ یہ حضرت عمر بن خطاب کے عقد میں تھی۔ (۶) حبیبہ بنت غیلان۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاوندوں کو ان کے مہر مال غنیمت سے ادا کئے تھے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اس چیز سے بچو کہ تم ان امور میں حد سے تجاوز کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعُهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

”اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہوا اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب) انہیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو مکہ مکرمہ کی عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان سے عہد لیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں نے کہا: مومن عورتیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتیں تو ان کا امتحان اس آیت کے ساتھ لیا جاتا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ۔ (2)



مومنات میں سے جس نے اقرار کر لیا تو اس نے محنت کا اقرار کر لیا۔ جب وہ یہ اقرار کر لیتیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں فرماتے: ”جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے“۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا آپ نے صرف گفتگو کے ذریعے ان سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کبھی بھی بیعت نہیں لی مگر اسی چیز کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان سے بیعت لیتے تو یہ فرماتے: ”میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی ہے۔“ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی جبکہ آپ ﷺ کے اور ان عورتوں کے درمیان کپڑا تھا آپ ان پر شرط لگاتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ صفا پہاڑی پر بیٹھے جبکہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ سے تھوڑا نیچے حضرت عمر تھے۔ رسول اللہ ﷺ عورتوں پر شرط ذکر کرتے اور حضرت عمر بنی ہاشم ان عورتوں پر اسے دہراتے تھے۔ ایک روایت یہ کی گئی: آپ ﷺ نے ایک عورت کی ذمہ داری لگائی جو صفا پر کھڑی ہوئی تو اس نے عورتوں سے بیعت لی۔ ابن عربی نے کہا: یہ ضعیف ہے (1)۔ چاہیے کہ اس چیز پر اعتماد کیا جائے جو صحیح میں ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک گھر میں انصار کی عورتوں کو جمع کیا پھر حضرت عمر بن خطاب کو ہماری طرف بھیجا حضرت عمر دروازے پر کھڑے ہو گئے انہوں نے عورتوں کو سلام کیا اور عورتوں نے انہیں سلام کا جواب دیا۔ حضرت عمر نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تمہیں پیغام پہنچانے والا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ سب نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کمرے کے باہر سے اور ہم نے کمرے کے اندر سے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔ پھر حضرت عمر نے کہا: اے اللہ گواہ رہنا۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ لیتے اپنا ہاتھ اس میں رکھتے پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنا ہاتھ اس میں رکھیں تو وہ اپنا ہاتھ اس پیالہ میں رکھتیں (2)۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب کہا: ”تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔“ ہند بنت عتبہ نے کہا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ سے خوف کی وجہ سے نقاب میں تھی کہ کہیں آپ ﷺ اسے پہچان ہی نہ لیں۔ خوف کی وجہ سے اس کا وہ عمل تھا جو اس نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہ کے ساتھ روار کھا تھا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ ہم سے ایسی باتوں کا وعدہ لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اسلام اور جہاد پر بیعت لی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ چوری نہیں کریں گی“ (3)۔ ہند نے کہا: ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے میں اس کے مال سے ضرورت کی چیز لے لیتی ہوں۔ ابوسفیان نے کہا: وہ تیرے لیے حلال ہے۔ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور اسے پہچان لیا۔ فرمایا: ”تو ہند ہے؟“ اس نے عرض کی: جو گزر چکا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ پھر فرمایا: ”وہ بدکاری نہیں کریں گی۔“ ہند نے عرض کی: کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ پھر فرمایا: ”وہ اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گی، وہ بچیوں کو

زندہ درگور نہیں کریں گی اور جنین کو نہیں گرائیں گی۔“ ہند نے کہا: ہم نے ان بچوں کو چھوٹی عمر میں پالا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو میدان بدر میں تم نے انہیں قتل کر دیا۔ تم اور وہ زیادہ بصیرت والے ہیں۔ مقاتل نے یہ نقل کیا ہے: ہم نے انہیں چھوٹی عمر میں پالا اور بڑی عمر میں تم نے انہیں قتل کیا تم اور وہ زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما پڑے یہاں تک کہ پشت زمین پر جا لگی۔ حنظلہ بن ابی سفیان یہی ہند کا پہلا بیٹا تھا جو غزوہ بدر میں قتل ہوا تھا۔ پھر فرمایا: وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهٖمَا بَنَاتَانِ يَفْتَقِرُنَّ بَيْنَ اَيُّوبَٰنِہٖمَا وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِی مَعْرُوفٍ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيْنَ اَيُّوبَٰنِہٖمَا کا معنی یہ ہے زبان سے چغل خوری کرنا۔ اور (بین) اُنہیں جُلُوبِ کا معنی ہے شرمگاہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيْنَ اَيُّوبَٰنِہٖمَا سے مراد بوسہ لینا اور ٹٹولنا اور بین ارجلہن سے مراد جماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ کسی غیر کا بچہ اپنے خاوندوں کے ساتھ لاحق نہیں کریں گی: یہ جمہور کا قول ہے۔ عورت کوئی بچہ پاتی تو اسے اپنے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیتی اور کہتی: یہ تجھ سے میرا بچہ ہے (1)۔ یہ بہتان اور افتراء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مابین یدیدھا ورجلیہا یہ بچے سے کنایہ ہے کیونکہ اس کا بطن جس میں وہ بچے کو اٹھاتی ہے وہ اس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ شرمگاہ جس سے وہ بچہ جنتی ہے وہ اس کی ٹانگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ حکم عام ہے اور بچے کو لانے اور اپنے خاوند کے ساتھ اسے لاحق کرنے کو شامل ہے۔ اگرچہ زنا سے نہیں پہلے گزر چکی ہے۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب ہند نے یہ سنا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان یہ قبیح امر ہے۔ آپ ﷺ حکم نہیں دیتے مگر سب سے بہترین امر اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِی مَعْرُوفٍ۔ قتادہ نے کہا: ”وہ نوحہ نہیں کریں گی اور ان میں سے کوئی عورت خلوت اختیار نہیں کرے گی مگر ذی رحم محرم رشتہ کے ساتھ ہی“۔ مراد ہے غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں وقت نہیں گزارے گی۔ سعید بن مسیب، محمد بن سائب اور زید بن اسلم نے کہا: ”وہ چہرے کو نہیں نوچیں گی، وہ گریبان نہیں پھاڑیں گی، وہ ہائے ہلاکت وغیرہ کا دوا دیا نہیں کریں گی، وہ شعر نہیں پڑھیں گی، وہ ذی رحم محرم رشتہ دار کے سوا مردوں سے گفتگو نہیں کریں گی۔“

حضرت ام عطیہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ حکم نوحہ کے متعلق ہے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ شہر بن حوشب نے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد نوحہ ہے (2)۔ مصعب بن نوح نے کہا: میں ایک ایسی بوزھی سے ملا جو ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بیعت کی تھی اس نے مجھے وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِی مَعْرُوفٍ کی تفسیر کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ مراد نوحہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا عَلٰی اَنْ لَا يُشْرَكَ بِاللّٰهِ شَيْۤاٌ وَّلَا يَسْرِقَنَّ وَلَا يَزْنِيَنَّ وَلَا يَقْتُلَنَّ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهٖمَا بَنَاتَانِ يَفْتَقِرُنَّ بَيْنَ اَيُّوبَٰنِہٖمَا وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِی مَعْرُوفٍ فرمایا: ”اس سے مراد نوحہ ہے“ (3)۔ کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مگر آل فلاں کیونکہ انہوں نے دور جاہلیت میں



میری مدد کی تھی۔ اس عورت سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ وعدہ بھی لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ ہم میں سے پانچ عورتوں کے سوا کسی نے بھی ان سے وفانہ کی۔ حضرت ام سلیم، حضرت ام العلاء، حضرت بنت ابی سرہ جو حضرت معاذ کی زوجہ تھیں یا حضرت بنت ابی سرہ، حضرت معاذ کی زوجہ رضوان اللہ علیہا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں معروف سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے؛ یہ قول میمون بن مہران کا ہے۔ بکر بن عبد اللہ مزنی نے کہا: وہ کسی ایسے امر میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی جس میں ان کے لیے ہدایت کا پہلو ہو۔ کبھی نے کہا: یہ ہر معروف میں عام ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا (1)۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ہند نے اس وقت کہا: ہم اس مجلس میں نہ بیٹھتیں اگر ہمارے دلوں میں کوئی ایسی بات ہوتی کہ ہم آپ کے کسی معاملہ میں نافرمانی کریں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیعت کی صفت میں کئی امور ذکر کیے ہیں ان امور میں دین میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کی وضاحت کی گئی اور امر کے ارکان ذکر نہیں کیے گئے وہ بھی چھ چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جنابت سے غسل، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہی ہر زمانہ اور ہر حال میں قائم رہتی ہے تو دائمی رہنے والی چیزوں پر تنبیہ زیادہ موکد ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن امور سے منع کیا گیا ہے عورتوں میں یہ بہت زیادہ ہوتی ہیں اور نسب کا شرف انہیں اس سے نہیں روکتا، اس لیے انہیں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا؛ اس کی مثل حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو آپ نے عبد القیس کے وفد سے فرمایا: ”میں تمہیں دباء (کدو سے بنا برتن) حاتم (روغنی گھڑا) نقیر (کھجور کے تنے سے بنا برتن) اور مزفت (تارکول ملا برتن) سے منع کرتا ہوں“ (2)۔ نبی کریم ﷺ نے دوسرے گناہوں سے نہی کے بجائے صرف شراب پینے سے منع کیا کیونکہ یہی ان کی پسندیدہ چیز اور عادت تھی۔ جب انسان نافرمانیوں میں سے پسندیدہ امر کو ترک کرتا ہے تو اس کے لیے باقی شہوتوں کو چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** جب نبی کریم ﷺ نے بیعت میں وَلَا یَسْرِقْنَ فرمایا: حضرت ہند نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابو سفیان بخیل آدمی ہے۔ کیا مجھ پر گناہ ہوگا کہ میں اس کے مال سے اتنا لے لوں جو میرے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو؟ فرمایا: ”نہیں مگر معروف طریقہ سے“ (3)۔ حضرت ہند کو خوف ہوا کہ اگر اس نے اسی مال پر اکتفاء کیا جتنا حضرت ابو سفیان اسے دیتے ہیں تو وہ تو ضائع ہو جائے گی یا اس سے زیادہ لیا تو وہ چوری کرنے والی اور مذکورہ بیعت کو توڑنے والی ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ”تو معروف طریقہ سے جو لے گی اس میں کوئی حرج نہیں“ یعنی جب وہ ضرورت سے زائد نہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس مال کے بارے میں ہوگا جو خاوند اس سے چھپا کر نہیں رکھتا اور اسے تالے میں نہیں رکھتا۔ جب بیوی اس تالے کو توڑے اور مال اس سے لے تو وہ چوری ہوگی، اس کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگی اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 5۔** حضرت عبادہ بن صامت نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا عہد لیا جس طرح عورتوں سے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، کسی کے ساتھ بدکاری نہیں کرو گے، اپنی اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، تم ایک دوسرے کے خلاف جادو نہیں کرو گے اور جو نیکی کا تمہیں حکم دیا جائے گا اس میں تم نافرمانی نہیں کرو گے۔ ابن بحر اور دوسرے علماء نے کہا: وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهِمَا مِنْ أَشْرٍ وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهِمَا مِنْ أَشْرٍ جُلُودٍ سے مراد وہ جادو نہیں کریں گے۔ بہتان سے مراد جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ آيَاتِهِ وَيَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ آيَاتِهِ جُلُودٍ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ بہتان سے مراد وہ بچہ ہے يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ آيَاتِهِ وَيَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ آيَاتِهِ جُلُودٍ جس کو وہ بدکاری سے جنے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے فرمایا: یہ ایسی شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مقرر کی ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے (1)۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عام ہے اور نبی کریم ﷺ نے جو بھی حکم دیا ہے اور جن سے منع کیا ہے ان کو جامع ہے اس میں نوحہ، کپڑے پھاڑنا، بال کاٹنا اور غیر محرم کے ساتھ خلوت کرنا شامل ہے۔ یہ سب گناہ کبیرہ اور دور جاہلیت کے افعال ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں چار امور دور جاہلیت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے آپ ﷺ نے نوحہ کا بھی ذکر کیا“ (2)۔ یحییٰ بن ابی شیبہ، ابو سلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان نوحہ کرنے والیوں کی قیامت کے روز دو صفیں بنائی جائیں گی ایک صف دائیں جانب اور ایک صف بائیں جانب ہوگی وہ اس دن میں یوں بھونکیں گی جس طرح کتے بھونکتے ہیں جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پھر انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فرشتے نوحہ کرنے والی اور چیخنے والی کے لیے رحمت طلب نہیں کرتے“۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو نوحہ کرتے ہوئے سنا آپ اس کے پاس آئے اس کو درے سے مارا یہاں تک کہ اس کی اوزھنی اس کے سر سے نیچے گر گئی۔ عرض کی گئی: اے امیر المومنین! عورت، عورت اس کی اوزھنی گر گئی ہے۔ فرمایا: اس کی کوئی حرمت نہیں۔ ثعلبی نے تمام کی سندیں ذکر کی ہیں۔ جہاں تک فِي مَعْرُوفٍ کا ارشاد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَا يَعْصِيَنَّكَ میں قوت ہے اس میں دو قول ہیں۔ (1) یہ تاکید کے انداز میں معنی کی تفسیر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ تَرَبَّ احْكُم بِالْحَقِّ (الانبیاء: 112) کیونکہ اگر احکم فرماتا تو یہ بھی کافی ہوتا۔ (2) نبی کریم ﷺ کی بیعت میں معروف کی شرط لگائی تاکہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ کوئی اور اس شرط کا زیادہ مستحق ہے، اس پر یہ چیز لازم ہے اور اشکال کی نفی کرنے والی ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** امام بخاری نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے۔ فرمایا: ”کیا تم میری اس پر بیعت کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، تم بدکاری نہیں کرو



گے اور تم چوری نہیں کرو گے“ (1)۔ سورہ نساء کی آیت کی تلاوت کی۔ آیت کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کیا: ”جس نے اس عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اور جس نے کوئی غلطی کی تو اسے سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ بن جائے گی اور جس نے کوئی غلطی کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے بخش دے۔“

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں عید الفطر کے روز رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر خطبہ دیا کرتے تھے اللہ کے نبی ﷺ نیچے اترے گویا میں آپ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھا رہے ہیں پھر لوگوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں تک پہنچے (2) اور یہ آیت تلاوت کی یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ يَهَاں تہاں تک کہ آیت سے فارغ ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ”تم اس پر ہو؟“ ایک عورت نے جواباً عرض کیا اس کے علاوہ کسی نے بھی جواب نہ دیا: ہاں یا رسول اللہ! ﷺ۔ حسن بن مسلم راوی نہیں جانتا کہ وہ عورت کون تھی۔ کہا: عورتوں نے صدقہ کیا۔ حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا، عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 8۔** مہدوی نے کہا: تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عورتوں پر یہ شرط لگائے اس کا حکم دینا مستحب ہے لازم نہیں۔ بعض اہل نظر نے کہا: جب امتحان (جانچ پڑتال) کی ضرورت ہو کیونکہ وارد دور ہے تو اس امتحان (جانچ پڑتال) کا قائم کرنا مسلمانوں کے امام پر ضروری ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَیْسُوا مِنَ الْآخِرَةِ

کَمَا یَیْسُ الْکَافَرُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ۝۱۳

”اے ایمان والو! نہ بناؤ دوست ان لوگوں کو، غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب سے)

مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ۔ قَوْمًا سے مراد یہودی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان فقراء میں سے کچھ لوگ یہودیوں کو مومنوں کی خبریں دیتے اور ان کے ساتھ تعلقات قائم کرتے اس طرح ان سے کچھ پھل حاصل کر لیتے تو انہیں اس امر سے منع کیا گیا۔

قَدْ يَیْسُوا مِنَ الْآخِرَةِ مراد یہودی ہیں: یہ ابن زید کا قول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد منافق ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد یہود و نصاریٰ ہیں (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی ہے انہوں نے آخرت

کے لیے عمل کو ترک کر دیا اور دنیا کو ترجیح دے دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ آخرت کے ثواب سے مایوس ہو گئے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے: **كَمَا يَهْسُ الْكُفَّارُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ** ۝ یعنی زندہ کفار اصحاب قبور کے بارے میں مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں گے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: **وَمَا يُفْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ** (الجاثیہ: 24) ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے جس طرح وہ کفار مایوس ہو گئے جو قبروں میں ہیں کہ وہ دنیا کی طرف لوٹیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے سورت کا اختتام بھی اسی چیز سے کیا جس سے سورت کو شروع کیا تھا کہ کفار کے ساتھ دوستی کو ختم کر دیا جائے۔ یہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ قریش کے کفار آخرت کی بھلائی سے یوں مایوس ہو گئے ہیں جس طرح وہ کفار جو قبروں میں دفن ہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں (2)۔ قاسم بن ابی بزہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کفار میں سے جو فوت ہو چکا ہے وہ بھلائی سے مایوس ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



## سورة الصّٰف

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے جس طرح ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکی ہے؛ نحاس نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ اس کی چودہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

”اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑا ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔“

پہلی آیت کی تفسیر سورہ حدید کی پہلی آیت کے تحت گزر چکی ہے۔

دوسری دو آیات کے ضمن میں پانچ مسائل بیان کئے گئے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ داری ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے

کہ محمد بن کثیر، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں:

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت بیٹھی ہم نے آپس میں بات چیت کی ہم نے کہا: اگر ہم جانتے کہ اعمال میں

سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کرتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کو نازل فرمایا۔ ابو

سلمہ نے کہا: حضرت ابن سلام نے انہیں ہم پر تلاوت کیا۔ یحییٰ نے کہا: ابو سلمہ نے انہیں ہم پر پڑھا، انہیں یحییٰ نے ہم پر

پڑھا، اوزاعی نے انہیں ہم پر پڑھا اور محمد نے انہیں ہم پر پڑھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے

محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کرتے؟ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے اسے ناپسند کیا (2)۔ کبھی نے کہا: مومنوں نے کہا:

یا رسول اللہ! اگر ہم ایسے عمل کو جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو بجالانے میں جلدی کرتے تو یہ

آیت نازل ہوئی **هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَىٰ تَجَارَتِهِ تُجِيبُكُمْ مِّنْ عَذَابِ آلَيْمٍ** صحابہ کرام طویل زمانہ تک رکے رہے وہ کہتے: کاش! ہم جانتے کہ وہ کیا ہے تو ہم انہیں اسوال، اپنی جانوں اور اہل کے بدلے خرید لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ارشاد کے ساتھ انہیں آگاہ کیا **تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ**۔

غزوہ احد کے موقع پر آرمایا گیا تو وہ بھاگ گئے اس وعدہ خلافی کرنے پر انہیں عار دلانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے شہداء بدر کے ثواب کے بارے میں خبر دی تو صحابہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا اگر ہمیں جنگ کا موقع ملا تو ہم اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے، وہ غزوہ احد کے موقع پر بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر عار دلائی (1)۔ قتادہ اور سخاک نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے: ہم نے جہاد کیا، ہم نے فلاں کو قتل کیا جبکہ انہوں نے اس طرح نہیں کیا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے کہا: ایک آدمی تھا جس نے غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کو بڑی مصیبت میں ڈالا اور انہیں زخمی کیا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو نبی کریم ﷺ اس وجہ سے خوش ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: اے صہیب! کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں بتایا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے؟ فلاں آدمی اس کے قتل کو اپنی طرف منسوب کر رہا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”اے ابوبکی! کیا بات اسی طرح ہے؟“ عرض کی: جی ہاں، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! تو جس نے اس قتل کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ ابن زید نے کہا: یہ آیات منافقین کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ وہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو کہا کرتے تھے: اگر تم نکلے اور تم نے جنگ کی تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ کریں گے۔ جب وہ نکلے تو منافق ان سے پیچھے ہٹ گئے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ یہ آیت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ جس آدمی نے اپنے اوپر کوئی عمل لازم کیا جس میں طاعت ہو تو وہ اس کو پورا کرے صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے آپ نے اہل بصرہ کے قراء کی طرف پیغام بھیجا تو آپ کی خدمت میں تین سو آدمی حاضر ہوئے جنہوں نے قرآن پڑھ رکھا تھا (3)۔ فرمایا: تم اہل بصرہ کے بہترین لوگ ہو اور ان کے قاری ہو تم اس کی تلاوت کرو تم پر کوئی عرصہ نہ گزرے کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں جس طرح ان کے دل سخت ہو گئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ہم ایک ایسی سورت پڑھتے تھے جو طوالت اور شدت میں سورہ براءت جیسی تھی، مجھے وہ بھلا دی گئی مگر مجھے اتنی بات یاد ہے کہ اس میں تھا اگر انسان کے پاس مال کی دو دایاں ہوں تو تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے مٹی کے سوا کوئی چیز انسان کے پیٹ کو بھر نہیں سکتی۔ ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم مسلمات سورتوں میں سے ایک کے مشابہ خیال کرتے تو وہ مجھے بھلا دی گئی مگر مجھے اس میں سے یہ یاد ہے: اے مومنو! تم وہ کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ تمہاری گردنوں میں بطور شہادت اسے لکھ دیا جائے گا اور قیامت کے روز تم سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔



ابن عربی نے کہا: یہ سب باتیں دین میں ثابت ہیں جہاں تک **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ** کا تعلق ہے یہ تو دین میں لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس سورت میں ثابت ہے (1)۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ تمہاری گردنوں میں شہادت ہوئی اور قیامت کے روز اس بارے میں تم سے پوچھا جائے گا، یہ معنی کے اعتبار سے دین میں ثابت ہے کیونکہ جو کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ شرعاً اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ جو چیز لازم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ 1: نذر، نذر کی بھی دو قسمیں ہیں (1) جو ابتداء عبادت ہو جس طرح کسی کا یہ قول ہے: **يَللّٰهُ عَلَىٰ صَلَاتٍ وَأَمْرٍ وَصَدَقَةِ اللَّهِ** کے لیے مجھ پر نماز، روزہ اور صدقہ ہے یا اسی طرح کسی عبادت کا ذکر کرے۔ بالا جماع اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ (2) نذر مباح۔ اس سے مراد ایسی نذر ہے جس کو اس نے پسندیدہ شرط کے ساتھ معلق کیا ہو جس طرح اس کا قول ہے: اگر میرا غائب آیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ یا کسی خوف والی شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے: اگر اللہ تعالیٰ میری فلاں تکلیف کے لیے کافی ہو گیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی نے اپنے ایک قول میں کہا: اس کو پورا کرنا لازم نہیں آیت کا عموم ہماری دلیل ہے، کیونکہ آیت کا مطلق ہونا ان آدمیوں کی مذمت کو شامل ہے جو کسی طور پر بھی ایسا نہ کرے خواہ وہ مطلق ہو یا شرط کے ساتھ مقید ہو۔ امام شافعی کے اصحاب نے کہا: بے شک وہ نذر جس سے عبادت کا مقصد ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ عبادت کی جنس سے ہو۔ یہ اگرچہ عبادت کی جنس سے تو ہے مگر اس کے ساتھ عبادت کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اپنے نفس کو کسی فعل سے روکنے یا کسی فعل کے کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: تمام شرعی عبادات حقیقت میں مشقتیں اور مشکل امور ہیں، اگرچہ یہ عبادات ہیں۔ یہ کسی نفع کے حصول یا تکلیف کو دور کرنے کے لیے کسی مشقت کے ساتھ قربت کو لازم کرنا ہے۔ تو یہ امور مکلف بنانے سے خارج نہ ہوں گے۔ ابن عربی نے کہا: اگرچہ جو بات کی گئی ہے وہ وعدہ ہے تب بھی اس سے خالی نہیں کہ یہ کسی سبب پر منحصر ہو جس طرح کوئی کہتا ہے: **إِنْ تَزَوَّجْتَ أَعْنَتُكَ بَدِينَارٍ**، اگر میں نے شادی کی تو ایک دینار کے ساتھ تیری مدد کروں گا یا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تجھے یہ عطا کروں گا۔ یہ لازم ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر صرف وعدہ ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے لازم ہو گیا۔ انہوں نے آیت کے سبب سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کو سنا تو کہا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو روکے رکھوں گا یہاں تک کہ شہید کیا جاؤں۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وعدہ عذر کے بغیر ہر صورت میں پورا کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے کہا جہاں تک وعدہ کا تعلق ہے جس طرح ایک آدمی کسی سے سوال کرتا ہے کہ وہ اسے کوئی چیز بے کرے تو وہ آدمی کہتا ہے: ہاں غنیک ہے۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے تو میں اسے نہیں دیکھتا کہ یہ اس پر

لازم ہوگا۔ ابن قاسم نے کہا: جب اس نے قرض خواہوں سے وعدہ کیا اور کہا: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے ہبہ کر دیا جو وہ تمہیں دے دے گا۔ یہ اس پر لازم ہو جائے گا، مگر اس کا یہ کہنا: ہاں میں ایسا کروں گا۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوا (کہ وہ اسے نہ دے) تو میں اس پر کوئی چیز لازم نہیں دیکھتا۔

میں کہتا ہوں: اس پر اس چیز کو لازم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک مکارم اخلاق اور حسن مروت کا تعلق ہے تو اس حد تک تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی تعریف کی ہے جس نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اور اپنی نذر کو پورا کیا فرمایا: وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (البقرہ: 177) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** امام نخعی نے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے منع کر رکھا ہے کہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کروں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْهَوْنَ عَنْ النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ (البقرہ: 44) وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (بقرہ: 88) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (التغاب) ابو نعیم حافظ نے مالک بن دینار سے وہ شمار سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایک قوم کے پاس آیا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کانے جارہے تھے جب بھی انہیں کاناجاتا تو وہ پھر بڑبڑاتے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل امین نے عرض کی: یہ تیری امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں، نسل نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے“ (1)۔ سلف صالحین کے بارے میں مروی ہے: ان سے عرض کی گئی: ہمیں کچھ بیان کیجئے تو وہ خاموش رہے پھر انہیں کیا گیا: ہمیں کچھ بیان کیجئے۔ فرمایا: کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میں ایسی بات کروں جو میں خود نہ کروں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا جلدی مستحق ہو جاؤں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۱) کلمہ استفہام انکار اور توہین کے لیے ہے کہ انسان بھلائی کا ذکر تو کرے مگر خود اس پر عمل نہ کرے، اگر یہ مانسی سے متعلق ہو تو یہ جھوٹ ہوگا اور مستقبل سے متعلق ہو تو یہ وعدہ خلافی ہوگی۔ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہ تاویل بیان کی ہے جو معاملہ تمہارے قبضہ میں نہیں تم وہ کیوں کہتے ہو تم نہیں جانتے کہ کیا تم اس کو کر سکو گے یا نہیں کر سکو گے۔ اس صورت میں کلام ظاہر معنی پر محمول ہوگی کہ ایسے قول پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۱) امام شافعی کے ایک قول کے مطابق غصب کی حالت میں بھی وفا کرنا ضروری ہے۔ ان مابعد سے ملکر مبتدا ہے اور ماقبل اس کی خبر ہے دیا فرمایا: تمہارا ایسی بات کرنا جس پر خود عمل نہ کرو یہ مذموم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا مخدوف کی خبر ہو۔ کسائی نے کہا: ان عمل رفع میں ہے کیونکہ کَبُرَ ایسا فعل ہے جو بنس رجلا اخوات کے قائم مقام ہے اور مَقْتًا تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ معنی یہ بتانا ہے۔ کَبُرَ قَوْلُهُمْ مَا لَا يَفْعَلُونَ



مقتان کا ایسی بات کرنا جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں یہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہے مقتادہ یہ دونوں مصدر ہیں یوں کہا جاتا ہے: رجل مقیت و مقوت جب لوگ اسے پسند نہ کریں۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَرُصُوهٌ ①

”بے شک اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پر اباندہ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا وہ صف بندی کرتے ہیں۔ مفعول بہ مضمربہ تقدیر کلام یہ ہے یصفون أنفسهم صفا۔

كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَرُصُوهٌ ① فراء نے کہا: وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (1)۔ مبرد نے کہا: یہ رصت البناء سے مشتق ہے جب تو اسے اس طرح بنادے کہ وہ ایک ٹکڑے کی طرح ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رصيص سے مشتق ہے اس سے مراد دانتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑنا ہے۔ تراص سے مراد باہم جڑنا ہے۔ اسی سے تراصو فی الصف ہے آیت کا معنی ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی جگہ جم جاتا ہے جس طرح دیوار ایک جگہ ثابت رہتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنین کو تعلیم ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کا مرحلہ ہو تو وہ کیسے رہیں (2)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** بعض اہل تاویل نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیدل کا جہاد شاہسوار کے جہاد سے افضل ہے کیونکہ شاہسوار اس طریقہ سے صف بندی نہیں کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ شاہسوار کے اجر اور غنیمت میں فضیلت کا ذکر ہے۔ شاہسوار آیت کے معنی سے خارج نہیں کیونکہ اس کا معنی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** صف سے نکلنا جائز نہیں مگر ایسی ضرورت کی بناء پر جو انسان کو لاحق ہوتی ہے یا ایسے پیغام کی وجہ سے جو امام بھیجتا ہے یا ایسی منفعت میں جو خاص مقام میں ظاہر ہوتی ہے یا فرصت جس کا موقع ملتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ دعوت مبارزت کے لیے صف سے نکلنے میں دو قول ہیں۔ (1) اس بارے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد دشمن کو خوفزدہ کرنا ہے، شہادت کو طلب کرنا ہے اور قتال پر برا بیچنے کرنا ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں: کوئی آدمی دعوت مبارزت کے لیے نہ نکلے کیونکہ اس میں ریا کاری اور اس امر کی طرف نکلنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مبارزت اس وقت ہے جب کافر اسے طلب کرے جس طرح حضور ﷺ کی موجودگی میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر میں ہوا۔ سلف صالحین کا یہی انداز رہا۔ سورہ بقرہ آیت 195 میں وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کے ضمن میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمٍ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ①

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ② وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ③

[illegible]

لے لیے ہے تو یا فرمایا: تم میں آج کے ہوا بدلتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اَلَا تَزِرُ وَازِعَتُكَ وِزْرًا ۚ اِنْ يَنْتَهِزْ عَنِهَا فَذَرْهَا ۚ وَنَحْمِلْهَا عَنْكَ ۚ ذَلِكُمْ اَمْرٌ عَظِيمٌ (۱)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاعت فَلَئِمَّا زَاغُوا اَبْ وَهَقَّ سَمَلُهُمْ اَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ انہیں ہدایت سے دور کرایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاعت سے پھرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے پھیر دیا (۱)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان سے پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ثواب سے پھیر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور رب کی طاعت کو ترک کر دیا جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا جو ان کے فعلوں پر ان کے لیے عقوبت ہے۔

”اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تو رات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مشر وہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا، پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے۔“



يَا أَيُّهَا مَنْ بَعْدِي اِسْمُهُ أَحْمَدُ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے من بعدی میں یاء کرفتحہ دیا ہے (1)۔ یہ سلمی، زر بن حبیش اور ابو بکر کی عاصم سے منقول قراءت ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ کیونکہ یہ اسم ہے، جس طرح بعدک میں کاف اور قمت میں تاء مفتوح ہے۔ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ مَنْ بَعْدِي اِسْمُهُ أَحْمَدُ میں یاء کو لفظوں سے حذف کر دیا ہے۔ احمد یہ ہمارے نبی ﷺ کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم علم ہے جو صفت سے منقول ہے فعل سے منقول نہیں۔ اس صفت سے مراد اسم تفضیل ہے۔ احمد کا معنی حمد کرنے والوں میں سے اپنے رب کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں اور ہمارے نبی ان میں سے سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ جہاں تک لفظ محمد کا تعلق ہے۔ یہ بھی صفت سے منقول ہے۔ یہ محمد کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس محمد اس کو کہیں گے جس کی یکے بعد دیگرے تعریف کی جاتی ہو جس طرح مکرم ہے جس کی بار بار تکریم کی جاتی ہو اسی طرح ممدوح وغیرہ ہے۔ اسم محمد اپنے معنی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام اس سے قبل رکھا کہ اپنا یہ نام رکھتے یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا نام آپ ﷺ پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ ﷺ دنیا میں محمود ہیں کیونکہ آپ کے علم و حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی اور اس سے نفع اٹھایا گیا، وہ آخرت میں شفاعت کی وجہ سے محمود ہیں جس طرح لفظ تقاضا کرتا ہے اس طرح حمد کے معنی میں تکرار ہے۔ پھر آپ ﷺ محمد نہ ہوتے یہاں تک کہ آپ ﷺ احمد ہوتے آپ ﷺ نے اپنے رب کی حمد کی، اس کی عظمت شان اور شرف کو بیان کیا، اسی وجہ سے احمد کا اسم اس اسم پر مقدم ہوا جو محمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا فرمایا: اِسْمُهُ أَحْمَدُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا جب ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے۔ فرمایا: اے اللہ! مجھے احمد ﷺ کی امت میں سے بنادے۔ انہوں نے محمد کے ذکر سے قبل احمد کا ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے رب کی جو حمد کی ہے وہ اس سے قبل واقع ہوا جب لوگوں نے آپ ﷺ کی حمد کی۔ جب آپ ﷺ کی ذات پائی گئی اور آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو آپ ﷺ بالفعل محمد ہو گئے۔ شفاعت میں بھی صورت حال اسی طرح ہے۔ آپ ﷺ اپنے رب کی ایسے الفاظ کے ساتھ حمد کریں گے جو اللہ تعالیٰ ان پر القا کرے گا، آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہوں گے پھر آپ ﷺ شفاعت کریں گے تو شفاعت کی وجہ سے

آپ ﷺ کی تعریف کی جائے گی۔

یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تورات میں میرا نام احید ہے کیونکہ میں اپنی امت کو آگ سے دور کروں گا (1)۔ زبور میں میرا نام ماحی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے بت پرستی کو مٹایا ہے۔ انجیل میں میرا نام احید ہے اور قرآن میں میرا نام محمد ہے، کیونکہ میں اہل سماء اور اہل زمین میں محمود ہوں۔“ صحیح میں ہے: ”میرے پانچ نام ہیں میں محمد، احمد، ماحی؛ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے (حاشیہ) میرے قدموں پر لوگوں کو اٹھائے گا) اور ماقب ہوں“ (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ اِيَك قَوْلِ يَكِيَا گيا ہے: یہاں بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد ﷺ ہیں قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ کسائی اور حمزہ نے اسے ساحر پڑھا ہے۔ یہ رجل کی صفت ہے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے: یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے باقی قراء نے سحر پڑھی ہے۔ یہ اس کی صفت ہے جو رسول اللہ ﷺ لائے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ ۗ وَاللّٰهُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف، اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

وَمَنْ اَظْلَمُ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ اس کے بارے میں گفتگو پہلے کئی بار گزر چکی ہے۔ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ اس آدمی پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے جس نے معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔ طلحہ بن مصرف نے دھویدّعی قراءت کی ہے، یعنی وہ منسوب ہوتا ہے۔ يَدْعٰى اور يَنْتَسِبُ دونوں برابر ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں ہے کہ اس پر کمر اتنی کی مہر لگائی جائے گی۔

يُرِيدُونَ لِيُظْفِقُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

”یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔“

يُرِيدُونَ لِيُظْفِقُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ اطفاء کا معنی بجھانا ہے (3)۔ دونوں لفظ آگ کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اطفاء اور اخمدانیا اور ظہور میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو آگ کے قائم مقام ہیں۔ اطفاء اور اخمدانیا میں ایک وجہ



سے فرق ہے۔ اطفاء قلیل اور کثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اخساد کثیر میں استعمال ہوتا ہے، قلیل میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہ جملہ تو کہا جاتا ہے: اطفات السراج یہ نہیں کہا جاتا: اخمدت السراج۔

نور اللہ کے بارے میں یہاں پانچ قول ہیں۔ (۱) مراد قرآن ہے، وہ قول کے ذریعے اس کو باطل کرنے اور جھٹلانے کا ارادہ کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن زید کا قول ہے۔ (۲) مراد اسلام ہے۔ وہ کلام کے ذریعے اس کو رد کرنا چاہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۳) مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ وہ بناوٹی جھوٹی خبروں کے ساتھ آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں وہ اپنے انکار اور تکذیب کے ساتھ دلائل کا ابطال چاہتے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ (۵) یہ ضرب المثل ہے۔ جس نے اپنے منہ سے سورج کے نور کو بجھانا چاہا تو وہ اسے محال اور ممتنع پائے گا اسی طرح جس نے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول ہے جو عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر چالیس روز تک وحی نہیں آئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہودیو! خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو بجھادیا جو ان پر نازل ہوتا تھا ان کا معاملہ مکمل ہونے والا نہیں رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور اس کے بعد وحی کا اتصال رہا؛ ماوردی نے ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ آفاق میں ظاہر کرنے کے ساتھ۔ ابن کثیر، حمزہ، کسائی اور بعض نے عاصم سے وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ اضافت کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) اور اس جیسی دوسری آیات ہیں جس طرح اس کی وضاحت سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے باقی قراء نے مُتِمُّ نُورِهِ پڑھا ہے کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہے تو یہ عمل کرے گا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ تمام قسم کے کافرا سے ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

”وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک۔“

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے ساتھ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ ظہور سے مراد جنگ میں طاقت کے ذریعے غلبہ ہے۔ ظہور سے مراد یہ نہیں کہ کوئی دوسرا دین باقی ہی نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مسلمان غالب اور بلند ہو گئے اور آخر زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے ساتھ دین غالب ہو گا اس وقت کوئی کافر باقی نہیں رہے گا مگر سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مجاہد نے کہا: یہ اس وقت ہو گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو زمین میں کوئی دین باقی نہیں رہے گا مگر

صرف دین اسلام ہوگا (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حضرت ابن مریم علیہ السلام عادل ثالث کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، نو جوان اور عظیموں کو چھوڑ دیا جائیگا ان پر کوشش نہیں کی جائیگی دشمنی، باہم بغض اور باہم حسد ختم ہو جائے گا، مال کی طرف لوگوں کو بلایا جائیگا تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا“ (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو تمام ادیان پر مطلع فرمائے گا یہاں تک کہ آپ ان کے عالم اور ان کی بطلان کی وجہ سے آگاہ ہو جائیں گے اور انہوں نے جو تحریف اور تبدیلی کی ہے اس پر مطلع ہو جائیں گے۔

عَلَى الَّذِينَ مَرَاتَمُ دِينٍ هِيَ كَيُؤْتِيَهُمْ دِينَ مَصْدَرٍ هِيَ اس کے ساتھ جمع کو بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُجِيزُكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تَوَاصُونَ  
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ  
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
وَمَسْكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۚ نَصْرٌ مِنَ  
اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۚ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

”اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم حقیقت کو جانتے ہو، اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے، اور (اے حبیب) مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ مُّقَاتِلِ نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: کاش! آپ ﷺ مجھے اجازت دیتے تو میں خولہ کو طلاق دیتا، رہبانیت اختیار کرتا، اپنے آپ کو خصی کر لیتا، گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیتا، رات کو کبھی بھی نہ سوتا اور دن کو کبھی بھی افطار نہ کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری سنت میں سے نکاح بھی ہے، اسلام میں کوئی



رہبانیت نہیں میری امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد ہے، میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ میری سنت یہ بھی ہے کہ میں سوتا ہوں، میں قیام کرتا ہوں، میں روزہ افطار کرتا ہوں اور روزہ رکھتا بھی ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں پسند کرتا ہوں کہ میں یہ جانوں کہ کوئی تجارت اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہے؟ تو میں وہ تجارت کروں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے۔ اَدُلُّكُمْ کا معنی ہے میں عنقریب تمہیں بتاؤں گا۔ تجارت سے مراد جہاد ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (التوبہ: 111) یہ خطاب تمام مومنوں کو ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** تُنَجِّيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارہ دلائے۔ اس کے بارے میں بحث پہلے نزر چکی ہے۔ عام قراءت تُنَجِّيْكُمْ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن عامر اور ابو حیوہ نے تُنَجِّيْكُمْ مشدد پڑھا ہے یہ تنجیہ سے مشتق ہے پھر تجارت کی وضاحت کی۔

**مسئلہ نمبر 3۔** تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ اَمْوَالِکُمْ کا پہلے ذکر کیا کیونکہ خرچ کرنے کا سلسلہ اس سے شروع ہوتا ہے۔ ذُلُّكُمْ، خِيُوْنَتُكُمْ، تمہارا یہ فعل تمہارے اموال اور تمہاری ذاتوں سے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، مہر اور زجاج کے نزدیک تومنون، امنوا کے معنی میں ہے اسی وجہ سے جواب امر کے طور پر يَغْفِرْ لَكُمْ مَّجْرُومٌ ہے۔ عبد اللہ کی قراءت میں امنوا باللہ ہے۔ فراء نے کہا يَغْفِرْ لَكُمْ استفہام کا جواب ہے۔ یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب اسے معنی پر محمول کریں یہ صورت اس وقت ہوگی جب تومنون باللہ و تجاہدوں، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنَجِّيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ کا عطف بیان ہوگیا تجارت کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ایمان و جہاد اس کا بیان ہے۔ گویا فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور جہاد کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ زمخشری نے کہا: دلالت کا متعلق تجارت ہے (2) اور تجارت کی تفسیر ایمان و جہاد سے بیان کی گئی ہے گویا فرمایا: کیا تم ایمان و جہاد کے ساتھ تجارت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ مہدوی نے کہا: اگر تو اس کلام کو مقدر نہ کرے تو مسئلہ صحیح نہ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنْ دَلَلْتُمْ يَغْفِرْ لَكُمْ، غفران کی صفت قبول و ایمان سے لگائی گئی ہے، دلالت کے ساتھ اس کی صفت نہیں لگائی گئی۔ زجاج نے کہا: اس طرح نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں ایسی چیز پر راہنمائی کرے جو انہیں بخش دے بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخشا جب وہ ایمان لائیں اور جہاد کریں۔ زید بن علی نے تومنون اور تجاہد و اقراءت کی ہے یعنی لام امر مضمر ہے؛ جس طرح شاعر کا قول ہے:

مُحَمَّدٌ تَفْدِيْ نَفْسَكَ كُلُّ نَفْسٍ اِذَا مَا خِفَتْ مِنْ شَيْءٍ تَبَالًا (3)

اے محمد! یہ نفس تیرے نفس پر فدا ہو جائے جب تو کسی چیز سے ہلاکت کا خوف کرے۔ مراد لتفد ہے۔ بعض نے ادغام کیا اور کہا: یغفر لکم بہترین ادغام کو ترک کرنا ہے کیونکہ راء حرف متکرر ہے، قوی ہے اس کا ادغام لام میں اچھا نہیں کیونکہ

اقوی کو اضعف میں مدغم نہیں کیا جاتا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَمَلَکِیْنِ طَلِیْبَۃٌ ابُو اَحْسِنِ آجری نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس آیت وَمَلَکِیْنِ طَلِیْبَۃٌ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: باخبر آدمی کے پاس تو پہنچا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا فرمایا: ”جنت میں یہ موتی سے بنا محل ہے جس میں سرخ یا قوت کی ستر حویلیاں ہونگی اور ہر حویلی میں ستر سبز زبرجد کے کمرے ہونگے، ہر کمرے میں ستر پلنگ ہونگے، ہر پلنگ پر مختلف قسم کے ستر بستر ہونگے اور ہر بستر پر ستر حوریں ہونگی، ہر کمرے میں ستر دسترخوان ہونگے، ہر دسترخوان پر ستر قسم کے کھانے ہونگے، ہر کمرے میں ستر خادم اور خادماں ہونگی اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ایک دن میں اتنی قوت عطا کرے گا جس کے باعث تمام حوروں کے پاس جاسکے گا“ (1)۔

فِی جَنَّتِ عَدْنِ عَدْنِ کا معنی ٹھہرنا ہے۔ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ① یہ دائمی اور بڑی سعادت ہے۔ کامیابی کی اصل یہ ہے کہ انسان دائمی چیز حاصل کرے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَ اٰخَرٰی تُحِبُّوْنَہَا فِرَاء اور اخفش نے کہا: اخیری کا عطف تجارۃ پر ہے۔ یہ محل جر میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل رفع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی لکم خصلۃ اخیری و تجارۃ اخیری تحبونہا۔

نَصْرًا مِّنَ اللّٰهِ تقدیر کلام یہ ہے۔ ہونصر من اللہ۔ اس تعبیر کی صورت میں نصر، اخیری کی تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصر، اخیری سے بدل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی۔ ولکم نصر من اللہ وفتح قریب۔ یعنی دنیا میں نصرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: مراد ایران اور روم کی فتح ہے (2)۔ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ② مومنوں کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيَّتِهِ مَنْ

أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَنْتُ ظَاهِرًا مِنْ بَنِي

إِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرْتُ ظَاهِرًا فَايِدُنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ③

”اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے: کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں، پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنو اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلے میں بالآخر وہی غالب رہے۔“

جہاد کے امر کو موکد کیا یعنی اپنے نبی کے حواری بنو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مخالفین پر غلبہ دے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو ان کے مخالفین پر غلبہ دیا۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور نافع نے انصار امتیہ نوین کے ساتھ پڑھا



گَمَّا قَالِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِنَحْوِ اسِرِّينَ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب افراد تھے انکی تعداد بارہ تھی۔ ان کے اسماء آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ پہلے افراد ہیں جو بنی اسرائیل میں سے آپ پر ایمان لائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا: جب تو بستی میں داخل ہو تو اس نہر پر جا جس پر دھوبی کپڑے دھورے ہیں، ان سے مدد طلب کر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون میرا مددگار ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ کی مدد کی۔ یہاں الی، مع کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: الذود الی الذود اہل یہاں بھی الی مع کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کون میری ان معاملات میں مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں گے؟ سورۃ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے۔

فَأَمْنَتْ ظِلًّا بِقَعْتُهُ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَتِ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا أَنَّ سَمَانَ كَانَ فِي طَرْفِ انْفِجَاعِهِ جَانِبًا لِّعَدَدٍ هُمُ الْوَاقِفُونَ عَلَى مَا هُمْ مِنْ خِلَافٍ كَمَا أَنَّ طَرِحَ آلِ عِمْرَانَ فِيهِ اسْمٌ فِي وَضاحت گزر چکی ہے۔ فَأَيُّدُنَا الَّذِينَ أَمْتُوا عَلَى عِدْوِهِمْ۔  
عدوہم، عدد سے مراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ فَأَصْبَحُوا أَظْهَرَ نِينَ ○ وہ غالب آگئے۔ حضرت  
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس طرح کی کہ حضرت  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کفار کے دین پر غلبہ دیا۔ مجاہد نے کہا: جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں ہی ان کی کفار کے  
خلاف مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آج دونوں گمراہ فرقوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ جس نے کہا: وہ اللہ تھا تو  
وہ خود اوپر چلا گیا۔ جس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھالیا۔ نعوذ باللہ کیونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے  
کسی سے جہاد نہیں کیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ میں بھی کوئی جہاد نہ ہوا۔ زید بن علی اور قتادہ نے کہا: فَأَصْبَحُوا أَظْهَرَ نِينَ ○

کا معنی ہے وہ صحبت اور برہان کے ساتھ غالب آ گئے کیونکہ جو روایت کی گئی ہے اس میں ہے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سویا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں سوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں کھاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن حواریوں اور پیروکاروں کو بھیجا ان میں فطرس اور بولس کو رومیہ کی جانب، اندرائیس اور متی کو اس علاقہ کی جانب جہاں کے لوگ انسانوں کو کھا جاتے تھے تو ماس کو بابل کی جانب جو مشرق کی جانب تھا۔ فیہلس کو قرطاجہ کی جانب جو افریقہ ہے۔ تھسنس کو دقوس کی جانب جو ابل کبف کی بستی ہے۔ یعقوبیس کو اوریشلم کی جانب جو بیت المقدس ہے۔ ابن تلمہ کو عرب کی جانب جو حجاز کا علاقہ ہے۔ سیمن کو بربر کے علاقہ کی جانب۔ یہودا اور بردس کو اسکندیرہ اور اس کے ارد گرد کے علاقہ کی جانب۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد دیکھ کر ان کے ساتھ کی۔ **فَأَصْبَحُوا ظَهْرَ يَوْمٍ** ○ وہ غالب آ گئے۔ یہ تیرے اسی قول سے ماخوذ ہے: **ظَهْرَتِ عَلَى الْحَائِطِ مِثْلُ دِيَّارٍ** پر چڑھا۔

اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا اور ٹھکانہ ہے۔



## سورة الجمعة

﴿ابنما ۱۱﴾ ﴿۲۲ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۰﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۲﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی گیارہ آیات ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ یوم جمعہ ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اس دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن اسے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی روز قائم ہوگی“ (1)۔

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم قیامت کے روز آ کر بھی ہیں، اول بھی ہیں۔ جو لوگ جنت میں داخل ہونگے ہم ان میں اول ہیں اس کے باوجود کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی انہوں نے آپس میں اختلاف کیا انہوں نے جس میں اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق کی ہدایت کی۔ یہ وہ دن ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا کی“ (2)۔ فرمایا: ”جمعہ کا روز آج ہمارے لیے ہے اگلا روز یہود کے لیے ہے اور اس کے بعد والا دن نصاریٰ کے لیے ہے۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ①

”اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے جو بادشاہ ہے نہایت مقدس ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو العالیہ اور نصر بن عاصم نے الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ قراءت کی ہے۔ یہ سب مرفوع ہیں تقدیر کلام یوں ہے ہو الْمَلِكُ۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ②

”وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الامیون سے مراد تمام عرب ہیں خواہ ان

میں سے کوئی لکھنا جانتا ہو یا لکھنا نہ جانتا ہو کیونکہ وہ اہل کتاب نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: امی سے مراد وہ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے۔ قریش اسی طرح تھے۔ منصور نے ابراہیم سے روایت نقل کی ہے کہا: امی وہ ہے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

رَأْسُؤَلَانَهُمْ مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ عربوں میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کی ان سے رشتہ داری تھی سب کا آپ سے نسب تعلق ہے۔ حضرت ابن اسحاق نے کہا: مگر بنی تغلب اس میں شامل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نصرانی ہونے کی وجہ سے اپنے نبی ﷺ کو ان سے پاک رکھا، انہیں آپ کے نسب سے تعلق نہیں۔ سرورہ عالم ﷺ امی تھے کوئی کتاب نہ پڑھی اور نہ کسی سے سیکھا۔ ماوردی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے: احسان جتلانے کی وجہ کیا ہے (1)؟ اگر نبی امی کو مبعوث کیا؟ جواب تین طریقوں سے ہوگا۔ (1) انبیاء نے جو آپ ﷺ کے بارے میں بشارت دی اس کے یہ موافق ہے۔ (2) آپ ﷺ کا حال امیوں کے حال کے موافق ہے، ان کے ساتھ موافقت میں زیادہ قریب تھے۔ (3) اس سوئے ظن کی نفی مقصود ہے کہ آپ ان چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو کتاب میں آپ نے پڑھی ہیں اور وہ حکمتیں جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ سب کچھ ان کے معجزہ کی اور نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِہٖ سے مراد قرآن ہے۔ وَيُزَكِّيهِمُ اللّٰہُ تعالیٰ ایمان کے ساتھ ان کے دلوں کو پاکیزہ بناتا ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ انہیں کفر اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک کرتے ہیں؛ یہ ابن جریج اور مقاتل کا قول ہے۔ سدی نے کہا: آپ ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ وَالْحِكْمَةَ مراد سنت ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد قلم کے ساتھ لکھنا ہے کیونکہ لکھنا عربوں میں شرع کی وجہ سے عام ہوا جب انہیں خط کے ساتھ علوم کو مقید کرنے کا حکم دیا گیا (4)۔ حضرت امام مالک بن انس نے کہا: حکم سے مراد دین کی سمجھ ہے (5)۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قبل کا مضاف الیہ یا تو ضمیر ہے یا ان یُرسل الیہم ہے۔ یعنی آپ سے پہلے یا رسولوں کو مبعوث کرنے سے پہلے وہ حق سے بہت دور تھے۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۝ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

”اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (ترکیہ کرتا ہے، تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے۔“



وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ اِس کا عطف الا واپس پر ہے یعنی امیوں میں اور دوسرے لوگوں میں رسول بھیجا۔ یہ بھی جائز ہے اس کا عطف یزکیہم و یعلیہم کی ضمیر پر ہو، یعنی انہیں تعلیم دیتا ہے اور دوسرے مومنوں کو تعلیم دیتا ہے کیونکہ تعلیم جب آخر زمانہ تک ترتیب وار ہوگی تو سب اول کی طرف منسوب ہوگی تو گویا تعلیم میں سے جو بھی چیز پائی گئی اس کی والی وہ پہلی ذات ہوگی۔ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وہ ان کے زمانہ میں نہیں وہ ان کے بعد آئیں گے۔ حضرت ابن عمر اور سعید بن جبر نے کہا: مراد عجمی ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورہ جمعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس آدمی نے ایک، دو یا تین دفعہ سوال دہرایا۔ اس آدمی نے کہا: ہم میں حضرت سلمان فارسی موجود تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی کے اوپر رکھا پھر فرمایا: ”اگر ایمان ثریا پر ہوا تو ان میں سے لوگ اسے پالیں گے“ (1)۔ ایک روایت میں ہے: ”اگر دین ثریا کے پاس ہوا تو فارس کا ایک آدمی یا فارس کے بیٹوں میں سے ایک اس تک جائے گا یہاں تک کہ اسے حاصل کرے گا“۔ الفاظ مسلم کے ہیں (2)۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد تابعین ہیں (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سب لوگ ہیں یعنی عربوں کے بعد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے؛ یہ ابن زید اور مقاتل بن حیان کا قول ہے (4)۔ دونوں نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے افراد ہیں۔

سہل بن سعد ساعدی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کی پیٹھوں میں ایسے مرد اور عورتیں ہیں جو جنت میں حساب کے بغیر داخل ہونگے“۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ پہلا قول زیادہ پختہ ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں سیاہ بکریوں کو سیراب کر رہا ہوں، پھر ان کے پیچھے مٹیالی بکریوں کو پانی پلاتا ہوں اے ابو بکر! اس کی تاویل کیجئے“۔ عرض کی: یا رسول اللہ! جہاں تک سیاہ بکریوں کا تعلق ہے اس سے مراد عرب ہیں جہاں تک مٹیالی بکریوں کا تعلق ہے عربوں کے بعد عجمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فرشتے (جبریل امین) نے بھی یہی تاویل کی ہے“۔ ابن ابی لیلی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے: اس سے مراد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں (5)۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

”یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: فضل سے مراد ہے عجم کو قریش کے ساتھ ملا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسلام ہے (6)۔

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ جمعہ، جلد 2، صفحہ 727

2- صحیح مسلم، فضائل اصحاب، فضائل اہل فارس، جلد 2، صفحہ 312

3- زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 51

4- معجم الطبرانی، جلد 6، صفحہ 201، حدیث 6005

5- تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 7

6- ایضاً

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے؛ یہ کبھی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے؛ مراد وحی اور نبوت ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ چوتھا قول ہے؛ اس سے مراد وہ مال ہے جو طاعت میں خرچ کرتا ہے؛ یہ ابو صالح کے قول کا معنی ہے۔ امام مسلم، ابو صالح سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مہاجر فقراء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: مالدار لوگ بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں لے گئے۔ پوچھا: ”وہ کیا؟“ صحابہ نے عرض کی: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ نہیں کرتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کے ذریعے تم سبقت لے جانے والوں کو پا لو گے اور بعد والوں سے سبقت لے جاؤ گے اور تم سے کوئی افضل نہیں ہوگا مگر اسی صورت میں جب وہ اس طرح کا عمل کرے جیسا تم عمل کرتے ہو“۔ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: ”تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہنا کرو“ (1)۔

ابو صالح نے کہا: مہاجر فقراء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: ہم نے جو عمل کیا اس کے بارے میں خوشحال لوگوں نے سنا تو انہوں نے بھی اسی کی مثل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے“۔

پانچواں قول لوگوں کا نبی کریم ﷺ کی تصدیق میں اطاعت کرنا اور آپ ﷺ کے دین میں داخل ہونا اور آپ ﷺ کی مدد کرنا ہے (2)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا الثَّوْلَةَ ثُمَّ لَمْ يُحْمِلُوا كَمَثَلِ الْجِبَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ③

”ان کی مثال جنہیں تورات کا حائل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے

بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں، (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں

کو اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا“۔

جب یہودیوں نے تورات پر عمل کو ترک کر دیا اور وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے

ایک مثال بیان فرمائی۔

حُمِلُوا الثَّوْلَةَ انہیں اس پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جرجانی نے کہا: یہ

حملہ سے مشتق ہے جس کا معنی کفالت ہے، یعنی انہیں تورات کے احکام کا ضامن بنایا گیا۔ کَمَثَلِ الْجِبَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا

یہ سفر کی جمع ہے اس سے مراد بڑی کتاب ہے۔ جب اسے پڑھا جاتا ہے تو یہ معنی سے پردہ کو بنادیتی ہے۔ میمون بن مہران

نے کہا: گدھا نہیں جانتا کہ اس کی پشت پر کتابیں ہیں یا گوبر ہے یہودیوں کی بھی یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے



زوامل للأسفار لا علم عندهم      بجيدها إلا كعلم الباع  
لعمرك ما يدري البعير إذا غدا      بأوساقه أو راح ما في الغرائر

إِنَّ الرِّدَاةَ عَلَى جَهْلٍ بِمَا حَمَلُوا  
لَا الْوَدْعُ يَنْفَعُهُ حَمْلُ الْجَمَالِ لَهُ  
مِثْلُ الْجَمَالِ عَلَيْهَا يُخْلُ الْوَدْعُ  
وَلَا الْجَمَالُ بِحَمْلِ الْوَدْعِ تَنْتَفَعُ

|                                        |                                         |
|----------------------------------------|-----------------------------------------|
| وَزُمَ أَصْفَارًا تَجِدُ حِمَارًا      | إِنْعِشْ بِهَا شِئْتَ تَجِدُ أَنْصَارًا |
| يَحْمِلُهُ كَمِثْلِ الْحِمَارِ         | يَحْمِلُ مَا وَضَعْتَ مِنْ أَصْفَارِ    |
| إِنْ كَانَ مَا فِيهَا صَوَابًا وَخَطَا | يَحْمِلُ أَصْفَارًا لَهُ وَمَا دَرَى    |
| مَا إِنْ كَذَبْنَا وَلَا اعْتَدَيْنَا  | إِنْ سُئِلُوا قَالُوا كَذَا رَوَيْنَا   |
| لَأَنَّهُ قَدْ أَهْلُ الْجَهْلِ        | كَبِيرُهُمْ يَصْغُرُ عَنْهُ الْخَفْلُ   |

لَمْ يَحْمِلُوْهَا اَنْهٰوْنَ نے اس پر عمل نہ کیا انہیں گدھوں کے ساتھ تشبیہ دی جبکہ تورات ان کے ہاتھوں میں ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتے وہ گھر سے کتابیں اٹھاتے ہیں ان کے لیے بوجھ کے سوا کوئی چیز نہیں اور نہ ہی ان کے لیے کوئی فائدہ ہے۔  
 یحصل حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صفت ہونے کی حیثیت سے محل جریں ہو کیونکہ الحمار جو معرف باللام ہونے کے باوجود نکرہ ہے جس طرح اللثیم نکرہ کے حکم میں ہے۔

میں ہے۔

يُنْسِ مَثَلُ الْقَوْمِ مِثْلُ الْقَوْمِ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ③ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ④

پس مَثَلُ الْقَوْمِ مِثْلُ الْقَوْمِ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ③ اللہ تعالیٰ جس کے علم میں پہلے ہی موجود تھا کہ وہ کافر ہو گئے انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ① وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ② وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ③

”آپ فرمائیے: اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں تو ذرا مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور (اے حبیبِ مصلیٰ ﷺ) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کہ جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔“

جب یہودیوں نے فضیلت کا دعویٰ کیا اور کہا: نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (المائدہ: 18) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیاء کو عظمت و شان حاصل ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ① تاکہ تم بھی وہاں پہنچ جاؤ جہاں اولیاء اللہ پہنچے ہیں۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ۔ جو انہوں نے حضرت محمد مصلیٰ ﷺ کی تکذیب کر رکھی ہے اس لیے وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور مر جاتے۔ اس میں ان کے قول کا بطلان ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے ہونے کا جو دعویٰ کیا تھا اس کا بطلان ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوِ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ مَا بَقِيَ عَلَى ظَهْرٍ يَهُودِيٍّ إِلَّا مَاتَ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو زمین پر کوئی یہودی باقی نہ بچتا وہ مر جاتا۔ اس میں غیب کی خبر ہے اور نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے۔ سورہ بقرہ آیت 94 قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ لَدَا الرَّحْمَةِ عِنْدَ اللَّهِ خَالصَةٌ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ① میں بحث گزر چکی ہے۔

قُلْ إِنْ الْمَوْتُ الَّذِي تُفَرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ①

”آپ (انہیں) فرمائیے: یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائیگا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چہچہ اور ظاہر کو، پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے۔“

زجاج نے کہا: یہ نہیں کہا جاتا: ان زید افسطلق یہاں ارشاد فرمایا: فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ کیونکہ اَلَّذِي مَنَىٰ میں شرط کا معنی موجود ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی إِنْ فَرَّزْتُمْ مِنْهُ فَلَهُ مَلَاقِيكُمْ ان کا فرار انہیں کوئی نفع نہ دے گا اس پر دلالت میں مبالغہ ہے۔

زہیر نے کہا:

وَمِنْ هَآبِ أَسْبَابِ الْمَنَآيَا يَنْتَلِنُهُ وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ



جو آدمی موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے تو وہ اسے پالیتی ہیں اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان کے اسباب کا قصد کرے۔ میں کہتا ہوں: یہ جائز ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر مکمل ہو جائے:

الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ پھر نئے سرے سے کلام شروع ہو فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ۔ طرفہ نے کہا:

وَكُنِيَ بِالسَّوْتِ فَاعْلَمَ وَاعْقَا لَمَنِ السَّوْتُ عَلَيْهِ قَدْ قُدِرَ

فَاذْكُرِ السَّوْتِ وَ حَاذِرِ ذِكْرَهُ إِنَّ فِي السَّوْتِ لَذِي الْكِبَرِ عِبَرٌ

كُلُّ شَيْءٍ سَوْفَ يَنْقَى حَشْفَهُ فِي مَقَامٍ أَوْعَى ظَهْرٍ سَفَرٌ

وَالسَّيَا حَوْلَهُ تَرُصُّهُ لَيْسَ يُنْجِيهِ مِنَ السَّوْتِ الْحَذَرُ

تو جان لے موت اس کے لیے نصیحت کرنے والی کافی ہے جس پر موت مقدر کر دی گئی ہے موت کو یاد کر یا اس کے ذکر سے بچ موت میں دانشمند کے لیے عبرتیں ہیں۔ ہر شئی کسی قیام گاہ یا سفر میں اپنی موت سے ملاقات کرنے والی ہے۔ موتیں اس کے ارد گرد اسے تاڑنے والی ہیں کوئی احتیاط موت سے اسے نجات نہیں دے سکتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ

وَذُرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ①

”اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور

(فورا) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔“

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عائشہ

وغیرہ نے الجُمُعۃ میم کو ساکن کرتے ہوئے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں، ان دونوں کی جمع جمعہ اور

جمعات آتی ہے۔ فراء نے کہا: الجُمُعۃ (میم کے سکون کے ساتھ) الجُمُعۃ (میم کے ضمہ کے ساتھ) اور الجُمُعۃ میم کے فتح

کے ساتھ یہ یوم کی صفت ہے، یعنی یہ لوگوں کو جمع کرتا ہے جس طرح ضحکۃ اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو ہنساتا ہے۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: قرآن حکیم ثقیل و تنخیم کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اسے جُمُعہ پڑھا کرو یعنی میم مضموم ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ

نے کہا: تنخینف زیادہ مناسب اور اچھی ہے جس طرح غرفة سے غرف، طرفہ سے طرفہ، حجرة سے حجرة جمع آتی ہے۔ میم کا

فتح بنی ثقیل کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے جمعہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو

جمع کیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اس میں ہر شئی کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اس میں مخلوق جمع ہو گئیں۔ ایک قول یہ کیا

گیا ہے: اس میں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ من، منی کے معنی

میں ہے، یعنی ”دن میں“ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَرْوُفِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ** (فاطر: 40) یہاں بھی من، فی کے معنی میں ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابوسلمہ نے کہا: جس نے سب سے پہلے امابعد کے الفاظ کہے وہ کعب بن لوی تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے جمعہ کو جمعہ کا نام دیا (1)۔ یوم جمعہ کو عربہ کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے انصار نے اسے جمعہ کا نام دیا۔ ابن سیرین نے کہا: نبی کریم ﷺ نے مدینہ تشریف لانے سے قبل اور نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم آنے سے قبل جمعہ پڑھا اس کی وجہ یہ بنی کہ انصار نے کہا: یہودیوں کا بھی ایک دن ہے۔ جس میں وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں برسات دنوں میں ایک دن ہے اور وہ ہفتے کا دن ہے۔ نصاریٰ کے لیے بھی اسی کی مثل ایک دن ہے۔ وہ اتوار ہے۔ آؤ ہم بھی جمع ہوں تاکہ ہم ایک دن مقرر کریں جس میں ہم اللہ کا ذکر کریں اور اس میں نماز پڑھیں یا جس طرح انہوں نے بات کی۔ انہوں نے کہا: ہفتے کا دن، یہودیوں کے لیے ہے، اتوار نصاریٰ کے لیے ہے، تم وہ دن عربہ کا معین کرلو۔ سب صحابہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں اکٹھے ہوئے حضرت اسعد بن زرارہ جو حضرت ابوامامہ کے والد تھے نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور انہیں نصیحت کی جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اس کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا۔ حضرت اسعد بن زرارہ بنی بکر نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی اسی سے کھایا اور دن کا کھانا بھی اسی سے کھایا۔ اسلام میں یہ پہلا جمعہ تھا۔

میں کہتا ہوں: روایت بیان کی جاتی ہے: وہ کل بارہ افراد تھے جس طرح روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے: جس صحابی نے سب کو جمع کیا اور انہیں نماز پڑھائی وہ حضرت اسعد بن زرارہ تھے۔ عبدالرحمن بن کعب بن مالک اپنے باپ کعب سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں جس کا ذکر آنے والا ہے۔ بیہقی نے کہا: ہم نے موسیٰ بن عقبہ سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ حضرت مصعب بن عمیر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر بنی بکر نے سب سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھایا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر نے حضرت اسعد بن زرارہ کی مدد سے انہیں جمع پڑھایا ہے تو حضرت کعب نے اس امر کو حضرت اسعد کی طرف مضاف کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلا جمعہ جو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو پڑھایا اہل سیر اور اہل تاریخ نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں بروز پیر بارہ ربیع الاول چاشت کے وقت جلوہ افروز ہوئے۔ اسی سال سے تاریخ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ وہاں جمعرات تک مقیم رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی پھر آپ ﷺ جمعہ کے روز مدینہ طیبہ کے لیے نکلے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم بن عوف کے ہاں ان کی داوی میں ہو گیا قوم نے اسی جگہ مسجد بنالی نبی کریم ﷺ نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انہیں خطبہ دیا۔ یہ وہ پہلا خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں دیا۔ اس میں فرمایا: ”تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں، اس سے مدد کا خواستگار ہوں، اس سے بخشش کا



طالب ہوں، اس سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کے ساتھ کفر نہیں کرتا، جو اس کا انکار کرتا ہے میں اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور دین کے ساتھ نور، موعظہ اور حکمت کے ساتھ بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت میں انقطاع ہو چکا تھا، علم کی کمی تھی، لوگ گمراہ تھے، زمانے میں انقطاع واقع ہو چکا تھا، قیامت قریب آ چکی ہے اور اجل قریب ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا، تفریط کا شکار ہو گیا اور گمراہی میں دور چلا جائے گا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ بہترین چیز ہے جس کی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو وصیت کرتا ہے کہ اسے آخرت پر برا بیگختہ کرے اور اسے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن چیزوں سے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے ان سے محتاط رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اس آدمی کے لیے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اعمال کرتا ہے، سچی مدد ہے ان چیزوں کے لیے جو تم آخرت میں چاہتے ہو، جو آدمی پوشیدہ اور ظاہر حالت میں اپنے اور اپنے رب کے معاملات کو درست کرتا ہے وہ صرف اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، دنیا میں یہ اس کے لیے ذکر بن جاتا ہے اور موت کے بعد اس کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس نے آگے بھیجا۔ جو اس کے علاوہ ہے اس کے بارے میں وہ چاہے گا کاش! اس کے اور اس کے عمل کے درمیان بہت ہی دور ہو۔ وَيُحَيِّزُكُمْ اللَّهُ نَفْسُهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پکڑ سے خبردار کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت فرمانے والا ہے، اس کا قول سچا ہے اور اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اس کی جانب سے کوئی وعدہ خلافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَيْنِي وَمَا أَنَا بَطْلَانٌ ۖ (ق) جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سیات بخش دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقویٰ چہروں کو روشن کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اپنا حصہ لو اور اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کمی نہ کرو اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے، تمہارے لیے اپنا راستہ واضح کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو بھی جان لیں اور جھوٹوں کو بھی جان لے۔ اس طرح اچھے اعمال کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے ہی تمہیں چنا ہے اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ ..... الْعَظِيمُ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو موت کے بعد کے لیے عمل کرو کیونکہ جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات کو درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر غالب ہے۔ لوگ اس پر غالب نہیں وہ لوگوں کا مالک ہے، لوگ اس کے مالک نہیں اللہ اکبر ولا حول

ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

اس کے بعد جو پہلا جمعہ کسی دیہات میں پڑھا گیا اسے ”جوائی“ کہتے، یہ بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: سب سے پہلے جس نے اسے جمعہ کا نام دیا وہ کعب بن لوی بن غالب تھا کیونکہ اسی روز قریش کعب کے پاس جمع ہوئے تھے جس طرح یہ بات پہلے نزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لیے مومنین کو خطاب فرمایا ہے، کافروں کو خطاب نہیں فرمایا: مقصد ان کی تکریم اور شرف کا اظہار ہے۔ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا پھر ندا کے ساتھ انہیں خاص کیا اگرچہ واذا ناديتم الى الصلاة کے عموم کے تحت یہ داخل ہے تاکہ اس کے وجوب اور فرض کی تاکید پر دلالت کرے۔ بعض علماء نے کہا: نماز جمعہ یہاں اتمار سے معلوم ہو رہی ہے۔ لفظ سے معلوم نہیں ہو رہی (1)۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ایک نکتہ کی وجہ سے نفس لفظ سے معلوم ہو رہی ہے۔ وہ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ کے الفاظ ہیں یہ اسے فائدہ بھی بہم پہنچاتا ہے کیونکہ وہ ندا جو اس دن کے ساتھ خاص ہے وہ اس نماز کے لیے ہی ندا ہے، باقی ندائیں تو تمام دنوں کے لیے ہیں۔ اگر اس سے مراد جمعہ کی ندانہ ہو تو اس کی تخصیص اور اضافت کا کوئی معنی اور فائدہ نہ ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اذان کا حکم سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آذان اس طرح تھی جس طرح تمام نمازوں کے لیے ہوتی تھی۔ نبی کریم ﷺ جب منبر پر بیٹھتے تو ایک آذان دی جاتی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اسی طرح کرتے تھے۔ جب مدینہ طیبہ میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر پر تیسری آذان کا اضافہ کیا جو ان کے گھر پر دی جاتی۔ جس گھر کو زوراء کہتے۔ جب لوگ یہ آذان سنتے تو آجاتے یہاں تک کہ جب حضرت عثمان منبر پر بیٹھتے تو موزن آذان کہتا پھر حضرت عثمان خطبہ ارشاد فرماتے؛ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں محمد بن اسحاق سے وہ زہری سے وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک موزن ہوتا جب آپ نیچے اترتے تو وہ اقامت کہتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں یہی معمول تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو بازار میں ایک گھر کے اوپر ایک آذان کا اضافہ کیا جسے زوراء کہتے۔ جب حضرت عثمان باہر آتے تو موزن آذان دیتا اور جب منبر سے نیچے اترتے تو موزن اقامت کہتا۔ امام بخاری نے مختلف طرق سے اس معنی میں روایات نقل کی ہیں (2)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جمعہ کے روز دوسری آذان کا حکم حضرت عثمان غنی نے دیا جب اہل مسجد کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ جمعہ کے روز آذان اس وقت دی جاتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا۔ ماوردی نے کہا: جہاں تک پہلی آذان کا تعلق ہے یہ نیا عمل ہے (3)۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تاکہ لوگ خطبہ سننے کے لیے تیاری کریں۔ جب مدینہ طیبہ کا علاقہ وسیع ہو گیا تھا اور اس کے مکین زیادہ



ہو گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مسجد کی سمت میں بازار میں آذان دی جائے تاکہ لوگ اپنی تجارت کو چھوڑ دیں۔ جب وہ مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد میں آذان دی جائے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ہی دو آذانیں دینے کا معمول بنادیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آذان ایک تھی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے زوراء کے مقام پر تیسری آذان دلوا کر اس کا اضافہ کیا۔ حدیث میں اسے تیسری آذان (1) کا نام دیا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بین کل آذان صلاۃ لمن شاء (2) یعنی آذان اور اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے جو چاہے اسے پڑھے۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ اصلی آذان ہے، پھر انہوں نے تین موذن بنادیئے۔ یہ وہم ہے پھر انہوں نے ایک وقت میں سب کو جمع کر دیا۔ یہ وہم پر وہم ہے۔ میں نے انہیں مدینۃ السلام میں مینارہ کی آذان کے بعد امام کے سامنے منبر کے نیچے ایک جماعت کی صورت میں آذان دیتے ہوئے دیکھا جس طرح سابقہ حکومتوں میں ہمارے ہاں بھی ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ نیا عمل ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ، سعی کے معنی میں یہاں تین قول ہیں۔ (1) ارادہ کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ قدموں پر سعی نہیں بلکہ دلوں اور نیت کی سعی ہے۔ (2) مراد عمل ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (الاسراء: 19) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ (اللیل) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَسْعَىٰ (النجم) یہ جمہور کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

سَعَىٰ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ لَّكِنِ يَدْرِكُوهُمْ

ان کے بعد ایک قوم نے عمل کیا تاکہ ان کو پالیں۔

نیز یہ بھی کہا:

سَعَىٰ سَاعِيًا غَنِيظٌ بِنُزْرَةٍ بَعْدَمَا تَبَزَّلَ مَا بَيْنَ الْعَشِيرَةِ بِالْذَّمِّ

غنیظ بن مرہ نے اچھی کاوش کی جبکہ قبیلہ میں صلح خون ریزی سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے عمل پیرا ہو اس کے اسباب غسل، وضو اور اس کی طرف توجہ میں مشغول رہو۔

(3) مراد پیدل جانا ہے۔ یہ فضیلت ہے شرط نہیں۔ بخاری شریف میں ہے (3) حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہ میں سے تھے پیدل جمعہ کی نماز کے لیے جاتے تھے۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ جس کے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ اس کلام کا ظاہر دوڑنے پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اجل صحابہ اور مقتدین فقہاء نے اس کا انکار کیا (4)۔

1۔ پہلی آذان جو وقت شروع ہونے کے بعد دی جاتی ہے، دوسری آذان جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جائے تیسری اقامت ہے۔

2۔ اداکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1803-1804

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، معنی ال الجمعہ، جلد 1، صفحہ 124

4۔ اداکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں قراءت (1) کی: فَاَمْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ مَقْصُودٌ يٰۤهٗ بِمَا تَحْتَ اَكْلَامِ كَاظِمٍ جَسَ مَعْنٰی پر دلالت کرتا ہے وہ مراد نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہ قراءت کی۔ کہا: اگر میں فاسعوا کی قراءت کروں تو میں دوڑوں گا یہاں تک کہ میری چادر گر جائے گی۔ ابن شہاب نے یوں قراءت کی فَاَمْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ سَالِكًا تِلْكَ السَّبِيلَ یہ سب ان کی جانب سے اس آیت کی تفسیر ہے۔ یہ قرآن منزل کی قراءت نہیں۔ قرآن کی قراءت تفسیر کے ساتھ تفسیر کے محل میں جائز ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: جس نے مصحف کی مخالفت کی وہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی قراءت اور خرشہ بن حر کے قول سے استدلال کرتا ہے۔ کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا جبکہ میرے پاس ایک قطعہ تھا اس میں تھا (2)۔ فَاَسْعُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: تجھے کس نے یہ پڑھایا ہے۔؟ میں نے عرض کی: حضرت ابی نے فرمایا: حضرت ابی ہم میں سے منسوخ کی زیادہ قراءت کرنے والے ہیں۔ پھر حضرت عمر نے پڑھا فَاَمْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ۔

اور یس، خلف سے وہ ہشیم سے وہ مغیرہ سے وہ ابراہیم سے وہ خرشہ سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں۔ محمد بن یحییٰ، محمد سے جو ابن سعد ان ہے، وہ سفیان بن عیینہ سے وہ زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: میں نے ہمیشہ حضرت عمر کو فَاَمْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔ اور یس، خلف سے وہ ہشیم سے وہ مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فَاَمْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ قراءت کی ہے کہا: اگر فَاَسْعُوا ہوتا تو میں دوڑتا یہاں تک کہ میری چادر گر جاتی۔ ابوبکر نے کہا: ایسا قول کرنے والے کے خلاف اس چیز سے دلیل قائم کی جائے گی کہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول نے فَاَسْعُوا ہی ارشاد فرمایا، جہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان سے فَاَمْضُوا کی روایت صحیح نہیں کیونکہ سند متصل نہیں کیونکہ ابراہیم نخعی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کچھ بھی نہیں سنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فَاَمْضُوا مروی ہے۔ جب کوئی فرد کسی ایسی روایت میں منفرد ہو جو آیت و اجماع کے خلاف ہو تو اس میں اس فرد کا نسیان ثابت ہوگا۔ عربوں کا اس پر اجماع ہے کہ سعی، جانے کے معنی میں ہے تاہم کوشش کے معنی سے خالی نہیں۔ زہیر نے کہا:

سَعَى سَاعِيًا غِيْظَ بَنٍ مُّرَّةً بَعْدَ مَا تَهَيَّأَ مَا بَيْنَ الْعَشِيرَةِ بِالذَّمِّ

یہاں شاعر نے سعی سے مراد کد و کاوش سے امر بجالانا لیا ہے، اس سے مراد قدموں سے دوڑنا اور تیز چلنا نہیں۔ فراہ اور ابو نعید نے کہا: آیت میں سعی سے مراد امر بجالانا ہے۔ فراء نے عربوں کے اس قول سے استدلال کیا ہے: يَسْعَى فِي الْبِلَادِ يَطْلُبُ فَضْلَ اللّٰهِ وَهٖ شَبْرُوں میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ یہ امر محال ہے کہ یہ معنی حضرت ابن مسعود پر مخفی ہو جبکہ آپ بڑے فصیح اور عربی زبان میں بڑے پختہ تھے۔

میں کہتا ہوں: جو امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں مراد دوڑنا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِذَا أُقِيمَتْ

1۔ اس قسم کی جو قرائتیں صحابہ کرام سے منقول ہیں ان سے مراد تفسیر ہوتی ہے تاکہ معنی سمجھنے میں دقت نہ رہے نہ کہ یہ طلب ہوتا ہے کہ متن کے الفاظ یہ ہیں۔

2۔ احکام القرآن لابن عمر بنی جعد 4، صفحہ 1804

2۔ تفسیر انشاف، جلد 4، صفحہ 534



الصلوة فلاتأتوها تسعون ولكن السكينة (1) جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اس کے لیے آؤ جبکہ تمہارے اوپر سکون و وقار ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: خبردار اللہ کی قسم! یہ قدموں پر دوڑنا نہیں بلکہ انہیں منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز کے لیے آئیں مگر اس صورت میں کہ ان پر سکون و وقار ہو بلکہ یہاں مراد ہے کہ وہ دل کی حاضری، خلوص نیت اور خشوع کے ساتھ آئیں۔ قتادہ نے کہا: سچی یہ ہے کہ تو اپنے دل اور عمل کے ساتھ سعی کرے۔ یہ بہت اچھا قول ہے۔ کیونکہ یہ تینوں اقوال کو جامع ہے۔ جمعہ کے روز غسل، خوشبو لگانے اور لباس سے آراستہ ہونے کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

**مسئلہ نمبر 6۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اس امر پر اجماع ہے کہ یہاں خطاب صرف عاقل، بالغ مومنوں کو ہے، اس خطاب سے مریض، اپاہج، مسافر، غلام اور عورتیں خارج ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک نابینا اور ایسا بوڑھا جو راہنما کے بغیر نہ چل سکتا ہو وہ بھی اس سے خارج ہے۔ ابو بکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اس پر جمعہ کے روز جمعہ کی نماز لازم ہے مگر جو مریض ہو، مسافر ہو، عورت ہو، بچہ ہو یا غلام ہو جو آدمی لہو و لعب کی وجہ سے یا تجارت کی وجہ سے اس سے مستغنی ہو اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔ وہ ہی حمد کے لائق ہے“ (2)۔ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے۔

ہمارے علماء نے فرمایا: جس پر جمعہ ادا کرنا لازم ہے وہ جمعہ ادا کرنے سے پیچھے نہ رہے مگر ایسے عذر کی صورت میں جس کی موجودگی میں اس کے لیے بجالانا ممکن نہ ہو جس طرح ایسا مرض جو اسے روک دے، مرض کے بڑھنے کا خوف، سلطان کے ظلم کا خوف خواہ مال میں ہو یا بدن میں ہاں حق لینے کا مسئلہ ہو تو صورت الگ ہے، موسلا دھار بارش، ساتھ کچھڑ بھی ہو یہ عذر شمار ہو گا جبکہ بارش ختم نہ ہو۔ امام مالک نے اسے عذر شمار نہیں کیا؛ یہ مہدوی نے بیان کیا۔ جو آدمی کسی قریبی رشتہ دار کی تیمارداری کی وجہ سے جمعہ ادا نہیں کرتا جس کی موت کا وقت قریب ہو اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کے امور بجالائے تو یہ امید کی جاتی ہے کہ اس کے لیے اس میں گنجائش موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا۔ جو آدمی عذر کے بغیر نماز جمعہ میں شامل نہ ہو اس نے امام سے قبل نماز پڑھ لی تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھے جب نماز جمعہ میں شامل ہو سکتا تھا تو وہ اس میں شامل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 7۔** إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ جمعہ کا وجوب اس آدمی کے لیے خاص ہے جو آذان کو سنتا ہے۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو دور ہے جو آذان کو نہیں سنتا تو وہ اس خطاب کے تحت داخل نہیں ہوگا جو آدمی جمعہ کی نماز کے لیے آتا ہے وہ قریب رہتا ہے یا دور رہتا ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: جمعہ اس پر واجب ہوگا جو شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر ہو۔ ربیعہ نے کہا: جو چار میل کے فاصلہ پر ہو۔ امام مالک اور لیث نے کہا: تین میل کے فاصلہ پر ہو، امام شافعی نے کہا: آذان سننے کا اعتبار ہوگا جبکہ مؤذن کی آواز بلند ہو اور آوازیں پر

سکون ہوں، ہوا ساکن ہو اور موذن شہر کی دیوار پر کھڑا ہو۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگ اپنے گھروں اور قریبی دیہاتوں سے باری باری آتے وہ گردوغبار میں آتے ان کے جسموں پر غبار لگ جاتا تو ان سے بوس پیدا کرتا (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کاش! تم اس دن کے لیے غسل کرتے“۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ آواز جب خوب بلند ہو، لوگ سکون میں ہوں تو آواز تین میل تک پہنچتی ہے۔ مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات کم سے کم تین میل کے فاصلہ پر ہوتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے کہا: جس نے جمعہ کی آذان سنی اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ دارقطنی نے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّا الْجُمُعَةُ عَلَىٰ سَمْعِ النِّدَاءِ (2) جو آذان سنے اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔

امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کہتے ہیں: جو آدمی شہر میں ہے وہ آذان کی آواز سنے یا نہ سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور جو آدمی شہر سے باہر ہے اگرچہ آذان کی آواز سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں یہاں تک کہ آپ سے سوال کیا گیا: کیا اہل زبارة پر جمعہ واجب ہے؟ زبارة اور کوفہ کے درمیان ایک دریا حائل تھا؟ فرمایا: نہیں۔ ربیعہ سے یہ بھی مروی ہے: جو آدمی آذان کی آواز سنے اور پیدل گھر سے نکلے تو وہ نماز کو پالے تو اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ زہری سے یہ مروی ہے کہ جمعہ کی نماز اس پر واجب ہے جو آذان کو سنے۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اِذَا تُدْعَىٰ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ يَوْمَ ذَلِكَ خَلُفُوا فِي الصَّلَاةِ (3) جب نماز کا وقت ہو تو تم دونوں میں سے ایک آذان کہے پھر ایک اقامت کہے پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ اقامت کرائے۔ حضور ﷺ نے یہ ارشاد حضرت مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی سے فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے (4)۔ ابوبکر الصديق اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ سورج ڈھلنے سے قبل نماز جمعہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے پھر ہم واپس پلٹتے جبکہ دیواروں کے سائے نہیں ہوتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ہم نماز جمعہ کے بعد ہی قیلولہ اور دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے؛ اسی کی مثل حضرت سہل سے روایت مروی ہے؛ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ کی حدیث کو بہت جلد ادائیگی پر محمول کیا جائے گا۔ ہشام بن عبد الملک، یعلیٰ بن حارث سے وہ ایاس بن سلمہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فضل التکبیر الی الجمعہ، جلد 1، صفحہ 280

2۔ سنن دارقطنی، الجمعہ علی من سَمِعَ النِّدَاءَ، جلد 2، صفحہ 6

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، من احق بالإمامة، جلد 1، صفحہ 236

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، من احق بالإمامة، جلد 1، صفحہ 123



بن اکوع سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں وکیع، یعلیٰ سے وہ ایاس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرتے پھر ہم سایہ کی تلاش کرتے ہوئے واپس آتے (1)۔ یہ مقدمین اور متاخرین جمہور اسلاف کا نقطہ نظر ہے اور اسے ظہر کی نماز پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سہل بنی شہید کی روایت اس امر پر دلیل ہے کہ صحابہ کرام دوپہر کے کھانے یا اس سے بھی پہلے نماز جمعہ کے لیے جلدی جایا کرتے تھے۔ وہ دوپہر کا کھانا نماز جمعہ کے بعد ہی کھایا کرتے تھے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ جمعہ کو جلدی ادا کرنا اسی طرح ہے کہ زوال کے بالکل قریب ہی ادا کیا جائے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے اجتہاد کیا ہے: من راح فی الساعة الأولى فکان تقرباً بدنة (2) جو پہلی ساعت میں گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی۔ یہ سب ایک ہی ساعت ہے۔ دوسرے علماء نے اسے دن کی بارہ ساعتوں پر محمول کیا ہے۔ جو برابر ہیں یا مختلف ہیں جس طرح دن میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عمر کی حدیث کی وجہ سے یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے کیونکہ وہ بہت جلدی نماز جمعہ کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اسے فرض کفایہ کہتے ہیں۔ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے۔ امام مالک سے یہ منقول ہے جو ثابت نہیں کہ نماز جمعہ سنت ہے۔ جمہور امت اور ائمہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے۔ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وُدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ (3) جو لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑتے ہیں انہیں اس طرز عمل سے رک جانا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ جمعہ کے وجوب اور اس کے فرض ہونے میں یہ واضح حجت ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی جعد ضمری سے مروی ہے۔ جبکہ وہ صحابی بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوَنَّا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قَلْبِهِ (4) جس نے سستی کرتے ہوئے تین دفعہ جمعہ ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بغیر مجبوری کے تین جمعہ ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے فرمایا: الرَّدُّ إِلَى الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ (5) جمعہ کی نماز کے لیے جانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

**مسئلہ نمبر 10۔** اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لیے سعی کو بغیر کسی شرط کے واجب قرار دیا ہے۔ تمام نمازوں کے لیے قرآن و سنت سے وضو کا شرط ہونا ثابت ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ (المائدہ: 6) جب تم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، من اغتسل أو توضأ، جلد 1، صفحہ 283

2۔ ایضاً، کتاب الجمعة، فضل التکبیر فی الجمعة، جلد 1، صفحہ 280

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، تغنیة فی الخلف عن الجماعة، صفحہ 58

4۔ غزوة المساجد، کتاب الجمعة، صفحہ 121

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808

نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طہور (1) اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ ایک طائفہ نے عجیب و غریب بات کی ہے کہ جمعہ کا غسل فرض ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ امام نسائی اور ابوداؤد نے اپنی اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من توضؤ یوم الجمعة فیہا و نعت و من اغتسل فالغسل افضل (2) جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کے لیے گیا اس نے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اللہ تعالیٰ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور اس سے تین دن زائد کے گناہ بخش دیتا ہے (3)۔ جو سنگریزوں سے کھیلتا رہا اس نے لغو عمل کیا۔ یہ نص ہے۔ موطا شریف میں ہے: ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنے والے نے کہا: میں نے وضو کرنے کے سوا کوئی زائد عمل نہیں کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: صرف وضو؟ جبکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کا حکم تو دیا مگر اسے واپس جانے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ بھی اس پر دال ہے کہ غسل کرنا مستحب ہے اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ سنت کی طرف لوٹتے جبکہ وہ فرض (جمعہ میں حاضر ہونا اور خطبہ سننا) کی بجا آوری میں شردع ہو چکے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارد گرد اور مسجد نبوی میں جلیل القدر صحابہ اور مہاجرین تشریف فرما تھے۔

**مسئلہ نمبر 11۔** عید کے روز جمعہ ہو جائے تو نماز جمعہ ساقط نہیں ہوگی جبکہ امام احمد بن حنبل اس سے اختلاف کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی کیونکہ عید کی نماز جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتی ہے اور عید کی مشغولیت کی وجہ سے لوگ جمعہ سے غافل ہو جاتے ہیں آپ نے اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے عوالی (4) کے بایوں کو اجازت دی کہ وہ نماز جمعہ کے لیے نہ آئیں صحابہ میں سے ایک کا قول کوئی حجت نہیں جب اس کی مخالفت بھی ہو اور اس پر کوئی اتفاق نہ کیا گیا ہو۔ عید کے روز جمعہ کے لیے سعی کا حکم اسی طرح متوجہ ہوتا ہے جس طرح باقی ایام میں متوجہ ہوتا ہے (5)۔

صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں قراءت کیا کرتے تھے (6)۔ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ○ (الاعلیٰ) اور هَلْ اَشْكُ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ ○ (الغاشیہ) جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جاتے تو دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کیا کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے (☆)۔

2۔ ایضاً

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808

4۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر دیہات تھا۔

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، کراہیۃ من الحصى، جلد 1، صفحہ 283

6۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 288

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1809

۱۱۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی القراءۃ فی العیدین، حدیث نمبر 490، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



**مسئلہ نمبر 12**۔ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ ذکر سے مراد نماز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد خطبہ اور وعظ و نصیحت ہے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ ان تمام چیزوں میں واجب ہے (1)۔ ان میں سے پہلا خطبہ ہے؛ ہمارے علماء نے یہی کہا ہے مگر عبد الملک بن ماصبثون نے اختلاف کیا انہوں نے اسے سنت قرار دیا۔ اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر خطبہ کا سننا واجب نہ ہوتا تو یہ بیع کو حرام قرار نہ دیتا کیونکہ مستحب امر مباح کو حرام قرار نہیں دیتا۔ جب ہم نے کہا: ذکر سے مراد نماز ہے تو خطبہ بھی نماز میں سے ہی ہے۔ بندہ اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے فعل سے تسبیح کرنے والا ہوتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے ذکر اللہ کی تفسیر خطبہ سے کیسے کی جا سکتی ہے جبکہ خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہوتی ہیں؟ (2)۔

میں اس کا جواب دوں گا: خطبہ میں جو رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، آپ ﷺ کی جو ثنا کی جاتی ہے، خلفاء راشدین کی جو ثنا کی جاتی ہے، مومن متقین کی جو تعریف کی جاتی ہے، اس میں جو نصیحت اور یاد دہانی ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حکم میں ہوگا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے جیسے ظالموں، ان کے القاب کا ذکر، ان کی ثنا اور ان کے لیے دعا وغیرہ جبکہ وہ اس کے برعکس کے مستحق ہیں تو وہ شیطان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یہ کئی مراحل پرے ہے۔

**مسئلہ نمبر 13**۔ وَذَرُوا الْبَيْعَ نماز جمعہ کے وقت بیع و شراء سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور نماز جمعہ کے وقت میں اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ حرمت اس کے لیے ہے جو نماز جمعہ کی فرضیت کا مخاطب ہے۔ بیع، شراء سے خالی نہیں ہوتی اس لیے صرف بیع کا ذکر کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَرَّابَيْلٌ تَقِيْنُكُمُ الْحَرَّاءَ سَرَّابَيْلٌ تَقِيْنُكُمُ الْبَاسَكُمُ (النحل: 81) صرف گری کا ذکر کیا حالانکہ یہ پاجامہ سردی سے بھی بچاتا ہے۔ یہاں دوسرے امور کی بجائے صرف بیع (تجارت) کا ذکر کیا کیونکہ بازار والے عموماً اسی میں مصروف ہوتے ہیں۔ جس پر جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا واجب نہیں اس کو بیع و شراء سے نہیں روکا جائے گا۔ حرام قرار دینے والے وقت میں دو قول ہیں۔ 1: زوال کے بعد سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور عطا کا قول ہے۔ (2) خطبہ کی آذان سے لے کر نماز کے وقت تک؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب نماز جمعہ کے لیے آذان دی جائے تو بیع و شراء کو ترک کر دیا جائے اس وقت جو بیع و شراء ہوئی وہ فسخ ہوگی، غلام کی آزادی، نکاح، طلاق وغیرہ فسخ نہ ہونگے کیونکہ لوگوں کی عادت نہیں کہ ایسے امور میں مشغول ہوں جس طرح وہ بیع و شراء میں مشغول ہوتے ہیں۔ علماء نے کہا: اسی طرح عقد شرک، عقد ہبہ اور عقد صدقہ بھی نادر و نایاب ہی ہوتا ہے اس لیے وہ بھی فسخ نہ ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ سب کچھ فسخ ہوگا کیونکہ بیع سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ انسان اس میں ہی مشغول ہو جاتا ہے (3)۔ عقود میں سے ہر ایسا امر جو نماز جمعہ سے غافل کر دے سب شرعاً حرام اور جھڑکنے کے لیے فسخ قرار دیا جائے گا۔ مہدوی نے کہا: بعض علماء نے اس وقت میں بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے نبی سے مراد ندب و استحباب لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ سے استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بیع منعقد ہو جاتی ہے، وہ فسخ نہیں ہوتی۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں کہا: عام علماء کی رائے ہے کہ بیع فسخ نہ ہوگی (1)۔ انہوں نے کہا: بیع بالذات حرام نہیں لیکن اس میں مشغول ہونے سے ایک واجب سے غفلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح مقصوبہ زمین اور مقصوبہ کپڑے میں نماز پڑھی جائے اور مقصوبہ پانی سے وضو کیا جائے۔ بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ یہ بیع فاسد ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد اور فسخ شدہ ہے (2) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل عمل لیس علیہ امید نافہور دہر ایسا عمل جس بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ  
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ①

”پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہے جس طرح اس آیت وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: 2) میں امر اباحت کے لیے ہے۔ فرمان ہے: جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تجارت کے لیے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ اس کا رزق تلاش کرو۔ عراق بن مالک کا معمول تھا جب وہ نماز پڑھ چکے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوتے تو عرض کرتے: اے اللہ! میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیرے عائد کردہ فریضہ کو بجالایا اور زمین میں پھیل گیا جس طرح تو نے مجھے حکم دیا (3)۔ اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ جعفر بن محمد نے وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ کی یہ وضاحت کی: مراد عمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد طلب علم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نفل نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دنیا کی کسی شے کو طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس سے مراد مریضوں کی عیادت، نماز جنازہ میں حاضر ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھائی سے ملاقات کرنا ہے۔

وَافْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اطاعت کر کے اور زبان سے اس کا شکر بجالاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض کے بجالانے کی توفیق دی اس انعام پر شکر بجالاؤ۔ لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ② یہاں لعل کی کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، جس نے اس کی اطاعت نہ کی وہ ذکر کرنے والا نہیں اگرچہ وہ بہت زیادہ تسبیح کرتا ہو۔ سورہ بقرہ میں اس بارے میں مرفوع روایت گزر چکی ہے۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ



### مِّنَ النَّهْوِ وَ مِنَ التَّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ﴿٥٠﴾

”اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا (اے حبیب! انہیں) فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لبو اور تجارت سے، اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔“

اس میں سترہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَإِذَا سَأَلَ اتَّجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْشَطُوا إِلَيْهَا صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا لوگ اس قافلہ کی طرف چلے گئے، یہاں تک کہ صرف بارہ افراد مسجد میں رہ گئے (1)۔ ایک روایت میں ہے: میں بھی ان میں سے ایک تھا، تو یہ آیت جو سورہ جمعہ میں ہے نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے: ان بارہ افراد میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: جو اس تجارتی قافلہ کو لایا تھا وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی تھے۔ جو شام سے یہ قافلہ لائے جبکہ زمانہ سخت بھوک اور مہنگائی کا تھا۔ ان کے پاس تمام وہ مال و اسباب تھا جس کی لوگوں کو ضرورت تھی جیسے گندم، آٹا وغیرہ۔ وہ مدینہ طیبہ کی منڈی احجاز ریت میں اترے اور طبل بجایا تا کہ لوگوں کو اپنے آنے کی خبر دے تو لوگ ان کے پاس چلے گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ کلبی نے کہا: وہ خطبہ جمعہ سن رہے تھے سارے چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف آٹھ افراد رہ گئے؛ کلبی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔

دارقطنی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے نقل کی ہے: اسی اثناء میں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آیا جس کے پاس کھانے کا سامان تھا وہ بقیع میں اترے۔ لوگ اس قافلہ کی طرف متوجہ ہوئے اس طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا آپ کے ساتھ چالیس آدمی رہ گئے میں بھی ان میں سے ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ اس اسناد میں علی بن عاصم جو حصین سے روایت نقل کرتے ہیں نے ہی چالیس افراد کا ذکر کیا ہے۔ حصین کے دوسرے اصحاب نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ افراد ہی باقی رہ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت مروی ہے: والذی نفسی بیدہ لو خرجوا جمیعا لاضرہم اللہ علیہم الوادی نازا (3) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر سب کے سب نکل جاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر اس وادی کو آگ سے بھڑکا دیتا؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا۔

ایک حدیث مرسل میں ان بارہ افراد کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔ اسے اسد بن عمرو نے جو اسد بن موسیٰ بن اسد کے والد ہیں نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت

میں کہتا ہوں: اس روایت میں حضرت جابر کا ذکر نہیں، امام مسلم نے ذکر کیا ہے کہ وہ ان میں سے تھے۔ دارقطنی نے بھی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا نکلنا صرف وحیہ کلبی کے تجارتی قافلہ کے لیے تھا اور اس قافلہ گزرتے ہوئے دیکھنے کے لیے تھا یہ سراسر لبو تھا اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اگر اس کے علاوہ کے لیے ان کا نکلنا ہوتا تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا، لیکن جب اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض متصل تھا اور آپ کی بارگاہ سے اٹھ جانا شامل تھا تو اس میں ختی آگنی اور یہ عمل بڑا ہو گیا اور اس بارے میں قرآن نازل ہوا اور اسے لبو کا نام دے کر اس کی حقارت بیان کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ارشاد مروی ہے: کل ما ینھوبہ الرجل باطل إلا رُمیہ بشقۃ انسان جس کے ساتھ لبو کرتا ہے وہ عمل باطل ہے سوائے کمان کے ذریعے تیر پھینکنے کے۔ سورۃ الانفال میں یہ گزر چکی ہے۔ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

١- حسن اف. دور. م. ج. م. في الخطبة يوم الجمعة، جلد 2، صفح 7



نحن بها عندنا وأنت بها عندك راضٍ والرأي مُخْتَلِفٌ

ایک قول یہ کیا گیا: عربی زبان میں یہ سب سے عمدہ ہے کہ ضمیر کو دونوں اسموں میں سے دوسرے اسم کے لیے بنایا جائے۔

کہا: دو افراد کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے (۱)۔ (۲) لیٹ اور امام ابو یوسف نے کہا: تین افراد کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے۔

جمعہ ہوتا ہے۔ نجاد ابو بکر احمد بن سلیمان نے ذکر کیا ابو خالد یزید بن ہشتم بن طہمان دقاق، صبح بن دینار سے وہ معافی بن عمران

سے وہ معقل بن عبید اللہ سے وہ زہری سے وہ اپنی سند کے ساتھ مصعب بن عمیر سے روایت نقل کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے انہیں مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا۔ آپ حضرت سعد بن معاذ کے گھر ٹھہرے آپ نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی جبکہ ان کی

تعداد بارہ تھی۔ اس روز ان لوگوں کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی۔ (۵) امام شافعی نے کہا: چالیس افراد ہوں۔ ابواسحاق

شیرازی نے ”کتاب التنبیہ علی مذہب الامام شافعی“ میں کہا: ہر وہ دیہات جس میں چالیس عاقل، بالغ، آزاد اور مقیم مرد ہوں

وہ موسم سرما اور موسم گرما میں وہاں سے کوچ نہیں کرتے سفر کرتے بھی ہیں تو مجبوری کی وجہ سے اور وہ خطبہ کی ابتدا سے نماز جمعہ

کے قیام تک وہاں حاضر رہتے ہیں تو ان پر جمعہ واجب ہو جائے گا۔ امام احمد اور امام اسحاق اسی قول کی طرف مائل ہوئے ہیں

اور ان دونوں نے یہ شرطیں نہیں لگائیں۔ امام مالک نے کہا: جب بستی ایسی ہو جس میں بازار اور مسجد ہو تو تعداد کا اعتبار کیے بغیر

ان پر نماز جمعہ فرض ہوگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ فرمان جاری کیا: جس بستی میں تیس گھر ہوں ان پر جمعہ لازم ہوگا۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: شہر کی قریبی بستیوں اور دیہاتوں کے مکین لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہوتا ان میں نماز جمعہ پڑھنا بھی

جائز نہیں (3)۔ جمعہ کے وجوب اور اس کے انعقاد میں آپ نے یہ شرطیں لگائی ہیں۔ ۱: بڑا شہر، قوی سلطان، بارونق بازار اور

جاری نہر۔ انہوں نے حضرت علی شیر خدا کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے: کوئی نماز جمعہ اور تکبیرات تشریق نہیں مگر بڑے

شہر میں اور ایسے ساتھی جو ان کے معاون ہوں؛ اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت رد کرتی ہے۔ فرمایا: رسول اللہ

محلہ شہداء کی مسجد کے بعد جس مسجد میں سب سے پہلے جمعہ ادا کیا گیا وہ بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کی مسجد ہے

جسے جوائی کہا جاتا (4)۔ امام شافعی کی چالیس افراد میں دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ کی مذکورہ حدیث ہے جسے دار فطنی نے نقل کیا

2- معالم التنزيل، جلد 5، صفحہ 380

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 381

ہے۔ سنن ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی کی دلائل السنوہ میں عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہا: جب میرے والد کی نظر جاتی رہی تو میں اپنے والد کو ساتھ لے کر جاتا جب میں انہیں جمعہ کے لیے لے کر چلا تو انہوں نے آذان کی آواز سنی تو حضرات ابو امامہ کے لیے دعا اور استغفار کی۔ کافی عرصہ تک ان کا یہی معمول رہا (1)۔ وہ جمعہ کی آذان نہیں سنتے تھے مگر وہ یہی عمل کرتے۔ میں نے ان سے عرض کی: اے میرے ابا جان! جب بھی آپ جمعہ کی آذان سنتے ہیں تو آپ حضرت امامہ کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اے بیٹے! یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حرہ بن بیاضہ (2) جسے نضیع انصمات کہتے اس کی پست جگہ میں مدینہ طیبہ میں پہلا جمعہ پڑھایا تھا۔ میں نے پوچھا: اس وقت تمہاری تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: چالیس۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: طریقہ یہ چلتا آ رہا ہے ہر تین افراد میں ایک امام ہو اور ہر چالیس یا اس سے زائد افراد میں جمعہ، عید قربان اور عید فطر ہو (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جماعت ہیں؛ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ ابوبکر احمد بن سلیمان نجاد نے روایت نقل کی ہے: عبدالملک بن محمد رقاشی پر یہ روایت پڑھی گئی جبکہ میں خود سن رہا تھا کہ مجھے رجاء بن سلمہ نے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے وہ روح بن غطیب ثقفی سے وہ زہری سے وہ ابوسلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کتنے افراد پر جمعہ واجب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعداد پچاس ہو گئی تو حضور ﷺ نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ عبدالملک بن محمد کو یہ روایت سنائی گئی جبکہ میں سن رہا تھا کہ رجاء بن سلمہ، عباد بن عباد مہلبی سے وہ جعفر بن زبیر سے وہ قاسم سے وہ حضرت ابو امامہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جمعہ پچاس افراد پر واجب ہوتا ہے اس سے کم افراد پر واجب نہیں ہوتا“ (4)۔

ابن منذر نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ فرمان جاری کیا جس بستی میں پچاس آدمی جمع ہو جائیں وہ جمعہ کی نماز پڑھیں۔ زہری نے ام عبد اللہ دوسیہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جمعہ ہر دیہات والوں پر واجب ہے اگرچہ اس میں چار افراد بھی نہ ہوں“ (5)۔ یہاں قری سے مراد شہر ہیں۔ یہ زہری سے ثابت نہیں۔ ایک روایت میں ہے: ”جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے اگرچہ اس میں تین افراد ہوں اور چوتھا ان کا امام ہو“ (6)۔ زہری کا سماع دوسیہ سے ثابت نہیں اس کی سند میں حکم نامی شخص متروک ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** جمعہ امام کی اجازت اور اس کی موجودگی کے بغیر بھی صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کی شرطوں میں سے ایک شرط امام یا خلیفہ کا ہونا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولید بن عقبہ جو کوفہ کا دالی تھا ایک روز اس نے دیر کی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت کے بغیر لوگوں کو نماز جمعہ پڑھادی۔ یہ بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا ان دنوں میں حضرت علی شیر خدا نے نماز جمعہ پڑھائی تھی۔ یہ منقول نہیں کہ حضرت علی نے حضرت

2۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر دیہات ہے۔

4۔ ایضاً

6۔ ایضاً، صفحہ 725، حدیث 21118

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 6

3۔ سنن دارقطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 4

5۔ خزائن اعمال، جلد 7، صفحہ 723، حدیث 21099



عثمان سے اس کی اجازت طلب کی تھی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سعید بن عاصی والی مدینہ جب مدینہ طیبہ سے باہر گئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی جبکہ اجازت طلب نہیں کی تھی۔ امام مالک نے کہا: اللہ کی زمین میں اللہ کے فرائض ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرتا والی اس کی ذمہ داری اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ ہمارے علماء نے کہا: اس کی ادائیگی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے لیے چھت والی مسجد ہونی چاہئے۔ ابن عربی نے کہا: میں اس کی وجہ نہیں جانتا (1)۔ میں کہتا ہوں: اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَظَهَرَ بَيِّنَاتٍ لِّلَّذِينَ لَا يَفْقَهُنَّ (الحج: 26) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِي بُيُوتٍ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النور: 36) بیت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دیواروں اور چھت والا ہو۔ یہی عرف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ وَتَرَكُوْكَ قَاۤىِٕمًا جب خطیب خطبہ دے تو وہ منبر پر کھڑا ہو (2)۔ علقمہ نے کہا: حضرت عبد اللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے؟ فرمایا: کیا تو وَتَرَكُوْكَ قَاۤىِٕمًا نہیں پڑھتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ عبد الرحمن بن ام الحکم بیٹھے خطبہ دے رہا تھا۔ فرمایا: اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتَرَكُوْكَ قَاۤىِٕمًا۔ (3)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ جو آدمی آپ کو یہ بتائے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں (4)۔ جمہور فقہاء اور ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: خطبہ میں قیام شرط نہیں۔ یہ روایت کی جاتی ہے جس نے سب سے پہلے بیٹھ کا خطبہ دیا وہ حضرت امیر معاویہ ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا یہاں تک کہ رقت طاری ہو گئی تو آپ نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دیتے۔ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیٹھنے کے دوران کوئی گفتگو نہ کرتے۔ حضرت جابر بن سمرہ نے اسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر سے بھی بخاری میں اسی طرح مروی ہے (5)۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ خطبہ جمعہ کے انعقاد میں شرط ہے، اس کے بغیر نماز جمعہ صحیح نہیں ہوتی؛ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ مستحب ہے (6)۔ ابن ماجہ شون نے بھی اسی طرح کہا ہے: یہ سنت ہے فرض نہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ جب وہ خطبہ ترک کر دے اور نماز جمعہ ادا کرے تو نماز ظہر کی دو رکعتوں کو ترک کیا۔ اس کے وجوب پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتَرَكُوْكَ قَاۤىِٕمًا یہ مذمت ہے۔ شرعاً واجب کے ترک کرنے والے کی

1۔ اتمام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1803

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجمعة، ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، جلد 2، صفحہ 79

4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 283

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، جلد 1، صفحہ 284

5۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، الخطبة ثانياً، جلد 1، صفحہ 125

6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 158

ہی مذمت کی جاتی ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے خطبہ کے بغیر نماز جمعہ کو ادا نہیں کیا۔

**مسئلہ نمبر 7۔** کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے بشام بن عمار، عبدالرحمن بن سعد سے وہ اپنے باپ سے وہ واداع سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حالت جنگ میں خطبہ ارشاد فرماتے تو کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے اور جمعہ میں خطبہ ارشاد فرماتے تو عصا کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے (1)۔

**مسئلہ نمبر 8۔** امام جب منبر پر چڑھے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کے نزدیک لوگوں کو سلام کہے۔ امام مالک کی یہ رائے نہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سلام فرماتے (2)۔

**مسئلہ نمبر 9۔** جب امام تمام خطبہ یا کچھ حصہ وضو کے بغیر دے تو امام مالک کے نزدیک اس نے غلط کام کیا۔ جب نماز وضو کے ساتھ پڑھی تو اس پر خطبہ کا اعادہ نہیں۔ وضو کے وجوب میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ نئے قول میں آپ نے وضو کو شرط قرار دیا ہے اور قدیمی قول میں اسے شرط قرار نہیں دیا؛ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 10۔** کم سے کم جس کے ساتھ خطبہ جائز ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے، لوگوں کو تقویٰ کی وصیت کرے اور قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھے دوسرے خطبہ میں یہی چار چیزیں واجب ہیں مگر پہلے میں قراءت کی نسبت دوسرے میں دعا کرے؛ یہ اکثر فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس نے الحمد للہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر پر اکتفاء کیا تو یہ کافی ہو جائے گا (3)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ منبر پر چڑھے تو الحمد للہ کے الفاظ کہے تو زبان لڑکھڑائی فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس جگہ کے لیے گفتگو تیار کیا کرتے تھے۔ تمہیں ایسے امام کی زیادہ ضرورت ہے جو گفتگو کی بجائے عمل کرنے والا ہو۔ تمہارے سامنے خطبے ہوتے رہیں گے پھر آپ نیچے اتر آئے اور نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی میں ہوا تو کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اتنا خطبہ دینا ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے اس میں یہ صحیح ترین ہے۔

**مسئلہ نمبر 11۔** صحیح مسلم میں حضرت یعلیٰ بن امیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ پڑھتے ہوئے سنا: وَثَادَا لِّلْكَ (الزخرف: 77) اس بارے میں حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن کی حدیث ہے جو وہ اپنی بہن سے نقل کرتی ہیں کہ میں نے قَدْ شَاءَ الْقُرْآنُ الْحَمْدُ ○ نبی کریم ﷺ کی زبان سے یاد کی ہے، آپ ﷺ اسے جمعہ کے موقع پر منبر پر بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے (4)۔ سورہ ق کے شروع میں یہ نذر چکی ہے۔ امام ابو داؤد زہری سے اسرائیل میں روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجمعہ، ما جاء فی الخطبة یوم الجمعہ، صفحہ 79۔ 2۔ ایضاً

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 380۔ 4۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، قراءۃ القرآن فی الخطبة، جلد 1، صفحہ 286



نعود به من شؤر أنفسنا (1)۔

”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، ہم اس کی مدد چاہتے ہیں، ہم اس سے بخشش طلب کرتے ہیں، ہم اپنے نفوس کی شر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کے حق میں وہ گمراہی مقدر کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قیامت سے پہلے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ ہیں اور اسی کے لیے ہیں۔“

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے: ”ہر آنے والی چیز قریب ہے اور جو آنے والی ہے وہ کوئی دور نہیں اللہ تعالیٰ کسی کی جلد بازی کے لیے اسے جلدی نہیں لاتا اور لوگوں کی وجہ سے تخفیف نہیں کرتا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نہ کہ وہ جو لوگ چاہیں ایک امر ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اور ایک امر وہ ہے جس کا لوگ ارادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ ناپسند کریں، اللہ تعالیٰ جسے قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ جسے دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شیء واقع ہونے والی نہیں“ (2)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء پر درود پڑھنے کے بعد آپ فرماتے: ”اے لوگو! تمہارے لیے علامتیں ہیں اپنی علامتوں کی طرف چلو تمہارے لیے انتہائیں ہیں اپنی انتہاء کی طرف چلو، بے شک بندہ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے۔ ان خوفوں میں سے ایک اجل ہے جو گزر چکی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا فیصلہ فرمانے والا ہے اور ایک اجل ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے پس بندے کو چاہئے کہ اپنی ذات میں سے اپنی ذات کے لیے لے اور اپنی دنیا سے آخرت کے لیے حصہ بنائے، اپنی جوانی سے اپنے بڑھاپے کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی آخرت کے لیے حصہ بنائے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! موت کے بعد رضا کے طلب کرنے کا موقع نہیں اور دنیا کے بعد کوئی وار نہیں مگر جنت ہے یا جہنم۔ میں یہ کہتا ہوں اور اپنے لیے اور تمہارے لیے بخشش کا طالب ہوں۔“ جب آپ مدنیہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ پہلے گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 12۔** جو خطبہ کو سننے اس پر خطبہ کے لیے خاموش رہنا واجب ہے، سنت یہ ہے کہ جو اسے سنے اور جو نہ سن سکے وہ اس کے لیے خاموش رہے انشاء اللہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ جس نے اس وقت گفتگو کی اس نے لغو عمل کیا اس کے

ساتھ اس کی نماز میں فساد واقع نہیں ہوگا۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تو نے جمعہ کے روز اپنے ساتھی سے کہا: تو خاموش رہ جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو عمل کیا“ (1)۔ زمخشری نے کہا: جب خاموش کرانے والے نے اپنے ساتھی سے کہا: تو خاموش ہو جا تو اس نے لغو عمل کیا (2)۔ کہا: وہ خطیب جو اس میں غلو کرتا ہے وہ لغو عمل کرنے والا نہیں ہوگا ہم اسلام کی تنہائی اور ایام کے بے نفع ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 13**۔ امام جب منبر پر چڑھے تو لوگ اس کی طرف منہ کریں۔ امام ابو داؤد نے ابان بن عبد اللہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ میں جمعہ کے روز عدی بن ثابت کے ساتھ تھا جب امام نکلیا کہا: منبر پر چڑھا تو امام کی طرف منہ کر لیا کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے؛ اسے ابن ماجہ نے عدی بن ثابت سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں (3)۔ اسناد میں یہ اضافہ کیا عن ابیہ کہا: رسول اللہ ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو صحابہ کرام اپنے منہ ان کی طرف کر لیتے تھے۔ ابن ماجہ نے کہا: میں امید کرتا ہوں کہ یہ روایت متصل ہوگی۔

میں کہتا ہوں: ابو نعیم حافظ، محمد بن معمر نے وہ عبد اللہ بن محمد ناجیہ سے وہ عباد بن یعقوب سے وہ محمد بن فضل خراسانی سے وہ منصور سے وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ حضرت عبد اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو ہم اپنے منہ آپ ﷺ کی طرف کر لیتے۔ محمد بن فضل بن عطیہ منصور سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

**مسئلہ نمبر 14**۔ امام خطبہ دے رہا ہو تو جو آدی مسجد میں داخل ہوتا ہے وہ نماز نہ پڑھے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے؛ یہ ابن شہاب اور دوسرے لوگوں کی رائے ہے۔ موطا میں ان سے مردی ہے؛ امام کا نکلنا نماز کو قطع کر دیتا ہے اور اس کی گفتگو کلام کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ مرسل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: اذا جاء احدكم يوم الجمعة والا مام يخطب فليذكر ركعتين وليتجوز فيهما (4)۔

تم میں سے کوئی جب جمعہ کے روز آئے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے اور ان میں اختصار سے کام لے۔ یہ نماز پڑھنے میں نص ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء یہی کہتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 15**۔ ابن عون نے ابن سیرین سے روایت نقل کی ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو علماء نیند کو ناپسند کرتے اور اس بارے میں سخت قول کرتے۔ ابن عون نے کہا: اس کے بعد پھر مجھے ملے پوچھا: تو جانتا ہے وہ کیا کہتے تھے؟ کہا: وہ کہتے ان کی مثال اس لشکر کی سی ہے جو اخفقوا کا شکار ہوئے۔ پھر پوچھا: کیا تو جانتا ہے۔ اخفقوا کیا ہے؟ اس نے کچھ بھی غنیمت نہ پائی۔

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا نَعَسَ اُحدكم فليتحول الى مقعد صاحبه وليتحول صاحبه الى مقعد (5) تم میں سے جب کسی کو اونگھ آ جائے تو وہ اپنے ساتھی کی جگہ چلا جائے اور اس کا

2- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 535

1- صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ابواب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 281

3- سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، صفحہ 81

4- صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، من دخل المسجد والا مام يخطب، جلد 1، صفحہ 287

5- السنن الکبریٰ، کتاب الجمعہ، النعاس فی الجمعہ، جلد 3، صفحہ 238



ساتھی اس کی جگہ آ جائے۔

**مسئلہ نمبر 16۔** ہم اس میں جمعہ کی فضیلت اور فرضیت کا ذکر کریں گے جسے ہم نے ذکر نہیں کیا۔ ائمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم جمعہ کا ذکر کیا فرمایا: ”اس میں ایک گھڑی ہے جسے بندہ مومن نہیں پاتا مگر وہ نماز پڑھ رہا ہو وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے“ (1)۔ اپنے ہاتھ سے اس کے تھوڑا ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”یہ امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے مکمل ہونے تک کا وقت ہے“ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک روز نبی کریم ﷺ نے ہمارے پاس تشریف لانے میں دیر کر دی۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو ہم نے عرض کی: آپ ﷺ کو روک لیا گیا؟ فرمایا: ”اس کی وجہ یہ تھی کہ جبریل امین میرے پاس سفید آئینہ کی طرح کی چیز لائے جس میں سیاہ نکتہ تھا (3)۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے عرض کی: یہ جمعہ ہے اس میں آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے بھلائی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اس کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس میں غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ سیاہ نکتہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ جمعہ کے دن وہ گھڑی ہے کوئی مسلمان بندہ نہیں پاتا جس میں وہ خیر کا سوال کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے یا اس کی مثل اس کے لیے قیامت کے روز ذخیرہ فرما دیتا ہے یا اس کی مثل برائی اس سے دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہترین دن ہے۔ اہل جنت اسے یوم مزید کا نام دیتے ہیں“۔ اور حدیث ذکر کی۔ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام نے کہا: مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابو عبیدہ سے وہ عبد اللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ یہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلے میں ظہور فرمائے گا“۔ ابن مبارک نے کہا: وہ اس کے اس قدر قریب ہوں گے جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جلدی کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: جس طرح وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کیا کرتے تھے۔ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا۔ وہ ان کے لیے کرامت میں سے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جس کو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھا ہوگا۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ کسی کو نہیں سنا جس میں وہ اضافہ کرتا ہے وہ آیت کریمہ کا حصہ ہے وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ (ق)

میں کہتا ہوں: فی کثیب نیلے میں سے مراد ہے جنتی یعنی وہ جنتی اس ٹیلے پر ہونگے جس طرح حضرت حسن بصری نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنتی جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے جبکہ وہ کافور کے ٹیلے پر ہونگے جس کی اطراف کو نہیں دیکھا جاسکے گا، اس میں جاری نہر ہوگی جس کے دونوں کنارے کستوری کے ہونگے اس پر ایسی خوشبواں ہوگی وہ سب سے اچھی آواز میں قرآن پڑھ رہی ہوگی جسے پہلوں اور پچھلوں نے سنا ہوگا۔ جب وہ اپنی اپنی

منازل کی طرف جائیں گے تو ہر ایک جس کا ہاتھ چاہے گا پکڑ کر لے جائے گا پھر وہ موتیوں سے بنی پلوں پر سے گزر کر اپنے گھروں کو جائیں گے (1)۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی ان کے گھروں کی طرف راہنمائی نہ فرمائے تو وہ اپنے گھروں کی راہ نہ پائیں۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو ان کے لیے نئی نئی چیزیں پیدا فرمائے گا؛ اسے یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے عرش کے نیچے ستر شہر دیکھے ان میں سے ہر شہر تمہارے ان شہروں سے ستر گنا بڑا ہے، وہ فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے جو جمعہ کو حاضر ہو، اے اللہ! اسے بخش دے جس نے جمعہ کے روز غسل کیا“ اسے ثعلبی نے ذکر کیا۔

قاضی شریف ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن ابراہیم ہاشمی عیسوی جو عیسیٰ بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ یہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دنوں کو ان کی حالت پر اٹھائے گا اور جمعہ کے دن کو روشن و منور اٹھائے گا جمعہ والے اس کو گھیرے ہوئے جس طرح ایک دلہن ہو جسے معزز خاوند کی طرف بھیجا جا رہا ہو وہ ان کے لیے روشن ہوتی ہے جس کی روشنی میں وہ لوگ چلتے ہیں ان کے رنگ برف کی طرح سفید اور ان کی ہوا کستوری کی طرح پھیل رہی ہوگی۔ وہ کافور کے پہاڑوں میں داخل ہوئے انہیں جن وانس دیکھیں گے۔ وہ جنت میں داخل ہوئے کوئی ان کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوگا مگر ایسے موزن جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آذان دیتا ہے۔“

سنن ابن ماجہ میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے۔ جب تک گناہ کبیرہ چھانہ جائیں“ (2)۔ امام مسلم نے بھی اسی کی ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ اس بن اس ثقفی سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے جمعہ کے روز غسل کرایا اور خود غسل کیا، جلدی اٹھایا اور خود جلدی اٹھا اور پیدل چلا اور سوار نہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی لغو عمل نہ کیا اس کے لیے ہر قدم کے عوض سال بھر کا عمل ہے۔ جس کے دنوں کے روزے اور راتوں کے قیام کا اجر ہوگا“ (3)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو قبل اس کے کہ تمہیں موت آئے (4)، مشغول ہونے سے پہلے اعمال حسنة کی طرف جلدی کرو اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلق اس کا کثرت سے ذکر کر کے اور مخفی و اعلانیہ صدقہ کثرت سے کر کے تعلق مضبوط کرو تو تمہیں رزق دیا جائیگا، تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہیں اجر دیا جائیگا۔ یہ جان لو! اللہ تعالیٰ نے تم پر میری اس جگہ، میرے اس شہر اور اس سال جمعہ فرض کیا ہے یہ قیامت تک فرض ہے۔ جس نے میری زندگی یا میرے پردہ کرنے کے بعد اسے ترک کیا جبکہ اس کا عادل امام یا

1- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 156 2- سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، فصل الجمعة، 77۔ ایضاً حدیث نمبر 1075، ضیاء القرآن پبلی کیشنز  
3- مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 122 4- سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، فرض الجمعة، صفحہ 77۔ ایضاً حدیث نمبر 1076، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



ظالم امام ہو وہ اس کی تحقیر کرتا ہو یا اس کا انکار کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی جمعیت کو قائم نہ رکھے اور اس کے معاملہ میں برکت نہ رکھے خبردار! اس کی کوئی نماز نہیں، اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں، اس کا کوئی حج نہیں، اس کا کوئی روزہ نہیں اور اس کی کوئی نیکی نہیں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے، کوئی بدو کسی مہاجر کی امامت نہ کرائے اور کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کرائے مگر یہ کہ حاکم اس پر جبر کرے جس کی تلوار اور ڈنڈے سے وہ آدمی خوف محسوس کرتا ہو۔

میمون بن ابی شیبہ نے کہا: میں نے حجاج کے ساتھ جمعہ کا ارادہ کیا۔ میں نے جانے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے کہا: میں کہاں جاؤں گا؟ کیا میں اس فاجر کے پیچھے نماز پڑھوں گا؟ ایک دفعہ کہتا: میں جاؤں گا اور ایک دفعہ کہتا: میں نہیں جاؤں گا۔ میں نے جانے پر پختہ ارادہ کر لیا تو گھر کی جانب سے مجھے ایک ندا کرنے والے نے ندا کی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

**مسئلہ نمبر 17۔** قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری نماز کا جو ثواب ہے وہ تمہاری لہو کی لذت اور تمہاری تجارت کے نفع سے زیادہ ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں مقدر کیا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو تم نے لہو اور تجارت سے حاصل کیا ہے۔ ابو رجاء عطار دی نے قراءت کی: قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ۝ جو بھی کسی کو کوئی چیز عطا کرتا ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ بہتر ہے، اسی سے طلب کرو اور اس کی طاعت کے ذریعے اس چیز کو حاصل کرنے میں مدد لو جو اس کے پاس ہے جو دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔

## سورة المنافقون

﴿سورة المنافقون مكية ١٠٢﴾ ﴿مكية عاشر ٢﴾

تمام کے قول میں یہ مدنی ہے، اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۖ وَ

اللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝

”(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔“

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (1) کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو کہتے ہوئے سنا: لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْقَضُوا اور کہا: لَيْسَ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَا إِلَّا عَزْمُهُمَا لِذَلِكَ ۚ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کیا اور میرے چچا نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسم اٹھادی کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کر دی اور مجھے جھٹلایا۔ مجھے ایسا غم لاحق ہوا جیسا کبھی غم لاحق نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اِتَّخَذُوا آيَاتِنَا هُماً فَاصْدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُ تَسَاجُودًا لِّجَسَادِهِمْ ۖ وَ إِنْ يَقُولُوا تَسْمِعُ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَانَتْهُمْ حُشْبٌ مِّنْ دَاۤءٍ يَّحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ ۖ أَلِيُّ يُوْفِكُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّاۤءُا۟ وُجُوهَهُمْ وَرَأَوْهُمُ يُصْذَوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْقَضُوا ۚ وَبِهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا



1- جامع ترمذی: کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”منافق کی تین علامات ہیں۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے توڑتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے“ (1)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”چار چیزیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے ان میں سے ایک جس میں ہو اس میں نفاق کی خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑے اور جب وہ جھگڑا کرے تو گالی گلوچ نکالے“ (2)۔ نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ جو ان خصائل کو جمع کرے تو وہ منافق ہے اور آپ ﷺ کی خبر سچی ہے۔ حضرت حسن بصری کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے سامنے ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا: بنی یعقوب نے بات کی تو جھوٹ بولا، وعدہ کیا تو اسے توڑا، ان کے پاس امانت رکھی گئی تو انہوں نے خیانت کی۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد خبردار کرنے کے طریقہ پر ہے اور ڈرانے کے انداز میں ہے کہ کہیں وہ ان خصلتوں کے عادی ہی نہ بن جائیں اس خوف کی وجہ سے کہ یہ خصلتیں انہیں نفاق کی طرف لے جائیں گی۔ اس کا یہ معنی نہیں جن سے یہ امور جلدی کی وجہ سے اختیار اور عادت کے بغیر واقع ہوں وہ منافق ہیں۔ اس بارے میں گفتگو مفصل سورہ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومن جب گفتگو کرتا ہے، سچ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو پوری پوری واپس کرتا ہے“۔ معنی ہے کامل مومن جب گفتگو کرتا ہے تو سچ بولتا ہے۔

قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ اِيك قول یہ کیا گیا ہے (3): نَشْهَدُ کا معنی ہے ہم قسم اٹھاتے ہیں۔ حلف کو شہادت سے تعبیر کیا کیونکہ قسم اور شہادت غائب امر کو ثابت کرتے ہیں؛ اسی معنی میں قیس بن ذریح کا قول ہے۔

وَأَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ اُحِبَّهَا فَهَذَا لَهَا عِنْدِي فَمَا عِنْدَ هَالِيَا (4)

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یہ میرے ہاں اس کے لئے ہے اس کے ہاں میرے لئے نہیں۔

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ کلام ظاہر معنی پر محمول ہو وہ گواہی دیتے ہوں کہ محمد، رسول اللہ ﷺ ہیں وہ ایمان کا اعتراف کرتے ہوں اور اپنی ذاتوں سے نفاق کی نفی کرتے ہوں۔ یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں جس طرح انہوں نے اپنی زبانوں سے کہا: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ السُّفَّيْقَيْنِ لَكَذِبُونَ ○ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے جو گواہی دی اور قسم اٹھائی ہے اس میں وہ جھوٹے ہیں۔ فراء نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ اندر سے جھوٹے ہیں جیسا انہی ان کے



ضمار کی طرف لوٹے گا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور حقیقی کلام دل کی کلام ہوا کرتی ہے۔ جو آدمی کوئی بات کرے اور اس کے برعکس کا اعتقاد رکھے تو وہ جھوٹا ہے۔ سورہ بقرہ کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قسموں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنْهُمْ لَبِئْسَ لَكُمْ وَاٰيٰتُهُمْ مِّنْكُمْ (التوبہ: 56)۔

اِتَّخَذُوْا اٰيٰتِنَاھُمْ جُنَّةًۢ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْھُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ①

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، بیشک یہ لوگ بہت برا کرتے ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔“  
اس میں تین مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1۔** اِتَّخَذُوْا اٰيٰتِنَاھُمْ جُنَّةًۢ، جُنَّةً کا معنی پرودہ ہے (1) یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَمَّا سُوَّلَ اللّٰهِ کی طرف راجع نہیں یہ آیت کے سبب کی طرف راجع ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس طرح امام بخاری اور امام ترمذی نے ابن ابی کے بارے میں روایت نقل کی۔ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کی حالانکہ اس نے یہ بات کہی تھی۔ ضحاک نے کہا: اس نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ تمہیں میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ایمان سے مراد وہ ہے جو ان کے رب نے ان کے بارے میں سورہ براءہ آیت 74 میں خبر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جس نے کہا: اقسم باللہ، اشهد باللہ، اعزم باللہ، احنف باللہ، اقسبت باللہ، اشهدت باللہ، اعزت باللہ، احنف باللہ۔ سب میں فرمایا: باللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ قسم ہے۔ اس طرح امام مالک اور آپ کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اگر کوئی کہے: اقسم، اشهد، اعزم، احنف اور باللہ کے الفاظ نہ کہے اگر وہ ارادہ کرے تو قسم ہوگی اگر وہ باللہ کا ارادہ نہ کرے تو یہ قسم نہ ہوگی۔ الکیا نے امام شافعی سے یہ بیان کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا: اشهد باللہ اور قسم کی نیت کی تو وہ قسم ہی ہوگی (2)۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا: اگر اس نے کہا اشهد باللہ لقد کان کذا تو وہ قسم ہوگی (3)۔ اگر اس نے کہا: اشهد لقد کان کذا نیت نہ کی تو اس آیت کی وجہ سے وہ قسم ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کا ذکر کیا پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْا اٰيٰتِنَاھُمْ جُنَّةًۢ امام شافعی کے نزدیک وہ قسم نہ ہوگی اگرچہ وہ قسم کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِتَّخَذُوْا اٰيٰتِنَاھُمْ جُنَّةًۢ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوا نَشْهَدُ کی طرف نہیں لوٹ رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا جو سورہ براءہ میں ہے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ انہوں نے اعراض کیا۔ یہ صدود سے مشتق ہے یا مومنین کو پھیر دیا کہ وہ منافقوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کریں جیسے قتل کرنا، قیدی بنانا اور مال چھین لینا۔ یہ صد سے مشتق ہے یا انہوں نے لوگوں کو جہاد سے روکا کہ وہ پیچھے رہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی اقتدا کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہودیوں اور مشرکوں کو

اسلام میں داخل ہونے سے روکا کہ انہوں نے کہا: لو ہم کافر ہیں اگر محمد ﷺ نبی برحق ہوتے تو ہم سے اس نفاق کو پہچانتے ہوتے اور ہمیں عبرت کا نشان بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ ان کا حال مخفی نہیں لیکن اس کا حکم یہ ہے جو ایمان کو ظاہر کرے تو ظاہر میں اس پر ایمان کا حکم جاری کیا جائے گا۔

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ان کے اعمال خبیثہ کتنے ہی برے ہیں، ان کا نفاق، انکی جھوٹی قسمیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝

” (ان کا) یہ (طریقہ کار) اس لئے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لاتے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی گئی ہے کہ منافق کافر ہیں یعنی انہوں نے زبان سے اقرار کیا پھر دل سے انکار کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لاتے پھر انہوں نے ارتداد اختیار کیا۔

فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ ۝ ان پر کفر کی مہر لگا دی گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ وہ ایمان و خیر کو نہیں مانتے۔ زید بن علی نے فطبع اللہ علی قلوبہم پڑھا ہے۔

وَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَ إِن يَتَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَانَتْهُمْ حُشْبٌ

مُسْتَدَّةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۖ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۖ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ

أَن يُوَفَّقُونَ ۝

”اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے۔ (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں، گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے، یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں۔“

وَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ ان کی نیستیں اور ان کے مناظر آپ کو خوش کریں گے۔ وَ إِن يَتَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ۖ مراد عبد اللہ بن ابی ہے یعنی آپ اس کی بات غور سے سنتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عبد اللہ بن ابی خوبصورت جسم، صحت مند، روشن چہرے والا اور عمدہ گفتگو کرنے والا تھا (1)۔ جب وہ گفتگو کرتا تو نبی کریم ﷺ اس کی گفتگو توجہ سے سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت کامل صورت اور اچھی گفتگو سے کی ہے۔ کلبی نے کہا: مراد ابن ابی، جد بن قیس اور معتب بن قیس ہے۔ سب بڑے جسم، خوبصورت اور فصیح گفتگو کرنے والے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان كَانَتْهُمْ حُشْبٌ



مُسْنَدًا کی تفسیر یوں ہے: وہ سب خوبصورت لوگ تھے گویا ایسی لکڑیاں ہوں جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ انہیں ایسی لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا ہو جو نہ بات توجہ سے سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ یہ ایسے جسم ہیں جن میں روہیں نہیں اور ایسے جسم ہیں جن میں عقل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی لکڑیوں سے تشبیہ دی ہے جسے دیمک نے کھالیا ہو اور وہ کسی سہارے کھڑی ہوں۔ ان میں کیا ہے کوئی پتہ نہ ہو؟

قَتْبِل، ابو عمرو اور کسائی نے خُشْبِ شَیْن کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے: یہ حضرت براء بن عازب کی قراءت ہے۔ ابو عبید نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس کا واحد خشبہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: بَدَنَهُ، بَدَن لَغْت میں فعلہ کی جمع فعل کے وزن پر نہیں آتی۔ اس کے ثقل سے یہ لازم آتا ہے کہ تو البدن پڑھے۔ یزیدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ خشباء کی جمع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحَدَّ آتَقَى غُلْبًا ۝ (عبس) اس کا واحد حدیقة غلباء ہے۔ باقی قراء نے تشبیل کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بزی کی ابن کثیر سے اور عیاش کی ابو عمرو سے روایت ہے۔ اکثر روایات عاصم سے ہیں۔ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے گویا یہ خشاب اور خُشْب کی جمع ہے جس طرح شُرَّة، شمار اور شُر ہے اگر تو چاہے تو خشبہ کی جمع خشب بنا لے۔ سیبویہ نے کہا: خشبہ کی جمع خشب ہے جس طرح بَدَنہ کی جمع بدن ہے اسی کی مثل ہاء کے بغیر ہے۔ خشبہ کی جمع خشاب اور اس کی جمع خشب ہے جس طرح شُرَّة کی جمع شمار اور شمار کی جمع شر ہے اسناد کا معنی امالہ (جھکانا) ہے تو کہتا ہے: اسندت الشئی یعنی تو نے اسے جھکایا۔ مُسْنَدٌ کثرت و ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی انہوں نے اپنی جانوں کی حفاظت کی خاطر ایمان کا سہارا لیا۔ یَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ ۚ صَيْحَةٍ سے پہلے اہل کا لفظ مخذوف ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ مفعول ثانی کے محل میں ہے۔ اس شرط پر کہ کلمہ میں ضمیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صفت بزولی اور ذلت سے بیان کرتا ہے۔ مقاتل اور سدی نے کہا: جب کوئی لشکر میں ندا کرنے والا یہ ندا کرے کہ کوئی جانور چھوٹ گیا ہے یا کسی گمشدہ چیز کا اعلان کیا جائے تو وہ گمان کرتے ہیں کہ مراد وہی ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں رعب ہے جس طرح شاعر اخطل نے کہا:

مازلت تحسب كل شئ بعدهم خيلا تكثر عليهم ورجالا (1)

ان کے بعد تو ہر شئی کو گمان کرتا ہے کہ وہ گھڑسوار ہیں یا پیدل جوان پر پے در پے حملہ کرتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ ایسی کلام ہے (2) جس کی ضمیر اس میں ہے جو مابعد کی محتاج نہیں، اتحدیر کلام یہ ہے یحسبون کل صيحة عليهم انهم قد فطن بهم و علم بنفقاتهم کیونکہ جہاں تک ہو خطرہ خوف ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نئے سرے سے خطاب فرمایا: هُمُ الْعَدُوُّ، یہ نہماک کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر آواز کو گمان کرتے ہیں جسے وہ مسجد میں سنتے ہیں کہ وہ آواز انہی کے متعلق ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے قتل کے بارے میں حکم دیا۔ وہ ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی ایسا امر نہ نازل فرما دے جو ان کے خونوں کو مباح کر دے اور ان کے پردوں کو چاک کر دے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَلَوْ أَنَّهُمْ غَضُّوا رُءُوسَهُمْ لَحَسِبْتُمْ أَنَّهُ تَدْعُو غَيْبًا وَأَنَّا نَسْمَعُ (1)

اگرچہ وہ چڑیا ہو میں اسے نمایاں سردار خیال کرتا ہوں جو غلاموں اور کمینے لوگوں کو بلانے کا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ ان کی صفت بیان کی **هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُهُمْ** سے عبدالرحمان بن ابی حاتم نے بیان کیا ہے **فَاحْذَرُهُمْ** میں دو وجوہ ہیں۔ (۱) اس سے احتیاط کیجئے کہ تو ان کے قول پر اعتماد کرے اور ان کے کلام کی طرف مائل ہو۔ (۲) وہ جو آپ سے پیچھے کے دشمنوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور آپ کے صحابہ کو چھوڑتے ہیں ان سے احتیاط کیجئے۔

**قَتَلَهُمُ اللَّهُ اللَّهُ تَعَالَى** نے ان پر لعنت کی؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابو مالک کا قول ہے یہ ذمہ و توبیخ کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: قاتلہ اللہ ما أشعرد عرب اسے تعجب کی جگہ رکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **قَتَلَهُمُ اللَّهُ** کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے آدمی کے محل میں رکھا جس کے ساتھ جابر دشمن جنگ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاند پر غالب ہے؛ ابن عباسی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔

**أَلَيْسَ يُؤْفَكُونَ** ○ کیسے وہ جھوٹ بولتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس بن عباس کا نقطہ نظر ہے (2)۔ قتادہ نے کہا: وہ حق سے کیسے اعراض کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ ہدایت سے پھرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دلائل کے واضح ہونے کے باوجود ان کی عقلیں کیسے گمراہ ہوتی ہیں۔ یہ افن سے مشتق ہے جس کا معنی پھرنا ہے۔ انی یہ کیف کے معنی میں ہے۔ یہ بحث پہلے نذر چکی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ

وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ○

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو (انکار سے) اپنے

سروں کو جھمکاتے ہیں اور تو انہیں دیکھنے کا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ جب قرآن ان کی صفت کے بارے میں نازل ہوا ان کے قبیلہ کے لوگ ان کے پاس گئے انہوں نے کہا: تم نفاق کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو گئے۔ نفاق سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور یہ عرض کرو کہ وہ تمہاری بخشش فرمائے تو انہوں نے اپنے سروں کو جھٹک دیا یعنی انہوں نے استہزاء کے انداز میں اور انکار کرتے ہوئے اسے حرکت دی؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر سبب میں عبداللہ بن ابی کا ایسا موقف تھا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی طاعت پر برا بیغختہ کرتا۔ اسے کہا گیا: یہ چیز تجھے کیا نفع دے گی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ناراض ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ تیرے لیے بخشش طلب کریں گے۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: میں آپ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے ایک چشمہ پر جنگ کی جسے مریسج کہتے جو قدیدہ سے ساحل کی جانب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزدور جسے جبجہا کہتے، کا عبداللہ بن ابی



کے حلیف کے ساتھ جھگڑا ہو گیا جسے سنان کہتے یہ جھگڑا ایک چشمہ پر ہوا جسے مثلث کہتے۔ جبکہ نے مہاجرین کو بلایا اور سنان نے انصار کو بلایا۔ جبکہ نے سنان کو تھپڑ مارا۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہماری اور ان کی مثال اس کی طرح ہے جس طرح پہلے نے کہا: اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کھا جائے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (عزت والے سے مراد اس نے اپنی ذات اور اذل سے مراد اس نے سردرد و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات لی) پھر اپنی قوم سے کہا: اپنے کھانے کو آپ سے روک لو جو آپ کے پاس ہیں ان پر کھانا خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ بکھر جائیں اور چھوڑ جائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا جبکہ وہ عبد اللہ کے حمایتیوں میں سے تھا: اللہ کی قسم! تو ذلیل ہے، اپنی قوم میں پست درجہ پر ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمان کی جانب سے عزت سے سرفراز ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے محبت سے سرفراز ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس کے بعد تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ عبد اللہ منافق نے کہا: خاموش رہ، میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا۔ حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی تو عبد اللہ بن ابی نے قسم اٹھا دی نہ اس نے یہ عمل کیا اور نہ ہی یہ بات کہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ حضرت زید نے کہا: مجھے بڑا دکھ ہوا اور لوگوں نے مجھے ملامت کی تو سورہ منافقین حضرت زید کی تصدیق اور عبد اللہ کی تکذیب میں نازل ہوئی۔ عبد اللہ بن ابی سے کہا گیا: تیرے بارے میں شدید آیات نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا کہ اپنے بارے میں بخشش کا طالب ہو۔ تو اس نے اپنا سر ہلادیا، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے اسی معنی کی روایات نقل کی ہیں۔ سورت کے آغاز میں وہ گزر چکی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **يَسْتَغْفِرُ لَكُمْ** کا معنی ہے نفاق سے توبہ کی دعا کریں گے کیونکہ توبہ کا معنی بھی استغفار ہے۔

**وَأَيُّهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ** ○ وہ رسول اللہ سے اعراض کرتے ہیں اور تکبر سے اعراض کرتے ہیں۔ نافع نے تخفیف کے ساتھ لودا پڑھا ہے باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: یہ جماعت کا فعل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ یہ عبد اللہ بن ابی کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب اسے کہا گیا: آؤ! تیرے لیے رسول اللہ مغفرت طلب کریں تو اس نے استہزاء کے طریقہ پر اپنا سر ہلادیا۔ اگر یہ کہا جائے: جماعت کے فعل کے ساتھ اس کے بارے میں کیوں خبر دی گئی؟ اسے کہا جائے گا: عرب اسی طرح کرتے ہیں جب وہ کسی انسان کے بارے میں کنایہ بات کرتے ہیں۔

سیبویہ نے حضرت حسان کا شعر پڑھا:

ظننتم بأن يخفى الذي قد صنعتم ولينا رسول عندہ الوحى واضعه

تو گمان کرتا ہے کہ جو تو نے کہا ہے وہ مخفی رہے گا جبکہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت نے ابن ابیرق سے خطاب کیا جس نے مکہ مکرمہ میں چوری کی اس کا واقعہ مشہور ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے بارے میں خبر دی ہو اور جس نے اس جیسا فعل کیا ہو اس کے بارے میں خبر دی ہو۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: جب ابن ابی نے اپنے سر کو بلایا تو اس نے کہا: تم نے مجھے حکم دیا کہ میں ایمان لاؤں تو میں ایمان لے آیا، تم نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ دوں تو میں نے زکوٰۃ دے دی اور میرے لیے کوئی چیز باقی نہیں سوائے اس کے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کروں۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ①

”یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے، اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں، بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔“

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ یعنی یہ سب برابر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کچھ نفع نہیں دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ① (البقرۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ② (الشعراء) إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ③ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھا کہ وہ فاسق ہی مرے گا۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا ۚ وَ لِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ④

”یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے، آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں۔“

ہم نے سبب نزول کا ذکر کیا۔ ابن ابی نے کہا: جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس سے بکھر جائیں گے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں جیسے وہ چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ ایک آدمی نے حاتم اصم سے کہا: تو کہاں سے کھاتا ہے؟ جواب دیا: وَ لِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ۔ جنید بغدادی نے کہا: آسمانوں کے خزانے غیوب ہیں اور زمین کے خزانے دل ہیں وہی غیوب کو جاننے والا ہے اور دلوں کو پھیرنے والا ہے (2)۔ شعبی کہا کرتے تھے: وَ لِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ۔ (1) جب زمین و آسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں تو تم کہاں جاؤ گے؟ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ④۔ (2) منافقین یہ نہیں سمجھتے جب وہ کسی امر کا ارادہ کر لے تو اسے آسان بنا دیتا ہے۔

يَقُولُونَ لِمِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَ لِلَّهِ الْعِزَّةُ



وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ①

”منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذیلیوں کو حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے مگر منافقون کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔“

جس طرح پہلے گزرا ہے یہ بات کرنے والا ابن ابی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب ابن ابی نے یہ کہا: لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وہ مدینہ کی طرف لوٹا چند دن ہی رہا تو مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے مغفرت طلب کی، اس کو اپنی قمیص پہنائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لَنْ يُغْفَرَ اللَّهُ لَهُمْ اس کی وضاحت سورۃ براءۃ میں مفصل گزر چکی ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ ابن سلول منافق سے کہا: اللہ کی قسم! تو اس وقت تک مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ نہ کہے: رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں اور میں سب سے ذلیل ہوں۔ ابن ابی نے یہ بات کہی (1)۔ لوگوں کا وہم تھا کہ عزت اموال کی کثرت اور پیروکاروں کی کثرت سے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا کہ عزت، شان و شوکت اور قوت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ①

”اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کریں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھائے میں ہوں گے۔“

مومنوں کو منافقین کے اخلاق سے خبردار کیا یعنی اپنے اموال میں ہی لگن نہ رہو جس طرح منافقوں نے کیا جب انہوں نے مال میں بخل کی وجہ سے کہا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے ہیں ان پر مال خرچ نہ کرو۔ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ذکر سے مراد حج اور زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قرآن کی قرأت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داکمی ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ نمازیں ہیں: یہ نحاک کا قول ہے حضرت حسن بصری نے کہا: مراد تمام فرائض ہیں گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منافقوں کو خطاب ہے یعنی تم زبان سے ایمان لاتے ہو تم دل سے بھی ایمان لاؤ۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ① یعنی جو اپنے رب کی اطاعت کی بجائے مال اور اولاد میں مشغول ہو وہ خسارے میں ہے۔

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ① وَلَنْ يُؤَخَّرَ اللَّهُ

## نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

”اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تعموری مدت کے لیے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکیوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالْفُقَرَاءُ مِمَّا رَزَقْنَكُمْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ یہ آیت جہدی زکوٰۃ کی ہے۔ وجوب پر دلالت کرتی ہے اس کو موخر کرنا اصلاً جائز نہیں اسی طرح باقی عبادات جن کا وقت معین ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَيَقُولُ رَبِّ لَا أُخِّرْ تَنَبُّؤِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ اس نے دنیا کی طرف لوٹنے کا سوال کیا تاکہ عمل صالح کرے۔ امام ترمذی نے ضحاک بن مزاحم سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرمایا: جس کے پاس اتنا مال تھا جس کے ساتھ وہ حج بیت اللہ کر سکتا تھا یا اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی تھی اس نے ایسے نہ کیا وہ موت کے وقت رجوع کا سوال کرتا ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ سے کہو۔ یہ لوٹنے کا سوال تو کفار نے کیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں تم پر قرآن کی تلاوت کرتا ہوں اور آیت نمبر 9، 10 اور 11 کی تلاوت کی۔ پوچھا: زکوٰۃ کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا: جب مال دو سو درہم تک پہنچ جائے۔ پوچھا: حج کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: زاد راہ اور سواری (1)۔

میں کہتا ہوں: جلیلی ابو عبد اللہ حسین بن حسن نے کتاب ”منہاج الدین“ میں موضوع روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کے پاس مال ہو (2)۔“ یہ حدیث سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کے عموم سے واجب کے انفاق کا استدلال کیا ہے نفل مراد نہیں لیا (3)۔ جہاں تک زکوٰۃ کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرنے کا تعلق ہے تو یہ عموم سے اعتبار سے اور دوسو کی تقدیر کے ساتھ صحیح ہے جہاں تک حج کے قول کا تعلق ہے تو اس میں اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں: حج کو موخر کرنا یہاں تک کہ حج کی ادائیگی سے قبل موت واقع ہو جائے تو اس کے معصیت ہونے میں علماء میں اختلاف ہے اس آیت کا مصداق نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر ہم کہیں: حج فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے تو آیت کو عمومی معنی میں رکھنا صحیح ہے کیونکہ جس پر حج واجب ہو اور اس نے حج ادا نہ کیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت پسند کرے گا کہ وہ لوٹے گا کہ عبادات میں سے جو اس نے ترک کیا وہ اس کو بجالائے۔ جہاں تک زاد راہ اور راہ کے مقدار ماننے کا تعلق ہے تو اس میں علماء میں اختلاف مشہور و معروف ہے۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا کوئی عمل عمل دخل نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوٹنے کی خواہش اور وعید ان مسائل میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتی جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور نہ ان میں کوئی عمل دخل ہوتا ہے جن میں اختلاف ہو جن مسائل میں اتفاق ہوتا ہے ان میں اس کا عمل دخل ہوتا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ واجب نفقہ کو شامل ہوتا ہے کہ اسے کیسے خرچ کیا جائے یہ اجماع سے ثابت ہو یا نص قرآنی سے ثابت ہو کیونکہ واجب نفقہ کے علاوہ میں وعید ثابت نہیں ہوتی۔

**مسئلہ نمبر 4۔** لَوْلَا یہ ہلا کے معنی میں ہے تو یہ استفہام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لازائدہ ہے تو کلام تمنی کے معنی میں ہوگی۔ فَأَصْدَقَ یہ تمنی کے جواب کے طور پر منصوب ہے اور اس سے پہلے فاء آیا ہے۔ واکون اس کا عطف فاصدق پر ہے؛ یہ ابو عمرو، ابن محیسن اور مجاہد کی قرأت ہے۔ باقی قراء نے وَأَكُنَّ کو مجزوم پڑھا ہے اس کا عطف فاء کے محل پر ہے کیونکہ فَأَصْدَقَ مجزوم ہوتا اگر یہاں فاء نہ ہوتی۔ اس کی مثل مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمُ (الاعراف: 186) ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوتی جب يَذَرُهُمُ کو جزم دی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اہل توحید کے لیے سب سے سخت ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا فرد جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں خیر ہو وہ دنیا کی طرف لوٹنے اور اس میں تاخیر کی آرزو نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں: شہید کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ واپس دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا یہاں تک کہ اسے پھر شہید کیا جائے۔ وجہ اس کی وہ ہوگی جو وہ کرامت دیکھے گا۔ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ① تم جو بھلائی اور برائی میں سے جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ عام قرأت فاء کے ساتھ خطاب کے طریقہ پر ہے۔ ابوبکر نے عاصم سے اور سلمیٰ نے یاء کے ساتھ قرأت کی ہے۔ اس صورت میں یہ اس کے بارے میں خبر ہے جو مر گیا ہے اور اس نے یہ قول کیا۔

## سورۃ التغابن

﴿سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ ۝ ١٨﴾ ﴿سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ ۝ ١٨﴾ ﴿سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ ۝ ١٨﴾

اکثر علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ مکی ہے (1)۔ کلبی نے کہا: یہ مکی اور مدنی ہے (2)۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وقت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آخری آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے اہل اور اولاد کی زیادتی کی شکایت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُواهُمْ سورت کے آخر تک۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کوئی بچہ جنم نہیں لیتا مگر اس کے سر کے جوڑے (بالوں) میں سورہ تغابن کی پہلی پانچ آیت لکھی ہوتی ہیں“ (3)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْبِغُ لَكَ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَكَ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

”اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے، اس کی حکومت ہے اور اس کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ، جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔“

پہلی آیت کی تفسیر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مومن اور کافر پیدا کیا قیامت کے روز انہیں مومن، کافر کی حیثیت سے دوبارہ اٹھائے گا (4)۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت نقل کی گئی ہے۔ کہا: نبی کریم ﷺ نے پچھلے پہر ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آئندہ ہونے والے امور کے بارے میں ذکر کیا (5)۔ فرمایا: ”لوگ مختلف طبقات میں جنم لیتے ہیں ایک آدمی مومن کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے، مومن کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت میں مرجاتا ہے۔ ایک آدمی کافر کی حیثیت میں جنم لیتا ہے، کافر کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت میں مرجاتا ہے۔“ حضرت ابن



”مسعود بنی نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں کافر پیدا کیا اور حضرت یحییٰ بن زکریا کو اپنی ماں کے پیٹ میں مومن پیدا کیا“ (1)۔ صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ”تم میں سے کوئی جنتیوں کا سائل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ یا باغ (دونوں بازوؤں کو پھیلا یا جائے تو ان کے درمیان کا فاصلہ) کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھی ہوئی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جہنمیوں کا سائل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک آدمی جہنمیوں کا سائل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ یا باغ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتی کا سائل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے“ اسے امام بخاری اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اس میں باغ کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک آدمی جنتی کا سائل کرتا ہے ان امور میں جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی ظاہر میں جہنمی کا سائل کرتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوتا ہے“ (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: ان احادیث کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے معلوم کے ساتھ متعلق ہے تو وہی کچھ ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہوتا ہے، جس کا وہ ارادہ کرے اور جو وہ حکم دے وہ عام احوال میں کبھی ایک شخص کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی معلوم وقت تک ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ یہی حالت کفر کی ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے (3): کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فمنکم مؤمن و منکم کافر و منکم فاسق کلام سے حذف اس لئے ہوا کیونکہ کلام میں ایسی چیز موجود ہے جو اس کے حذف پر دلالت کرتی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں کوئی حذف نہیں کیونکہ مقصود دونوں طرفوں کا ذکر ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر انہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان لائے۔ انہوں نے کہا: تمام کلام ھُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ ہے پھر ان کی صفت لگائی۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ (النور: 45) انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور چلنا انسانوں کا فعل ہے؛ اس قول کو حسین بن فضل نے اختیار کیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن و کافر کی حیثیت سے پیدا کیا ہوتا تو ان کی صفت اس انداز میں نہ بتاتا فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے استنباط کیا ہے: ”بر بچے کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں، اسے نصرانی بناتے ہیں اور اسے مجوسی بناتے ہیں“ (4)۔ سورۃ روم میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ سخاک نے کہا: تم میں سے کچھ اندر سے کافر اور باہر سے مومن ہیں جس طرح منافق ہوتے ہیں۔ تم میں سے کچھ اندر سے مومن اور باہر سے کافر ہوتے ہیں جس طرح حضرت عمار (5) وغیرہ۔ عطاء بنی ابی رباح نے کہا: تم میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64 2۔ صحیح مسلم، کیفیت خلق آدم، جلد 2، صفحہ 334 3۔ تفسیر مائوری، جلد 6، صفحہ 21

4۔ صحیح مسلم، ابواب القدر، جلد 2، صفحہ 336 5۔ حضرت عمار کو مشرکین مکہ نے اذیتیں دیں اور کلہ کفر کہنے پر مجبور کیا۔

6۔ جامع ترمذی، باب ما جاء ان الاعمال بالخواص، حدیث نمبر 2063، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

والے ہوتے ہیں یعنی یہ انواء (ستاروں) کے بارے میں ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ بہترین قول ہے؛ جو ائمہ اور جمہور امت کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کو پیدا کیا اور اس کا کفر اس کا اپنا فعل اور کسب ہے جبکہ اس کے فعل کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مومن کو پیدا کیا اس کا ایمان اس کا فعل اور کسب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ایمان کا خالق ہے کافر کفر کرتا ہے اور کفر کو پسند کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو پہلے پیدا کیا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو اس پر قدرت دی اور اس سے کفر کے وقوع کو جانتا تھا۔ یہ جائز نہیں کہ ان دونوں سے اس کے علاوہ کوئی چیز پائی جائے جن پر اللہ تعالیٰ نے اسے قادر بنایا تھا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کیونکہ مقدور کے خلاف کا پایا جانا یہ عاجزی ہے اور معلوم کے خلاف کا پایا جانا جہالت ہے۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں اس قول میں انسان جبر و قدر کے قول سے محفوظ رہتا ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

يَا نَاطِلًا فِي الدِّينِ مَا الْأَمْرُ لَا قَدْرَ صَحَّ وَلَا جَبْرَ

اے دین میں غور و فکر کرنے والے! یہ معاملہ کیا ہے نہ قدر (2) صحیح ہے اور نہ جبر (3) صحیح ہے۔ سیلان نے کہا: ایک بدو بھرہ میں آیا۔ اسے کہا گیا: تو قدر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: یہ ایسا امر ہے جس میں گمانات بہت بڑھ گئے ہیں اور اختلاف کرنے والوں نے اس میں اختلاف کیا ہے ضروری ہے کہ ہم پر جو اس کے حکم میں سے معاملہ مشتبہ ہو جائے ہم اسے اس کے علم کی طرف پھیر دیں۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

”اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اس کی طرف سب نے اٹھنا ہے۔“

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اس کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے یعنی اسی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ امر حق ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، لام کے معنی میں ہے، یعنی انہیں حق کے لئے پیدا فرمایا۔ مراد ہوگا جنہوں نے برے اعمال کئے انہیں ان کے عمل کی جزا دے اور جنہوں نے اچھا عمل کیا انہیں اچھائی کا بدلہ عطا فرمائے۔ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (4) اللہ تعالیٰ نے آپ کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا: یہ مقابل کا قول ہے۔ (۲) تمام مخلوق مراد ہے۔ (۳) تصویر کا معنی گزر چکا ہے اس سے مراد خط لگانا اور شکل و صورت بنانا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان کی صورتوں کو کیسے اچھا بنایا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اسے تمام حیوانوں سے اچھا بنایا اور سب سے زیادہ خوبصورت بنایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان یہ تمنا نہیں کرتا کہ اس کی صورت اس کے خلاف ہو جو اس نے تمام صورتیں دیکھی ہیں۔ اس کی حسین صورت سے مراد یہ بھی ہے کہ اسے سیدھا پیدا کیا وہ جانوروں کی طرح منہ کے بل گرا ہوا نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (التین) اس کی وضاحت ان شاء اللہ

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64

2۔ انسان کا اپنے افعال کا خالق ہونا۔

3۔ انسان کا مجبور محض ہونا۔ جبر یہ اور قدر یہ دو مکاتب فکر ہوئے ہیں

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21



آئے گی۔ وَاللّٰہِ الْمَصِیۡرُ ۝ اس کی طرف سب کا اٹھنا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُسْرُوۡنَ وَ مَا تُعْلِنُوۡنَ ۝ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ  
بِذٰتِ الصُّدُوۡرِ ۝

”وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔“

اس آیت کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے وہ عالم غیب و شہادت ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اَلَمْ یَاۡتِکُمۡ نَبَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَقۡوَاۡ بِالْاَمْرِ۬ہُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝

”کیا نہیں آتی تمہارے پاس اس کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور اس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔“

خطاب قریش کو ہے یعنی کیا تمہارے پاس گزری ہوئی امتوں کے کفار کی خبر نہیں پہنچی۔ انہیں دنیا میں بھی ان کے اعمال پر سزا دی گئی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُۥ کَانَتْ تَاۡتِیۡہُمۡ رُّسُلُہُمۡ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡا اَبَشِّرْ۬ہُمۡ وَنَاۡ ۚ فَاٰتٰوۡا وَتَوَلَّوۡا  
وَاسْتَغْنٰی اللّٰہُ ۝ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ۝

”اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے: کیا انسان ہماری رہبری کریں گے، پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب خوبیاں سراہا ہے۔“

انہیں یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ انہوں نے ان رسولوں کا انکار کیا جو ان کے پاس واضح دلیل لائے انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول بشر بھی ہو سکتا ہے بشرا مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے اور اس میں جمع کا معنی ہے اسی وجہ سے یُہْدُوۡنَا ارشاد فرمایا۔ یہ دینا نہیں فرمایا۔ بعض اوقات واحد، جمع کے معنی میں ہوتا ہے تو وہ اسم جنس ہوتا ہے اس کا واحد انسان ہے لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ بعض اوقات جمع واحد کے معنی میں آتا ہے جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا اِبَشْرًا (یوسف: 31) انہوں نے اس قول اَبَشْرٌ یُّہْدُوۡنَا کے ساتھ انکار کیا۔ انہوں نے یہ قول ان کے چھوٹے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کیا تھا۔ انہیں علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رسولوں کا انکار کیا ہر طرف سے روگردانی کی اور ایمان و مواعظت سے اعراض برتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت کی وجہ سے بندوں کی طاعت سے مستغنی ہے اسے بندوں کی طاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو برہاں ظاہر کی ہے اور جس امر کو واضح کیا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان

سے اس امر کے بارے میں بے نیاز ہو گیا ہے کہ ان پر مزید کوئی کرم نوازی فرمائے جو انہیں ہدایت کی طرف نہ لے جائے اور ہدایت کی طرف لے جائے (1)۔

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبُّونَ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ①

”گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا فرمائیے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل آسان ہے۔“

کافروں نے یہ گمان کیا کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ زعم سے مراد گمان رکھتے ہوئے کوئی بات کرنا۔ شریح نے کہا: برہنہ کی کنیت ہے اور کذب (جھوٹ) کی کنیت زعموا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عاص بن وائل بھی اور حضرت خباب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس کی وضاحت سورہ مریم کے آخر میں نزر چکی ہے پھر ہر کافر کو شامل ہو گئی۔ اے محمد! سب سے پہلے فرمادیجئے: کیوں نہیں، تمہیں ضرور تمہاری قبروں سے زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔

فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ①

”پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔“

قیامت کی پہچان کرانے کے بعد انہیں ایمان کا حکم دیا۔ نور سے مراد قرآن ہے۔ یہ ایسا نور ہے جس کے ذریعے گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دی جاتی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُم لِيَوْمِ الْجَمْعِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ①

”جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھانٹے کے ظہور کا دن ہے اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرمادے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہاں میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَوْمَ يَجْمَعُكُم لِيَوْمِ الْجَمْعِ یوم میں عامل لَتُنَبُّونَ ہے یا خَبِيرٌ ہے کیونکہ اس میں وعید کا معنی



موجود ہے۔ گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا جس دن تمہیں جمع کرے گا یا اذکرا فعل جو مضمر ہے وہ اس میں عامل ہے۔  
 غبن کا معنی نقص ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنہ غبنا جب کم قیمت کے ساتھ وہ کوئی چیز لے عام قرات یَجْعَلُکُمْ ہے کیونکہ اللہ  
 تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (الحمدید) اس کے بارے میں خبر دی اور اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ذکر کیا ہے اس  
 لئے خیر اس کے مناسب ہے۔

نصر، ابن ابی اسحاق، محمد ری، یعقوب اور سلام نے نجعکم پڑھا۔ یہ قراءۃ التَّوْبَةِ الذِّیْ اَنْزَلْنَا کی موافقت کا اعتبار  
 کرتے ہیں۔ یوم الجمع سے مراد وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ اولین، آخرین، انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں  
 کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز اللہ تعالیٰ ہر بندے اور اس کے عمل کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:  
 یوم الجمع اس لیے فرمایا کیونکہ اس میں وہ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہر نبی  
 اور اس کے امتی کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ اہل طاعت کے ثواب اور اہل معصیت کے  
 عقاب کو جمع فرمائے گا۔

ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ یہ قیامت کا دن ہے (1)۔ جس طرح کہا:

اَلَا اِنَّا الرَّاحَاتِ یَوْمَ التَّغَابُنِ خبردار! راحتیں قیامت کے دن ہی ہوں گی۔

یوم قیامت کو یوم تغابن کا نام دیا کیونکہ اس میں جنتی، جہنمیوں سے غبن کریں گے یعنی جنتی جنت لے لیں گے اور جہنمی جہنم کو  
 لے لیں گے۔ یہ مبادلہ کے طریقہ پر ہوگا۔ غبن اس لیے واقع ہوگا کیونکہ انہوں نے خیر کو شر، عمدہ کو رومی اور نعیم کو عذاب کے  
 بدلے بدلے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت فلانا جب تو اس کے ہاتھ بیچے یا اس سے خریدے اور نقص و کمی اس پر واقع ہو اور  
 غلبہ تیرے لیے ہو یہی کیفیت اہل جنت اور اہل نار کی ہوگی جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت  
 الشوب وخبنتہ جب وہ تیری مقدار اور قد سے لبا ہو اور اس سے کسی چیز کو سی دے تو یہ بھی نقصان ہے۔ مغابن جوڈھانچے اور  
 ہیئت میں سے دہری ہو جائے جس طرح ابطین (بغلیں) اور فخذین (دونوں رانیں) مفسرین نے کہا: مغبون اسے کہتے  
 ہیں جنت میں جس کے اہل اور منازل میں غبن واقع ہو جائے۔ اس روز ایمان کے ترکہ کرنے کی وجہ سے ہر کافر خسارے  
 میں ہوگا اور ہر مومن کا نقصان احسان میں کوتاہی اور دنوں کو ضائع کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوگا۔ زجاج نے کہا: جنت میں جس  
 کی منزل بلند ہوگی وہ کم مرتبہ سے غبن کرنے والا ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اگر یہ کہا جائے: وہ کون سا معاملہ ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہو ایہاں تک کہ اس میں غبن واقع

ہو؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع و ثراء میں غبن میں مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:  
 اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اِشْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی (البقرہ: 16) جب یہ فرمایا کہ کفار نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے حاصل کر لیا اور  
 انہوں نے تجارت میں کوئی نفع حاصل نہ کیا بلکہ انہوں نے نقصان اٹھایا تو یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ جنتیوں نے دنیا ترک کر کے آخرت کو خریدا اور جہنمیوں نے آخرت ترک کر کے دنیا کو خریدا۔ مجازاً یہ بھی مبادلہ کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو اجزاء میں تقسیم کیا۔ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق آگ میں، ہر ایک کی منازل جنت اور جہنم میں رکھی گئی ہیں۔ یہ امر حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بے یار و مددگار چھوڑنا بندے پر غالب آ جاتا ہے جس طرح ہم اس سورت اور دوسری سورتوں میں بیان کر چکے ہیں تو وہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق حاصل ہوتی ہے اسے محروم کا مکان بھی دے دیا جاتا ہے اور جس کو توفیق حاصل ہوتی ہے جہنم میں اس کا مکان محروم کو دے دیا جاتا ہے، گویا یوں مبادلہ واقع ہوا اور تغابن حاصل ہوا۔ لغت اور قرآن میں بے شمار امثلہ موجود ہیں۔ نشر آثار میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے جبکہ اس کتاب میں یہ بکھری ہوئی ہیں۔ بعض اوقات اس تبادلہ کو وراثت سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح ہم نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (المؤمنون) میں بیان کیا ہے۔ بعض اوقات تغابن اس دن کے علاوہ میں واقع ہوتا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی لیکن یہاں ایسے تغابن کا ارادہ کیا جس کی کمی کو پورا کرنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ وہ تغابن انتہاء درجے کا ہے۔ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تغابن کی تین قسمیں ہیں۔ ایسا آدمی جس نے علم سیکھا اسے دوسرے لوگوں کو سکھایا اور خود اسے ضائع کر دیا، اس پر عمل نہ کیا تو وہ بد بخت ہو گیا۔ جس نے اس سے سیکھا تھا اس نے اس پر عمل کیا تو وہ نجات پا گیا۔ ایک ایسا آدمی جس نے کئی طریقوں سے مال کمایا اس سے مال کا سوال کیا جاتا ہے اور وہ بخل سے کام لیتا ہے اور وہ اس کے باعث اپنے رب کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے اور اس مال میں کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا، وہ اس مال کو وارث کے لیے چھوڑ جاتا ہے اس مال میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں۔ وہ وارث اس مال میں اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے۔ ایک ایسا آدمی جس کا ایک غلام تھا، وہ آدمی اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اور سعادت مند ہو جاتا ہے اور آقا اپنے رب کی معصیت کرتا ہے تو وہ بد بخت ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو فرمائے گا: تم دونوں کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔ مرد عرض کرے گا: اے میرے رب! تو نے اس کا نفقہ مجھ پر لازم کیا۔ میں نے اسے حلال و حرام سب کھلایا۔ یہ مدعی اس مال کا مطالبہ کرتے ہیں میرے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں جو ان کے حقوق پورے کر سکوں۔ عورت عرض کرے گی: اے میرے رب! ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اسے کہا ہو کہ تو حرام مال حاصل کر۔ میں نے اسے حلال سمجھ کر ہی کھلایا اور اس نے میری رضا کی خاطر تیری نافرمانی کی۔ میں اس کے لیے اس پر راضی نہیں اسے اپنی رحمتوں سے دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو نے سچ کہا۔ اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا اور عورت کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ عورت جنت کے درجات سے اس کی طرف جھانکے گی اور اسے کہے گی: غبناک، غبناک جس کے ساتھ تو بد بخت ہوا، ہم اس کے ذریعے سعادت مند ہوئے۔ یہی یوم تغابن ہے۔“

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ سے یہ استدلال کیا ہے کہ دنیاوی معاملات میں بھی غبن جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تغابن کو قیامت کے دن کے ساتھ خاص کیا ہے۔ فرمایا: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ اختصاص اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دنیا میں کوئی غبن نہیں جب کوئی آدمی بیع میں غبن پر مطلع ہو تو جب وہ ثلث پر زائد ہو تو اسے



رد کر دیا جائے گا؛ بغدادیوں نے اسے اختیار کیا ہے اور کئی وجہ سے اس پر استدلال کیا۔ ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کا حضرت حبان بن منقذ کے لیے ارشاد ہے: إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلَكَ الْخِيَارُ ثَلَاثًا جب تو خرید و فروخت کرے تو کہہ دے: کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور تیرے لیے تین دن تک خیار (شرط) ہوگا۔ اس میں طویل سوچ و بچار کی ضرورت ہے۔ ہم نے اسے اختلافی مسائل میں ذکر کیا ہے۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں غبن بالاجماع ممنوع ہے یہی دین کا حکم ہے کیونکہ غبن دھوکہ کے باب سے تعلق رکھتا ہے جو ہر ملت میں شرعاً حرام ہے لیکن تھوڑے سے غبن سے عموماً بچنا ممکن نہیں۔ شرع میں یہ امر گزر چکا ہے۔ اگر ہم اس کے لوٹانے کا حکم دیں تو بیع کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے گی کیونکہ بیع تھوڑے بہت غبن سے خالی نہیں ہوتی۔ ہاں کثیر سے احتراز ممکن ہے تو اسے رد کرنا واجب ہے۔ قلیل اور کثیر میں فرق شریعت میں معلوم و معروف قاعدہ ہے ہمارے علماء نے اس حد کے لیے ثلث کو مقدر کیا ہے کیونکہ وہ ثلث (ایک تہائی) کو وصیت وغیرہ میں پاتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا وہ تغابن کا دن ہے جو مطلقاً جائز ہے اس کی کوئی تفصیل نہیں یا وہ ایسے تغابن کا دن ہے جس کا کبھی بھی تدارک نہ کیا جاسکے گا کیونکہ دین کا تغابن دو طریقوں سے دور کیا جاسکتا ہے۔ بعض اموال میں رد کرنے کے ساتھ یا کسی دوسری بیع یا دوسرے سامان میں نفع حاصل کرنے کے ساتھ مگر جو آدمی جنت کو پانے میں خسارہ میں رہا تو اس کا کبھی بھی تدارک نہیں کیا جاسکتا۔ بعض صوفیاء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر غبن کو لکھ دیا ہے۔ کوئی آدمی بھی اپنے رب سے ملاقات نہیں کرے گا مگر وہ مغبون ہوگا کیونکہ اس کے لیے عمل میں پورا حق ادا کرنا ممکن نہیں یہاں تک کہ اسے پورا ثواب حاصل ہو۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَا يَتَّقِي اللَّهَ إِلَّا نَادِمَانِ كَانَ مُسِيئًا لِمُحْسِنٍ وَإِنْ كَانَ مُحْسِنًا لِمُيْزِدٍ (1) کوئی بندہ اللہ سے ملاقات نہیں کرے گا: گمراہ نادم ہو۔ اگر گناہگار ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے اچھا عمل کیوں نہیں کیا اگر وہ محسن ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے زیادہ عمل کیوں نہیں کیا۔ نافع اور ابن عامر نے یکفر اور یدخلہ کونون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبُئْسَ الْمَصِيرُ ۝

”جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہی بات بری چلنے کی جگہ ہے۔“

آیاتنا سے مراد قرآن ہے۔ جب مومنوں کے لیے جو کچھ ہے اس کا ذکر کیا تو جو کچھ کافروں کے لیے ہے اس کا بھی ذکر کیا جس طرح کئی مواقع پر پہلے گزر چکا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو

ہدایت بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ اذن سے مراد ارادہ اور قضا ہے۔ فراء نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کفار نے کہا: جس پر مسلمان ہیں اگر یہ حق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں مصائب سے محفوظ رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ نفس، مال، قول یا فعل میں جب بھی مصیبت واقع ہوتی ہے وہ بے جینی اور غم کا تقاضا کرتی ہے یا ایسے عقاب کا تقاضا کرتی ہے جو جلدی واقع ہونے والا ہوتا ہے یا دیر سے واقع ہونے والا ہوتا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم اور قضا سے ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ جِو اس امر کی تصدیق کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔ يَهْدِي قَلْبَهُ تو صبر و رضا کی طرف اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے دل کو ایمان پر مضبوط کرتا ہے۔ ابو عثمان جیزی نے کہا: جس کا ایمان صحیح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتباع سنت کی ہدایت دیتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرة)؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے (3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے تاکہ اسے علم ہو کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹے والی نہ تھی اور جو اسے نہیں پہنچی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی (4)۔ کبھی نے کہا: جب اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور جب اس پر انعام کیا جاتا ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے اور جب اس پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ جنت میں ثواب پانے کی طرف اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔ عام قرأت یہ ہے یا، پر فتحہ اور دال کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پہلے نام ذکر کیا گیا ہے۔ سلمیٰ اور قتادہ نے یہد قلبہ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے اور قلبہ کی باء مرفوع ہے کیونکہ یہ فعل مجہول کا نائب فاعل ہے۔ طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اسے نہد پڑھا ہے۔ یہاں نون تعظیم کے لیے ہے اور قلبہ کی باء پرزبر ہے۔ عکرمہ نے یہد اقلبہ پڑھا ہے، یعنی اس کا دل سکون پاتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے۔ اس کی مثل مالک بن دینار کی قرأت ہے مگر اس میں ہمزہ کو ضغطہ کے ساتھ نہیں پڑھا بلکہ ہمزہ کو لینہ پڑھا ہے۔

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ جس نے اس کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا، اس کی اطاعت شعاری اس پر مخفی نہیں اور جس نے اس کو نہ مانا اس کی کراہت بھی اس پر مخفی نہیں۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

”اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی پھر اگر تم نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول



کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

مصائب کو اپنے اوپر ہلکا جانو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھو اور سنت پر عمل کرنے میں اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اللہ کے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی خالق نہیں اس پر بھروسہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ

تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

”اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے دشمن ہیں پس ہوشیار رہو ان سے، اور اگر تم غفور و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اپنی بیوی اور اولاد کی جفا کی شکایت کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ طبری نے عطاء بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ سورہ تغابن پوری کی پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر یہ آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ وہ اہل و اولاد والے تھے۔ جب حضرت مالک جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تو یہ روتے اور انہیں نرم کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے: آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جارہے ہیں؟ تو حضرت مالک بھی ان کے لیے نرم ہو جاتے اور اپنے گھر میں ہی رہ جاتے تو یہ آیت ان کے حق میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ باقی آیات سورت کے آخر تک مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: یہ کچھ لوگ تھے جو اہل مکہ میں سے تھے، وہ مسلمان ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے انکار کر دیا کہ وہ انہیں چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کے پاس جائیں جب وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں کافی تفقہ حاصل کر چکے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنی بیویوں اور اولاد کو سزا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ عداوت کی وجہ کی وہ تھیں۔ یہ کیونکہ دشمن اپنی ذات کی وجہ سے

1۔ تفسیر طبری، ج 28، صفحہ 140

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165۔ ایضاً، باب من سورہ التغابن، حدیث 3239، نیا، القرآن ونبی کی شان

دشمن نہیں ہوتا وہ اپنے فعل کی وجہ سے دشمن ہوتا ہے (1)۔ جب بیوی اور اولاد دشمنوں کا معاملہ کرے تو وہ دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی قبیح فعل نہیں ہو سکتا کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حائل ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شیطان انسان کے لیے ایمان کے راستہ میں بیٹھتا۔ اسے کہتا: کیا تو ایمان لاتا ہے اور اپنے سابقہ دین اور اپنے آباء کے دین کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، ایمان لاتا ہے۔ وہ ہجرت کے راستہ پر بیٹھتا اور اسے کہتا: کیا تو اپنے مال اور اپنے اہل کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور ہجرت کرتا ہے۔ پھر وہ جہاد کے راستہ پر بیٹھتا ہے اسے کہتا ہے کیا تو جہاد کرتا ہے اپنے نفس کو قتل کرتا ہے تو تیری عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، وہ جہاد کرتا ہے اور شہید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے“ (2)۔ شیطان کے بیٹھنے کی دو صورتیں ہیں۔ (1) دوسرے کے ذریعے۔ (2) وہ انسان جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو روکنے کے لیے خاوند، بچے اور ساتھی کو برا بھلا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيِّضْنَا لَهُمُ قُرْنًا فَنَزَّيْنَاهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (فصلت: 25) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت کی باتوں میں سے ہے: جس نے اہل، مال اور اولاد کو ہی لازم پکڑ لیا تو وہ دنیا کا بندہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس سے ادنیٰ کی حالت کا ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دینار کا بندہ ہلاک ہو، درہم کا بندہ ہلاک ہو، خمیصہ (سیاہ رنگ کی مربع چادر جس میں دھاریاں ہوں) کا بندہ ہلاک ہو، قطیفہ (بڑی چادر) کا بندہ ہلاک ہو، وہ ہلاک و برباد ہو اور جب اسے کاٹنا چاہیے تو اس کا کاٹنا نہ نکلے“ (3)۔ دینار اور درہم کی عبادت سے بڑھ کر کوئی کمینگی نہیں اور کوئی خواہش اس سے پست خواہش نہیں ہو سکتی جو نئے کپڑے کے ساتھ پوری ہو جاتی ہو۔

**مسئلہ نمبر 3۔** جس طرح مرد کے لیے اس کی اولاد اور اس کی بیوی دشمن ہوتی ہے اسی طرح عورت کے لیے اس کا خاوند اور اس کی اولاد اس معنی میں بعینہ اس کی دشمن ہوا کرتی ہے۔ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ کے عموم میں مذکر اور مونث دونوں داخل ہیں کیونکہ یہ دونوں آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** فَاحْذَرُوهُمْ اپنے بارے میں ان سے ہوشیار رہو۔ اپنی ذات کے بارے میں محتاط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (1) دین میں ضرر کی وجہ سے۔ (2) بدن میں ضرر کی وجہ سے۔ جسم کا ضرر دنیا سے متعلق ہے اور دین کا ضرر آخرت سے متعلق ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بندے کو اس سے خبردار کیا اور اس سے ڈرایا۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَإِنْ تَعَفُّوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ طبری نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کرتا تو اس کے گھروالے اسے کہتے: تو کہاں جاتا ہے اور تو ہمیں کہاں چھوڑے جا رہا ہے (4)؟ جب وہ اسلام لے آیا اور اس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر لی تو اس نے کہا: میں ان کی



طرف ضرور جاؤں گا جو مجھے اس سے منع کرتے تھے اور میں یہ یہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا: انہوں نے دنیا میں ان سے کوئی دشمنی نہیں کی لیکن ان کی محبت نے انہیں اس امر پر برا بیچنے کیا کہ وہ ان کے لیے حرام مال حاصل کریں اور انہیں دے دیں۔ آیت ہر معصیت کو عام ہے۔ انسان اپنے دین اور مال کی وجہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہے۔ سب نزول کا خصوص، حکم کے عموم کے مانع نہیں۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ⑤

”بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے۔“

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ سے مراد آزمائش اور امتحان ہے جو تمہیں حرام چیز کے کمانے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روکنے پر برا بیچنے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کرو۔ حدیث میں ہے یُؤْتَىٰ بِرَجُلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقَالُ أَكَلَّ عِيَالَهُ حَسَنَاتِهِ (1) قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اس کے عیال اس کی نیکیاں کھا گئے ہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے: عیال طاعات کے لیے گھن ہے۔ قتیبی نے کہا: فتنہ کا معنی ہے دلدادہ ہونا یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتن الرجل بالمرأة مرد عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ کا معنی امتحان ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لقد فتن الناس بدينهم ”لوگ اپنے دین میں امتحان میں پڑ گئے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے فتنہ سے محفوظ رکھ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی اپنے دین، مال اور اولاد کی طرف نہیں لوٹتا مگر وہ فتنہ پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہے: اللہم! ائعوذ بک من مضلات الفتن، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے فتنوں سے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مِنْ أَرْوَاحِكُمْ مِنْ تَبَعِضٍ کے لیے ہے کیونکہ وہ سارے کے سارے اعداء نہیں (2)۔ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ میں مِنْ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں چیزیں فتنہ اور دل کی مشغولیت سے خالی نہیں۔

امام ترمذی وغیرہ نے عبد اللہ بن بریدہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے جبکہ ان پر سرخ قمیصیں تھیں۔ وہ چل رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے، ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو کو قطع کیا اور ان دونوں کو اٹھالیا“ (3)۔ پھر آپ خطبہ میں شروع ہو گئے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ یہ غایت ہے منسبین کے قول کے مطابق اس سے بڑھ کر کوئی اجر نہیں۔ صحیحین میں حدیث ہے۔ الفاظ بخاری کے ہیں (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: لبینت و سعیدین اے ہمارے رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں، اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا“ (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رضا آرزوؤں کی غایت ہے۔ صوفیہ نے اس کی تحقیق میں یہ اشعار کہے ہیں:

امتحان اللہ بہ خلقہ فالنار والجنة فی قبضتہ  
فہجرہ اعظم من نارہ ووصلہ اطيب من جنتہ

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنی مخلوق کا امتحان لیا آگ اور جنت اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کا فراق اس کی آگ سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے اور اس کا وصل اس کی جنت سے اچھا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاَسْمَعُوا وَاَطِيعُوا وَاَنْفِقُوا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّؤَقِ  
سَخِ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ اِنْ تَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَعِفْهُ لَكُمْ وَ  
يَغْفِرْ لَكُمْ ۝ وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝

”پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور اللہ کا فرمان سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (اور) بہت حلم والا ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اہل تاویل کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت اس آیت اَتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (آل عمران: 102) کے لئے نسخ ہے۔ ان میں قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور ابن زید ہیں۔ طبری نے ذکر کیا ہے: مجھے یونس بن عبد اللہ نے اور انہیں ابن دہب نے انہیں ابن زید نے خبر دی کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (آل عمران: 102) کے ارشاد سے شدید امر آیا صحابہ نے کہا: اس کی قدر کون پہچان سکتا ہے یا کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہچان لیا کہ



یہ امر ان پر شدید ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر منسوخ کر دیا اور اس آیت کے بدلے دوسری آیت لایا، وہ یہ آیت ہے **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے اس میں کوئی نسخ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** منسوخ نہیں لیکن **حَقَّ تَقَاتِهِ** کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرے جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں گرفت میں نہیں لیتی، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انصاف کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں خواہ انصاف ان کے خلاف ہو ان کے آباء کے خلاف ہو اور ان کے بیٹوں کے خلاف ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اگر یہ کہا جائے: جب یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان جو سورہ تغابن میں ہے **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** کا کیا معنی ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** (آل عمران: 102) اور **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** جمع ہو جائیں جبکہ **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** ایسا امر ہے جو بغیر کسی خصوص کے ثابت ہے اور ان میں کوئی شرط بھی نہیں اور **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** ایسا امر ہے جو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ تو اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** اس سے مختلف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** کا معنی ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاڑ میں رہو ان چیزوں میں جو تمہارے لئے فتنہ بنا دی گئی ہیں وہ تمہارے مالوں میں سے ہو اور تمہاری اولاد سے ہو کہ کہیں وہ فتنہ تم پر غالب ہی نہ آجائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو تم پر واجب ہے اس سے تمہیں روک نہ دے جیسے کفر کے علاقہ سے اسلام کی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو تو تم ہجرت کو ترک کر دو، معنی ہے تم ہجرت کی طاقت رکھتے ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو معذور جانا ہے جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَلْفُفُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا لَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَا جُرُوا فِيهَا قَالُوا لَيْكَ مَا وُفِّقَ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفُرَ عَنْهُمْ (النساء: 99)**

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو آدمی حیلہ نہیں رکھتا اور دار شرک میں رہنے کی وجہ سے کوئی راہ نہیں پاتا تو اسے معافی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** بھی ہجرت کے بارے میں ہے کہ دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرو تو تم اپنے اموال اور اولاد کے فتنہ کی وجہ سے ترک کرو؛ جو چیز اس کی صحت پر دال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** جو یٰٰذَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْكُمْ أُولَٰئِكَ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ کے بعد آیا ہے۔

قرآن حکیم کی تاویل کرنے والے اہل علم اسلاف میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنے میں تاخیر کی کیونکہ ان کی اولادوں نے انہیں روک لیا تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے: یہ سب طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** سے مراد ہے یہ نفلی عبادت اور صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ جب **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** (آل عمران: 102) آیت نازل ہوئی تو یہ حکم قوم

پر بڑا سخت واقع ہوا انہوں نے قیام کیا یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں سوچ گئیں، ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی؛ یہ ابن جبیر نے کہا: ملوروی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اگر یہ قول ثابت نہ ہو کہ جس آدمی کو نافرمانی پر مجبور کیا جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہو کیونکہ وہ تقویٰ کی استطاعت نہیں رکھتا تھا (1)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** **وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا** جو تمہیں وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اس کو سنو اور جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور جس سے تمہیں روکا جاتا ہے اس کی اطاعت کرو۔ مقاتل نے کہا: اللہ کی کتاب میں سے جو تم پر نازل کی جاتی ہے اسے غور سے سنو، سماع میں یہی اصل ہے اللہ تعالیٰ کا رسول جو تمہیں حکم دے اور جس سے تمہیں منع کرے اس کی اطاعت کرو۔ قتادہ نے کہا: ان دونوں امور میں نبی کریم ﷺ کی بیعت کی گئی کہ امر و نہی کو سنا بھی جاسکتا اور طاعت بھی کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اسْمَعُوا** کا معنی ہے جو تم سنتے ہو اسے قبول کرو۔ اسے سماع سے تعبیر کیا ہے کیونکہ قبول کرنا، سماع کا فائدہ ہے۔

میں کہتا ہوں: حجاج نے اس آیت کی تعبیر میں اپنی جانب سے معنی تفسیرا جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی اور اس عبد الملک بن مروان پر منطبق کیا کہا: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** **وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا** یہ عبد الملک بن مروان جو امین اللہ اور اس کا خلیفہ ہے کے بارے میں ہے اس میں کوئی استثناء نہیں اللہ کی قسم! اگر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ مسجد کے دروازے سے باہر نکلے تو وہ کسی اور جگہ سے نکلے تو اس کا خون میرے لئے حلال ہو جائے گا (☆)۔ اس نے آیت کی تاویل کرنے میں جھوٹ بولا کیوں نہیں یہ اولاً نبی کریم ﷺ کے لئے ہے پھر آپ ﷺ کے بعد اولی الامر کے لئے ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ** (النساء: 59)

**مسئلہ نمبر 4۔** **وَأَنْفِقُوا** ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد زکوٰۃ ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد جہاد میں نفقہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انسان کا اپنی ذات کے لئے نفقہ ہے (3)۔ ابن عربی نے کہا: **لَا تُفْسِكُمْ** کے الفاظ نے اس سے یہ قول کروایا ہے اور اس پر یہ امر مختص رہا کہ نفقہ میں فرض اور نفل سب اپنی ذات کے لئے ہی نفقہ ہوتا ہے (4) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنْ أَحْسَنْتُمْ** **أَحْسَنْتُمْ لَكُمْ** **وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا** (الاسراء: 7) انسان بھلائی میں سے جو بھی فعل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم عام ہے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کی: میرے پاس ایک دینار ہے۔ فرمایا: "اسے اپنی ذات پر خرچ کر"۔ اس نے عرض کی: میرے پاس دوسرا ہے۔ فرمایا: "اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر"۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: "اسے اپنی اولاد پر خرچ کر"۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822

1۔ تفسیر ملوروی، جلد 6، صفحہ 26

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 166

5۔ سنن ابی داؤد، باب فی الخلفاء، حدیث نمبر 4025، نیاء القرآن پبلی کیشنز



ہے۔ فرمایا: ”اے صدقہ کر دے“ (☆)۔ پہلے ذات، اہل اور اولاد کا ذکر کیا اور صدقہ کو بعد میں رکھا، شرع میں یہی اصل ہے۔  
**مسئلہ نمبر 5۔** خَيْرَ الْاَنْفُسِكُمْ۔ خیرا سیبویہ کے نزدیک فعل مضر کی وجہ سے منصوب ہے اس پر اَنْفُسُکُمْ اِدِلالت کرتا ہے گویا فرمایا: ایتوائی الإنفاق خیرا لانفسکم یا قدموا خیرا لانفسکم۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر مخدوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے انفقوا إنفاقا خیرا لانفسکم ابو عبیدہ کے نزدیک یہ کان مضمرة کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یکن خیرا لکم جس نے خیر سے مراد مال لیا ہے تو یہ انفقوا کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَمَنْ يُؤْتِ شَيْخَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٠﴾ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس طرح اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ کے بارے میں سورۃ بقرہ اور سورۃ حدید میں بحث گزر چکی ہے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿٥١﴾ شکر کے بارے میں بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ حلیم اسے کہتے ہیں جو جلد بازی نہیں کرتا۔

### عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٢﴾

”ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے۔“

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ جو غائب ہے اور جو حاضر ہے اس کو جاننے والا ہے الْعَزِيزُ وہ غالب و قاہر ہے یہ صفات افعال میں سے ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿٥٣﴾ (الزمر) اس اللہ کی جانب سے جو قادر محکم ہے تمام اشیاء کا خالق ہے۔ خطاب نے کہا: بعض اوقات یہ لفظ نفاست قدر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی میں کہا جاتا ہے۔ عزیز اس تعبیر کی بنا پر عزیز کا معنی اسے بھی شامل ہوتا ہے کہ اس کے ہم پلہ کوئی چیز نہیں اور اس کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ الْحَكِيمُ وہ اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکیم ہے۔ ابن انباری نے کہا: حکیم سے مراد اشیاء کو پیدا کرنے میں محکم ہے اسے فعل کی طرف پھیرا گیا ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكَ اَيْتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴿٥٤﴾ (یونس) یہاں بھی اس کا معنی محکم ہے اسے فعل کی طرف پھیرا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

## سورة الطلاق

﴿سُورَةُ الطَّلَاقِ مَسْنُوهُ ٩٩﴾ ﴿مَرْكُوعَاتُهَا ٢﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے اس کی گیارہ یا بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
رَبَّكُمْ ۚ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ  
وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ  
يُخْبِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝

”اے نبی (مکرم) (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو  
ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے، نہ نکالو انہیں  
ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا، اور یہ اللہ کی (مقرر  
کردہ) حدیں ہیں، اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تجھے کیا خبر کہ  
اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔“

اس میں چودہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے جمع کے لفظ کے ساتھ خطاب تعظیم اور  
تکرمیم کے لئے ہے۔ سنن ابن ماجہ میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے  
روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تو وہ اپنے اہل میں آگئیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت  
کو نازل فرمایا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: اس سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بڑی عبادت گزار اور روزے رکھنے والی ہے جنت  
میں بھی یا آپ کی بیویوں میں سے ہے (1)؛ ماوردی، قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ قشیری نے یہ زائد ذکر کیا ہے ان  
کے اپنے گھر والوں کی طرف جانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ نازل ہوا۔ کلبی نے کہا: ا  
س آیت کے نزول کا سبب رسول اللہ ﷺ کا حضرت حفصہ پر ناراض ہونا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے راز  
داری کی بات کی تھی تو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دے



دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سدی نے کہا: یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دی، رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حائضہ ہو اور پھر پاک ہو جائے جب وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے تو جب وہ پاک ہو تو جماع سے پہلے اسے طلاق دے دے یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کچھ لوگوں نے اسی طرح کا عمل کیا جیسا عمل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما اور عتبہ بن غزو ان تھے (1) یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب اقوال اگرچہ صحیح نہیں تاہم پہلا قول زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک نیا حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مراد آپ کی امت ہے یہ کلام دو لفظوں حاضر اور غائب میں تبدیل ہونے والی ہے۔ یہ فصیح لغت ہے جس طرح فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ (یونس: 22) تقدیر کلام یہ ہے: یا ایہا النبی قل لہم اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتھن۔ یہ ان کا قول ہے کہ خطاب تو صرف آپ ﷺ کو ہے اور معنی آپ کو اور مومنین سب کو شامل ہے جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا تو اس قول کے ساتھ ملا طفت فرمائی یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جب خطاب لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے آپ ﷺ کو تھا تو فرمایا: یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ (المائدہ: 41) میں کہتا ہوں: اس قول کی صحت پر حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں عدت کا حکم بھی دلالت کرتا ہے۔ اس کے متعلق ابوداؤد کی کتاب میں ہے (2) کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل فرمایا۔ یہ وہ پہلی عورت ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کی خاطر ندا کی گئی پھر نئے سرے سے کلام کی گئی۔ فرمایا: إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْبَيْيُورُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْوَاجُ (المائدہ: 90) مومنین کا ذکر تکریم کے لئے ہے۔ پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْبَيْيُورُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْوَاجُ (المائدہ: 90)

**مسئلہ نمبر 2**۔ ثعلبی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنْ مِنْ أَبْغَضَ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقِ۔ (3) اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیز میں سب سے مغضوب طلاق ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: تَزَوَّجُوا وَلَا تَطْلِقُوا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَرُ مِنْهُ الْعَرْشُ تَمَّ شَاوِيَا كَرُوهُ، طَلَاقٌ نَدْوٌ کیونکہ طلاق سے عرش لرز جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم

عورتوں کو طلاق نہ دو مگر تہمت کی وجہ سے بے شک اللہ تعالیٰ مزا چکھنے کے لئے نکاح کرنے والے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں فرماتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”طلاق کی قسم یا اس کا مطالبہ منافق ہی کرتا ہے“ (1)۔ ثعلبی رحمہ اللہ نے تمام کی اسناد اپنی کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ دارقطنی نے روایت کی ہے ابو عباس، محمد بن موسیٰ بن علی دولابی اور یعقوب بن ابراہیم دونوں حسن بن عرفہ سے وہ اسماعیل بن عیاش سے وہ حمید بن مالک نخعی سے وہ مکحول سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: ”اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر غلام آزاد کرنے سے بہتر کوئی چیز پیدا نہیں کی اور روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی ناپسند دیدہ چیز پیدا نہیں کی۔ جب کوئی آقا اپنے مملوک کو کہے: أنت حر ان شاء اللہ وہ آزاد ہوگا کوئی استثنا نہ ہوگی جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو کہے: انت طالق ان شاء اللہ تو استثنا درست ہوگی اور اسے کوئی طلاق نہ ہوگی۔“

محمد بن موسیٰ بن علی، حمید بن ربیع سے وہ یزید بن ہارون سے وہ اسماعیل بن عیاش سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں (2)۔ عثمان بن احمد دقاق، اسحاق بن ابراہیم بن سنین سے وہ عمر بن ابراہیم بن خالد سے وہ حمید بن مالک نخعی سے وہ مکحول سے وہ مالک بن مخامر سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حلال نہیں فرمایا جو طلاق سے بڑھ کر اس کی بارگاہ میں مبغوض ہو جس نے طلاق دی اور استثنا کی تو استثنا کا اعتبار ہوگا۔“ ابن منذر نے کہا: طلاق اور آزادی میں استنہاد کرنے کی صورت میں علماء نے اختلاف کیا ہے ایک طائفہ نے کہا: یہ جائز ہے۔ ہم نے یہ قول طاؤس سے روایت کیا ہے۔ حماد کوفی، امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے نے یہی کہا ہے۔ امام مالک اور اوزاعی کے قول میں طلاق میں استثناء جائز نہیں؛ طلاق میں یہ قاعدہ کا قول ہے۔ ابن منذر نے کہا: پہلا قول میں کرتا ہوں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** دارقطنی نے عبد الرزاق کی حدیث نقل کی ہے میرے چچا وہب بن نافع عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ طلاق کی چار صورتیں ہیں دو صورتیں حلال ہیں اور دو صورتیں حرام ہیں (3)۔ جہاں تک حلال کا تعلق ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق دے ایسے طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور اسے طلاق دے جبکہ وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو۔ جہاں تک حرام کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسے طلاق دے جبکہ وہ حائضہ ہو یا جماع کرنے کے بعد اسے طلاق دے عورت کو یہ علم نہ ہو کہ اس کا رحم بچے پر مشتمل ہے یا نہیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** فَطَلُّوْهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ کتاب ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید بن سکین انصاریہ سے روایت مروی ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت لازم نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل کیا۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا (4)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔



**مسئلہ نمبر 5۔** لَعَدَّتْهُنَّ یہ ارشاد اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ خاوندوں نے حقوق زوجیت ادا کیے کیونکہ غیر مدخول بھاء عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ اس امر سے خارج ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا (الاحزاب: 49)

**مسئلہ نمبر 6۔** جس نے ایسے طہر میں طلاق دی جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اس نے سنت کو پایا۔ اگر اس نے حائضہ عورت کو طلاق دی اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اس نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ سعید بن مسیب نے کہا: حیض کی حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق سنت کے خلاف ہے۔ شیعہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ صحیحین میں ہے جبکہ الفاظ دارقطنی کے ہیں (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی جبکہ وہ حالت حیض میں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا: ”پس وہ رجوع کرے پھر اسے اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک کہ اسے نیا حیض آئے۔ یہ حیض اس حیض کے علاوہ ہو جس میں اس نے پہلے طلاق دی تھی۔ اگر مناسب سمجھے کہ اسے طلاق دے تو حیض سے پاک ہوتے ہی اسے طلاق دے دے جبکہ ابھی اس سے جماع نہ کیا ہو۔ یہی وہ طلاق ہے جس میں عدت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔“ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے ایک طلاق دی تھی۔ اس نے اسے طلاق شمار کیا اور حضرت عبداللہ نے اس سے رجوع کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ایک ہے“۔ یہ نص ہے اور شیعہ کے قول کو رد کرتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طلاق سنت یہ ہے (2) کہ وہ طہر میں ایک طلاق دے جب اس کا آخر ہو تو یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ دارقطنی نے اعش سے وہ ابواسحاق سے وہ ابواحوص سے وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا: طلاق سنت وہ ہے جو سات شرطوں کو جامع ہو (3)۔ (1) وہ ایک طلاق دے، ایسی عورت ہو جس کو حیض آیا ہو، وہ حالت طہر میں ہو، اس طہر میں خاوند نے اس سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں، اس سے پہلے حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو، نہ اس کے پیچھے ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جو اس حیض کے بعد آئے۔ وہ حیض سے خالی ہو۔ یہ سات شرطیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ امام شافعی نے کہا: طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں طلاق دے۔ اگر اس نے ایک طہر میں تین طلاقیں دیں تو وہ بدعت نہ ہوں گی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ امام شعبی نے کہا: اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اس بیوی سے جماع کیا ہو۔ ہمارے علماء نے کہا: وہ اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور نہ ہی عدت میں بعد میں طلاق ہو اور طہر اس حیض کے بعد نہ ہو جس میں

خاوند نے بیوی کو طلاق دی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے (1): ”اے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اسے حیض آئے پھر اس کا طہر شروع ہو۔ پھر چاہے تو اسے روکے رکھے اور چاہے تو اسے طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔“ امام شافعی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ** کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ یہ ہر طلاق میں عام ہے۔ وہ ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زمانہ کی رعایت کی ہے اور عدد کا اعتبار نہیں کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اسی طرح ہے اس میں وقت کی تعلیم دی، عدد کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث صحیح سے غفلت ہے۔ فرمایا: اے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کر لے۔ یہ تین طلاقوں کے وقوع کا انکار کرتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: عرض کی: بتائیے اگر وہ اسے تین طلاقیں دے دے؟ فرمایا: ”وہ تجھ پر حرام ہو جائے گی اور تجھ سے معصیت کے ساتھ جدا ہو جائے گی۔“ امام ابو حنیفہ نے کہا: آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تین طلاقیں اور ایک طلاق برابر ہیں۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اگر اس کے بعد یہ ارشاد نہ ہوتا: **لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا** یہ تین طلاقوں کے اس آیت کے ضمن میں داخل ہونے کے مانع ہے، اکثر علماء نے یہی کہا ہے۔ جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے آپ پر آیت کا مطلق ہونا مخفی نہیں جس طرح علماء نے کہا لیکن حدیث نے اس کی تفسیر بیان کی جس طرح ہم نے کہا۔ جہاں تک امام شعبی کے قول کا تعلق ہے آپ ایسے طہر میں طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں جس میں اس نے جماع کیا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اپنی نص اور معنی کے ساتھ اس کا رد کرتی ہے جہاں تک نص کا تعلق ہے ہم اس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں جہاں تک معنی کا تعلق ہے کیونکہ جب یہ حیض کی حالت میں طلاق کے مانع ہے کیونکہ اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جاتا تو وہ طہر جس میں جماع کیا گیا ہو وہ طلاق کے بدرجہ اولیٰ مانع ہوگا کیونکہ اس کو شمار کرنے کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحم کے مشغول ہونے کا خوف ہوتا ہے اس طرح وہ حیض جو اس کے بعد آتا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام شافعی نے تین طلاقوں کو ایک ہی کلمہ سے واقع کرنے کا جو استدلال کیا ہے وہ اس حدیث سے ہے جسے امام دارقطنی نے سلمہ بن ابی سلمہ بن عبدالرحمان سے اور وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (2) کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی جس کا نام تماضر بنت اصغ کلبیہ تھا۔ یہی ام ابی سلمہ تھی۔ آپ نے ایک کلمہ کے ساتھ اسے تین طلاقیں دیں ہمیں ایسی خبر نہیں پہنچی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ سحابہ نے ان پر عیب لگایا ہو۔ سلمہ بن ابی سلمہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے حضرت حفص سے جدا کر دیا۔ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر عیب لگایا ہو۔ اور حضرت عویمر عجالی کی حدیث سے استدلال کیا جب انہوں نے اپنی بیوی سے اعلان کیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اے تین طلاقیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ ہمارے علماء نے اس



سے الگ رائے قائم کی ہے اور بہت اچھے انداز میں رائے قائم کی ہے، اس کی وضاحت کسی اور جگہ ہے۔ ہم نے اس کا ذکر البقتبس من شرح مؤطا مالک بن انس میں کیا ہے۔ سعید بن مسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے جس نے طلاق میں سنت کی خلاف ورزی کی اور اسے حیض میں واقع کیا یا تین طلاقیں اکٹھی دیں تو وہ واقع (1) نہ ہوں گی اور انہوں نے اسے اس آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کو طلاق سنت کا وکیل بنایا گیا اور اس نے مخالفت کی۔

**مسئلہ نمبر 8۔** جرجانی نے کہا: لِعِدَّتِهِنَّ میں لام، فی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشَى (الحشر: 2) لِأَوَّلِ الْحَشَى یعنی فی اول الحشا ہے۔ لِعِدَّتِهِنَّ کا قول فی عدتہن کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسے زمانہ میں جو ان کی عدت کے شمار کرنے کے مناسب ہو۔ اس پر اجماع ہے کہ حیض میں طلاق ممنوع ہے اور طہر میں اس کی اجازت ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرء سے مراد طہر ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: فَطَلَّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا معنی ہے فی قبل عدتہن یا القبل عدتہن یعنی اس کے ابتدائی حصہ میں اور یہ حالت طہر میں ہوگا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی قرأت ہے جس طرح صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: قبل العدة سے مراد طہر کا آخری حصہ ہے یہاں تک کہ قرء سے مراد حیض ہوگا۔ اسے کہا جائے گا: امام مالک کی یہ واضح دلیل ہے اور جس نے بھی آپ جیسا قول کیا کہ اقراء سے مراد طہر ہیں۔ اگر مراد وہ ہوتی جو ائمہ احناف کہتے ہیں اور جو ان کی پیروی کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ یہ قول کہا جاتا: جس نے طہر کے شروع میں طلاق دی تو اس عورت کو حیض سے پہلے طلاق نہ ہوگی کیونکہ ابھی حیض کا آغاز ہونے والا نہیں نیز حیض کا آنا حیض کے داخل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے اور طہر کے ختم ہونے کے ساتھ حیض کا آنا متحقق نہیں ہوتا۔ اگر کسی شی کا آنا اس کی ضد کے اوبار کے ساتھ ہو تو روزے دار سورج کے غروب ہونے سے پہلے افطار کرنے والا ہو کیونکہ رات دن کے پلٹنے کے ساتھ آنے والی ہوتی ہے ابھی دن ختم نہیں ہوتا پھر جب اس نے طہر کے آخر میں طلاق دی تو باقی ماندہ طہر قرء ہوگا۔ بعض طہر کو بھی قرء کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ (البقرہ: 197) وہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا کچھ حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ: 203) وہ دوسرے دن کے بعض میں کوچ کر آتا ہے۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** وَأَخْضُوا الْبُعْثَةَ یہاں مراد مدخول بھا ہے (2) کیونکہ جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں اس پر عدت لازم نہیں ہوتی۔ اگر اس نے تین طلاقوں سے کم طلاقیں دی ہیں تو عدت کے ختم ہونے سے قبل رجوع کر سکتا ہے بعد میں وہ ایک دعوت نکاح دینے والے کی طرح ہوگا۔ اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں تو کسی اور خاوند کے بعد ہی وہ عورت اس سابقہ خاوند پر جلال ہوگی۔

**مسئلہ نمبر 10۔** وَأَخْضُوا الْبُعْثَةَ اس کا معنی ہے اسے یاد رکھو (3) یعنی اس وقت کو یاد رکھ جس میں طلاق واقع ہوئی

1۔ یہ قول قابل توجہ نہیں کیونکہ جب صریح احادیث سے ثابت ہے کہ تین طلاقیں دی گئی تو انہیں تسلیم کیا گیا جس طرح اسی بحث میں روایات گزر چکی ہیں تو اس اجتہاد کی کوئی منجائش باقی نہ رہی۔

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 29

3۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1826

یہاں تک کہ جب یہ جدا ہو جائے اس شرط کی وجہ سے جس کو ذکر کیا گیا وہ تین قرء ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **وَالَّذَاتُ طَلَّقَتْ بِتَرَبُّصٍ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرْءٍ** (البقرہ: 228) اب وہ ان مردوں کے لیے حلال ہے جو اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ عدت تین طہر ہیں، حیض عدت نہیں اس کی تاکید اور تفسیر نبی کریم ﷺ کی قرأت کرتی ہے: قبل عدتہن کسی شے کا قبل لغت اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا جز ہوتا ہے۔ استقبالہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ اس چیز کا غیر ہوتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 11۔** احصاء کے امر کا مخاطب کون ہے (1)؟ اس میں تین قول ہیں۔ 1۔ وہ خاوند ہیں۔ 2۔ بیویاں ہیں۔ 3۔ مسلمان ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اس لفظ کے مخاطب ازواج ہیں کیونکہ **طَلَّقْتُمْ**، **أَحْصُوا** اور **لَا تُخْرِجُوهُنَّ** کی ضمیریں ایک ہی لفظ میں ہیں۔ ازواج کی طرف لوٹ رہی ہیں لیکن بیویاں خاوند کے ساتھ لاحق ہو کر اس میں داخل ہیں کیونکہ خاوند ہی شمار کرتا ہے تاکہ وہ رجوع کرے، اس کو نان و نفقہ دے یا اسے ختم کرے، وہ اسے رہائش دے یا گھر سے نکالے، اس کے نسب کو لاحق کرے یا اسے قطع کرے۔ یہ تمام امور اس کے اور بیوی کے درمیان مشترک ہیں ان کے علاوہ میں عورت مرد سے منفرد ہے اسی طرح حاکم بھی عدت کو شمار کرنے کا محتاج ہوتا ہے تاکہ وہ فتویٰ دے اور اس میں جھگڑا واقع ہو تو وہ فیصلہ کرے یہ اس احصاء کے فوائد ہیں جس کا حکم دیا گیا۔

**مسئلہ نمبر 12۔** **وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ** **مِنْ بُيُوتِهِنَّ** اللہ جو تمہارا رب ہے اس سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ خاوند کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب تک عورت عدت میں ہو تو اسے اس گھر سے نکالے جس گھر میں وہ حالت نکاح میں رہ رہی تھی۔ وہ خاوند کے حق کی وجہ سے بھی نہیں نکلے گی ہاں ظاہر ضرورت کی بنا پر وہ نکل سکتی ہے۔ اگر وہ اس گھر سے نکلے گی تو وہ گناہگار ہوگی اور عدت ختم نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی تھی یا جسے طلاق بائنہ دی گئی تھی، برابر ہیں۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ مرد کے پانی کی حفاظت ہو سکے۔ اسی وجہ سے بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِذَا كُنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: 34)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب: 33)** یہ رہائش رکھنے کی اضافت ہے، تملیک کی اضافت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **لَا تُخْرِجُوهُنَّ** تقاضا کرتا ہے کہ یہ خاوندوں پر لازم ہے اور **لَا يُخْرِجُنَّ** یہ بیویوں پر لازم ہے۔ حدیث صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہو گئی اس نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی کھجوروں کو کالے (2)۔ ایک آدمی نے اسے باہر نکلنے پر جھڑکا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں تو اپنے کھجور کے درخت کاٹ! ممکن ہے تو کوئی صدقہ کرے یا کوئی نیکی کا عمل کرے“۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور لیث کے اقوال کی دلیل ہے کہ معتدہ عورت دن کے وقت اپنے کام کاج کے لیے باہر نکل سکتی ہے۔ رات کے وقت اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ امام مالک کے نزدیک خواہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائنہ



دی گئی ہو۔ امام شافعی نے اس عورت کے بارے میں کہا: جسے طلاق رجعی دی گئی تھی وہ نہ دن کے وقت نکلے اور نہ رات کے وقت نکلے جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ دن کے وقت نکل سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ حکم اس عورت کے لیے ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے وہ نہ رات کو اور نہ ہی دن کو نکل سکتی ہے جبکہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو عمرو بن حفص، حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ یمن کی طرف نکلے (1)۔ انہوں نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ بنت قیس کو طلاق بھیج دی جو باقی تھی اس کے لیے حضرت حارث بن ہشام اور حضرت عباس بن ربیعہ کو اس کے نفقہ کے بارے میں حکم دیا۔ دونوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں مگر اس صورت میں کہ تو حاملہ ہو۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کا قول ذکر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں“۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عرض کی: یا رسول اللہ کہاں؟ فرمایا: ”ابن ام مکتوم کے ہاں“۔ وہ نابینا تھے۔ وہ اپنے کپڑے وہاں اتار لیتی اور وہ اسے دیکھ نہ پاتے۔ جب اس کی عدت گزر گئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کر دیا۔ مروان نے قبیسہ بن زویب کو حضرت فاطمہ کی طرف بھیجا کہ اس سے حدیث پوچھے تو حضرت فاطمہ نے اسے حدیث بیان کی۔ مروان نے کہا: ہم نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے۔ ہم اسی میں احتیاط و حفاظت پاتے ہیں جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ جب مروان کا قول حضرت فاطمہ کو پہنچا تو اس نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان قرآن حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ کہا: یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جس کے بارے میں خاوند کو رجوع کا حق ہو۔ تین طلاقیں کے بعد کیا امر وقوع پذیر ہوگا؟ تم کیسے کہتے ہو: اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں؟ جب وہ حاملہ نہ ہو تو پھر تم اسے کیوں گھروں میں محبوس رکھتے ہو؟ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آیت گھر سے نکالنے اور گھر سے نکلنے کی حرمت صرف طلاق رجعی کی صورت میں ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ آیت جو اس کے بعد ہے وہ مطلقہ رجعیہ کی نبی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کیونکہ امکان ہے کہ جس نے طلاق دی ہے عدت کے اندر وہ رجوع کے بارے میں رائے بنائے گویا وہ ہر وقت اپنے خاوند کے زیر تصرف ہے جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو تو اس کے لیے کوئی امکان موجود نہیں جب اسے کوئی مجبوری ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے یا اسے اسی گھر میں بے پردگی کا خوف لاحق ہو جس طرح نبی کریم ﷺ نے اسے اجازت دی۔

مسلم شریف میں ہے حضرت فاطمہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں (2)، مجھے خوف ہے کہ وہ بغیر اجازت مجھ پر داخل ہو جائے گا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا تو حضرت فاطمہ وہاں سے منتقل ہو گئیں۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ سے مروی ہے کہ وہ ایک الگ تھلگ مکان میں تھیں تو اس کے ایک طرف ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں خوف لاحق تھا اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اسے رخصت دی (3)۔ یہ تمام

روایات احناف کے قول کا رد کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کی حدیث میں ہے: ان کے خاوند نے انہیں ایک طلاق بھیج دی جو ان کی طلاق باقی ماندہ تھی۔ یہ امام مالک کے حق میں دلیل ہے اور امام شافعی کے خلاف دلیل ہے۔ یہ سلمہ بن ابی سلمہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے (1)۔

**مسئلہ نمبر 13۔** إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت شعبی اور مجاہد نے کہا: بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے مراد بدکاری ہے۔ اسے گھر سے نکالا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس اور امام شافعی سے مروی ہے: اس سے مراد سسرالی رشتہ داروں پر بدزبانی کرنا ہے۔ پس ان کے لیے حلال ہے کہ اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کے بارے میں کہا: وہ ایک ایسی عورت تھی جو اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بدکلامی کیا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ گھر سے منتقل ہو جائے۔ ابو داؤد کی کتاب میں ہے سعید نے کہا: وہ ایسی عورت تھی جس نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا وہ بڑی باتونی تھی (2)۔ اسے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا جو ناپیتا تھے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابی کے مصحف میں ہے إِلَّا أَنْ يَفْجَحَنَّ عَلَيْكُمْ اس کی تائید یہ روایت کرتی ہے کہ محمد بن ابراہیم بن حارث نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: اللہ سے ڈر تو خوب جانتی ہے کہ تجھے کیوں گھر سے نکالا گیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: فاحشہ سے مراد ہر معصیت ہے جس طرح بدکاری، چوری اور گھر والوں کے ساتھ بدکلامی؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عمر اور سلامی سے مروی ہے: فاحشہ سے مراد عورت کا گھر سے نکلنا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ بخروج من بیوتھن بغیر حق یعنی اگر وہ نکلے گی تو وہ نافرمانی کرے گی۔ قتادہ نے کہا: فاحشہ سے مراد نشوز و نافرمانی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے نشوز کی وجہ سے خاوند اسے طلاق دے تو وہ اپنے گھر سے نکل جائے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا: خروج زنا کی وجہ سے ہے تو اس کی کوئی وجہ و دلیل نہیں کیونکہ اس خروج و نکلنے سے مراد قتل اور اس کو معدوم کرنا ہوتا ہے (3)۔ یہ حلال و حرام میں مستثنیٰ نہیں۔ جس نے کہا: اس سے مراد بدکلامی ہے تو اس کی وضاحت حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آچکی ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد معصیت ہے تو یہ وہم ہے کیونکہ غائب ہونا اور اس جیسی معصیت نہ نکالنے کو مباح کرتی ہے اور نہ ہی نکلنے کو مباح کرتی ہے۔ جس نے کہا: مراد بغیر حق کے نکلنا ہے تو یہ صحیح ہے، تقدیر کلام یہ ہے لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ شَرًّا لَّأَنْ يَخْرُجْنَ تَعْدِيًا۔

**مسئلہ نمبر 14۔** وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ خَافُوا مِنْهَا وَأَطَاعُوا لَهَا وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ ظُلْمٍ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت شعبی اور مجاہد نے کہا: ان سے تجاوز سے منع کیا ہے۔ جس نے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گھاٹ پر وارد کیا۔



لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِتْ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ○ یعنی وہ امر جو اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا۔ اس سے مراد ہے اس کے دل میں بغض کی بجائے محبت، اعراض کی بجائے رغبت اور طلاق کے پختہ عزم کی بجائے شرمندگی پیدا فرمادے گا تو وہ اس سے رجوع کرے گا۔ تمام مفسرین نے کہا: یہاں امر سے مراد رجوع میں رغبت پیدا کرنا ہے۔ پہلے یہ قول گزر چکا ہے۔ ایک طلاق پر براہِ نیختہ کا اور تین طلاقیں سے نہی کرنا مقصود ہے کیونکہ جب وہ تین طلاقیں دے چکے گا تو فراق پر شرمندگی کے وقت اور رجوع میں رغبت کے وقت اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا اور رجوع کی کوئی صورت نہیں پائے گا۔ مقاتل نے کہا: بَعْدَ ذَلِكَ یعنی ایک طلاق اور دو طلاقیں کے بعد۔ امر یعنی رجوع کرنا اس قول میں کوئی اختلاف نہیں۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

”تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی معیاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کر لو دو معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور جو خوش بخت ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ۔“

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ جب وہ عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ (البقرة: 231) یعنی عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں۔ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ، معروف طریقہ سے مراجعت ہے۔ مقصد تکلیف دینے کے لیے رجوع کرنا نہ ہو کہ عدت کو طویل کیا جائے بلکہ مقصود دلچسپی ہو جس طرح سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے تو وہ اپنی ذاتوں کے مالک بن جائیں۔ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ میں ایسی دلیل موجود ہے جو اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ عدت کے ختم ہونے میں قول عورت کا معتبر ہوگا جب وہ اس کا دعویٰ کرے جیسا کہ ہم نے سورہ بقرہ میں آیت 228، وَلَا يَحِلُّ لهنَّ أَنْ يَكُنَّ مِمَّا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے۔

وَأَشْهَدُ وَأَذْوَنِي عَذْلٍ مِنْكُمْ فِي سَائِلٍ هِيَ:

طلاق پر گواہ بنانا

**مسئلہ نمبر 1۔** وَأَشْهَدُ وَأُطْلِقُ پر گواہ بنانے کے بارے میں امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجوع میں گواہ بنانے کا حکم ہے (1)۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں رجوع سے مراد رجعت کی طرف رجوع ہے، طلاق کی طرف رجوع نہیں۔ اگر اس نے گواہ بنائے بغیر رجوع کیا تو رجعت کے صحیح ہونے میں فقہاء کے دو قول ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجعت اور جدائی دونوں پر گواہ بنانے کا حکم ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گواہ بنانا مستحب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَشْهَدُ وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: 282)

امام شافعی کے نزدیک رجعت میں واجب ہے اور فرقت میں مستحب ہے۔ گواہ بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں میں باہم انکار کی صورت حال پیدا نہ ہو اور طلاق کے بعد اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے تہمت نہ لگائی جائے اور ایک کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا اس بات کا دعویٰ نہ کرے کہ وہ میت کا وارث ہے کیونکہ عقد نکاح باقی ہے۔

رجوع کے طریقے

**مسئلہ نمبر 2۔** اکثر علماء کے نزدیک رجعت پر گواہ بنانا مستحب ہے جب وہ جماع کرے، بوسہ لے یا مباشرت کرے تو اس سے رجعت مراد ہوگی۔ وہ رجعت کا زبانی اظہار کرے اور رجعت کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو امام مالک کے نزدیک رجوع کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ اس صورت میں رجوع کا ارادہ نہ کرے تو رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا: جب اس نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، مباشرت کی یا چھو تو یہ رجعت ہوگی۔ علماء نے کہا: فرج کو دیکھنا یہ بھی رجعت ہے۔ امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: جب اس نے زبانی رجوع کیا تو یہ رجعت ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا وطی کرنا ہر حال میں رجوع ہے۔ اس نے رجعت کی نیت کی یا نہ کی۔ امام مالک کے ایک طائفہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام لیث بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام مالک کہا کرتے تھے: جب اس نے وطی کی اور رجعت کی نیت نہ کی تو یہ وطی فاسد ہوگی، دوبارہ اس وقت تک وطی نہ کرے جب تک ماء فاسد سے رحم پاک نہ ہو جائے۔ پہلی رجعت کے باقی ماندہ حصہ میں اسے رجوع کا حق ہے، اس استبراء میں اس کو رجعت کا حق نہیں۔

رجعت میں گواہی کی حیثیت

**مسئلہ نمبر 3۔** امام احمد کے دو قولوں میں سے ایک میں رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔ امام شافعی بھی کہتے ہیں: کیونکہ امر کا ظاہر اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور امام شافعی دوسرے قول میں فرماتے ہیں: رجعت کو قبول کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے گواہ بنانے کی ضرورت نہیں جس طرح دوسرے حقوق ہوتے ہیں خصوصاً جب کفارہ کے ذریعے ظہار کو ختم کیا جائے (3)۔ ابن عربی نے کہا: امام شافعی کے اصحاب نے رجعت میں گواہ بنانے کے وجوب کا



ذکر کرتے ہوئے کہا: خاوند کا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا جس نے کل رجوع کیا تھا اور آج رجعت کے اقرار پر گواہ بنانا ہوں جس نے رجعت کے لیے گواہ بنانا شرط قرار دیا ہے اس کے نزدیک اس کے بغیر رجعت صحیح نہ ہوگی (1)۔ یہ قول فاسد ہے اور اس امر پر مبنی ہے کہ رجعت میں گواہ بنانا امر تعبدی ہے۔ ہم اس میں اور نکاح میں تسلیم نہیں کرتے کہ ہم یہ کہیں یہ باہم مضبوطی کا محل وقوع ہے یہ اقرار میں موجود ہے جس طرح انشاء میں موجود ہے۔

عدت گزرنے کے بعد دوران عدت رجوع کے بارے میں بتانا

**مسئلہ نمبر 4۔** جس نے عدت گزرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اس نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اگر عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجوع جائز ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ قسم اٹھائے گی۔ اگر مرد نے گواہ پیش کر دیے کہ خاوند نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اور عورت کو علم نہ ہوا تو عورت کی جہالت اس میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ وہ اس خاوند کی بیوی ہی رہے گی۔ اگر اس عورت نے کسی اور مرد سے شادی کر لی اور ابھی تک نئے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے تھے تو پہلا خاوند رجوع پر گواہیاں پیش کر دے تو اس بارے میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں۔ 1۔ پہلا خاوند اس کا زیادہ حقدار ہے۔ 2۔ دوسرا خاوند اس عورت کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے تھے تو پہلے خاوند کے لیے کوئی صورت نہ رہے گی۔

گواہ مرد ہوں گے

**مسئلہ نمبر 5۔** ذَوْنِ عَدْلٍ مِّنْکُمْ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد مسلمان ہیں (2)۔ قتادہ سے مروی ہے: تم میں سے جو آزاد ہیں یہ اس امر کو واجب کرتی ہے کہ گواہی جو رجوع کے بارے میں ہو وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں کیونکہ ذی کا لفظ مذکر ہے اسی وجہ سے ہمارے علماء نے کہا: اسماں کے علاوہ میں عورتوں کی گواہی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

گواہی میں تبدیلی جائز نہیں

**مسئلہ نمبر 6۔** وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے گواہی صحیح طریقہ سے دو جب گواہی کی ضرورت ہو اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ کے تحت گزر چکی ہے۔

ذَلِكُمْ يُذْكَرُ بِهَذَا يَوْمَ يَوْمِ الْآخِرِ جہاں تک غیر مومن کا تعلق ہے تو وہ ان نصیحتوں سے نفع حاصل نہیں کرتا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ نَبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی: جو آدمی تین یا ہزار طلاق دیتا ہے کیا اس کے لیے کوئی راہ ہے؟ تو حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شعبی اور نحاک نے کہا: یہ

طلاق میں خاص ہے یعنی جس نے اس طریقہ سے طلاق دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا تو عدت کے اندر اس کے لیے خلاصی کی کوئی صورت ہوگی اور عدت کے بعد اس کی حیثیت ایک دعوت نکاح دینے والے کی حیثیت ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: **يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا** سے مراد ہے دنیا و آخرت میں اسے وہ کرب سے نجات عطا فرمائے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخرج سے مراد ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو رزق دیا ہوگا اس پر اسے قناعت عطا کرے گا: یہ علی بن صالح کا قول ہے۔ کبھی نے کہا: جو مصیبت کے وقت صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ **يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا** آگ سے جنت کی طرف جانے کا کوئی راہ بنادے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس سے اسے منع کیا ہے اس سے نکلنے کی کوئی راہ بنادے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر شدت سے نکلنے کی کوئی راہ بنادے گا (2)۔ ربیع بن خثیم نے کہا: **يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا** ایسی شے سے نکلنے کی راہ بنادے گا جو لوگوں کے لیے تنگی کا باعث ہو۔ حسین بن فضل نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ غنوبت سے بچنے کی کوئی راہ بنادے گا۔

**وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** اللہ تعالیٰ اسے ثواب عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ تھا یعنی جو اسے دیا ہے اس میں برکت رکھ دے گا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: جو اتباع سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ بدعتیوں کی غنوبت سے اسے محفوظ رکھے گا اور ایسے طریقہ سے جنت عطا فرمادے گا جہاں سے اس کا گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو رزق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ کفایت کے ساتھ اس کے لیے کوئی راہ پیدا فرمادے گا۔ عمر بن عثمان صوفی نے کہا: جو حدود پر رک گیا، معاصی سے اجتناب کرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے حرام سے طہال کی طرف، تنگی سے وسعت کی طرف اور جہنم سے جنت کی طرف نکالے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے امید ہی نہ تھی۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد رزق میں برکت ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: جو آدمی اپنے ارد گرد اور اپنی قوت سے برات کا اظہار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ اس کے لیے ان چیزوں سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے جن کا اس نے اسے مکلف بنایا تھا۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت مسروق نے آیت کی تاویل عموم کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابو ذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اسے پکڑ لیں تو وہ انہیں کافی ہو جائے“ (3) پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ آپ لگا تار اسے پڑھتے رہے اور اس کا اعادہ کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا، فرمایا: ”دنیا کے شبہات، موت کی سختیوں اور یوم قیامت کی شدائد سے کوئی راہ پیدا فرمادے گا۔“

اکثر مفسرین نے کہا: جو تعلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی۔ کبھی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت



میں حاضر ہوئے، عرض کی: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کر رہی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ مشرکوں نے ان کے بیٹے کو قید کر لیا جسے سلام کہتے، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاقہ کی شکات کی۔ عرض کی: دشمن نے میرے بیٹے کو قید کر لیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کرتی ہے، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کو۔ میں تجھے اور اسے حکم دیتا ہوں کہ تم دونوں کثرت سے لا حول ولا قوۃ الہ باللہ پڑھا کرو۔“ حضرت عوف اپنے گھر کی طرف لوٹے اور اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور تجھے یہ حکم دیا ہے کہ کثرت سے لا حول ولا قوۃ الہ باللہ پڑھا کریں۔ ان کی بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کتنی اچھی بات کا حکم دیا ہے۔ وہ دونوں پڑھنے لگے۔ دشمن ان کے بیٹے سے غافل ہوا، اس نے ان کے ریوڑ کو ہانکا اور اسے اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ یہ چار ہزار بکریاں تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے وہ تمام بکریاں انہیں دے دیں (2)۔ ایک روایت میں ہے: وہ آیا اور اس نے دشمنوں کے اونٹ پائے جبکہ وہ فقیر تھا۔ کلبی نے کہا: اس نے پچاس اونٹ پائے تھے۔ ایک روایت میں ہے: اس کا بیٹا قید سے نکل آیا اور قوم کی اونٹنی پر سوار ہوا، راستہ میں ان کے جانوروں کے پاس سے گزرا جو چر رہے تھے تو ان سب کو ہانک لیا۔ مقاتل نے کہا: اس نے ریوڑ اور سامان پایا اور نبی کریم ﷺ سے عرض کی: میرا بیٹا جو مال لایا ہے کیا میں اسے کھا سکتا ہوں۔ فرمایا: ”ہاں“ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے عمران بن حصین سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے تمام تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ سے ناٹھ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف اپنی تمام توجہات کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے“ (3)۔ زجاج نے کہا: جب وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے، حلال کو ترجیح دیتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اگر وہ تنگ دست ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کثرت سے استغفار کی۔ اللہ تعالیٰ ہر غم سے اس کے لیے کشادگی پیدا فرما دیتا ہے۔ ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ عطا فرما دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہ تھا“ (4)۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ جس نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے، معاصی سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ایسا اجر عطا فرمائے گا جو اس کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں دنیا کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ توکل

کرنے والا کبھی دنیا میں پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ بِأَلَمِ أَمْرٍ مَّسْرُوقٍ نَے کہا: اس کے ہر امر کو پورا کرنے والا ہے جس میں اس نے توکل کیا تھا اور جس میں توکل نہیں کیا تھا مگر جس میں اس نے توکل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کو اجر عظیم سے نوازتا ہے (1)۔ عام قرأت بالغ ہے۔ امرہ منصوب ہے عاصم کی قرأت بالغ امرہ ہے یعنی مضاف مضاف الیہ ہے۔ مفضل نے بالغ امرہ قرأت کی ہے، اس طریقہ پر قَدْ جَعَلَ اللَّهُ، ان کی خبر ہے اور بالغ حال ہے۔ داؤد بن ابی نے بالغ کی وجہ سے امرہ مرفوع پڑھا ہے اور مفعول بہ مخدوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بالغ امرہ ما اراد۔

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ تنگی اور خوشحالی میں سے ہر ایک کے لیے وقت مقرر کر دیا ہے جہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَدْ رَأَى تَقْدِيرًا کے معنی میں ہے۔ سدی نے کہا: اجل اور عدت میں حیض کو مقدر کیا (2)۔ عبد اللہ بن رافع نے کہا: جب وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایا: ہم جب اس پر توکل کرتے ہیں تو جو کچھ ہمارا ہوتا ہے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں، ہم اس کی حفاظت نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوتی إِنَّ اللَّهَ بِأَلَمِ أَمْرٍ یعنی تمہارے بارے میں اور تم پر۔ ربیع بن خثیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جائے گا جو اس پر ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے گا، جو اسے قرض دے گا اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے گا، جو اس پر اعتماد کرے گا اللہ تعالیٰ اسے نجات عطا فرمائے گا، جو دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا، اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے: وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ (التغابن: 11) وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: 3) إِنَّ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ (التغابن: 17) وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ (آل عمران) وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۝ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرة: 186)

وَالَّذِي يَمْسُرُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءٍ بِكُمُ إِنِ امْرُتُكُمْ قَعَدَتْهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ ۖ وَالَّذِي لَمْ يَحْيَضْ ۖ وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفُرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝

”اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں، اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچے جنم تک ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روز



قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔

وَالَّتِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ  
اس میں سات مسائل ہیں:

جن کو حیض کا خون نہیں آتا ان کی عدت

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّتِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ جب طلاق اور رجعت کا امر ان عورتوں کے بارے میں واضح فرما دیا جن کو حیض آتا ہے تو انہوں نے حیض والی عورتوں کی عدت کو پہچان لیا اس میں ان عورتوں کی عدت کو بیان کیا جو خون نہیں دیکھتیں۔ ابو عثمان عمر بن سالم نے کہا: جب سورہ بقرہ میں ان عورتوں کی عدت کا حکم نازل ہوا جن کو طلاق دی گئی اور جن کا خاوند فوت ہو گیا تھا تو حضرت ابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کچھ لوگ کہتے ہیں: عورتوں میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں کچھ ذکر نہیں ہوا، وہ چھوٹی عمر کی اور حاملہ عورتیں ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّتِي يَئِسْنَ۔ مقاتل نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرہ: 228) کا ذکر ہوا تو خلد بن نعمان نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس عورت کی عدت کیا ہے جس کو حیض نہیں آتا؟ اس عورت کی عدت کیا ہے جس کا حیض آنا منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ کی عدت کیا ہے؟ تو یہ آیت وَالَّتِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ نازل ہوئی یعنی جو عورتیں حیض کے آنے سے مایوس ہو گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت معاذ بن جبل نے ایسی بوڑھی عورت کی عدت کے بارے میں پوچھا جو حیض سے مایوس ہو چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت مستحاضہ کے بارے میں وارد ہوئی جو نہیں جانتی کہ یہ حیض کا خون ہے یا بیماری کا خون ہے (1)۔

ارتیاب کا معنی

**مسئلہ نمبر 2۔** إِنِ ارْتَبْتُمْ یعنی تمہیں شک ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں یقین ہو۔ یہ اضداد میں سے ہے۔ وہ (ارتیاب) شک و یقین ہو جس طرح ظن ہوتا ہے۔ طبری کا اختیار ہے کہ معنی یہ ہوا اگر تمہیں شک ہو کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے کیا حکم ہے (2)۔ زجاج نے کہا: اگر تم اس کے حیض میں شک کرو جبکہ اس کا حیض ختم ہو چکا ہے اور وہ ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں غور و فکر کی گنجائش ہے کیونکہ جب ہم شک کریں گے کیا اس کی عمر مایوسی کو پہنچ چکی ہے تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ایک قول کے مطابق مایوسی کی عمر میں معتبر دنیا میں عورت کی عادت کی سب سے لمبی عدت ہے۔ ایک قول ہے: اس عورت کے خاندان کی عورتوں کا عمومی معمول ہے۔ مجاہد نے کہا: خطاب دعوت نکاح دینے والوں کو ہے یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو کہ مایوس عورت اور جسے حیض نہیں آتا اس کی عدت کتنی ہے تو اس کی عدت یہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اگر تمہیں شک ہو کہ یہ خون جو ظاہر ہوا ہے وہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے، معروف حیض کا ہے یا استحاضہ کا ہے تو عدت تین ماہ ہوگی۔ عکرمہ اور قتادہ نے کہا: مراد وہ عورت ہے جس کا حیض معین

دنوں میں نہیں آتا کبھی مہینے کے شروع میں آتا ہے اور کبھی کئی مہینوں میں ایک دفعہ آتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کے اوّل حصہ سے متعلق ہے۔ معنی ہے تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اگر تمہیں عدت کے ختم ہونے میں شک ہو۔ اس بارے میں جو قول کیے گئے ہیں ان میں سے یہ سب سے صحیح ہے۔

### شک والی عورت کو کتنا رکنا چاہیے

**مسئلہ نمبر 3۔** وہ عورت جس کو شک ہو وہ عقد نکاح نہ کرے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کو شک سے پاک کر لے۔ وہ عورت عدت سے خارج نہ ہوگی مگر اس شک کے ختم ہونے کے بعد ہی خارج ہوگی۔ مرتا بہ عورت کے بارے میں ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کا حیض آنا بند ہو گیا ہو وہ نہیں جانتی کہ وہ خون آنا کب ختم ہوا تھا وہ ایک سال اس وقت سے انتظار کرے گی جس وقت سے اس کے خاوند نے اسے طلاق دی تھی۔ سال میں سے نو ماہ استبراء رحم کے ہوں گے اور تین ماہ عدت کے ہوں گے۔ اگر خاوند نے اسے طلاق دی تو اسے ایک حیض آیا یا دو حیض آنے پر ناامیدی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا تو وہ نو ماہ انتظار کرے گی پھر تین ماہ اس وقت سے انتظار کرے گی جس دن وہ حیض سے پاک ہوئی تھی۔ پھر وہ نکاح کے خواہش مند افراد کے لیے حلال ہو جائے گی۔ امام شافعی نے یہ قول عراق میں کیا۔ اس قول پر قیاس کرتے ہوئے ایسی عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ استبراء رحم کے لیے نو ماہ کے بعد چار ماہ دس دن اور لونڈی نو ماہ کے بعد دو ماہ پانچ دن عدت گزارے گی۔ امام شافعی سے یہ قول بھی مروی ہے: اس کی عدت اقراء ہی ہوں گے یہاں تک کہ سن ایسا کو پہنچ جائے؛ یہ امام غنوی، ثوری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابو عبید نے اہل عراق سے اسے حکایت کیا ہے۔ اگر عورت جوان ہو تو یہ چوتھا مسئلہ ہے جس کا ذکر آ رہا ہے۔

### جوان عورت کو حیض کا خون نہ آنے کی صورت میں حکم

**مسئلہ نمبر 4۔** اس کے بارے میں انتظار کیا جائے گا۔ یہ حاملہ ہے یا حاملہ نہیں اگر اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اگر حمل ظاہر نہ ہو تو امام مالک نے کہا: وہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو جبکہ وہ جوان ہو اس کی عدت ایک سال ہے؛ یہی قول امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ انہوں نے یہ حضرت عمر بن خطاب اور دوسروں سے روایت کیا ہے۔ اہل عراق کی رائے ہے: اس کی عدت تین حیض ہے جبکہ زندگی میں اسے ایک دفعہ خون آیا ہو اگرچہ وہ بیس سال کی رہے مگر جب وہ بڑھاپے میں اس عمر تک جا پہنچے جس میں وہ حیض سے مایوس ہو جائے تو مایوسی کے وقت کے بعد اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔ ثعلبی نے کہا: یہ امام شافعی کے مذہب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس پر جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ یہی قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے۔ الکلیانے کہا: یہی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنسہ کی عدت تین ماہ بنائی ہے جبکہ جس کے بارے میں شک ہو وہ آنسہ نہیں۔

### مرض کی وجہ سے حیض نہ آنے کی صورت میں حکم

**مسئلہ نمبر 5۔** جس کا حیض مرض کی وجہ سے متاخر ہو گیا ہو تو امام مالک، ابن قاسم اور عبد اللہ بن مسعود نے کہا: وہ نو ماہ



عدت گزارے گی پھر تین ماہ عدت گزارے گی۔ اشہب نے کہا: وہ دودھ پلانے والی کی طرح ہے۔ وہ دودھ چھڑانے کے بعد حیض کی صورت میں یا سال بھر عدت گزارے گی۔ حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو طلاق دی جبکہ وہ دودھ پلا رہی تھی۔ وہ ایک سال تک رکی رہی۔ اسے دودھ پلانے کی وجہ سے حیض نہ آتا، پھر حضرت حبان بیمار ہوئے تو انہیں خوف ہوا کہ وہ اس کی وارث بن جائے گی تو حضرت حبان نے جھگڑا حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کیا جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی شیر خدا اور حضرت زید موجود تھے۔ دونوں نے کہا: ہماری رائے ہے کہ وہ وارث بنے گی کیونکہ وہ حیض سے مایوس نہیں اور نہ ہی بچی ہے۔ حضرت حبان فوت ہو گئے تو ان کی بیوی ان کی وارث بنی اور پھر وفات کی عدت گزاری۔

مرض و دودھ کے علاوہ حیض نہ آنے کی صورت میں حکم

**مسئلہ نمبر 6۔** اگر مرض یا دودھ پلانے کے علاوہ کسی اور سبب سے متاخر ہوا وہ ایک سال انتظار کرے گی جس میں حیض نہ ہو، پہلے نو ماہ پھر تین ماہ جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر اسے حمل کا شک نہ ہو تو وہ حلال ہو جائے گی۔ اگر اسے حمل کا شک ہو تو وہ چار سال، پانچ سال یا سات سال انتظار کرے گی جس طرح ہمارے علماء کی مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے مشہور پانچ سال ہیں۔ اگر وہ ان کو گزارے تو وہ عورت حلال ہو جائے گی۔ اشہب نے کہا: وہ کبھی بھی حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس سے شک منقطع ہو جائے (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول صحیح ہے کیونکہ جب یہ جائز ہے کہ بچہ پانچ سال تک ماں کے پیٹ میں رہے تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ دس سال یا اس سے زیادہ عرصہ رہے۔ امام مالک سے اسی کی مثل مروی ہے (☆)۔

مستحاضہ کی عدت

**مسئلہ نمبر 7۔** وہ عورت جس کا حیض استحاضہ کی وجہ سے مجہول ہو گیا اس کے بارے میں تین قول ہیں۔ ابن مسیب نے کہا: وہ ایک سال عدت گزارے گی؛ یہ لیث کا قول ہے۔ لیث نے کہا: مطلقہ کی عدت اور جس کا خاوند فوت ہو جائے جب وہ مستحاضہ ہو تو اس عورت کی عدت ایک سال ہے۔ یہ ہمارے علماء کا مشہور قول ہے خواہ اسے اپنے استحاضہ کے خون سے حیض کے خون کا علم ہو، اسے امتیاز ہو یا نہ ہو۔ امام مالک کے نزدیک اس کی عدت تمام صورتوں میں ایک سال ہے۔ نو ماہ رحم کو پاک کرنے کے اور تین ماہ عدت کے۔ امام شافعی کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے: اس کی عدت تین ماہ ہے؛ یہ تابعین اور متاخرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ ابو عمر نے کہا: مستحاضہ عورت کا خون ختم ہو جاتا ہو، اس کو حیض کے آنے اور اس کے ختم ہونے کا علم ہو تو وہ تین حیض عدت گزارے گی۔ یہ نظر و فکر کے اعتبار سے صحیح ہے اور قیاس و اثر میں سب سے مضبوط ہے۔

وَأَنْتِ لَمْ يَحِضْ مراد چھوٹی عمر کی بیوی ہے۔ ایسی بیویوں کی عدت تین ماہ ہے۔ خبر مضمحل ہے کیونکہ عادت حیض نہیں آتا اس لیے ان کی عدت مہینے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے احکام کو عادات پر جاری کیا ہے (2)، وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے

گی۔ جب وہ خون دیکھے ایسے عرصہ میں جس میں عورتیں حیض کا احتمال رکھتی ہیں تو اصل پائے جانے کی وجہ سے عدت حیض کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ جب اصل پایا جائے تو بدل کے لیے کوئی حکم باقی نہیں رہے گا جس طرح عمر رسیدہ عورت کو جب حیض کی صورت میں عدت گزار رہی تھی، پھر اس کا خون ختم ہو گیا تو عدت مہینوں کی طرف لوٹ جائے گی۔ اس پر اجماع ہے۔

وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ أَسْ مِثْلَهُنَّ ۚ

مطلقہ حاملہ اور متوفی عنہا زوجہ حاملہ کی عدت

**مسئلہ نمبر 1۔** وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ اس کی عدت وضع حمل (بچہ کی پیدائش) ہے، اگرچہ یہ حکم مطلقہ میں ظاہر ہے کیونکہ اس کلام کا عطف اسی پر ہے اور کلام اسی طرف راجع ہے تاہم جس کا خاوند فوت ہو جائے اس میں بھی حکم اسی طرح ہے کیونکہ آیت عام ہے اور حضرت سبیحہ کی حدیث بھی اسی کے موافق ہے اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ آیت 174 میں گزر چکی ہے۔

وضع حمل سے مراد کیا ولد ہے یا جما خون اور لو تھڑا بھی

**مسئلہ نمبر 2۔** جب عورت کا وضع حمل ہو جائے وہ جما ہوا خون ہو یا گوشت کا لو تھڑا ہو، وہ عورت حلال ہو جائے گی (یعنی وہ عقد نکاح کر سکتی ہے) امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ حلال نہیں ہوگی مگر جب وہ رحم سے نکلنے والی چیز ولد ہو (1)۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ اور سورہ رد میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۖ ضحاک نے کہا: جو طلاق سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ رجوع میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا (2)۔ مقاتل نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے اجتناب میں ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی طاعت کی توفیق دے کر معاملہ کو آسان کر دے گا۔

ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ ۚ یعنی جو احکام ذکر کیے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نازل کیے ہیں اور تمہارے لیے واضح کیے ہیں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۖ ضحاک نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ رجوع میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا (2)۔ مقاتل نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے اجتناب میں ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی طاعت کی توفیق دے کر معاملہ کو آسان کر دے گا۔

أَسْكِنُوا هُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۖ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْطٍ فَاْلْفَقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَأَتَوُوا بَيْنَكُمْ بِعُرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَمَنْعُكُمْ

لَهُ الْآخِرَى ۖ



”انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو، اپنی حیثیت کے مطابق انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں، تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق اور اگر تم آپس میں ملے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

عدت کے دوران عورت کی رہائش، نفقہ اور کسوہ کے احکام

**مسئلہ نمبر 1۔** اَسْكُنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوْكُمْ اَشْهَبُ نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: وہ خاوند خود وہاں سے نکل جائے اور اسے اس گھر میں چھوڑ دے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَسْكُنُوْهُنَّ اِذَا كُنَّ مِنْكُمْ اُولًا مِّنْ دُوْنِكُمْ اَشْهَبُ نے کہا: امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَسْكُنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ کے بارے میں کہا: مراد وہ مطلقہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو گئیں اب خاوندوں کو ان سے رجوع کا حق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ حاملہ ہوں۔ انہیں رہائش کا حق ہے، نفقہ اور کسوہ کا حق نہیں کیونکہ وہ اپنے خاوند سے جدا ہو چکی ہے۔ وہ باہم وارث نہیں بنیں گے اور نہ ہی مرد کو اس کے ساتھ رجوع کا حق ہوگا۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اسے رہائش، نفقہ اور کسوہ (لباس) کا حق بھی ہوگا یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ وہ عورت جسے طلاق بائنہ نہ ہو، وہ ان مردوں کی بیویاں ہوں گی وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنیں گے (اگر عدت کے دوران کوئی فوت ہو جائے) جب تک وہ عدت میں ہوں گی وہ خاوندوں کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائیں گی۔ مردوں کو ان کو رہائش دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ان کے خاوندوں پر لازم ہے، ساتھ ہی ساتھ نفقہ اور لباس بھی لازم ہوگا، وہ حاملہ ہوں یا حاملہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے رہائش کا حکم ان عورتوں کے بارے میں دیا ہے جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو چکی ہیں (یعنی جنہیں طلاق بائنہ ہو چکی ہے) ساتھ ہی ساتھ ان کا نفقہ بھی لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ كُنَّ اُولٰٓئِكَ حَمٰلًا فَلَا نَفَقَا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورتوں کے لیے رہائش اور نفقہ کا حکم دیا ہے جن کو خاوندوں سے طلاق بائنہ ہو چکی۔ ابن عربی نے کہا: اس کی وضاحت اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکنی کا ذکر کیا اسے ہر مطلقہ کے لیے مطلق ذکر فرمایا۔ جب نفقہ کا ذکر کیا تو اسے حمل کے ساتھ مقید کیا تو یہ اس امر پر دال ہے کہ وہ عورت جسے طلاق بائنہ حاصل ہے، اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں۔ یہ عظیم مسئلہ ہے۔ ہم نے قرآن و سنت اور حکمت و معنی کے اعتبار سے اختلافی مسائل کے جو اصول بیان کیے ہیں، قرآن حکیم میں سے یہی آیت اس کا ماخذ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں ہوں اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے: اس کے لیے رہائش تو ہے، نفقہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے: اس کے لیے رہائش اور نفقہ دونوں ہیں۔ امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا مذہب ہے: اس کے لیے کوئی نفقہ اور رہائش نہیں۔ وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی

حدیث سے استدلال کرتے ہیں (1)۔ حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ میرے ساتھ میرے خاوند کا بھائی تھا۔ میں نے کہا: میرے خاوند نے مجھے طلاق دی ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ میرے لیے رہائش اور نفقہ نہیں؟ فرمایا: ”بلکہ تیرے لیے رہائش اور نفقہ ہے“۔ خاوند کے بھائی نے عرض کی: اس کے خاوند نے اسے قین طلاق دی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رہائش اور نفقہ اس پر ہے جس کو رجوع کا حق ہو“۔ جب میں وُذِیَا تو اسود بن یزید نے مجھے طلب کیا تاکہ مجھ سے اس بارے میں پوچھتے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد کہا کرتے تھے: ایسی عورت کے لیے رہائش اور نفقہ ہے۔ اسے دارقطنی نے تخریج کیا ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں (2)۔ اس کے خاوند نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اسے طلاق دی تو اسکے خاوند نے اس کی جانب حقیر سا نفقہ بھیجا جب حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کو ضرور اس بارے میں آگاہ کروں گی۔ اگر میرے لیے نفقہ ہے تو میں وہ نفقہ لوں گی جو میرے لیے مناسب ہوگا۔ اگر میرے لیے نفقہ نہ ہو تو میں کچھ بھی نہ لوں گی۔ کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”تیرے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش ہے“ (3)۔ دارقطنی نے اسے اسود سے نقل کیا ہے۔ کہا: جب حضرت فاطمہ بنت قیس کا قول حضرت عمر تک پہنچا: فرمایا: ہم مسلمانوں میں ایک عورت کے قول کو حتمی شمار نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی عورت کو رہائش اور نفقہ لازم کیا کرتے جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوتیں۔ امام شعبی سے مروی ہے، کہا: مجھے اسود بن یزید ملے۔ فرمایا: اے شعبی! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے رجوع کر لے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ کا فیصلہ کیا کرتے تھے (4)۔ میں نے کہا: میں ایسی چیز سے رجوع نہیں کر سکتا جسے حضرت فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کتنا اچھا ہے۔ جبکہ قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: طلاق رجعیہ کے سوا کسی کے لیے کوئی رہائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللّٰهُ يُخْرِجَنِي بَعْدَ ذَلِكَ اَمْراً ○ (الطلاق) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَسْكُنُوْهُنَّ يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ كَلَامُكُمْ اَنْ تَقُولُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَنَرْجِعَنَّ بِهِنَّ اِلَيْكُمْ فَنُفِقَنَّ عَلَيْهِنَّ وَلَآ تَصْلَحْنَ لَهُنَّ لِيُتَصَدَّقُوا عَلَیْهِنَّ (الطلاق: 6) نفقہ کو ترک کرنا سب سے بڑھ کر تکلیف دینا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قول کا جو رد کیا ہے وہ بھی اسی امر کی وضاحت کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے: وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہے۔ وہ رہائش کی مستحق ہے۔ اس کے لیے نفقہ ہوگا جس طرح اس عورت کے

2- صحیح مسلم، کتاب الطلاق، المصنوعۃ البیان، جلد 1، صفحہ 484

1- سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 23

5- ادکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1840

4- ایضا

3- سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 23



و جد کا معنی و مفہوم

عورت کو نقصان دینے سے مراد

## حاملہ کا نفقہ اور سکنی

فَإِنْ أَرْضُكُمْ لَكُمْ فِي أَرْبَعَةِ أَشْهُارٍ مِمَّا حَسِبْتُمْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْلُفُونَ ۖ وَأَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۚ

مطلقہ عورت کا دودھ پلانا

**مسئلہ نمبر 1۔** فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ مراد مطلقہ عورتیں ہیں۔ اگر مطاقہ عورتوں میں سے کوئی تمہارے بچوں کو دودھ

پلائے تو آباء پر لازم ہے کہ ان کو دودھ پلانے کی اجرت دیں۔ مرد کو حق حاصل ہے کہ دودھ پلانے پر اپنی بیوی کو اجرت پر رکھے جس طرح وہ اجنبی عورت کو اجرت پر رکھتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک جب اولاد اسی عورت سے ہو اور جب تک طلاق بائنہ نہ ہو جائے تو اس عورت کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے۔

سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء میں رضاعت کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

معروف سے کیا مراد ہے؟

**مسئلہ نمبر 2۔** وَأَنْتُمْ ذَا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ یہ خاوندوں اور بیویوں کو خطاب ہے یعنی تم میں سے ہر ایک اس بات کو قبول کرے جو دوسرا فرد اچھی بات کرے۔ یہاں عورت کی جانب سے معروف جمیل سے مراد ہے بغیر اجرت کے بچے کو دودھ پلانا اور مرد کی جانب سے جمیل کا مطلب ہے دودھ پلانے پر وافر اجرت دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معروف طریقے سے دودھ پلانے کے بارے میں مشورہ کر لیا کرو تا کہ بچے کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لباس اور بڑی چادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے والدہ کو بچہ کی وجہ اور والد کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

دودھ پلانے کی اجرت میں تعین نہ ہو سکے تو کیا طریقہ ہوگا؟

**مسئلہ نمبر 3۔** وَإِنْ تَعَاذَرْتُمْ أَفَرَدَدُوهَ پلانے کی اجرت کے تعین میں مشکل کا شکار ہو جاؤ، خاوند انکار کر دے کہ ماں کو دودھ پلانے کی اجرت دے اور ماں انکار کر دے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے تو خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے مجبور کرے۔ وہ ماں کے علاوہ کسی اور کو اجرت پر رکھ لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر تم باہم تنگی کا شکار ہو جاؤ تو وہ خاوند اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی اور کو معین کر لے۔ یہ امر کے معنی میں خبر ہے۔ ضحاک نے کہا: اگر ماں انکار کر دے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے تو وہ اپنے بچے کے لیے کسی اور کو اجرت پر لے۔ اگر وہ بچے کو قبول نہ کرے تو اس کی ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ اجرت پر دودھ پلائے۔ بچے کو دودھ پلانا کس پر واجب ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: جب تک زوجیت کا رشتہ قائم ہے تو بچے کو دودھ پلانا اس کی ماں پر لازم ہے مگر وہ اپنے شرف اور مقام و مرتبہ کی وجہ سے ایسا نہ کرے تو باپ پر لازم ہے کہ اپنے مال میں سے اس پر خرچ کرے۔ (۲) امام ابو حنیفہ نے کہا: ماں پر کسی حال میں بھی واجب نہیں (۱)۔ (۳) ہر حال میں ماں پر واجب ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اگر خاوند اس عورت کو طلاق دے دے تو دودھ پلانا اس عورت پر لازم نہیں مگر اس صورت میں کہ بچہ اس کے سوا کسی کا پستان قبول نہ کرے، اس وقت اس عورت پر دودھ پلانا واجب ہو جائے گا (۲)۔ اگر اجرت میں اختلاف ہو جائے۔ اگر وہ عورت اجرت مثلی کا مطالبہ کرے اور خاوند صرف تبرع چاہتا ہے تو ماں اجرت مثلی پر دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہوگی، جب باپ کوئی ایسی عورت نہ پائے جو اس کو بطور تبرع (احسان) دودھ پلائے۔ اگر باپ اجرت مثلی پر اس عورت کو رکھنا



چاہے اور ماں ایسا کرنے سے رک جائے تاکہ زیادہ مال کا مطالبہ کرے تو پھر باپ زیادہ حقدار ہوگا۔ اگر باپ اجرت دینے سے قاصر ہے تو بچے کو دودھ پلانے کے لیے جبراً پکڑ لیا جائے گا۔

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَ مَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مِمَّا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝

”خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق، اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراوانی دے دے گا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

نفقہ میں وسعت کا خیال رکھنا

**مسئلہ نمبر 1۔** لِيُنْفِقْ یعنی خاوند اپنی بیوی اور چھوٹی اولاد پر اپنی وسعت کے مطابق یہاں تک کہ جب اس کے پاس فراوانی ہو تو ان پر وافر خرچ کرے۔ جو آدمی فقیر ہو وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ نفقہ کا اندازہ لگایا جائے گا جیسی خرچ کرنے والے کی حالت ہوگی اور جس قدر اس بیوی اور بچے کی ضرورت ہوگی ان کی زندگی کے معمول کے مطابق قیاس کر لیا جائے گا۔ مفتی بیوی اور بچے کی ضرورت کو ملاحظہ کرے گا، پھر خاوند اور والد کی حالت کو دیکھے گا، اگر اس کی حالت اسے برداشت کرتی ہو تو وہ اسے نافذ کر دے گا۔ اگر خرچ کرنے والے کی حالت جس پر خرچ کیا جاتا ہے، اس کی حاجت سے کم ہو تو اسے اسکی برداشت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ امام شافعی اور اس کے اصحاب نے فرمایا: نفقہ معین ہے اس میں حاکم اور مفتی کے اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں صرف خاوند کی حالت کا اعتبار ہے۔ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو، عورت کی حالت اور ضرورت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ علماء نے کہا: خلیفہ کی بیٹی کی وہی ضرورت ہے جو چوکیدار کی بیٹی کی ضرورت ہے۔ اگر خاوند خوشحال ہوگا تو اس پر دو مد لازم ہوں گے، اگر وہ درمیانہ ہو تو ایک مد اور اس کا نصف لازم ہوگا، اگر تنگ دست ہو تو صرف ایک مد لازم ہوگا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ۔

اعتبار خاوند کا کیا گیا ہے خوشحالی میں بھی اور تنگ دستی میں بھی عورت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ عورت کی ضرورت کا اعتبار کرنا اس لیے ممکن نہیں کیونکہ حاکم یا کوئی اور اسے نہیں جان سکتا تو یہ چیز خصوصیت کی طرف لے جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَ مَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مِمَّا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ (البقرہ: 236) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کرتی کہ غنی اور فقیر کے نفقہ میں فرق کیا جائے اور یہ کہ نفقہ خاوند کی تنگ دستی اور خوشحالی کی بنا پر مختلف ہوگا، یہ تو مسلم ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیوی کی حالت کا اعتبار نہ کیا جائے اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ يَرْزُقُهَا وَ كَسُوْنَهَا بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ: 233) یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ معروف ان دونوں سے متعلق ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں۔

یہ معروف میں سے نہیں کہ غنی عورت کی ضرورت، فقیر عورت کے نفقہ جیسی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہند سے فرمایا تھا: ”تو اتنا لے جو تیرے اور تیری اولاد کے لیے معروف انداز میں کافی ہو“ (1)۔ نفقہ کو کفایہ پر پھیر دیا جبکہ آپ حضرت ابوسفیان کی خوشحالی کو جانتے تھے جو ہند کے مطالبہ کی وجہ سے ان پر نفقہ لازم ہوتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا: تیری ضرورت کا کوئی اعتبار نہیں، تیرے لیے صرف معین شی ثابت ہے بلکہ نفقہ کو پھیر دیا جس مقدار کو آپ اس کی ضرورت میں سے جانتے تھے اسے معین مقدار کے ساتھ معلق نہیں کیا۔ پھر انہوں نے جس تحدید کا ذکر کیا ہے وہ بھی توقیف کی محتاج ہے۔ آیت توقیف کا تقاضا نہیں کرتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نفقہ کی تعیین کرنا

**مسئلہ نمبر 2**۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کے لیے سو درہم معین کیے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچاس درہم معین کیے (2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ یہ اختلاف سالوں کے مختلف ہونے یا خوراک اور لباس کے بھاء کے مختلف ہونے کی بنا پر ہو۔ محمد بن بلالی مزی نے کہا: میرے والد اور میری دادی نے بیان کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میری دادی کو نہ پایا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے پوچھا: کیا وجہ ہے میں فلا نہ کو نہیں دیکھتا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ان کے ہاں آج رات بچہ پیدا ہوا ہے۔ آپ نے اس کی طرف پچاس درہم بھیجے اور سنبلا نیہ کپڑے بھیجے۔ پھر فرمایا: یہ تیرے بیٹے کا عطیہ ہے اور یہ اس کا لباس ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو ہم اسے ایک سو تک بڑھادیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک لقیط پیش کیا گیا ہے تو آپ نے اس کے لیے ایک سو درہم وظیفہ معین فرما دیا۔ ابن عربی نے کہا: علماء نے جس میں اختلاف کیا وہ یہ ہے کہ یہ وظیفہ دودھ چھڑانے سے پہلے کا ہے (3)۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اسے مستحب جانا ہے کیونکہ یہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسے واجب قرار دیا ہے کیونکہ حاجت نئی پیدا ہوتی رہتی ہے اور ضروریات پیش آتی رہتی ہیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں: جب وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اس کی ضرورت مختلف ہوتی ہے۔ سفیان بن وہب نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مد ایک ہاتھ میں، ایک قسط ایک ہاتھ میں لیا۔ فرمایا: میں نے ہر مسلمان نفس کے لیے ہر ماہ میں دو مد گندم، دو قسط سر کے اور دو قسط تیل کے مقرر کیے ہیں۔ ایک رداۃ نے اضافہ کیا ہے۔ کہا: ہم نے تمہارے لیے ہر ماہ میں تمہارے عطیات اور رزق جاری کر دیئے ہیں جس نے ان میں کمی کی، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ معاملہ فرمائے گا۔ ایسے آدمی کے حق میں بددعا فرمائی۔

حضرت ابو درداء نے کہا: کتنی ہی اچھی ہدایت والی سنتیں ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں جاری فرمائی ہیں۔ مد اور قسط کھانے اور سالن میں دوشامی کیل ہیں۔ اس میں ہمارے نزدیک اندازہ یہ ہے کہ طعام میں چوتھائی اور ادا مد آٹھویں حصے۔ جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو یہ عادت کے مطابق ہے۔ قمیص، پاجامہ، موسم سرما میں جب،



بڑی چادر، تہبند اور چٹائی۔ یہ اصل ہے احوال اور عادت کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

نفقہ کا والد پر وجوب

**مسئلہ نمبر 3**۔ یہ آیت نفقہ کے وجوب میں اصل ہے کہ بچے کے لیے یہ والد کے ذمہ ہے، والدہ کے ذمہ نہیں (1)۔ محمد بن مواز نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: یہ میراث کے مطابق والدین پر ہے۔ ابن عربی نے کہا: شاید محمد مواز نے ارادہ کیا ہے جب باپ نہ ہو تو یہ ماں پر ہوگا۔ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”تیری بیوی تجھے کہتی ہے: مجھ پر خرچہ کرو ورنہ مجھے طلاق دے دے، غلام تجھے کہتا ہے: مجھ پر خرچ کر اور مجھ سے کام لے اور تیری اولاد تجھے کہتی ہے: تو مجھ پر اس وقت تک خرچ کرتا رہ یہاں تک تو مجھے سپرد کر دے“۔ قرآن و سنت ایک دوسرے کو قوت عطا کرتی ہیں اور ایک ہی طریقہ پر وارد ہیں (2)۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق مکلف بنانا

**مسئلہ نمبر 4**۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا أَتَتْهَا یعنی فقیر کو اس کی مثل مکلف نہیں بناتا جس کی مثل غنی کو مکلف بناتا ہے۔ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ یعنی تنگی کے بعد غنا اور سختی کے بعد وسعت پیدا فرماتا ہے۔

وَكَأَيُّنَ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَبْنَاهَا عَذَابًا جَلِيمًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا ۝ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝

”کتنی بستیوں تمہیں جہنم نے سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے توہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر، ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد رہیں گے، بلاشبہ اللہ نے اس (مومن)

کو بہترین رزق عطا فرمایا۔“

وَكَانَ مِنْ قَدَرٍ جَبَّاحًا كَامًا ذَكَرَ كَيْفَ تَوَامُرِ مَخَالِفَتِ سَخِرَ دَارِ كَيْفَ أَوْ قَوْمِ كَيْفَ سَرَّشِي أَوْرَانِ بِرِغْدَابِ كَيْفَ نَزُولِ كَا ذَكَرَ  
کیا۔ سورہ آل عمران میں کاین کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ عَثَّتْ عَنْ أَمْرِ مَا يَهَيَّاءُ لِعَيْنِ انْهَوْنَ لَمْ نَا فَرْمَانِي  
کی۔ ذکر قریہ کا کیا مراد اس کے مکین ہیں۔ فَحَاسَبْنَهَا حَسَابًا شَدِيدًا لِعَيْنِ دُنْيَا مِیْں ہِم نے انہیں عذاب دے کر بدلہ دیا۔ وَ  
عَذَابُنَّ عَذَابًا ثَلَاثًا ۝ یعنی آخرت میں بھاری سزا دی۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے (1)؛ دُنْيَا مِیْں ہِم نے انہیں بھوک، قحط،  
تلوار، زمین میں دھنسانا، صورتیں مسخ کرنا اور باقی ماندہ مصائب میں مبتلا کیا اور آخرت میں شدید ترین حساب لیا۔ نکر سے  
مراد منکر ہے۔ اسے مخفف اور مشتمل دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ سورہ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا لِعَيْنِ اِیْے نَکْرَہَ اَنْجَامِ چَکھا۔ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ یعنی دُنْيَا مِیْں ہلاکت ہوگی اس کے  
ساتھ جو ہِم نے ذکر کیا اور آخرت میں جہنم کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہاں ماضی کا لفظ ذکر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان  
ہے: وَنَادَى أَصْحَبُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ (الاعراف: 44) اس کی مثل دوسری آیات میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور  
وعید میں سے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اس سے ضرور ملاقات ہوگی جو ہو کر رہنے والا ہے اسے قد کے ساتھ تعبیر کرنا درست  
ہے۔ اَعَذَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اس خسر کو بیان کیا اور وہ آخرت میں عذاب جہنم ہے۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ اے  
دانشمندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ الَّذِينَ آمَنُوا اے اُولیِ الْأَلْبَابِ سے بدل ہے یا اس کی نعت ہے۔ مراد ہے اے دانشمندو! جو اللہ  
تعالیٰ پر ایمان لائے ہو اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تم پر قرآن حکیم نازل کیا ہے یعنی اس سے ڈرو، اس کی طاعت کرو اور  
اس کی نافرمانیوں سے بچو۔ یہ بحث پہلے سے گزر چکی ہے۔

رَسُولًا زَجَّاجًا نَے کہا: ذکر کا نازل کرنا ارسل کے اختصار پر دلیل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اَنْزَلَ إِلَيْكُمْ قُرْآنًا وَارْسَل  
رَسُولًا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو ذکر والا ہے۔ رَسُوْلًا یہ ذکر کی  
صفت ہے یہاں مضامین مخدوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَسُوْلًا یہ ذکر کا معمول ہے کیونکہ ذکر مصدر ہے تقدیر کلام یہ  
ہوگی قد اَنْزَلَ إِلَيْكُمْ اَنْ ذَكَرَ رَسُوْلًا، ذکر سے بدل ہو اس صورت میں رَسُوْلًا رسالت کے معنی میں ہوگا یا یہ اپنے باب پر ہے  
تو یہ معنی پر محمول ہوگا۔ گویا فرمایا: قد اظهر الله لكم ذكرا رسولا یہ بدل الشئ من الشئ سے ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ  
رسولا، اغراء کے طریقہ پر منصوب ہو۔ گویا فرمایا: اتبعوا رسولا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ذکر سے مراد شرف ہے (2)  
جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّ  
لَنَا لَكُلَّ شَيْءٍ لَقَوْلًا ۝ (الزخرف: 44) پھر اس شرف کو بیان فرمایا، فرمایا: رَسُوْلًا اکثر کی رائے یہ ہے کہ یہاں رسول سے  
مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ کبھی نے کہا: اس سے مراد جبریل امین ہے (3)۔ دونوں نازل کیے گئے ہیں۔ يَتْلُوْا  
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ يَهَيَّاءُ لِعَيْنِ دُنْيَا مِیْں ہِم نے انہیں عذاب دے کر بدلہ دیا۔ وَ عَذَابُنَّ عَذَابًا ثَلَاثًا ۝



اسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جن احکام کے تم محتاج ہوتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے انہیں بیان کرتا ہے۔ پہلی صورت حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ (آل عمران: 118) لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے موجود تھا **مِنَ الظُّلُمَاتِ** یعنی کفر سے **إِلَى النُّورِ** یا نور سے مراد ہدایت اور ایمان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے معنوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اخراج فعل کی نسبت رسول کی طرف کی کیونکہ ایمان رسول کی طاعت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

**وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** اور ابن عامر نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ **قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ يَرْزُقًا ۝** اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے لیے وسیع رزق بنا دیا ہے۔

**اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْْرُ بَيْنَهُنَّ لِيَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝**

”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند، نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔“

**اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ** اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت ہے وہ دوبارہ اٹھانے اور محاسبہ کرنے پر قادر ہے۔ آسمانوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں وہ سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ اس پر معراج کا واقعہ اور دوسری چیزیں دال ہیں۔ پھر فرمایا: **وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ** یعنی سات زمین (1)۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے (2) کہ زمینیں سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ ہر دو زمینوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی مسافت دو آسمانوں کے درمیان ہے اور ہر زمین میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ضحاک نے کہا: **وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ** یعنی سات زمینیں۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں ان میں کوئی مسافت نہیں لیکن آسمانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ترمذی اور نسائی میں ایسی روایات ہیں جو اس قول پر دلالت کرتی ہیں۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ابو نعیم، محمد بن علی بن حبیش سے وہ اسماعیل بن اسحاق سراج التحویل (دوسری سند) ابو محمد بن حیان سے وہ عبد اللہ بن محمد بن ناجیہ وہ سدید بن سعید سے وہ حفص بن میسرہ سے وہ موئی بن عقبہ سے وہ عطاء بن ابی مروان سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ کعب نے ان کے سامنے قسم اٹھائی، اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موئی علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا کہ حضرت صہیب نے اسے حدیث بیان کی کہ حضرت محمد

وَرَبُّ الْأَرْضِينَ السَّبْعُ وَمَا أَضْلَلْنَاهُ رَبَّ الرِّيحِ وَمَا أَدْرَاكَ إِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا۔ اے اللہ! اے آسمانوں اور جن کو یہ سایہ کیے ہوتے ہیں ان کے رب! اور سات زمینوں اور جن کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے رب! اور اے شیاطین اور جن کو یہ گمراہ کیے ہوئے ہیں ان کے رب! اے ہواؤں اور جن کو یہ بکھیرتی ہیں ان کے رب! ہم تجھ سے اس بستی کی خیر اور ان کے اہل کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شر، ان کے اہل کے شر اور اس میں موجود چیزوں کے شر کی پناہ چاہتے ہیں۔

ابو نعیم نے کہا: یہ حدیث ثابت ہے جو موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے اور عطا سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ ابن ابی زناد اور دوسرے علماء نے ان سے یہ روایت کی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعید بن زید سے مروی ہے (1) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظَلَمْنَا فَبِأَنَّهُ يُصَوِّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ جس نے باشت بھر زمین ظلمالی قیامت کے روز سات زمینوں سے اس کے برابر اس کے گلے میں طوق کے طور پر ڈالا جائے گا۔ ماوردی نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر کہ یہ سات زمینیں ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں (2)، اہل اسلام کی دعوت اوپر والی زمین کے مکینوں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری زمینوں پر جو ہیں ان کو دعوت دینا ان پر لازم نہیں اگرچہ ان زمینوں میں ایسی مخلوق بھی ہو جو عقل رکھتی ہو اور ممتاز مخلوق سے اس کا تعلق ہو۔ ان کا آسمان کا مشاہدہ کرنا اور ان سے روشنی حاصل کرنا، اس میں دو قول ہیں۔ (1) وہ اپنی زمین کی بر جانب سے آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانوں سے روشنی حاصل کرتے ہیں؛ یہ اس کا قول ہے جس نے زمین کو مسبوط قرار دیا ہے۔ (2) دوسرا قول ہے: وہ آسمان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے روشنی کو پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں؛ یہ ان کا قول ہے جو زمین کو گول قرار دیتے ہیں۔ آیت میں تیسرا قول بھی ہے: بَلْجَبَىٰ لَنْ يُصَالِحَ مِنْهُ اے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ سات زمینیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں، وہ ایک دوسرے کے اوپر نہیں، ان کے درمیان سمندر حائل ہیں۔ آسمان ان سب پر سایہ فلک ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر ایک زمین کے اوگ دوسری زمین تک نہ پہنچ سکیں تو اسلام کی دعوت اسی زمین کے لوگوں کے لیے خاص ہوگی۔ اگر اس زمین کے اوگ دوسری زمین کے لوگوں تک پہنچ سکیں تو یہ احتمال ہے کہ جہاں تک پہنچنا ممکن ہے ان تک اسلام کی دعوت پہنچانا لازم ہے کیونکہ سمندروں کا حائل ہونا جب انہیں پائنا ممکن ہے تو دعوت کے لزوم سے کوئی چیز مانع نہیں جس کا حکم عام ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انہیں اسلام کی دعوت لازم نہ ہو کیونکہ اگر یہ دعوت لازم ہوتی تو اس کے بارے میں کوئی نص بھی وارد ہوتی اور نبی کریم ﷺ کو اس کے بارے میں حکم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے ظلم کو اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے وہ اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور مخلوق پر جو مشتبہ ہو چکا ہے اس میں جو درست ہے اسے بھی وہی بہتر جانتا ہے۔ پھر فرمایا: يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ مجاہد نے کہا: امر



سات آسمانوں سے سات زمینوں کی طرف نازل ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: دو آسمانوں کے درمیان زمین اور امر ہے (1)۔ یہاں امر سے مراد وحی ہے؛ یہ مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ تو بَيِّنُهُنَّ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سب سے بالا زمین جو ادنیٰ ہے اور ساتویں آسمان جو سب سے بلند ہے، کے درمیان امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَتَنَزَّلُ إِلَّا مَرْبِيْنَهُنَّ بعض کی زندگی اور بعض کی موت، ایک قوم کی غنا اور ایک قوم کے فقر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ ان میں عجیب و غریب تدبیر فرماتا ہے، بارش نازل فرماتا ہے، نباتات کو نکالتا ہے، رات اور دن کو لاتا ہے، موسم گرما اور سرما کو لاتا ہے اور حیوانات کو مختلف انواع و ہئیتوں میں پیدا کرتا ہے، انہیں ایک حال سے دوسرے حال میں پھیرتا ہے۔ ابن کيسان نے کہا: یہ لغت کا میدان اور اس کی وسعت ہے جس طرح موت کو کہا جاتا ہے: امر الله، اسی طرح ہوا، بادل وغیرہ کو بھی لفظ امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جو اس ملک عظیم کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ چیزیں جو ان کے درمیان ہیں، ان پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے (2)۔ عفو و انتقام پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ علماً مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ احاط علم کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ اِحَاطَةً عِلْمًا۔

# سورة التحريم

﴿سورة التحريم﴾ ﴿١٢﴾ ﴿١٠﴾ ﴿٩﴾ ﴿٨﴾ ﴿٧﴾ ﴿٦﴾ ﴿٥﴾ ﴿٤﴾ ﴿٣﴾ ﴿٢﴾ ﴿١﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی بارہ آیات ہیں۔ اسے سورۃ النبی بھی کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبَتَّغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ

عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ۝

”اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے، (کیا

یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

آیت کریمہ کے نزول کا سبب

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں رکستے وہاں آپ ﷺ شہد نوش فرماتے (1)۔ حضرت عائشہ بنتی نبی نے کہا: میں اور حضرت حفصہ نے آپس میں اتفاق کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو وہ کہے: میں آپ سے مغفیر کی بوپاتی ہوں۔ آپ ﷺ نے مغفیر کھائے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے تو اس زوجہ نے آپ ﷺ سے یہ بات کی۔ فرمایا: ”میں نے تو حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے، میں دوبارہ ایسے نہ کروں گا“ تو یہ آیات اِنْ تَتُوبَا إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِكُمَا فَتُحَرِّمَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمَا تَفْعَلَا ۚ اِنَّ تَوْبَتَهُمَا كُفْرًا بِّمَا نُحَرِّمُ عَنْكُمَا فَاُولَٰئِكَ لَفِي عَذَابٍ عَظِيمٍ۔ اِنْ تَتُوبَا إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِكُمَا فَتُحَرِّمَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمَا تَفْعَلَا ۚ اِنَّ تَوْبَتَهُمَا كُفْرًا بِّمَا نُحَرِّمُ عَنْكُمَا فَاُولَٰئِكَ لَفِي عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حلوہ اور شہد پسند فرمایا کرتے تھے (2)۔ جب آپ ﷺ عصر کی نماز ادا فرما لیتے تو اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ان کے قریب ہوتے۔ آپ حضرت حفصہ بنتی نبی کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ اس سے زیادہ رک گئے جتنا آپ رکا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا: ان کی قوم کی ایک عورت نے شہد کی ایک کچی پیش کی ہے۔ حضرت حفصہ بنتی نبی نے رسول اللہ ﷺ کو شہد پلایا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور حیلہ کریں گی۔ میں نے اس کا ذکر حضرت سودہ سے کیا اور میں نے



کہا: جب حضور ﷺ تیرے پاس تشریف لائیں۔ آپ ﷺ ضرور تیرے قریب تشریف لائیں گے تو آپ ﷺ سے عرض کرنا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مغایر کھائے ہیں؟ آپ ﷺ فرمائیں گے: نہیں۔ تو عرض کرنا: یہ بوسی کیسی ہے؟ رسول اللہ ﷺ بوسے سخت نفرت کرتے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔ تو عرض کرنا: شہد کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ میں بھی یہی بات عرض کروں گی، اے صفیہ! تو بھی یہ بات کرنا۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سودہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جو بات تو نے مجھے کہی تھی میں اسے اس وقت ہی کرنے والی تھی جبکہ آپ ﷺ دروازے پر تھے۔ یہ صرف تیری ملامت کے ڈر کی وجہ سے تھا (مگر میں نے نہ کی) جب رسول اللہ ﷺ قریب تشریف لائے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مغایر کھائے ہیں؟ فرمایا: ”نہیں“۔ عرض کی: یہ بوسی کیسی ہے؟ فرمایا: ”حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے“۔ عرض کی: اس کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ جب آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے بھی اسی کی مثل عرض کی۔ پھر آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی کی مثل بات کی۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ کو شہد نہ پلاؤں؟ فرمایا: ”مجھے حاجت نہیں“۔ کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتیں: سبحان اللہ! ہم نے آپ ﷺ کو اس سے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے حضرت سودہ کو کہا: چپ رہ۔ اس روایت میں ہے جس کے ہاں شہد پیا گیا وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ پہلی روایت میں ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں؛ اسے اسباط نے سدی سے روایت نقل کی ہے۔ یہ عطاء بن ابی مسلم نے روایت کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب جہالت ہے اور علم کے بغیر تصورات ہیں (2)۔ باقی عورتوں نے اس زوجہ سے حسد اور غیرت کی بنا پر کہا: ہم آپ ﷺ سے مغایر کی بوسی پاتے ہیں۔ مغایر سبزی ہے یا گوند ہے جس کی خوشبو بدل چکی ہو، اس میں مٹھاس ہوتی ہے۔ اس کی واحد مغفور ہے جوست یعنی اس نے کھایا۔ عرفط یہ ایک ایسی بوٹی ہے جس کی بو شراب کی بو جیسی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ سے عمدہ خوشبو پائی جائے یا آپ ﷺ اسے پائیں اور فرشتہ سے کلام کرنے کی وجہ سے بو کو ناپسند کرتے تھے؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک دوسرا قول بھی ہے: مراد وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ پر پیش کیا (3)۔ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا؛ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے۔

تیسرا قول ہے: حضور ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا جو مقوقس، شاہ سکندر یہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی تھی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ انصا ضلع کے ایک ایسے شہر سے تھی جسے حفن کہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (1) کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ام ولد حضرت ماریہ بنت شیبہ کو حضرت حفصہ بنت شیبہ کے گھر میں داخل کیا۔ حضرت حفصہ بنت شیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے پاس پایا جبکہ حضرت حفصہ بنت شیبہ اپنے والد کے گھر جانے کی وجہ سے اپنے گھر میں موجود نہ تھیں۔ حضرت حفصہ بنت شیبہ نے عرض کی: آپ ﷺ ام ولد کو میرے گھر میں داخل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے صرف میرے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا ہے کیونکہ میں آپ پر کم مرتبہ محسوس ہوتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ بنت شیبہ سے فرمایا: ”یہ واقعہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے ذکر نہ کرنا اگر میں اس حضرت ماریہ کے قریب جاؤں تو وہ مجھ پر حرام ہے۔“ حضرت حفصہ بنت شیبہ نے کہا: آپ ﷺ اسے اپنے اوپر کیسے حرام کرتے ہیں جبکہ وہ تو آپ ﷺ کی لونڈی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ بنت شیبہ کے سامنے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت ماریہ کے قریب نہ جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: ”اس کا ذکر کسی سے بھی نہ کرنا۔“ حضرت حفصہ بنت شیبہ نے اس کا ذکر حضرت عائشہ بنت شیبہ سے کر دیا۔ حضور ﷺ نے قسم اٹھادی کہ آپ ﷺ ایک ماہ تک اپنی ازواج کے ہاں تشریف نہیں لے جائیں گے۔ آپ ازواج مطہرات سے اسی دن تک الگ تھلگ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

### آیت کریم کے نزول کے اسباب میں سے قوی اور صحیح سبب

**مسئلہ نمبر 2۔** ان اقوال میں سے زیادہ صحیح پہلا قول ہے۔ سب سے کمزور درمیان ہے۔ ابن عربی نے کہا: سند میں ضعف اس لیے ہے کیونکہ اس کے راوی عادل نہیں (2)۔ معنی میں ضعف اس لیے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا موہو بہ چیز کا رد کرنا یہ اسے حرام قرار دینا نہیں کیونکہ جو چیز کسی کو بہہ کی جائے اس کو رد کرنے سے وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ بے شک حقیقی حرمت تو حلت کے بعد ہوتی ہے۔ جہاں تک جو یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ماریہ قبٹیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو یہ روایت سند کے اعتبار سے سب سے اچھی ہے اور معنی کے اعتبار سے واقعہ کے زیادہ قریب ہے لیکن صحیح میں مذکور نہیں۔ اسے مرسل روایت کیا گیا ہے۔

ابن وہب نے روایت کی ہے (3)، وہ امام مالک سے وہ حضرت زید بن اسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حضرت ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار دیا۔ فرمایا: ”تو مجھ پر حرام ہے۔ اللہ کی قسم! میں تیرے پاس نہیں آؤں گا۔“ تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس کی مثل ابن قاسم نے روایت نقل کی ہے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انصار سے تعلق رکھنے والی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ سے تکرار کیا تو حضرت عمر اس سے کانپ گئے (4)۔ فرمایا: بیویاں تو اس طرح نہیں ہوتی تھیں۔ بیوی نے کہا: کیوں نہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کی ازواج آپ ﷺ سے تکرار کرتی ہیں آپ نے اپنا کپڑا لیا اور حضرت حفصہ کی طرف نکلے پوچھا: کیا تو رسول اللہ ﷺ سے تکرار کرتی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ اگر میں جانتی کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو میں ایسا نہ کرتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ فرمایا: حفصہ کی ناک خاک آلود ہو۔ صحیح



یہ ہے کہ یہ واقعہ شہد کے بارے میں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی تو واقعہ ہوا جو ہوا رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھادی کہ اسے نہ بیس گے اور اسے مخفی رکھا۔ یہ آیت ان تمام کے بارے میں نازل ہوئی۔

مرد مطلقاً حرمت کا قول کرے تو اس کا اطلاق کس پر ہوگا؟

**مسئلہ نمبر 3۔** لِمَ تُحَرِّمُ اگر نبی کریم ﷺ نے حرام کیا اور قسم نہ اٹھائی تو ہمارے نزدیک یہ قسم نہیں (1) مرد کا یہ قول: هذا علی حرام بیوی کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب اس نے اسے مطلق ذکر کیا تو اس کا اطلاق کھانے اور پینے والی چیزوں پر ہوگا، لباس پر نہیں ہوگا۔ یہ قسم ہوئی اور کفارہ کو واجب کرے گی۔ امام زفر نے کہا: یہ تمام چیزوں میں قسم ہوگی یہاں تک کہ حرکت وغیرہ میں بھی قسم ہوگی (2)۔

مخالف نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہد کو حرام کیا تو آپ ﷺ پر کفارہ لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحْلَةَ أَيْمَانِكُمْ (التحریم: 2) اللہ تعالیٰ نے اسے قسم قرار دیا ہے، ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (المائدہ: 87) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ أَسْمِعْتُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ فَمِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ أَلَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥﴾ (یونس) اللہ تعالیٰ نے حلال چیز کو حرام قرار دینے پر مذمت کی ہے اس پر کفارہ کو واجب قرار نہیں دیا۔ زجاج نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو اور نبی کریم ﷺ کی یہ شان نہیں کہ کسی چیز کو حرام قرار دیں مگر اسے ہی حرام قرار دے سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے جس نے اپنی بیوی یا لونڈی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق و ظہار کی نیت نہ کی۔ یہ لفظ کفارہ یمین کو واجب کرے گا۔ اگر اس نے اس لفظ کے ساتھ بیویوں اور لونڈیوں کی ایک جماعت کو خطاب کیا تو اس پر ایک کفارہ ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذات پر کھانا یا کوئی اور چیز حرام کی تو امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔

مرد کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا

**مسئلہ نمبر 4۔** علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو کہتا ہے: تو مجھ پر حرام ہے۔ اس بارے میں اٹھارہ اقوال ہیں۔

اس پر کچھ بھی لازم نہیں

(1) اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا (3)؛ امام شعبی، مسروق، ربیعہ، ابو مسلم اور اصبح نے یہی کہا ہے۔ یہ ان کے نزدیک پانی اور کھانے کو حرام کرنے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ

(المائدہ: 87) بیوی پاکیزہ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُفِرَ بِهِ مِنْكُمْ أَبَدًا وَلَا تَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مِمَّا كُنْتُمْ تَتْلُونَ (النحل: 116) جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار نہ دے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ اسے حرام قرار دے، نہ اس بندے کے حرام قرار دینے سے وہ حرام ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو ما احلہ اللہ ہو عن حرام اللہ تعالیٰ نے جو چیز مجھ پر حلال کی ہے وہ مجھ پر حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ حضرت ماریہ سے رک گئے اس قسم کی وجہ سے جو آپ سے واقع ہوئی۔ وہ یہ تھی واللہ لا اقربہا بعد البوم آج کے بعد میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا۔ آپ سے فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ نے جو چیز آپ کے لیے حلال کی ہے اس سے قسم کی وجہ سے کیوں رکتے ہیں۔ یعنی اس کے پاس جائے اور کفارہ ادا کیجئے۔

(۲) یہ قسم ہے وہ کفارہ ادا کرے؛ یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امام اوزاعی کا نقطہ نظر ہے۔ آیت کا مقتضا بھی یہی ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: جب کوئی آدمی اپنی بیوی اپنے اوپر حرام کرے تو یہ قسم ہوگی وہ کفارہ ادا کرے (۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21) نبی کریم ﷺ نے اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ آپ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور حرام کو قسم بنا دیا۔ دارقطنی نے اس کی تخریج کی ہے۔ اس میں کفارہ واجب ہوگا، یہ قسم نہیں

(۳) اس میں کفارہ واجب ہوگا (۲)؛ یہ قسم نہ ہوگی؛ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ دو روایتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے۔ اس قول میں نظر و فکر کی گنجائش ہے۔ آیت اس کا رد کرتی ہے۔

یہ ظہار ہے اس میں کفارہ نہیں

(۴) یہ ظہار ہے اس میں کفارہ ظہار ہے (۳)؛ یہ حضرت عثمان غنی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا نقطہ نظر ہے۔

مرد کی نیت کو دیکھا جائے گا

(۵) اگر اس نے یہ قول کر کے ظہار کی نیت کی (۴)، وہ یہ نیت کرتا ہے وہ حرام ہے جس طرح اس کی ماں کی پیٹھ حرام ہے تو یہ ظہار ہوگا۔ اگر طلاق کے بغیر اس کی ذات کو اپنے اوپر حرام مطلق کیا تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اگر کسی چیز کی نیت نہ کی تو اس پر کفارہ یمین ہوگا؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔



یہ طلاق رجعی ہے

(۶) یہ طلاق رجعی ہے (۱)؛ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، زہری، عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور ابن ماجہ شون کا قول ہے۔

یہ طلاق بائنہ ہے

(۷) یہ طلاق بائنہ ہے (۲)؛ یہ حماد بن ابی سلیمان اور حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ اسے ابن خویز مند اد نے امام

مالک سے نقل کیا ہے۔

یہ طلاق مغلطہ ہے

(۸) یہ قین طلاقیں ہیں (۳)؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے بارے میں حکم مختلف ہے

(۹) جس بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوتے ہوں اس کو قین طلاقیں ہو جائیں گی (۴) اور جس کے ساتھ حقوق

زوجیت ادا نہیں کیے۔ اس میں نیت کرے گا؛ یہ حضرت حسن بصری، علی بن زید اور حکم کا قول ہے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔

ہر حال میں یہ طلاق مغلطہ ہے

(۱۰) یہ تین طلاقیں ہوں گی کسی حال میں بھی نیت نہ کرے اور کسی محل میں نیت نہ کرے (۵)۔ اگرچہ اس نے حقوق

زوجیت ادا نہ کیے ہوں؛ یہ عبدالمالک کا قول ہے جو مبسوط میں ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے یہی کہا ہے۔

مدخول بہا کو تین جب کہ غیر مدخول بہا کو ایک طلاق ہوگی

(۱۱) جس سے دخول نہیں کیا اس میں ایک طلاق ہے (۶) اور جس کے ساتھ دخول کیا ہوا ہے اس کو تین طلاقیں ہیں؛ یہ ابو

مصعب اور محمد بن عبدالحکم کا قول ہے۔

احناف کا نقطہ نظر

(۱۲) اگر اس نے طلاق کی نیت کی یا ظہار کی نیت کی تو وہ واقع ہوگا جو اس نے نیت کی (۷)۔ اگر طلاق کی نیت کی تو ایک

بائنہ ہوگی مگر اس صورت میں تین واقع ہو جائیں گی جب وہ تین کی نیت کرے۔ اگر دو کی نیت کرے تو ایک واقع ہوگی۔ اگر

کوئی نیت نہ کی تو وہ قسم ہوگی۔ مرد اپنی بیوی سے ایلاء کرنے والا ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اس

کی مثل امام زفر کا قول ہے مگر فرمایا: جب وہ دو کی نیت کرے تو ہم اسے لازم کر دیں گے۔

ابن قاسم کا نقطہ نظر

(۱۳) ظہار کی نیت اسے کوئی نفع نہ دے گی (۸)۔ یہ طلاق ہوگی؛ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔

## یحییٰ بن عمر کا نقطہ نظر

(۱۲) یحییٰ بن عمر نے کہا: یہ طلاق ہوگی (۱)۔ اگر اس نے بیوی کی صرف رجوع کیا تو اس کے لیے وطی کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ کفارہ ظہار ادا کرے۔

## امام شافعی کا نقطہ نظر

(۱۵) اگر طلاق کی نیت کرے تو جو جتنی تعداد کا ارادہ کیا (۲)، اگر ایک کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی ہوگی؛ یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کی مثل حضرت ابو بکر بنہ، حضرت عمر بنہ اور دوسرے صحابہ و تابعین کا قول ہے۔

## سفیان ثوری کا نقطہ نظر

(۱۶) اگر یہ لفظ بول رہا ہو تو نیت کی تو نیت ہو جائے گی، اگر قسم کی نیت کی تو یہ قسم ہوگی، اگر کسی چیز کی نیت نہ کی تو کوئی چیز لازم نہ ہوگی؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ اسی کی مثل امام اوزاعی اور ابو ثور کا قول ہے مگر دونوں نے کہا: اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو ایک طلاق ہوگی۔

## ابن شہاب اور ابن عربی کا نقطہ نظر

(۱۷) اس کی نیت کا اعتبار ہوگا (۳)۔ ایک سے کم نہیں ہو سکتی؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے۔ اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو کوئی چیز لازم نہ ہوگی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ میں نے سعید بن جبیر کا بھی یہی قول دیکھا ہے۔

## اس پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے

(۱۸) اس پر ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ وہ اسے ظہار نہ بنائے۔ میں اس کی کوئی توجیہ نہیں جانتا۔ میرے پاس جو مقالات ہیں ان میں یہ متعدد نہ ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: دارقطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی (۴) کہ حسین بن اسماعیل، محمد بن منصور سے وہ روح سے وہ سفیان ثوری سے وہ سالم افسس سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا۔ عرض کی: میں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ فرمایا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ تجھ پر حرام نہیں۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ تجھ پر سب سے بھاری کفارہ ہے، وہ غلام آزاد کرنا ہے۔ مفسرین میں سے ایک جماعت نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کر کے ادا کیا اور حضرت ماریہ کی طرف لوٹے؛ یہ زید بن اسلم اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔

## اس مسئلہ میں پائے جانے والے اختلاف کی وجہ

**مسئلہ نمبر 5**۔ ہمارے علماء نے کہا: اس باب میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول اللہ



میں کوئی نفس یا ظاہر، صحیح ہے جس پر اس مسئلہ میں اعتماد کیا جاسکے۔ اس وجہ سے علماء نے اس بارے میں اپنی اپنی رائے قائم کی۔ جس نے برأتِ اصلیہ سے تمسک کیا، اس نے کہا: کوئی حکم نہیں، اس سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ جس نے کہا: یہ قسم ہے! اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے قسم کا نام دیا ہے۔ جس نے کہا: اس میں کفارہ واجب ہوگا اور یہ قسم نہیں اس کی بنیاد دو امروں میں سے ایک امر ہے۔ (۱) اس نے گمان کیا: اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ واجب کیا ہے، اگرچہ یہ قسم نہیں۔ (۲) ان کے نزدیک یمین کا معنی حرام کرنا ہے تو کفارہ معنی کے اعتبار سے واقع ہوا۔ جس نے کہا: یہ طلاق رجعی ہے اس نے لفظ کو اقل وجوہ پر محمول کیا ہے۔ طلاق رجعی بھی وطی کو حرام کرتی ہے تو لفظ کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ یہ امام مالک کو لازم ہوگا کیونکہ آپ فرماتے ہیں: طلاق رجعی وطی کو حرام کر دیتی ہے۔ اسی طرح جس نے کہا: یہ تین طلاقیں ہیں اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے اسے سب سے غلیظ صورت پر محمول کیا۔ وہ تین طلاقیں ہیں۔ جس نے کہا: یہ ظہار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریم کے درجات میں سے سب سے کم درجہ کی تحریم ہے کیونکہ یہ ایسی تحریم ہے جو نکاح کو ختم نہیں کرتی۔ جس نے کہا: یہ طلاق بائنہ ہے، اس نے اس پر اعتماد کیا کہ طلاق رجعی مطلقہ کو حرام نہیں کرتی اور طلاق بائنہ اسے حرام کرتی ہے۔ جہاں تک یحییٰ بن عمر کے قول کا تعلق ہے انہوں نے اس میں احتیاط کی ہے کہ اسے طلاق بنا لیں جب وہ اس سے رجوع کرے تو اس میں احتیاط کی کہ کفارہ لازم کریں۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ ایک لفظ کے معنی میں ظہار اور طلاق جمع نہیں ہو سکتے تو جس کا اجتماع دلیل میں صحیح نہیں اس میں احتیاط کی کوئی وجہ نہیں۔

جس نے کہا: جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ایک طلاق اسے جدا کر دیتی ہے اور شرعاً اسے حرام کر دیتی ہے؛ یہی اجماع ہے۔ اسی طرح کہا: جس نے نیت کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی حکم نہ لگایا۔ دخول سے پہلے ایک طلاق بھی حرمت ثابت کرتی ہے یہی اجماع ہے کہ اقل، جس پر سب کا اتفاق ہے اس کو اپنا لینا کافی ہے۔ جس نے کہا: دونوں میں یہ تین طلاقیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حکمِ اعظم کو لیا ہے کیونکہ اگر وہ تین کی تصریح کر دیتا تو جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں بھی یہ تینوں نافذ ہو جاتیں جس طرح اس میں نافذ ہو جاتی ہیں جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہیں۔ ضروری ہے کہ معنی اسی کی مثل ہو، وہ تحریم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ سب بیوی کے بارے میں ہے۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے تو ان میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی مگر امام مالک کے نزدیک جب وہ آزادی کی نیت کرے۔ عام علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس پر کفارہ یمین ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ ایک طلاق ہے کیونکہ اگر وہ طلاق کا ذکر کرتا تو یہ کم سے کم ہی واقع ہوتی وہ ایک ہی ہے مگر اس صورت میں کہ اسے متعدد ذکر کرے (۱)۔ اسی طرح جب تحریم کا ذکر کیا تو کم سے کم واقع ہوگی مگر جب وہ اکثر کا ذکر کرے، جس طرح وہ کہے: أنت عن حرام الابد زوج یہ مراد پر نفس ہے۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ

نے اپنی لونڈی کے ساتھ خلوت کی؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا۔ اس تعبیر کی بنا پر گویا فرمایا: جو آپ نے اپنی ذات پر حرام کیا ہے وہ آپ پر حرام نہیں بلکہ آپ پر اس کا کفارہ ہے اگرچہ یہ شہد اور لونڈی کی حرمت کے بارے میں بھی ہے۔ گویا فرمایا: جو آپ نے حرام کیا ہے وہ آپ پر حرام نہیں بلکہ آپ نے تحریم کو یمن کے ساتھ ملا دیا ہے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کیجئے؛ یہ قول صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پہلے حرام کیا، پھر قسم اٹھائی۔ جس طرح دارقطنی نے ذکر کیا (1)۔ امام بخاری نے اس کا معنی شہد کے قصہ میں بیان کیا (2) جو عبید بن عمیر سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش فرماتے اور ان کے ہاں ٹھہرتے۔ میں نے اور حضرت حفصہ نے آپس میں مشاورت کی کہ ہم میں سے جس کے ہاں بھی رسول اللہ تشریف لائیں تو وہ کہے: آپ نے مغفیر کھائے ہیں؟ میں آپ سے مغفیر کی بوسے محسوس کرتی ہوں۔ فرمایا: ”نہیں میں نے تو شہد پیا ہے میں دوبارہ ایسا نہ کروں گا۔ میں نے قسم اٹھا دی ہے اس بارے میں کسی کو بھی نہ بتانا۔“ مقصد اپنی ازواج کی خوشنودی تھی۔ ولن اعود لہ یہ تحریم کی صورت میں تھا اور حلفت مراد بابتہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر عتاب کا حکم نازل کیا اور اپنے ارشاد: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ** سے کفارہ یمن لازم کیا۔

**تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ** آپ یہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ ازواج کی رضا حاصل کریں۔ **وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ** ○ جس امر نے معاتبہ کو واجب کیا اس کو بخشنے والا ہے اور مواخذہ کو ختم کر کے رحم فرمانے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ گناہ صغیرہ ہے۔ صحیح یہ ہے یہ ترک اولیٰ پر معاتبہ ہے اور آپ کا صغیرہ اور کبیرہ گناہ نہیں۔

**قَدْ قَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ** ○

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ) اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت بڑا دانا ہے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**قسم کی تحلیل کفارہ ہے**

**مسئلہ نمبر 1۔** **قَدْ قَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ** کی تحلیل کفارہ ہے یعنی جب تم نے جس امر کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس کو مباح کرنے کو پسند کرو تو کفارہ ہی اس کی تحلیل (ختم کرنے والا) بن سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے **فَكَفَّارَةٌ أَوْ طَعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ** (المائدہ: 89) اس سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے جس نے ماکول یا مشروب میں سے کسی چیز کو حرام کیا۔ ہمارے نزدیک وہ چیز اس پر حرام نہ ہوگی کیونکہ کفارہ، قسم کے لیے ہوتا ہے تحریم کے لیے نہیں ہوتا جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ہر حال میں اسے قسم خیال کرتے ہیں اور اس میں مقصود، انتفاع کا اعتبار کرتے ہیں جس کو وہ حرام قرار دیتے ہیں۔ جب اس نے کھانے کو حرام قرار دیا تو اس نے اس کے کھانے کے بارے میں قسم اٹھائی۔ جب لونڈی کو



حرام کیا تو اس نے اس کے ساتھ وطی کے بارے میں قسم اٹھائی، بیوی کو حرام کیا تو اس سے ایلاء کیا جب اس کی کوئی نیت نہ ہو۔ اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔ اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اس طرح اگر اس نے دو یا تین طلاقیں کی نیت کی۔ اگر اس نے کہا: میں نے جھوٹ کی نیت کی ہے، تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ قضاء اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ ایلاء کو باطل کیا جائے۔ اگر اس نے کہا: ہر حلال چیز اس پر حرام ہے تو مراد کھانا اور مشروب ہوگا جب وہ نیت نہ کرے بصورت دیگر جس کی وہ نیت کرے۔ امام شافعی اسے قسم شمار نہیں کرتے لیکن عورتوں میں صرف ایک کفارہ کا سبب مانتے ہیں۔ اگر طلاق کی نیت کی تو یہ ان کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی جس طرح پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ وہ اسے نہیں کھائے گا، وہ حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنے سے قسم سے فارغ ہو جائے گا۔

لونڈی یا بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی صورت میں کفارہ کا لزوم

**مسئلہ نمبر 2۔** اگر اس نے اپنی لونڈی یا اپنی بیوی کو حرام کیا تو اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا جس طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب ایک آدمی نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کر لیا تو یہ قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفارہ کی ادائیگی میں پایا جانا والا اختلاف

**مسئلہ نمبر 3۔** ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ ادا نہیں کیا (2) کیونکہ آپ کی شان ہے: قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر اس سورت میں کفارہ یمین کا حکم امت کو دیا گیا ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے پھر امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتی ہے۔ ہم پہلے حضرت زید بن اسلم سے روایت نقل کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کیا۔ مقاتل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مار یہ کو جو اپنے اوپر حرام کیا تھا، اس سلسلہ میں ایک غلام کو آزاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے لونڈی کو تم پر حلال کیا ہے اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ (الاحزاب: 38) یعنی حلال عورتوں میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشروع کیں یعنی تمہارے لیے ملک یمین (لونڈی) کو حلال کیا تو تم مار یہ کو اپنی ذات پر کیوں حرام کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر حلال کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحلة اليمين سے مراد استثناء کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے استثناء کو مقدر کیا ہے جس کو یمین سے خارج کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک قوم کے نزدیک قسم سے استثناء جائز ہے جب وہ چاہے اگرچہ ایک عدت درمیان میں حائل ہو چکی ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک متصل ہی جائز ہے۔ گویا فرمایا: جن امور کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس میں استثناء کر لو۔ قسم کو کفارہ کے ساتھ ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تحللة ہے اس میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ تفعلة یہ باب تفعیل کا مصدر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحلۃ یہ کفارہ ہے۔ قسم اٹھانے والے نے جسے اپنے اوپر حرام کیا تھا کفارہ اسے قسم اٹھانے والے پر حلال کر دے گا۔ جب اس نے کفارہ ادا کر دیا تو وہ اس طرح ہو جائے گا گویا اس نے قسم اٹھائی ہی نہیں تھی۔ وَاللّٰهُ مَوْلٰکُمْ اِنَّہٗ تَعَالٰی تمہارا مددگار ہے جس چیز کو تم اپنے اوپر حرام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ممنوعیت کو زائل فرماتا ہے اور کفارہ کے ذریعے قسموں کو ختم کر کے تمہارے لیے رخصت پیدا فرماتا ہے اور جو تم کفارہ ادا کرتے ہو اس پر تمہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَرَ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ وَاظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ  
عَرَفَ بَعْضُہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَہَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاکَ ہٰذَا قَالَ

نَبَّأَنِی الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ①

”اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم ﷺ نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی پھر جب اس نے (دوسری) کو راز بتایا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا، آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی، پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا: کس نے آپ کو اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: مجھے اس نے آگاہ کیا جو علیم و خبیر ہے۔“

وَ اِذَا سَرَ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا یَدْرِیْہُہُ جِبْنٌ مِّنْ اَزْوَاجِہٖ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاکَ ہٰذَا قَالَ نَبَّأَنِی الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ②

یعنی یہ کہ آپ ﷺ نے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیا اور حضرت حفصہ سے مطالبہ کیا کہ اس بات کو راز میں رکھے۔ کبھی نے کہا: نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ سے یہ سرگوشی کی تھی (1) کہ ”تیرا والد اور عائشہ کا والد میرے بعد میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے۔“ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد خلافت کا ذکر حضرت حفصہ سے کیا تو حضرت حفصہ نے اس کا ذکر کیا (2)۔ دارقطنی اپنی سنن میں کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَاِذَا سَرَ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ کی تفسیر میں روایت نقل کرتے ہیں، حضرت حفصہ اچانک نبی کریم ﷺ کے پاس آگئیں جبکہ نبی کریم ﷺ سنیٹ پیچہ ام ابراہیم حضرت ماریہ کے پاس موجود تھے۔ فرمایا: ”عائشہ کو نہ بتانا۔“ اسے فرمایا: ”تیرا والد اور اس کا والد غنتریب میرے بعد حاکم بنیں گے یا والی بنیں گے۔ عائشہ کو یہ نہ بتانا۔“ حضرت حفصہ گئیں اور حضرت عائشہ کو بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ بعض باتوں کو واضح کر دیا اور بعض سے اعراض کیا۔ اس قول سے اعراض کیا: ”تیرا باپ اور اس کا باپ میرے بعد والی ہوں گے۔“ لوگوں میں اس بات کے عام ہونے کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند کیا۔ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ جب حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتایا کیونکہ ان میں دوستی تھی اور دوسری ازواج مطہرات کے خلاف ایک دوسری کی مددگار تھیں۔ وَاظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اللّٰہُ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع فرمادی (3) کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتا دیا ہے۔ طلحہ بن مصرف نے پڑھا ہے فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ انبا، نبا۔ عَرَفَ



بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ کا معنی ہے حضرت حفصہ کو کچھ وہ باتیں بتادیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی تھیں اور کچھ سے چشم پوشی کی، مقصد اپنی کرامت و شرافت کا اظہار تھا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کریم آدمی کبھی بھی انتہا کو نہیں پہنچتا (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَرَفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ۔ مقاتل نے کہا: حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے جو باتیں کہیں ان میں سے بعض کا ذکر کیا۔ وہ ام ولد کی بات تھی اور بعض کے بارے میں نہ بتایا۔ وہ حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ کے لیے یہ قول تھا: حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق آپ ﷺ کے بعد والی بنیں گے۔ عام قرأت عرف ہے۔ اس کا معنی دہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابوعبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ یعنی اسے بعض چیزوں کے بارے میں آگاہ نہ کیا۔ اگر یہ مخففہ ہوتا تو اس کے ضد میں فرماتا وانکسر بعضا حضرت علی، حضرت طلحہ بن مصرف، حضرت ابوعبدالرحمن سلمی، حضرت حسن بصری، قتادہ، کلبی، کسائی اور اعمش نے ابوبکر سے یہ قول نقل کیا ہے عرف بعض جب تخفیف کے ساتھ ہوتا تو اس کا معنی ہوگا اس بارے میں ناراض ہوئے اور اس کو سزا دی۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے جو تو اس آدمی کو کہتا ہے جو تیرے ساتھ بد معاملگی کرتا ہے: لا عرفن لك ما فعلت یعنی جو تو نے کیا ہے میں اس پر تجھے سزا دوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو یہ سزا دی کہ اسے ایک طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آل خطاب میں کوئی بھلائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ تجھے طلاق نہ دیتے۔ حضرت جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حفصہ سے رجوع کرنے کو کہا اور سفارش بھی کی۔ نبی کریم ﷺ ایک ماہ تک ازواج سے الگ تھلگ رہے اور حضرت ماریہ جو حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں ان کے بالا خانے میں مقیم رہے یہاں تک کہ آیت تحریم نازل ہوئی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم ﷺ نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو جبریل امین نے عرض کی: اسے طلاق نہ دیجئے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہے۔ جنت میں یہ آپ کی بیویوں میں سے ہے تو حضور ﷺ نے اسے طلاق نہ دی۔

فَلَمَّا نَبَأَ أَهْلَهُ بِمَا نَبَأَ النَّبِيُّ فِي الْأَعْلَمِ الْخَبِيرِ مجھے اس علیم وخبیر نے بتایا ہے جس پر صدیقہ نے آپ کو خبر دی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نَبَأَ فِي الْأَعْلَمِ الْخَبِيرِ مجھے اس علیم وخبیر نے بتایا ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ هَذَا، اُنْهَآ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ پہلا نَبَأَ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور دوسرا نَبَأَ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے کیونکہ نَبَأَ اور انبأ جب مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہوں تو یہ جائز ہوگا کہ ایک مفعول اور دو مفعول کافی ہوں۔ جب یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوں تو ان میں سے ہر ایک تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا۔ دو مفعولوں پر اکتفا تیسرے کو چھوڑ کر کافی نہ ہوگا کیونکہ تیسرا مفعول حقیقت میں مبتدا کی خبر ہوتا ہے اس کے بغیر اقتصار درست نہیں جس طرح خبر کے بغیر مبتدا پر اقتصار کرنا درست نہیں۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ  
جِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝

”اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) اگر تم نے ایسا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔“

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ مراد حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ ان دونوں کو توبہ پر برا سمجھتے کیا کیونکہ ان سے ایسا امر واقع ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے خلاف میاں رکھتا تھا۔ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا یعنی تمہارے دل حق سے پھر گئے (1)۔ یہ امر تھا کہ دونوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ چیز پسند کریں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا تھا جیسے لونڈی سے اجتناب کرنا اور شہد سے اجتناب کرنا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور عورتوں سے محبت رکھتے تھے۔ ابن زید نے کہا: دونوں کے دل اس طرف مائل ہوئے کہ انہیں اس چیز نے خوش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ولد سے رک جائیں تو انہیں اس چیز نے خوش کیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کے دل توبہ کی طرف مائل ہوئے۔ فرمایا: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا یہ نہیں فرمایا فقد صغى قلبا کما۔ عربوں کا معمول ہے جب وہ تثنیہ ذکر کرتے ہیں تو ایک کو جمع لاتے ہیں کیونکہ یہ اشکال کا باعث نہیں ہوتا۔ یہ بحث سورہ مائدہ آیت 38 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا میں گزر چکی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بھی تثنیہ کے ساتھ اضافت واقع ہو تو وہاں جمع کے ساتھ وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ زیادہ باوقار اور تخفیف کا باعث ہے۔ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا یہ جزا کی شرط نہیں کیونکہ صغو (میلان) پہلے ہو چکا تھا۔ جواب شرط مخدوف ہے۔ حذف کی وجہ یہ ہے کہ یہ برکسی کو معلوم ہے یعنی اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے یہ بہتر ہوتا کیونکہ تمہارے دل حق سے مائل ہو چکے تھے۔

وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ یعنی تم معصیت اور ایذا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہم معاونت کرو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (2): میں ایک سال تک رکا رہا جبکہ میں ارادہ رکھتا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے پوچھوں۔ آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پوچھ سکا یہاں تک کہ آپ حج کے لیے روانہ ہوئے تو میں بھی حج کے لیے روانہ ہوا۔ جب آپ واپس لوٹے تو ہم ایک راستہ پر تھے آپ اپنی ضرورت کے لیے ایک درخت کی طرف ہو لیے۔ میں رک گیا یہاں تک کہ آپ فارغ ہو گئے۔ پھر میں آپ کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! وہ دو بیویاں کون سی تھیں جنہوں نے رسول اللہ کے معاملہ میں باہم ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ فرمایا: وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ تھیں۔ میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا آپ کی ہیبت کی وجہ سے پوچھ نہ



نکا۔ فرمایا: ایسا نہ کیا کر، تجھے جو گمان ہو کہ میرے پاس علم ہے تو مجھ سے پوچھ لے۔ اگر مجھے علم ہو تو میں تجھے بتا دوں گا۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ اللَّهُ آپ کا ولی اور مددگار ہے ان کا باہمی تعاون آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ عکرمہ اور سعید بن جبیر مل نے کہا: صالح المؤمنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق تھے کیونکہ حضرت ابوبکر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر حضرت حفصہ کے والد تھے۔ دونوں ان دونوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے مددگار تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نیک مومن ہیں۔ صالح اسم جنس ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ (العصر)؛ یہ طبری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ سے مراد انبیاء ہیں؛ یہ علاء بن زید، قتادہ اور سفیان کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: مراد ملائکہ ہیں۔ سدی نے کہا: مراد حضرت محمد ﷺ کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ اصل میں واحد کا صیغہ نہیں۔ اصل میں صالحو المؤمنین تھا۔ صالحین کو مومنین کی طرف مضاف کیا اسے واو جمع کے بغیر لکھا گیا کیونکہ اس صورت میں واحد اور جمع کا صیغہ ایک ہے جس طرح مصحف میں ایسی اشیاء آتی ہیں جن میں لفظ کا حکم متنوع ہوتا ہے، خط کی وضع متنوع نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا جب نبی کریم ﷺ نے اپنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کی (1)۔ حضرت عمر نے کہا: میں مسجد میں داخل ہو گیا تو لوگ زمین پر کنکریاں مار رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ حکم حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ میں نے کہا: آج میں ضرور جانوں گا۔ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گیا، میں نے کہا: اے ابوبکر کی بیٹی! کیا تجھے اپنے عمل کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتی ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے ابن خطاب! تیرا مجھ سے کیا واسطہ! تجھے اپنی بیٹی کی خبر لینا چاہیے۔ حضرت عمر نے کہا: میں حضرت حفصہ کے پاس گیا۔ میں نے اس سے کہا: اے حفصہ! کیا تجھے اپنے عمل کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتی ہے۔ اللہ کی قسم اتو خوب جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں کرتے۔ اگر میں نہ دوتا تو آپ ﷺ تجھے طلاق دے دیتے۔ حضرت حفصہ بڑی شدت سے روئیں۔ میں نے اس سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ حضرت حفصہ نے کہا: وہ اپنے چو بارہ میں ہیں۔ میں داخل ہوا تو میں رسول اللہ ﷺ کے غلام رباح کے پاس تھا جو چو بارہ کی دلیز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی دونوں ٹانگیں اس لکڑی پر لٹکائے ہوئے تھا جس میں سوراخ کیا گیا تھا۔ یہ ایسی لکڑی تھی جس کے سہارے سے رسول اللہ ﷺ اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے تھے۔ میں نے آواز دی: اے رباح! رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی مجھے اجازت لے دو۔ رباح نے کمرہ کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا اور کچھ بھی نہ کہا۔ پھر میں نے کہا: اے رباح! میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے کمرے کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا اور کچھ بھی نہ کہا۔ پھر میں نے بلند آواز سے کہا: اے رباح! میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرو۔ میں گمان کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے

خیال فرمایا: میں حضرت حفصہ کے مسئلہ میں بات کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ مجھے حفصہ کی گردن اڑانے کا حکم دیتے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔ میں نے اپنی آواز کو بلند کیا۔ رباح نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اوپر آ جاؤں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ آپ چٹائی پر پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تہبند کو درست کیا جبکہ آپ کے جسم پر کوئی اور کپڑا نہ تھا جبکہ چٹائی آپ کے پہلو پر نشان چھوڑ گئی تھی۔ میں نے رسول اللہ کے کمرے میں نظر دوڑائی تو وہاں صاع بھر جو پڑے تھے اور کمرہ کی ایک جانب اتنے ہی قرظ درخت کے پتے تھے اور ایسا چمڑہ لٹکا ہوا تھا جس کی دباغت مکمل نہ ہو۔ حضرت عمر نے کہا: میری آنکھوں سے جلدی آنسو رواں ہو گئے۔ فرمایا: ”اے ابن خطاب! تجھے کیا چیز رلاتی ہے؟“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی نے آپ ﷺ کے پہلو میں نشان چھوڑے ہیں اور یہ کمرہ، میں اس میں دیکھتا ہوں جو کچھ دیکھتا ہوں وہ قیصر و کسریٰ پھلوں اور نہروں میں رہتے ہیں جبکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کے چنے ہوئے ہیں اور یہ آپ ﷺ کی کل جمع پونجی ہے۔ فرمایا: ”اے ابن خطاب! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا ہو؟“ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ کہا: جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرہ میں غصہ و غضب کے آثار دیکھے تھے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! عورتوں کے معاملہ میں کیا چیز آپ کو پریشان کرتی ہے، اگر آپ ﷺ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو اللہ تعالیٰ، فرشتے، جبریل، میکائیل، میں، ابوبکر اور مومنین آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں میں نے بہت ہی کم گفتگو کی مگر میں امید رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق فرمائے گا تو یہ آیت اور آیت تخییر نازل ہوئی:

عَلَىٰ رَأْبَةٍ إِنَّ طَلَّقَ لَنْ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۱۰ (التحریم: 5) وَإِنْ تَظْهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝۱۱ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ دوسری ازواج مطہرات کے خلاف باہم تعاون کیا کرتی تھیں۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا:

”نہیں۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ لوگ کنکریاں زمین پر مار رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ کیا میں نیچے اتروں اور انہیں خبر دوں کہ آپ ﷺ نے انہیں طلاق نہیں دی؟ فرمایا: ”ہاں اگر تو چاہے۔“ میں لگا مار آپ ﷺ سے باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ غصہ آپ ﷺ کے چہرے سے دور ہو گیا۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ ہنس پڑے۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک سب سے حسین تھے۔ پھر نبی کریم ﷺ نیچے اترے اور میں بھی نیچے اترے۔ میں نیچے اتر جبکہ اس لکڑی کا سہارا لے رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ اترے گویا آپ زمین پر چل رہے ہوں۔ آپ اس کے ساتھ ہاتھ کا سہارا نہیں لے رہے تھے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کمرہ میں اتیس دن رہے۔ فرمایا: مہینہ اتیس دن کا ہوتا ہے۔ میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا تو میں نے بلند آواز سے ندا دی: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۚ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ



الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء: 83) میں وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے اس امر کا استنبط کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر کو نازل فرمایا۔

وَجَبْرِئِلُ اس میں کئی لغتیں ہیں جس کا ذکر سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف مَوْلٰیہ پر ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا ولی ہے اور جبریل اس کا ولی ہے۔ مَوْلٰیہ پر وقف نہیں کیا جائے گا جَبْرِئِلُ پر وقف ہوگا۔ صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ مبتدا ہے اور الْمَلِکَةُ کا اس پر عطف ہے اور ظہیر اس کی خبر ہے اور جمع کے معنی میں ہے۔ صالح المؤمنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں؛ یہ مسیب بن شریک کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد حضرت عمر ہیں۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ شقیق نے حضرت عبداللہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آیت میں صالح المؤمنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”صالح المؤمنین سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں“۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ جَبْرِئِلُ مبتدا ہو ما بعد اس کا معطوف ہو اور خبر ظہیر ہو۔ یہ جمع کے معنی میں ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر مَوْلٰیہ پر وقف ہوگا اور وَالْمَلِکَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ مبتدا اور خبر ہو اور ظہیر کا معنی مددگار ہو، یہ ظہراء کے معنی میں ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَافِقًا ۝ (النساء) ابو علی نے کہا: فعیل کا وزن کثرت کے لیے استعمال ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَبِيبًا ۝ يُبَصِّرُ وَنُهُم (المعارج) ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ازواج کا باہمی تعاون نبی کریم ﷺ سے نفقہ کے مطالبہ میں تھا، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک الگ رہنے کی قسم اٹھائی اور آپ ﷺ الگ رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (1)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت چاہتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو پایا کہ وہ دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں مل رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اجازت ملی تو وہ داخل ہو گئے، پھر حضرت عمر حاضر ہوئے۔ انہوں نے اجازت لی تو آپ کو بھی اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو پایا کہ آپ کی ازواج آپ ﷺ کے گرد خاموش بیٹھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ضرور ایسی بات کروں گا جس کے ذریعے حضور ﷺ کو ہنسا دوں گا۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اگر بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کرتی تو میں اس کی طرف اٹھتا تو میں اس کی گردن دبوچ لیتا۔ رسول اللہ ﷺ ہنس دیے۔ فرمایا: ”یہ میرے ارد گرد جمع ہیں جس طرح تم دیکھتے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرتی ہیں“۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ کی طرف اٹھے تاکہ اس کی گردن دبا دیں۔ حضرت عمر حضرت حفصہ کی گردن دبانے کے لیے اٹھے۔ دونوں کہہ رہے تھے: تم رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو ان کے پاس نہیں۔ سب نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو ان کے پاس نہ ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ اسی دن تک ان سے الگ تھلگ رہے، پھر یہ

آیت نازل ہوئی یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الاحزاب) میں اس کا ذکر ہے۔

عَلَى رَابِعَةٍ إِن طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَنِيتٍ تَهْتَبِ عِبَادَتٍ سَهِيحَةٍ تَتَّبِعِ وَأَبْكَارًا ۝

”کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی، پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، کچھ پہلے بیا بییاں اور کچھ کنواریاں۔“

عَلَى رَابِعَةٍ إِن طَلَّقَكُنَّ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی جیسی گزارش حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کی تھی۔ پھر یہ کہا گیا: عَلٰی کا لفظ قرآن حکیم میں جہاں بھی واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے واجب ہے۔ مگر ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی بھی واجب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جو طلاق دینا ہے جبکہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق نہ دی۔

أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنكُنَّ کیونکہ اگر تم ان سے بہتر ہو تمیں رسول اللہ ﷺ تمہیں طلاق نہ دیتے؛ یہ سدی نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ کے لیے وعدہ ہے۔ اگر آپ انہیں دنیا میں طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے رسول کی شادی ان سے بہتر عورتوں سے کر دے گا۔ أَنْ يُبْدِلَهُ کو تشدید اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تبدیل اور ابدال کا معنی ایک ہے جس طرح تنزیل اور انزال کا معنی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اپنی قدرت کے بارے میں خبر دی کہ رسول اللہ نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بہتر بیویاں دے دے گا۔ مقصد انہیں ڈرانا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: وَإِنْ تَسْأَلُوا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (محمد: 38) اس آیت میں بھی قدرت کے بارے میں خبر دی اور انہیں ڈرایا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے افضل ہیں۔

مُسْلِمَاتٍ یعنی مخلص، یہ سعید بن جبیر نے کہا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے امر کو تسلیم کرنے والیاں ہیں (2)۔ مُؤْمِنَاتٍ انہیں جو حکم دیا جائے یا جس امر سے انہی کی جائے اس کی تصدیق کرنے والیاں ہیں۔ قَنِيتٍ اطاعت کرنے والیاں ہیں۔ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ تَهْتَبِ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والیاں ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ کے امر کی طرف رجوع کرنے والیاں اور اپنی پسند کی چیزوں کو چھوڑنے والیاں۔ عِبَادَتِ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرنے والیاں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما



نے کہا: قرآن میں جہاں بھی لفظ عبادت کا ذکر ہے اس سے مراد توحید ہے۔ سُبْحَتِ رُوزِے دار: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابن جبیر کا قول ہے۔ زید بن اسلم، ان کے بیٹے عبدالرحمن اور یحییٰ نے کہا: مراد ہے ہجرت کرنے والیاں۔ زید نے کہا: حضرت محمد ﷺ کی امت میں سیاحت ہجرت ہی ہے۔ سیاحت سے مراد زمین میں گھومنا پھرنا ہے۔ فراء، قتیبی اور دوسرے علماء نے کہا: روزے دار کو سائح کہتے کیونکہ سائح کا زاد راہ نہیں ہوتا جہاں سے وہ کھانا پاتا ہے کھا لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دور تک جانے والیاں ہیں۔ یہ ساح الساعے مشتق ہے جس کا معنی ہے پانی چلا گیا۔ سورہ برأت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

ثَبِلَتْ وَأَبْكَانَهَا ① ان میں سے کچھ ثیبہ ہوں گی اور کچھ باکرہ ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شادی شدہ کو ثیبہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے (1)۔ اگر وہ اس کے پاس رہتی یا دوسرے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے اگر وہ اس سے جدا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ اپنے والدین کے گھر کی طرف لوٹنے والی ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہر شادی شدہ خاوند کی طرف لوٹنے والی نہیں ہوتی۔ جہاں تک بکر کا تعلق ہے وہ کنواری ہے۔ اسے بکر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلی والی حالت پر ہوتی ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ کلبی نے کہا: ثیب سے مراد حضرت آسیہ ہے جو فرعون کی بیوی تھی اور بکر سے مراد حضرت مریم ہے جو عمران کی بیٹی تھی (2)۔

میں کہتا ہوں: یہ اس آدمی کے قول پر تعبیر ہوگی جو یہ کہتا ہے: بے شک تبدیلی اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے لیے وعدہ ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ ان بیویوں کو دنیا میں طلاق دے دیتے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کی زوجیت میں ان سے بہتر عورتیں دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا  
مَلَائِكَةٌ غُلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ①

”اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔“

انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا

اس میں ایک ہی مسئلہ ہے۔ وہ انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے نفسوں کو بچاؤ جبکہ تمہارے اہل اپنے نفوس کو آگ سے بچائیں (3)۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اپنے نفسوں کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو ذکر اور دعا کا حکم دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے انہیں بچائے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا اور مجاہد و قتادہ نے کہا: اپنے نفوس کو اپنے افعال اور اپنے اہل کو وصیت کے ذریعے بچاؤ۔ ابن عربی نے کہا: یہی قول صحیح ہے (1)۔ وہ معنی جو عطف عطا کرتا ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان اشتراک کا تقاضا کرتا ہے وہ فعل کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: علفثہا تبنا و ماء باردا یہ اصل میں علفثہا تبنا و اشربہا ماء باردا جس طرح یہ قول ہے: و رأیت زوجک فی الوغی متقلدا سیفا و رمحا (72) آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح طاعت کے ساتھ کرے اور اپنے اہل کی اصلاح اس طرح کرے جس طرح حاکم اپنی رعیت کی اصلاح کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع و هو مسئول عنہم والرجل راع علی اہل بیتہ و هو مسئول عنہم تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا حاکم جو لوگوں پر امیر ہے وہ ان کا نگہبان ہے اس سے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے گھر والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کی تعبیر یوں کی: وہ انہیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُوا أَنْفُسَكُمْ اس میں اولاد بھی داخل ہے کیونکہ اولاد اس کا بعض ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے: وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ (النور: 61) باقی رشتہ داروں کی طرح ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ وہ انہیں حلال و حرام کی تعلیم دے، معاصی اور گناہوں سے بچائے، اس کے علاوہ جو دوسرے احکام ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بچے کا باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اسے لکھنا سکھائے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے۔“ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”والد اپنی اولاد کو اچھے آداب سے بہتر کوئی چیز نہیں دیتا“ (2)۔

عمر بن شعیب اپنے باپ سے وہ دادا سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں، فرمایا: ”اپنے بچوں کو نماز کا حکم وہ جب ان کی عمر سات سال کی ہو جائے، انہیں مارو جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے ان کے بستر الگ کر دو۔“ اس روایت کو محمد شین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں۔ حضرت عمر بن حنبل سے بھی یہ روایت مروی ہے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”بچے کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے، جب دس سال کا ہو جائے تو نماز میں کوتاہی کرنے پر اسے مارو۔“ اسی طرح وہ اپنے گھر والوں کو نماز کے وقت، روزوں کے واجب ہونے اور روزہ کے افطار کے وجوب کے بارے میں بتائے جب وہ امر ثابت ہو جائے جبکہ یہ روایت بلال کی طرف منسوب ہے۔

امام مسلم نے روایت کی ہے نبی کریم ﷺ جب تہجد کی نماز ادا فرماتے تو ارشاد فرماتے: ”یا عائشہ! تم نماز پڑھو“ (3)۔ روایت بیان کی گئی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات و اشیا، اس نے نماز پڑھی

1۔ الامام القرآن، جلد 4، صفحہ 1852

2۔ المستدرک للحاکم، کتاب الادب، فصل تأدیب الاولاد، جلد 4، صفحہ 263

3۔ تصحیح مسہم، کتاب المسافرين، صلوۃ اللیل و عدد رکعات النبی فی اللیل، جلد 1، صفحہ 255

نہ میں نے تیرے خاندان کو جنگ میں تموار اور نیزے سے آراستہ دیکھا۔



اور اس نے اپنے اہل کو جگایا اگر وہ نہ جاگے تو اس نے اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔ اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے  
:ورات وانھی، نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو جگایا جب وہ نہ اٹھے تو اس نے خاوند کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔“ نبی کریم ﷺ  
کا ارشاد ہے: کمرے والوں کو بیدار کرو (1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (المائدہ: 2) کے عموم کے  
تحت یہ داخل ہے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنے  
نفوس کو بچاتے ہیں تو ہم اپنے گھر والوں کو کیسے بچائیں؟ فرمایا: ”تم انہیں ایسی چیزوں سے منع کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں  
منع کیا ہے اور تم انہیں ایسی باتوں کا حکم دو جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔“ مقاتل نے کہا: یہ اس پر اس کی ذات، اولاد،  
اہل، غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اس کا حق ہے۔ الکیا نے کہا: ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اپنی اولادوں اور اپنے اہل کو  
دینی اور خیر کی تعلیم دیں اور ایسے آداب کی تعلیم دیں جس سے اعراض کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَأْمُرْ  
أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طہ: 132) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ  
الْأَقْرَبِينَ (الشعراء) حدیث طیبہ میں ہے: مُرُوهُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ بَنِيكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَكُونُونَ۔ وہ جبکہ وہ سات سال کے  
ہوں۔ وَقُوذُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس بارے میں گفتگو سورہ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ يَعْنِي  
فرشتے جو زبانیہ ہیں وہ سخت دل ہیں جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم نہیں کرتے۔ وہ غضب سے پیدا کیے گئے ہیں۔  
مخلوق کو عذاب دینا ان کو محبوب ہے جس طرح انسانوں کے لیے کھانا، کھانا اور مشروب پینا محبوب ہے۔ شِدَادٌ وہ بدن کے  
سخت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گفتگو میں سخت اور افعال میں شدید ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ جہنمیوں کو پکڑتے  
ہیں تو اس وقت سخت اور ان پر شدید ہوتے ہیں، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان شدید علی فلان وہ اس پر قوی ہے۔ مختلف قسم  
کے عذاب میں انہیں عذاب دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غِلَظٌ سے مراد جسموں کا بھاری بھر کم ہونا ہے اور شدت سے مراد  
قوت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے ایک کے دو کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہوتی ہے۔  
ان میں سے ایک کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک ہنٹر مارے گا تو اس ایک ضرب سے ستر ہزار انسانوں کو جہنم کی گہرائی میں  
پھینک دے گا۔ ابن وہب نے ذکر کیا ہے ہمیں عبدالرحمان بن زید نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جہنم کے دارغوں کے  
بارے میں کہا: ان میں سے ایک کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے (2)۔ لَا  
يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَهَؤُلَاءِ قُلُوبُهُمْ وَهَؤُلَاءِ قُلُوبُهُمْ وَهَؤُلَاءِ قُلُوبُهُمْ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت نہیں کرتے نہ اس میں زیادتی کرتی ہیں اور نہ کمی کرتے ہیں۔  
وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ وہ اسی وقت اس کو بجالاتے ہیں جس میں انہیں حکم دیا جاتا ہے نہ اس میں تاخیر کرتے ہیں اور نہ ہی  
اس میں تشدیم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں انہیں لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح جنتی کو  
سورہ ہنٹ میں رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض معتزلہ نے اس کا ذکر کیا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ قیامت میں کسی امر کا  
مکلف بنانا محال ہے اہل حق کا اعتقاد یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آج (دنیا) اور کل (آخرت) میں مکلف بنا سکتا ہے اور فرشتوں

کے حق میں مکلف بنانے کا انکار نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۚ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

”اے کفار! آج بہانہ نہ بناؤ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ تمہاری معذرت کوئی نفع نہیں دیتی۔ یہ نبی مایوسی کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ تم دنیا میں جو کچھ عمل کرتے رہے ہو اس کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا؛ اس کی مثل فِيمَا مِمَّنْ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ (الروم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۚ عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُم

سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتَيْنَا

لَنَّاؤُرَّكَ نَا وَاعْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے تمہارا رب دور کر دے گا تم سے تمہاری

برائیاں اور تمہیں داخل کر دے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ

تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے

آگے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لیے ہمارا

نور اور بخش دے ہمیں، بے شک تو اس چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

اس میں دو مسائل ہیں:

توبہ نصوحاً سے کیا مراد ہے؟

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۚ یہ ہر حال اور ہر زمانہ میں اہل ایمان پر فرض ہے

اس کا بیان اور اس کے بارے میں گفتگو سورہ نساء میں گزر چکی ہے۔

تَوْبَةً نَّصُوحًا عاماً اور اصحاب قلوب نے توبہ نصوح میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بارے میں تیس قول ہیں۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے (1) جس کے بعد گناہ کی طرف رجوع نہیں ہوتا جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ نہیں لوٹتا۔

حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ قتادہ

نے کہا: نصوح سے مراد سچی اور خالص توبہ ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خالص توبہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا

ہے: نصح یعنی اس کے لیے قول کو خالص کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نصوح یہ ہے وہ گناہ جسے وہ پسند کرتا تھا اس سے



بغض کرے اور جب اسے یاد آ جائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے قبول ہونے کا اسے اعتماد نہ ہو اور وہ ڈرتا ہی رہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے ساتھ وہ توبہ کا محتاج نہیں رہتا۔ کلی نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے وہ دل سے شرمندگی کا اظہار کرے، وہ زبان سے استغفار کرے اور گناہ کا قلع قمع کرے اور اسے اطمینان ہو کہ وہ دوبارہ اس طرح نہیں کرے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد مقبول توبہ ہے اور توبہ اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک اس میں تین شرطیں نہ ہوں۔ (1) یہ خوف کہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ (2) یہ امید کہ توبہ قبول ہو جائے گی۔ (3) طاعات پر مواظبت اختیار کرنا۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: ایسی توبہ جس کے ساتھ تم اپنے نفوس کو نصیحت کرتے ہو (2)۔ قرطبی نے کہا: چار چیزیں ان کو جامع ہیں۔ (1) زبان سے استغفار، (2) بدن کے ساتھ قلع قمع کرنا۔ (3) دل میں یہ چیز رکھنا کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ (4) برے دوستوں کو چھوڑنا۔ سفیان ثوری نے کہا: توبہ نصوح کی علامتیں چار ہیں۔ قلت، علت، ذلت اور غربت۔ فضیل بن عیاض نے کہا: یہ توبہ ایسی ہے کہ گناہ آنکھوں کے سامنے ہو وہ ہمیشہ اسے دیکھتا ہی رہے، اسی کی مثل ابن سماک سے مروی ہے توبہ نصوح یہ ہے کہ تو اس گناہ کو اپنے سامنے رکھے جس میں تو نے حیا، میں کمی کی اور اپنی آخرت کے لیے تیاری کرے۔ ابو بکر وراق نے کہا: اس سے مراد ہے وہ زمین جو وسیع و عریض ہے وہ تجھ پر تنگ ہو جائے اور تیرا نفس بھی تجھ پر تنگ ہو جائے جس طرح وہ تین صحابہ کرام جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ابو بکر واسطی نے کہا: یہ ایسی توبہ ہے جو کسی عرض کے فوت ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ جو دنیا میں اپنی ذاتی منفعت کے لیے گناہ کرتا ہے پھر آخرت میں ذاتی منفعت کے لیے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ اپنی ذات کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے تو نہیں۔ ابو بکر دقاق مصری نے کہا: توبہ نصوح سے مراد جو حق کسی کا دینا ہو اسے واپس کرنا، کسی کا دعویٰ ہو اسے معاف کرنا اور ہمیشہ طاعات کرنا۔ رویم نے کہا: وہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے روبرو رہے، اس کی طرف پشت نہ کرے جس طرح معصیت کے وقت تو اس کی طرف پشت کیے ہوئے تھا اس کی طرف منہ کرنے والا نہیں تھا۔ ذوالنون مصری نے کہا: توبہ نصوح کی علامتیں تین ہیں۔ کم گفتگو، کم کھانا اور کم سونا۔ شقیق نے کہا: وہ اپنے نفس کو بہت زیادہ ملامت کرے اور شرمندگی سے جدا نہ ہوتا کہ آفات سے سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے۔ سری سقطی نے کہا: توبہ نصوح اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک وہ نفس اور مومنوں کے لیے مخلص نہیں ہوتا کیونکہ جو توبہ کو اپنا ساتھی بناتا ہے وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی مثل ہو جائیں۔ جنید نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے کہ وہ گناہ بھول جائے وہ اسے کبھی بھی یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جاتا ہے۔ ذوالاذنین نے کہا: جس کے آنسو لگاتار بہتے رہیں اور سرکشیوں سے اس کا دل دور بھاگتا ہو۔ فتح موصلی نے کہا: اس کی علامتیں تین ہیں۔ خواہش نفس کی مخالفت، زیادہ رونا، بھوک اور پیاس برداشت کرنا۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: یہ اہل سنت و جماعت کی توبہ ہے کیونکہ بدعتی کی کوئی توبہ نہیں۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ توبہ کرے“۔ حذیفہ

سے مروی ہے: کسی بندے کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ گناہ سے توبہ کرے پھر اس میں جا واقع ہو۔ توبہ نصوص کا اصل معنی خالص ہوتا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: هذا غسل ناصح جب شہد گوند سے خالص ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاحہ سے ماخوذ ہے (1) جس کا معنی سینا ہے۔ اس سے اخذ کرنے کی دو جہیں ہیں۔ ۱۔ یہ ایسی توبہ ہے جو توبہ کرنے والی کی طاعت کو پختہ کر دیتی ہے جس طرح درزی سینے کے ساتھ کپڑے کو پختہ کرتا ہے اور مضبوط بناتا ہے۔ (۲) اس توبہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو جمع کر دیا اور ان کو باہم وابستہ کر دیا ہے جس طرح درزی کپڑے کو جمع کرتا ہے اور بعض کو بعض سے جوڑ دیتا ہے۔ عام قرأت نَصُوْحًا ہے کہ یہ توبہ کی صفت ہے جس طرح امراة صبور ہے بہت زیادہ صبر کرنے والی عورت۔ یہ ایسی توبہ ہے جو خالص ہونے میں انتہا تک پہنچنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ نصوحا، نصوحی جمع ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نصح نصاحۃ و نصوحا بعض اوقات فعالة اور فعول ایک ہی فعل کے مصدر میں جمع ہو جاتے ہیں جس طرح ذهاب اور ذہوب ہے۔ مبرد نے کہا: ایسی توبہ مراد ہے جو صحیح والی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نصحت نصحا و نصاحۃ و نصوحا۔

گناہوں سے توبہ کیسے ہوگی؟

**مسئلہ نمبر 2۔** وہ اشیاء جن سے توبہ کی جاتی ہے اور ان سے کیسے توبہ کی جاتی ہے؟ علماء نے کہا: وہ عمل جس سے توبہ ہوتی ہے وہ اس حالت سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حق ہو جس طرح نماز کو ترک کرنا اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک شرمندگی کے ساتھ اس شے کی قضا ملی ہوئی نہ ہو جو عمل فوت ہوا۔ یہی صورتحال ہوگی جب روزہ ترک کیا جائے یا زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے۔ اگر وہ ناحق کسی انسان کا قتل ہو۔ اگر قصاص اس پر لازم آتا ہے اور وہ قصاص میں مطلوب ہے تو وہ قصاص لینے کا موقع دے۔ اگر وہ جھوٹی تہمت ہے جو حد کو واجب کرتی ہے تو وہ اپنی پیٹھ کو زوروں کے لیے پیش کرے، اگر وہ مطلوب ہو۔ اگر اسے معاف کر لیا جائے تو شرمندگی اور اخلاص کے ساتھ دوبارہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عزم کافی ہوگا، اسی طرح اگر قتل کی صورت میں مال کے ذریعے معاف کیا جائے تو اس پر مال لازم ہوگا۔ اگر وہ مال پاتا ہے تو مال ادا کر دے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعًا بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءً إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ (البقرة: 178) اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ہو، کوئی بھی ہو جب وہ صحیح شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے گا تو وہ اس بندے کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے بارے میں واضح حکم دیا کہ ڈاکو جب پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لیں تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اگر وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کریں تو ان سے حد ساقط نہ ہوگی، جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی کرنے والے، چور اور زانی ہیں جب وہ اپنی اصلاح کر لیں، توبہ کریں اور ان سے یہ معروف بھی ہو، پھر انہیں امام کے سامنے پیش کیا جائے تو امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان پر حد جاری کرے۔ اگر انہیں امام کے سامنے پیش کیا



جائے تو وہ کہیں: ہم نے توبہ کر لی ہے۔ تو انہیں چھوڑا جائے گا۔ اس وقت ان کی حالت ان ڈاکوؤں جیسی ہوگی جن پر غلبہ پائے گا: یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

اگر گناہ ایسا ہے جو بندوں پر ظلم کرنے سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک وہ چیز مالک کو نہ لوٹا دے اور خود اس سے الگ تھلگ ہو جائے، وہ عینی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو اگر وہ اس کو واپس کرنے پر قادر ہو۔ اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو اس کا پختہ عزم ہو کہ جب وہ قادر ہوگا تو قریب ترین وقت میں اسے واپس کر دے گا۔ اگر وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس آدمی کو شعور نہیں یا نہیں جانتا کہ یہ مصیبت کہاں سے اس کے پاس آتی ہے تو اس آدمی سے اس ضرر کو دور کرے۔ پھر اس سے معافی کا سوال کرے اور یہ مطالبہ کرے کہ وہ آدمی اس کے حق میں بخشش کا طالب ہو۔ جب وہ آدمی اس کو معاف کر دے گا تو اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسے آدمی کو بھیجے جو اس آدمی سے اس امر کا سوال کرے وہ مظلوم اس ظالم کو معاف کر دے وہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو پھر صحیح ہے۔ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ زیادتی کرے اس طرح کہ ناحق اسے ڈرائے، تکلیف دے، اسے طمانچہ مارے، ناحق تھپڑ مارے، چھری مارے اور اسے درد پہنچائے پھر جو اس سے غلطی ہوئی تھی اس پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معافی کا طلبگار ہو اور یہ پختہ عزم ہو کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ لگاتار اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے یہاں تک اس مظلوم کا دل خوش ہو جائے کہ وہ اسے معاف کر دے تو اس سے یہ گناہ ساقط ہو جائے گا۔ یہی صورت حال ہوگی جب وہ ایسی گالی گلوچ نکالے جس پر کوئی حد نہ ہو۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ، عسی فعل کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہو تو یہ وجوب کے معنی میں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے: الثَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (1) گناہ سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہے جس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔

وَيُذْخِلْكُمْ اس کا عطف یُكَفِّرَ پر ہے۔ ابن ابی عمبلہ نے دید خذکم مجزوم پڑھا ہے یہ عسی ان یکفر کے محل پر معطوف ہے، گویا کلام یوں فرمائی: تم توبہ کرو یہ تمہاری سیئات کو مٹانے کا باعث ہوگی اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گی جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ يَوْمَ میں عامل يُذْخِلْكُمْ ہے یا فعل مضمر ہے۔ یہاں یخزی کا معنی یعذب ہے یعنی نہ نبی کو عذاب دے گا اور نہ ہی انہیں عذاب دے گا جو اس پر ایمان لائے۔

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَيَا أَيْمَانِهِمْ سورۃ الحدید میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا نَارًا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ مومنوں کی اس وقت دعا ہوگی جب اللہ تعالیٰ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا جس کی وضاحت سورۃ حدید میں گزر چکی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۚ

## وَبَشِّرِ الصَّادِقِينَ ①

”اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر آنے کی بری جگہ ہے۔“

اس میں ایک ہی مسئلہ ہے:

وہ یہ کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں سختی کی جائے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ کفار کے ساتھ تلوار، وعظ و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں جہاد کریں اور منافقین کے ساتھ سختی کرنے اور حجت قائم کرنے میں جہاد کریں، ان پر آخرت کے احوال واضح کریں اور انہیں یہ بتائیں کہ ان کے لیے کوئی نور نہیں ہوگا جس کے ساتھ وہ پل صراط کو عبور کریں گے جبکہ مومنوں کے پاس نور ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان پر حدود قائم کرنے میں جہاد کریں کیونکہ وہ ایسے کام کرتے تھے جو ان پر حدود کو واجب کرتے تھے اور حدود ان پر قائم کی جاتی تھیں (1)۔ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ضَمِيرٌ دُونَ قِسْمٍ یَعْنِی کفار اور منافقین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَبَشِّرِ الصَّادِقِينَ ① مصید کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔

صَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتٌ نُّوحٌ وَ امْرَاَتٌ لُّوطٌ ۚ کَانَتَا تَحْتَ

عِبْدَیْنِ مِّنْ عِبَادِنا صَالِحِیْنِ فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ یُعْضِیَا عَنْهُمَا مِّنْ اللّٰهِ شَیْئًا وَقِیْلَ ادْخُلَا

النَّارَ مَعَ الذَّخِلِیْنِ ②

”بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال، وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے اس امر پر آگاہ کرنے کے لیے کہ جب دو افراد دین میں مختلف ہوں گے تو کوئی قریبی رشتہ دار اپنے قریبی رشتہ دار کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا (2) اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا؛ یہ مقابل کا قول ہے۔ ضحاک نے حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرائیل امین نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا۔

فَخَانَتْهُمَا عِکْرَمَہ اور ضحاک نے کہا: یہاں خیانت سے مراد کفر ہے۔ سلیمان بن رقیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کہا کرتی تھی کہ حضرت نوح مجنون ہیں (3)۔ حضرت لوط علیہ السلام کی



بیوی لوگوں کو آپ علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتاتی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی۔ قشیری نے ذکر کیا ہے: اس پر مفسرین کا اجماع ہے، ان کی خیانت دین کے معاملہ میں تھی۔ وہ دونوں مشرک تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دونوں منافق تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کی خیانت چغل خوری تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان دونوں انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تو یہ دونوں مشرکوں پر اسے ظاہر کر دیتیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا طریقہ یہ تھا جب کوئی مہمان آتا تو وہ دھواں دکھاتی تاکہ اس کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان آیا ہے کیونکہ مرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا حَضَرَتْ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَضَرَتْ لُوطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ جِوَاللَّهِ تَعَالَى كَ حَضُورِ بُزْءِ مُحَرَّمِ تَحْتِ اس كَ با وَجُودِ ان كَ بِيُويُونَ نَ جِوَاللَّهِ تَعَالَى كَ نَافِرْمَانِي كَ تَوِيهِ اللّٰهُ تَعَالَى كَ عَذَابِ سَ سَ بَچَانِ كَ لِيِ كَچْھِ بَھي فَاكَدَہ نَ دَ سَ كَ (1)۔ يِہَاں اس بات پَر آگاہ كَرنا مَقْصُودِ ہِے كَ عَذَابِ كَ وَطَاقَتِ كَ ذَرِيعَ دُورِ كَيا جاسكتا ہِے كَسي اور ذَرِيعَ سَ دُورِ نَہيں كَيا جاسكتا۔ ايك قول يِہ كَيا گيا ہِے: كُفار مَكہ نَے اسْتِہْزَا كَيا اور كَہا: (حَضَرَتْ) مُحَمَّدٌ (سَلَّمَ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہماري سَفارش كَريں گَے تَوَاللّٰهُ تَعَالَى نَے اس امر كَو واضح كَر ديا كَہ آپ سَلَّمَ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم كَ شَفَاعَتِ كُفار مَكہ كَو كَچْھِ نَفْعِ نَہ دَے گي اگَر چَہ وہ آپ سَلَّمَ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم كَ نَسي رَشْتہ دارِ ہي كَيونَ نَہ ہوں، جِس طَرَحِ حَضَرَتْ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَ شَفَاعَتِ ان كَ بِيُويُونَ كَو كَوئی نَفْعِ نَہ دَے گي اور حَضَرَتْ لُوطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَ شَفَاعَتِ ان كَ بِيُويُونَ كَو كَوئی نَفْعِ نَہ دَے گي جِكَدَہ وہ دونوں ان انبياء كَ قَرِيبِي تَھيں۔ وہ ان دونوں كَ كُفر ہوگا۔ ان دونوں بِيُويُونَ كَو كَہا جائِے گا كَہ جَنَنَمِ مِیں داخِل ہونَے والوں كَ سَا تَھ تَمِ بَھي جَنَنَمِ مِیں داخِل ہو جاؤ جِس طَرَحِ كُفار مَكہ مَكْرَمَہ اور دُوسرَے كُفار كَو كَہا جائِے گا۔ پَھر كَہا جائِے گا: يِہ بَھي جائِز ہِے كَہ امْرَآتُ نُوحٍ يِہ مِثْلًا سَے بَدَل ہو اور مِضافِ مَحْذُوفِ ہو، تَقْدِيرِ كَلَامِ يِہ ہوگي، ضَرْبِ اللّٰهِ مِثْلًا مِثْلِ امْرَآءِ نُوحٍ يِہ بَھي جائِز ہِے كَہ دونوں مَفْعُولِ ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مِثْلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَآتُ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

”اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی جبکہ اس نے دعا مانگی: اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچالے مجھے فرعون اور اس کے کافرانہ عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔“

وَضَرَبَ اللّٰهُ مِثْلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَآتُ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی کا نام حضرت آسیہ بنت مزاحم تھا (2)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ ارشاد ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بیان فرمائی جس کے ساتھ وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ کو خبردار کرنا چاہتا ہے جب انہوں نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے خلاف باہم تعاون کیا تھا۔ پھر ان دونوں کے لیے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی۔ مقصود یہ تھا کہ دونوں ازواج مطہرات کو طاعت میں تمسک

اور دین پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مومنوں کو سختی میں صبر کرنے پر براہیغختہ کیا جا رہا ہے یعنی تم شدت کے وقت صبر میں فرعون کی بیوی سے کمزور نہ ہو جاؤ جب اس نے فرعون کی اذیت پر صبر کیا تھا۔ حضرت آسہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی جو آپ پر ایمان لے آئی تھی۔ ابو العالیہ نے کہا: فرعون اپنی بیوی کے ایمان پر مطلع ہوا تو وہ اپنے سرداروں کے پاس آیا (1)۔ اس نے ان سے کہا: تم آسہ بنت مزاحم کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ سب نے اس کی تعریف کی۔ فرعون نے ان سے کہا: وہ تو میرے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتی ہے۔ سب نے فرعون کو رائے دی: اسے قتل کر دو۔ فرعون نے اس کے لیے میتیں گاڑھیں اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو حضرت آسہ نے یہ دعا کی: رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اسی وقت فرعون آیا۔ جب حضرت آسہ نے جنت میں اپنے گھر کو دیکھا تو وہ ہنس پڑیں تو فرعون نے کہا: کیا تم اس کے جنوں سے متعجب نہیں ہوتے۔ ہم اسے سزا دے رہے ہیں جبکہ یہ ہنس رہی ہے تو اسی حالت میں اس کی روح قبض کر لی گئی۔ عثمان نہدی نے حضرت سلمان فارسی سے روایت نقل کی ہے: حضرت آسہ کو سورج کی دھوپ میں اذیت دی جاتی تھی جب سورج کی دھوپ حضرت آسہ کو اذیت دیتی تو فرشتے انہیں اپنے پروں سے سایہ کر لیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دھوپ میں اس نے حضرت آسہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میتیں گاڑھ دیں اور ان کی پشت پر چکی رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھایا یہاں تک کہ حضرت آسہ نے جنت میں اپنے مکان کو دیکھ لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت آسہ نے یہ دعا کی تو حضرت آسہ کو وہ گھر دکھایا گیا جو جنت میں ان کے لیے بنایا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موتی کا بنا ہوا ہے، یہ قول حضرت حسن بصری کا ہے۔ جب حضرت آسہ نے التجا کی وَ نَجَّيْنِیْ تو اللہ تعالیٰ نے اسے عمدہ نجات عطا فرمائی (2)، اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی طرف اٹھالیا۔ وہ کھاتی ہے، پیتی ہے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ عمل سے مراد کفر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمل سے مراد عذاب، ظلم اور اس کا تکلیف پر خوش ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمل سے مراد جماع ہے (3)۔ وَ نَجَّيْنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ○ کبھی نے کہا: قوم سے مراد اہل مصر ہیں۔ مقاتل نے کہا: مراد قبطی ہیں۔ حضرت حسن بصری اور کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے عزت والی نجات دی، اسے جنت کی طرف اٹھالیا، وہ وہاں کھاتی ہے اور پیتی ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ

بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا مِنَ الْقَنِيِّنَ ○

”اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوبر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھیں۔“

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ اذْكَرَ فَعَلَ مَخْذُوفٌ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف امراۃ فرعون پر ہے معنی ہے اللہ



تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کی مثال بیان کی اور یہودیوں کی اذیتوں پر انہیں صبر عطا کیا۔ اَلَّتِي أَحْصَنَتْ لَهَا جَهَنَّمَ جَنَّتْ نَحْسُ اَعْمَالٍ سے محفوظ رکھا۔ مفسرین نے کہا: یہاں فرج سے مراد گریبان ہے (1) کیونکہ ارشاد فرمایا: فَفَقَحْنَا فِيهِ مِنْ رُؤُوسِنَا حضرت جبریل امین نے ان کے گریبان میں پھونک ماری ان کی شرمگاہ میں پھونک نہیں ماری۔ یہ حضرت اُبی کی قرأت ہے فَفَقَحْنَا فِي جَنِبِهَا مِنْ رُؤُوسِنَا پڑے میں جو بھی پھٹن ہو اس کو جیب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا لَهَا مِنْ فُؤُوجٍ ۝ (ق)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت مریم نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا اور حضرت مریم کے گریبان میں حضرت جبریل نے پھونک ماری۔ فَفَقَحْنَا کا معنی ہے ہم نے جبریل امین کو بھیجا تو حضرت جبریل امین نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ مِنْ رُؤُوسِنَا یعنی اپنی ارواح میں سے ایک روح۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ہے اس کی وضاحت سورہ نساء کے آخر میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

وَصَدَقَتْ بِكَلِمَتِ رَبِّهَا عَامَ قُرَاتٍ صدقت تشدید کے ساتھ ہے حمید اور اموی نے و صدقت تحفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ بِكَلِمَتِ رَبِّهَا سے مراد ہے کہ حضرت جبریل امین نے حضرت مریم سے کہا: اِنَّمَا اَنَا رَسُولُ رَبِّكِ (مریم: 19) میں تیرے رب کا رسول ہوں۔ مقاتل نے کہا: کلمات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یہ کہ وہ نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں یہ بحث بھی پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: بِكَلِمَتِ رَبِّهَا وَ كُتِبَ ابُو عمرو اور حفص نے عاصم سے وَ كُتِبَ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابورجاء سے وَ كُتِبَ تاء کی تحفیف کے ساتھ پڑھا ہے (2) باقی قراء نے اسے واحد کتابہ پڑھا ہے مراد جنس ہے معنی ہوگا یہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔

وَ كَانَتْ مِنَ الْقَتِينِ ۝ یہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان نمازیوں میں سے تھی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ قاتنات نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ قوم قاتنین میں سے تھی۔ یہ جائز ہے کہ الْقَتِينِ سے مراد ان کے ”اہل بیت“ ہوں کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا جبکہ ان کی روح پرواز کر رہی تھی ”کیا تو اس بات کو ناپسند کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی میں خیر رکھ دی ہے جب تو اپنی سونکوں کے پاس جائے تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا وہ حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ بنت مزاحم، حضرت کلیمہ یا حضرت حکیمہ بنت عمران جو حضرت موسیٰ بن عمران کی بہن ہیں۔“ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یا رسول اللہ! تمہارا جوڑا ملار ہے بیٹے پیدا ہوں۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرے لئے جہاں بھر کی عورتوں میں سے چار کافی ہیں حضرت مریم بنت عمران، حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا“ (3)۔ اس بارے میں مفصل گفتگو سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

## سورۃ الملک

﴿سَبَّحَهُ ۲۰﴾ ﴿سُورَةُ الْمَلِكِ ۲۱﴾ ﴿مُرْكُوعًا ۲﴾

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اسے واقعہ اور منجیہ بھی کہتے ہیں، اس کی تیس آیات ہیں۔  
امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا وہ یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے یہ ایسے انسان کی قبر تھی جو سورہ ملک پڑھتا یہاں تک کہ اسے ختم کرتا (1)۔ خیمہ لگانے والا صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے قبر پر اپنا خیمہ لگایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے کیا دیکھتا ہوں کہ یہ انسان کی قبر ہے جو سورہ ملک کی قرات کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ مانعہ ہے، یہ منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے“۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔  
ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں پسند کرتا ہوں کہ سورہ تَبَارَكَ الَّذِي مَلَأَ الْبَيْتَ الْمَلُوكُ ہر مومن کے دل میں ہو“۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کتاب اللہ میں سے ایک سورت ہے وہ صرف تیس آیات ہیں وہ انسان کی شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے جہنم سے نکال دے گی اور جنت میں اسے داخل کرے گی یہ سورہ تَبَارَكَ الَّذِي مَلَأَ الْبَيْتَ الْمَلُوكُ ہے (2)“ امام ترمذی نے اس کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جائے گا تو اس کے قدموں کی جانب سے آیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمہیں اس پر کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر سورہ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر اس کے سر کی جانب سے آیا جائے گا تو اس کی زبان کہے گی: اس پر کوئی اختیار نہیں وہ مجھ سے سورہ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مانع ہے یہ سورت تورات میں بھی سورہ ملک ہے جس نے رات میں اسے پڑھا تو اس نے بہت زیادہ عمل کیا اور بہت اچھا عمل کیا۔ یہ روایت کی گئی ہے: جس نے اسے ہر رات پڑھا فتان اسے کوئی نقصان نہیں دے سکے گا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي مَلَأَ الْبَيْتَ الْمَلُوكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی سورۃ الملک، جلد 2، صفحہ 580

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی عدد الایۃ، حدیث نمبر 1192۔ سنن ابن ماجہ، باب ثواب القرآن، حدیث نمبر 3775، فضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احمد کرہ، کتاب التفسیر، جلد 1، صفحہ 211



”منزہ و برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

تَبَارَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی تقدس ہے یعنی وہ پاک ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ رہنے والا ہے پس وہ ایسا دائم ہے جس کے وجود کا اول نہیں اور اس کے دوام کا آخر نہیں۔ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ دنیا و آخرت میں زمین و آسمان کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے قبضہ قدرت میں بادشاہی ہے، جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت عطا فرماتا ہے، وہ زندگی عطا کرتا ہے، وہ موت عطا کرتا ہے، وہ غنی کرتا ہے، وہی فقر دیتا ہے، وہ عطا فرماتا ہے، وہی روک لیتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اسی کے قبضہ قدرت میں نبوت کی بادشاہی ہے جس کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو عزت عطا فرماتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کو ذلت دیتا ہے (2)۔ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① وہ انعام کرنے اور انتقام لینے پر قادر ہے۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ② وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ③

”جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، اور وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

### موت اور حیات کی تخلیق کا معنی

**مسئلہ نمبر 1۔** الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہیں موت اور زندگی کے لئے پیدا کیا، یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے پیدا کیا (3)۔ موت کو زندگی پر مقدم کیا کیونکہ موت صفت قہر کے زیادہ قریب ہے جس طرح بنات کو بنین پر مقدم کیا فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْ أَرَادَ (الشوری: 49) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ زندگی سے پہلے ہے کیونکہ اشیاء ابتدا میں موت کے حکم میں تھیں جس طرح نطفہ، مٹی وغیرہ۔

قائدہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: ”اللہ تعالیٰ نے انسان کو موت کے ساتھ ذلیل کیا، دنیا کو زندگی کا گھر بنایا پھر موت کا گھر بنایا اور آخرت کو جزاء کا گھر پھر بقاء کا گھر بنایا“ (4)۔ حضرت ابو داؤد و بیہقی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْلَا ثَلَاثُ مَا طَاطَا ابْنُ آدَمَ رَأْسُهُ الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ وَالْمَوْتُ وَإِنَّهُ مَعَ ذَلِكَ لَوْثَابٌ أَكْرَمِينَ حَيَاتٍ نَهَ هُوَ تَوَّانِ اسَان اِپنَا سَرْنَه جَهْكَائے فقر، مرض اور موت اس کے باوجود وہ اچھلنے کودنے والا اور جلد باز ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** الْمَوْتُ وَالْحَيَاةُ موت کو حیات پر مقدم کیا کیونکہ جو انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اسے عمل کی طرف دعوت میں یہ سب سے قوی داعی (سبب) ہے اسے مقدم کیا کیونکہ جس غرض کے لئے آیت چلائی گئی ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ علماء نے کہا: موت سے مراد عدم محض اور خالص فنا نہیں جبکہ موت سے مراد روح کا بدن سے جو تعلق ہے اس کا انقطاع اور اس کی مفارقت ہے، دونوں میں کسی چیز کا حائل ہونا، ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانا اور ایک دار سے

دوسرے دار میں منتقل ہوتا ہے، جبکہ زندگی اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مکی اور مقاتل نے کہا: موت اور حیات دو جسم ہیں موت کو مینڈھے کی ایسی ہیئت میں بنایا گیا ہے جو کسی انسان کے پاس سے نہیں گزرتا اور کوئی اس کی ہوائ نہیں پاتا مگر مر جاتا ہے، حیات کو ایسے گھوڑی کی صورت پر بنایا گیا ہے جو سیاہ و سفید رنگ والی ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس پر حضرت جبریل امین اور انبیاء علیہم السلام سواری کیا کرتے تھے، اس کا ایک قدم حدنگاہ تک ہوتا ہے، جو گدھے سے بڑی اور نچر سے چھوٹی ہوتی ہے، یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی جو چیز اس کی ہوائ پاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، وہ کسی چیز کو نہیں روندتی مگر وہ ہر چیز زندہ ہو جاتی ہے، یہ وہی گھوڑی تھی جس کے قدم کے نشان سے سامری نے کوئی چیز لی اسے بچھڑے پر ڈالا تو وہ زندہ ہو گیا؛ ثعلبی اور قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے اسی کا معنی مقاتل اور کلبی سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں ہے قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ (السجدة: 11) وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ (الانفال: 50) تَوَفَّيْتُهُم مَّا سَلَّمُوا (الانعام: 61) فرمایا اللہ یتوفی الانفس چہین موتھا (الزمر: 42) واسطے فرشتے ہیں جو کرم ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں۔ حقیقت میں موت عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آخرت میں موت کو مینڈھے کی مثالی شکل دی جائے گی اور پل صراط پر اسے ذبح کر دیا جائے گا جس طرح خبر صحیح میں واقع ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس خبر صحیح کا محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مقاتل سے یہ بھی مروی ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ سے مراد ہے نطفہ، علقہ اور مضغہ کو پیدا کیا اور خلق الحیوة سے مراد ہے انسان کو پیدا فرمایا، اس میں روح پھونکی تو وہ انسان بن گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيَبْلُوَكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا دلالت کرتا ہے۔ سورہ کہف میں اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ سدی نے اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا معنی یہ ذکر کیا ہے اکثر بکم للموت ذکر ا و احسن استعداد ا تم میں سے کون موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور کون اس کے لئے زیادہ تیاری کرتا ہے؟ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کون زیادہ خوف رکھتا ہے اور کون زیادہ احتیاط برتتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت کے شروع اَحْسَنُ عَمَلًا تک آیات پڑھیں فرمایا: ”کون اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچتا ہے (1) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے۔“ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيَبْلُوَكُمْ کا معنی ہے تمہارے ساتھ مستحق کا سامنا کرے یعنی موت دے کر بندے کو آزماتا ہے تاکہ اس کے صبر کو واضح کرے اور حیات دے کر آزماتا ہے تاکہ اس کے شکر کو واضح کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بعث اور جزا کے لئے موت کو پیدا کیا اور زندگی کو آزمانے کے لئے پیدا کیا۔ لِيَبْلُوَكُمْ میں لام خلق حیات کے متعلق ہے خلق موت کے متعلق نہیں؛ زجاج نے اسے ذکر کیا ہے۔ فراء اور زجاج نے یہ بھی کہا: بلوی، ای پر واقع نہیں ہوتا کیونکہ بلوی وراہی کے درمیان فعل مضمر ہے جس طرح تو کہتا ہے: بلوتکم لانظر ایتکم اطوع اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلَّمُوا اَيْتُهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ (القلم) ان سے چھیں پھر دیکھیں۔ اَیُّکُمْ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع



ہے اَحْسَنُ اس کی خبر ہے معنی ہے تاکہ جانے یاد کیجئے تم میں سے از روئے عمل کے کون سب سے اچھا ہے؟ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ۝ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں غالب ہے اور جو توبہ کرے اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفَوُّتٍ ۚ فَاتَّحِجِبِ  
الْبَصَرُ ۚ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُوْرٍ ۝

”جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرہ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رختہ دکھائی دیتا ہے؟“۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں ان کی اطراف ملے ہوئے ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ طِبَاقًا یہ نعت کی صفت ہے مصدر کے ساتھ اس کی صفت لگائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے مطابقت کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَطَبَقَهَا تَطْبِيقًا اَوْ مُطَابَقَةً یا تقدیر کلام یوں ہوگی طُوبَقَتْ طِبَاقًا۔ سیبویہ نے کہا: طِبَاقًا منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ثانی ہے۔ میں کہتا ہوں: خَلَقَ، جعل اور صیغہ معنی میں ہوگا۔ طِبَاق، طبق کی جمع ہے جس طرح جمل کی جمع جمال ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طبقہ کی جمع ہے۔ ابان بن تغلب نے کہا: میں نے ایک بدو کو سنا جو کسی آدمی کی مذمت کر رہا تھا تو اس نے کہا: شترہ طِبَاقٍ وَخَيْرُهُ غَيْرُ بَاقٍ اس کا شتر تہہ در تہہ رہے اور اس کی خیر باقی رہنے والی نہیں (1)۔ قرآن کے علاوہ میں سب سے سموات طِبَاقٍ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ سَمَوَاتٍ کی صفت ہوئی اس کی مثل قرآن حکیم میں بھی ہے وَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ خُضْبٍ (یوسف: 43)

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفَوُّتٍ حمزہ اور کسائی کی قرات میں تَفَوُّتٌ ہے الف نہیں واو مشدود ہے (2)؛ یہ حضرت ابن مسعود اور اس کے اصحاب کی قرات ہے باقی قراء نے من تفاوت پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح تعاهد اور تعهد، تحنل اور تحامل، تظہر اور تظاهر، تصغر اور تصاعر، تضغف اور تضاعف، تبعد اور تباعد ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابو عبید نے من تَفَوُّتٍ کی قرات کو اختیار کیا ہے اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی حدیث سے استدلال کیا: امثل یتفوت علیہ فی بنائہ کیا مجھ جیسے آدمی کی عدم موجودگی میں اس کی بیٹیوں میں اس کی اجازت کے بغیر معاملہ کیا جاتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ امر ابو عبید پر رد کر دیا جائے گا کیونکہ یتفوت کا معنی ہوتا ہے مشورہ کے بغیر کام کرنا۔ آیت میں تَفَوُّتٍ کا لفظ مناسب ہے جس طرح تباین کہا جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: تَفَاوُتُ الْأُمُورِ اس میں جدائی اور بعد میں پیدا ہو جائے یعنی ان میں سے بعض، بعض سے فوت ہو جائے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمن کی تخلیق میں کوئی کجی، نقص اور تباین نہیں دیکھیں گے بلکہ یہ مستقیم ہیں، مستوی ہیں اور اس کے خالق ہونے پر دال ہیں اگرچہ ان کی صورتیں اور صفات مختلف ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف آسمان ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی تخلیق میں کوئی عیب نہیں دیکھیں گے۔ اس کی اصل فوت ہے مراد ہے کوئی چیز کسی چیز کو نہ پائے تو

برابری میں کمی کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے فرمایا: معنی ہے من تغرق ابو عبید نے کہا: تغرق الشئ کا معنی ہے جب وہ چیز ناپید ہو جائے پھر حکم دیا کہ اس کی تخلیق میں تم غور و فکر کرو تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرو تو فرمایا: فَأَمَّا جَمِيعُ الْبَصَرِ هَلْ تَدْرِي مِنْ لُطُوهِهَا ① اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھاؤ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قَلْبُ الْبَصَرِ فِي السَّمَاءِ اس نے آسمان کی طرف نظر کو اٹھایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجْهَدْ بِالنَّظَرِ إِلَى السَّمَاءِ۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَأَمَّا جَمِيعُ ارشاد فرمایا اور فاء کا ذکر کیا اس سے پہلے فعل مذکور نہیں کیونکہ فرمایا: مَا تَدْرِي معنی ہے دیکھئے پھر نظر کو لوٹائیے کیا آپ ﷺ کوئی کجی دیکھتے ہیں؟ یہ قنادہ کا قول ہے۔ فطور کا معنی پھٹن ہے: یہ مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے (1)۔ قنادہ نے کہا: معنی ہے خلل یعنی نقص (2)۔ سدی نے کہا: معنی ہے کوئی شکاف (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کمزوری۔ یہ تفتط اور انفطار سے ماخوذ ہے جس کا معنی انشقاق ہے۔ شاعر نے کہا:

بَنَى لَكُمْ بِلَا عَمِدٍ سَاءَ وَ زَيْنَهَا فَمَا فِيهَا فَطُورُ

بغیر ستونوں کے تمہارے لئے آسمان بنایا اور اسے مزین کیا اس میں پھٹن نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

شَقَقْتُ الْقَلْبَ ثُمَّ ذَرَنْتُ فِيهِ هَوَاكَ فَلْتَأْمِ الْفُضُورُ

تو نے دل کو پھاڑا پھر تو نے اس میں اپنی محبت کا بیج بویا پھر اسے جوڑ دیا گیا تو شکاف مند مل ہو گیا۔

لَمْ أَجْمَعْ الْبَصَرَ كَزَتَيْنِ يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَصِيئٌ ②

”جس نے بتائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔“

لَمْ أَجْمَعْ الْبَصَرَ كَزَتَيْنِ، کہ تین مفعول مطلق ہے کیونکہ اس کا معنی دوبار لوٹنا ہے۔ معنی یکے بعد دیگرے۔ دو دفعہ دیکھنے کا حکم دیا کیونکہ انسان جب کسی چیز کو ایک دفعہ دیکھتا ہے تو اس کا عیب نہیں پاتا جب تک دوسری دفعہ اسے نہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی اگرچہ دو دفعہ دیکھا تب بھی کوئی عیب نہ پایا بلکہ دیکھنے کے ساتھ متحیر ہو گئے اسی وجہ سے فرمایا: يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا یعنی آنکھ لوٹے گی جھکی ہوئی در ماندہ اور کوئی عیب پانے سے دور۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَسَاتِ الْقَلْبِ تو نے اسے دور کر دیا اور دُخَا الْكَلْبُ بنفسه کتنا خود دور ہو گیا۔ یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے انخسا الکلب یہ جملہ بھی بولا جاتا ہے: خَسَا الْبَصَرُ خَسَا وَ خَسُوْا اس کی آنکھ نہیں دیکھتی؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاسی اسے کہتے ہیں جو ایسی چیز نہ دیکھے جس کی وہ خواہش کرتا تھا۔ وَهُوَ حَصِيئٌ ③ وہ تھکاوٹ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ حَصِيئٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ حسود سے مشتق ہے جس کا معنی نکلنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خَسَا، بُغْدُ الشَّوْنِ اسم مفعول کے معنی میں ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے: اسی معنی



میں شاعر کا قول ہے:

مَنْ مَدَّ طَرَفًا إِلَى مَا فَوْقَ غَايَتِهِ إِذْ تَدَّ خُسَّانٌ مِنْهُ الطَّرْفُ قَدْ حَسَا

جو آدمی اپنی حد سے اوپر نظر کرتا ہے اس کی آنکھ ناکام لوٹتی ہے جبکہ وہ سخت تھکی ہوتی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: قَدْ حَسَا بَصَرًا يَعْنِي حُسُورًا یعنی وہ تھک گئی اور زیادہ عرصہ دیکھنے کی وجہ سے اس کی نظر میں انقطاع آ گیا اور جو اس کے مشابہ ہو۔ اس سے صفت کے صیغہ حسیر اور محسور استعمال ہوتے ہیں شاعر نے کہا:

نَظَرْتُ إِلَيْهَا بِالسُّحُوبِ مِنْ مِثْلِ فَعَادَ إِلَى الطَّرْفِ وَهُوَ حَسِيرٌ

میں نے اس کی طرف محسب سے دیکھا جو مٹی سے ہے، نظر میری طرف لوٹی جبکہ وہ تھکی ماندی تھی۔

ایک اور اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: فَسَطَرُهَا نَظَرُ الْعَيْنَيْنِ مُحْسُورِ اس اونٹنی کی جانب آنکھوں کی نظر تھکی ماندی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نادم ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

مَا أَنَا الْيَوْمَ عَلَى شَيْءٍ خَلَا يَا بِنْتَ الْقَيْنِ تَوَلَّى بِحَسْبِ

اے بنت قین! میں آج ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر شرمندہ ہو کر پلٹنے والا نہیں

كَوْنَتَيْنِ سے مراد یہاں کثرت ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَتَقَلَّبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ⑤ بار بار دیکھنے پر دلیل ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ

عَذَابَ السَّعِيرِ ⑥ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ⑦ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑧

”اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنادیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا

ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے

لئے عذاب جہنم ہے۔“

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ، مصابیح کی جمع ہے جس کا معنی چراغ ہے۔ ستاروں کو مصابیح کا نام دیا

کیونکہ یہ بھی روشن ہوتے ہیں۔ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا ضَمِيرٌ سے پہلے شہب کا لفظ مخدوف ہے اس کی دلیل إِلَّا مَنْ خُفِّفَ

الْخُفْفَةُ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ شَاقِبٌ ⑩ (الصافات) ہے۔ اس تاویل کی بنا پر مصابیح نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ رجم

کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر مصابیح کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس تاویل کی بنا پر رجم نفس کو اکب سے ہوگا اور

کو کب (ستارہ) خود ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک حصہ جدا ہوتا ہے جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے نہ اس کی روشنی میں کمی آتی

ہے اور نہ ہی اس کی صورت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ابوعلی نے یہ بات اس کے قول کے جواب میں کہی جو یہ کہتا ہے: یہ زینت

کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جو باقی ہی نہیں رہتے؟ مہدوی نے کہا: یہ اس صورت میں ہوگا کہ اس کا اخذ

کرتا کو اکب کے موضع سے ہو تقدیر ازل اس صورت میں ہوگی جب اخذ کرنا اس سے ہو جو کو اکب کے موضع سے نیچے سے۔  
 قشیری نے کہا: ابو علی کے قول سے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم یہ کہیں: یہ آسمانوں کی زینت ہیں جبکہ ان کے ساتھ بھی شیاطین و  
 رجم نہ کیا جائے۔ رجوم، رجم کی جمع ہے یہ مصدر ہے اس کے ساتھ نام رکھا جاتا ہے اس چیز کا جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔  
 قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نجوم کے تین فائدے بنائے ہیں۔ (۱) یہ آسمان کی زینت ہیں۔ (۲) شیاطین کے لئے رجم ہیں۔  
 (۳) ایسی علامات ہیں جن کے ساتھ خشکی، سمندر اور اوقات میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جس نے ان تین مقاصد کے  
 علاوہ کی تاویل کی ہے اس نے اس چیز کا تکلف کیا ہے جس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو، اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ محمد  
 بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! اہل زمین میں سے کسی کے لئے بھی آسمان میں کوئی ستارہ نہیں لیکن اہل زمین نے کہانت کو اس کی  
 راہ بنادیا اور انہوں نے ستارہ کو علت بنا دیا ہے۔

وَاعْتَدْنَا لَهُمُ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝ ہم نے شیاطین کے لئے شدید آگ تیار کر رکھی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے، سعیرت  
 النار فہی مسعورۃ و سعیرۃ جس طرح مقتولہ اور قتیل کا لفظ ہے

إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝

”جب وہ اس میں جمونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔“

إِذَا أُلْقُوا فِيهَا وَاضْمِر سے مراد کفار ہیں۔ سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا شہیق سے مراد آواز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے  
 کہا: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت جہنم کی یہ آواز ہوگی (۱)، وہ ان کے لئے یوں آواز نکالے گی کہ ہر کوئی خوفزدہ  
 ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت کفار کی یہ آواز ہوگی؛ یہ عطا کا قول ہے۔ شہیق  
 سینے کی آواز کو کہتے ہیں اور زفير حلق کی آواز کو کہتے ہیں۔ سورہ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے وَهِيَ تَفُورُ وہ جوش مارے گی۔  
 حضرت حسان بن سہب کا شعر ہے:

تَرَكْتُمْ قَدْرَكُمْ لَاشَىٰ فِيهَا وَ قَدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ

تم نے اپنی ہنڈیا کو یوں چھوڑا کہ اس میں کچھ بھی نہیں جبکہ قوم کی ہنڈیا گرم ہے، جوش مار رہی ہے۔

مجاہد نے کہا: وہ ان کے ساتھ جوش مار رہی ہوگی جس طرح کثیر پانی میں تھوڑے دانے جوش مارتے ہیں (۲)۔ حضرت  
 ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنڈیا ان پر جوش مار رہی ہوگی جس میں وہ ہوں گے۔ یہ سخت غصہ کی وجہ سے آگ کے شعلہ کی  
 شدت کا اظہار ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان یفور غیظا وہ غصہ کی وجہ سے جوش مار رہا ہے۔

تَكَادُ تَمَيِّرُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي



صَلَّى كَبِيرٌ ① وَ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ②  
فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ③ فَسُحِقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ④

”(ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جتھا جھوٹا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری، تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے: کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو آج ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر۔“

تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ وہ ٹکڑے ہو جائے گی اور اس کا بعض، بعض سے جدا ہو جائے گا؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابن زید نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر شدت غیظ کی وجہ سے پھٹ جائے گی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْغَيْظِ کا معنی جوش مارنا ہے۔ تَمَيِّزُ کی اصل تمیز ہے کُلَّمَا أَلْقَى فِيهَا فَوْجٌ فُوج سے مراد کفار کی جماعت ہے۔ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا جہنم کے دراونے تو بخ اور تفریع کے انداز میں ان سے سوال کریں گے۔ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ⑤ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جو تمہیں اس دن سے ڈراتا یہاں تک کہ تم احتیاط برتتے؟ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ یعنی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا، اس نے ہمیں ڈرایا اور خبردار کیا۔ فَلَئِنْ هُنَاوَلْنَا مَا كُنَّا لَنُشِيرُ لَعْنَةُ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبانوں پر کچھ نازل نہیں کیا۔ إِنْ أَنْتُمْ ضَمِير سے مراد رسولوں کی جماعت ہے۔ إِلَّا فِي صَلْبِ كَبِيرٍ ⑥ انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کا اعتراف کیا، پھر انہوں نے جہالت کا اعتراف کیا جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ کاش ہم رسولوں کی باتوں کو سنتے جو رسول لاتے تھے أَوْ نَعْقِلُ یا ان سے حکمت کی باتوں کو سمجھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کاش! ہم ہدایت کی بات کو سنتے یا اسے سمجھتے یا ہم اس آدمی کے سننے کی طرح سنتے جو یاد رکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے یا ہم اس آدمی کی طرح سمجھتے جو امتیاز رکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے (3)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ کافر کو کچھ بھی عقل نہیں دیا گیا۔ سوائے طور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ① یعنی ہم جہنمی نہ ہوتے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز تاجر شرمندہ ہوں گے۔ کہیں گے: کاش! ہم سنتے یا سمجھ بوجھ رکھتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔“ یعنی انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کے لیے جرم کا اعتراف کر لیا۔ یہاں ذنبا جمع کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خراج عطاء

الناس یعنی ان کے عطیات نکل گئے۔

فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انہیں دور کر دیا گیا ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو صالح نے کہا: یہ جہنم میں وادی ہے جسے حق کہتے ہیں (1)۔ کسائی اور ابو جعفر نے اسے فُسْحَقًا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (2)؛ یہ حضرت علیؓ شیر خدا سے بھی مروی ہے۔ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح سُحُت اور رُغُب۔ زجاج نے کہا: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے، تقدیر کلام یہ ہے اسْحَقَهُمُ اللہ سَحْقًا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کر دیا۔ امراء القیس نے کہا:

وَتَسْحَقُهُ رِيحُ الصَّبَا كُلُّ مَنْحَقٍ بادصبا سے دور کرتی ہے۔

ابو علی نے کہا: قیاس تو یہ تھا کہ مصدر اسحاق ہوتا تو مصدر حروف زائدہ کے حذف کے ساتھ آیا ہے جس طرح کہا گیا: وان اهلك فذالك كان قدری اگر میں ہلاک کیا جاؤں تو یہی میری تقدیر ہوگی۔ محل استدلال قدری ہے جو اصل میں تقدیری تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ یہ جہنم کے داروغوں کا قول ہے جو وہ جہنمیوں کو کہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝ وَاَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ (ق: 33) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو غیب ہے۔ یہ قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ ان کے لیے ان گناہوں کی بخشش ہے اور وَاَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ اجر کبیر ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔

وَاٰیٰتُہٗۤ اَقْوَلُکُمْ اَوْ اَجْہَرُ وَاٰیٰہٗ ۝ اِنَّہٗ عَلَیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۝

وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

”تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ (نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا، وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے۔“

وَاٰیٰتُہٗۤ اَقْوَلُکُمْ اَوْ اَجْہَرُ وَاٰیٰہٗ لفظ تو امر کا ہے معنی خبر کا دے رہا ہے یعنی اگر تم حضرت محمد ﷺ کے معاملہ میں اپنی کلام مخفی رکھو یا اسے ظاہر کرو۔ اِنَّہٗ عَلَیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝ وہ ذات پاک تو دلوں میں موجود خیر و شر کو بھی جانتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو نبی کریم ﷺ کے بارے میں باتیں کرتے تھے تو حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں بتا دیتے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: آہستہ بات کرو تاکہ (حضرت) محمد ﷺ کا رب سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی وَاٰیٰتُہٗۤ اَقْوَلُکُمْ اَوْ اَجْہَرُ وَاٰیٰہٗ حضرت محمد ﷺ کے



معاملہ میں آہستہ بات کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام اقوال آہستہ سے کیا کرو یا اعلانیہ کیا کرو۔ اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ دلوں میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُورِ سے مراد مافی الصدور ہے جس طرح عورت کا بچہ جب جنین ہو تو اسے ذابطنہا کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ ذات پاک جس نے سہا کو پیدا کیا۔ وہ سہا کو نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے دل میں راز کو پیدا کیا ہے، کیا بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ علماء معانی نے کہا: اگر تو چاہے تو مَنْ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لے لے تو معنی یہ ہوگا کیا خالق اپنی مخلوق کو نہیں جانتا اگر چاہے تو تو اس سے مراد مخلوق لے لے یعنی اسے مفعول بہ بنا لے تو معنی ہوگا کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ خالق اسے جانتا ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور جسے پیدا کرے گا۔ ابن مسیب نے کہا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی رات کے وقت گھنے درختوں میں بیٹھا ہوا تھا، تیز ہوا چلی تو انسان کے دل میں خیال پیدا ہوا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ان گرنے والے پتوں کو جانتا ہے؟ تو گھنے درخت جانب سے بڑی عظیم آواز آئی: کیا وہ ذات اپنی مخلوق کو نہیں جانتی جبکہ وہ لطیف و خبیر ہے۔

استاذ ابو اسحاق اسفراکینی نے کہا: صفات ذات کے اسماء میں سے جو علم کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک علیم ہے اس کا معنی ہے جمع معلومات کو عام ہے۔ ان میں سے ایک خبیر ہے۔ یہ خاص ہے کہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہے اس کے واقع ہونے سے پہلے وہ باخبر ہے۔ ان میں سے ایک حکیم ہے۔ اس سے مراد ہے وہ اوصاف کے حقائق کو جانتا ہے۔ ان میں سے ایک شہید ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ غائب و حاضر کو جانتا ہے۔ اس کا معنی ہے اس سے کوئی شئی غائب نہیں۔ ان میں سے ایک حافظ ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ بھولتا نہیں۔ ان میں سے ایک محصو ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ کثرت اسے علم سے غافل نہیں کرتی جس طرح نور کی روشنی، ہوا کا سخت ہونا، پتوں کا گرنا، اس اعتبار سے ہر پتے کی حرکت کے اجزاء کو بھی جانتا ہے۔ وہ کیسے نہ جانے جبکہ اسی نے پیدا کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهَا ۚ وَإِلَيْهِ  
النُّشُورُ ۝

”وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے۔“

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا یعنی نرم جس پر تم قرار پذیر ہوتے ہو۔ ذلول ایسے مطیع کو کہتے ہیں جو تیرے لیے نرمی کرتا ہے اس کا مصدر ذُل ہے جس کا معنی نرمی اور اطاعت کرنا ہے یعنی زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کی سختی کی وجہ سے اس میں چلنا ممکن نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا تاکہ وہ اپنے مکینوں کے ساتھ جھک ہی نہ جائے۔ اگر یہ ایک طرف جھکنے والی ہوتی تو یہ ہمارے لیے مطیع نہ ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کھیتی اگانا، درخت لگانا، چشموں کا پھوٹ پڑنا، نہریں نکالنا اور کنویں کھودنا ممکن ہے۔

فَأَمْسُوا فِي مَنَاكِهَٰمُ رَابِحَاتٍ لِّیْهِ اِسْمِ احسان کرنے کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر ہے جو امر کے لفظ کی صورت میں ہے یعنی تاکہ تم اس کی اطراف، اس کے چھوٹے پہاڑوں اور اس کے بڑے پہاڑوں پر چلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور بشیر بن کعب نے کہا: **فِي مَنَاكِهَٰمُ** مراد اس کے پہاڑ ہیں (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت بشیر بن کعب کی ایک لونڈی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا: اگر تو مجھے بتادے کہ زمین کے مناکب کیا ہیں تو تو آزاد ہے؟ اس نے جواب دیا: زمین کے مناکب سے مراد اس کے پہاڑ ہیں تو وہ آزاد ہو گئی۔ حضرت بشیر بن کعب نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا اور حضرت ابوذر داء بنی شہ سے پوچھا: آپ نے فرمایا: جو تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا جو تجھے شک میں نہ ڈالے (☆)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے اطراف، منکب الرجل سے مراد بندے کی دونوں اطراف ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: اس کے راستوں اور تنگ راستوں میں؛ یہی سدی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: مراد اس کی اطراف ہیں (2)۔ منکب کا اصل معنی جانب ہے اسی سے منکب الرجل ہے۔ انسان کا کندھا، اس سے ایک لفظ ریح نکباء ٹیڑھی چلنے والی ہوا ہے۔ **تَنْكِبُ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ فُلَاں** سے ایک طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں تم چاہو تم چلو میں نے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، اب یہ تمہارے مانع نہیں۔ قتادہ نے ابو جلد سے روایت نقل کی ہے زمین چوبیس ہزار فرسخ ہے۔ حبشیوں کے لیے بارہ ہزار فرسخ، رومیوں کے لیے آٹھ ہزار فرسخ، ایرانیوں کے لیے تین ہزار فرسخ اور عربوں کے لیے ایک ہزار فرسخ (3)۔ **وَكُلُوا مِنْ ثَرْدِ قَوْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی** نے تمہارے لیے جسے حلال کیا ہے اسے کھاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کھاؤ جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ **وَ اِلَيْهِ النُّشُورُ** اس کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ ذات جس نے آسمان کو کجی کے بغیر پیدا کیا اور زمین کو مطیع بنایا وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

عَاَمِنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُورُ ۝۱۱

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم اس کے عذاب سے امن میں ہو جو آسمان میں ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے **اَمِنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَآءِ قَدْرَتُهُ و سُلْطَانُهُ و عَرْشُهُ و مَمْلُکَتُهُ** یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے جس کی قدرت، سلطان، عرش اور مملکت آسمان میں ہے۔ یہاں آسمان کو خاص کیا ہے جبکہ اس کی مملکت عام ہے۔ اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ جس کی قدرت آسمانوں میں نافذ ہے نہ کہ وہ الہ ہے جس کی تم زمین میں عظمت بیان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبرائیل امین کی



طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت جبرائیل امین وہ فرشتہ ہے جس کے ذمہ عذاب دینا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کیا تم بے خوف ہو گئے اس خالق سے جس نے پیدا کیا ہے ان چیزوں کو جو آسمان میں ہیں کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کو زمین میں دھنسایا تھا۔  
فَإِذَا هِيَ تَمُوتُ ① یعنی وہ جائے گی اور آئے گی۔ مور کا معنی آنے اور جانے میں اضطراب ہے۔  
شاعر نے کہا:

رَمَيْنَ فَأَقْصَدَنَ الْقُلُوبَ دَلَنَ تَرَى دَمًا مِائِثًا إِلَّا جَرَى فِي الْحَيَازِ

انہوں نے تیر مارے اور انہوں نے دلوں کا قصد کیا تو ہرگز پھیلنے والے خون کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ وہ سینے کے وسط میں چلتا ہے۔

حیاز مر یہ حیز و مکی جمع ہے۔ وہ سینہ کا وسط ہے جب انسان کو دھنسایا جاتا ہے تو زمین اس پر گھوم جاتی ہے۔ یہی مور ہے۔ محققین کہتے ہیں: کیا تم بے خوف ہو اس سے جو آسمانوں سے بھی اوپر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَيُخَوِّدُ الْإِنْمَاضَ (التوبہ: 2) یعنی جو آسمان سے اوپر ہے اس کا خوف مس کرنے سے نہیں اور نہ ہی اسے مکان بنانے سے ہے بلکہ وہ اس پر غلبہ رکھتا ہے اور تدبیر فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے امنتم من علی السماء جس طرح 'وَلَا وَصَلَبْتُمْ فِي جُدُوعِ النَّحْلِ' (طہ: 71) فی، علی کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہو گا اس کا مدبر اور اس کا مالک ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فَلَانَ عَلَى الْعِرَاقِ وَالْحِجَازِ یعنی فلاں عراق اور حجاز کا والی اور اس کا امیر ہے۔ اس باب میں اخبار بہت زیادہ ہیں، صحیح ہیں، مشہور و معروف ہیں، بلندی کی طرف اشارہ کرنے والیاں ہیں، ان کا انکار صرف ملحد یا معاند جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پستی سے اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس کی علو اور عظمت کے ساتھ صفت یہ اماکن، جہات اور حدود کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفات ہیں۔ دعا کے موقع پر ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے کیونکہ آسمان وحی کا محبط ہے، بارش وہاں سے نازل ہوتی ہے، پاکیزگی کا محل ہے اور پاکیزہ فرشتوں کا معدن ہے، بندوں کے اعمال اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ آسمانوں سے اوپر اس کا عرش اور اس کی جنت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو دعا اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے امکان کو پیدا کیا ہے، وہ امکان کا محتاج نہیں، وہ مکان اور زبان کے پیدا کرنے سے پہلے ازل میں تھا، اس کا کوئی مکان اور زبان نہیں تھا، وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ قبل نے ابن کثیر سے النشور و امنتم پڑھا ہے۔ پہلے ہمزہ کو واؤ اور دوسرے میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں، بصریوں اور اہل شام نے ابو عمرو اور ہشام کے علاوہ دونوں ہمزوں میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

أَمْ أَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ② فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نُنْزِلُ ③

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا، تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈر انا کیسا ہوتا ہے۔“

حَاصِبًا یعنی آسمان سے پتھر برسائے جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب فیل پر پتھر برسائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی ہوا بھیجے جس میں پتھر اور سنگریزے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا بادل بھیجے جس میں پتھر ہوں۔ نذیر، اندازی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر، منذر کے معنی میں ہے۔ مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو تم عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور جھٹلانے کا انجام دیکھ لو گے۔

### وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝

”اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا۔“

اسم موصول سے مراد امتوں کے کفار ہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد، قوم ثمود، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب مدین، اصحاب رس اور قوم فرعون۔

نَکِیْر بھی انکاری کے معنی میں ہے یعنی یائے متکلم محذوف ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ورش نے نذیری اور نکیری میں یاء کو وصل میں ثابت رکھا ہے۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے باقی قراء نے مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا ہے۔

### أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَتْ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ

### شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝

”کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں، نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔“

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَتْ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے اس طرح پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر کیا ہے صَفَتْ کا معنی باسطات ہے یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں کیونکہ جب وہ انہیں پھیلاتے تو توادم (بڑے پر) کو صف در صف کر لیتے ہیں وَيَقْبِضْنَ انہیں اپنے پہلوؤں سے مارتے ہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: پرندہ جب اپنے پروں کو پھیلائے تو اسے صاف کہتے ہیں اور جب انہیں ملا لے تو اسے قابض کہتے ہیں کیونکہ اس وقت وہ پروں کو قبض کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پروں کو پھیلانے کے بعد قبض کر لیتے ہیں جب وہ اڑنے سے وقفہ کرتے ہیں۔ اس کا عطف صَفَتْ پر ہے۔ فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر ہے جس طرح اسم فاعل کا عطف فعل مضارع پر ہے۔ یقصد فی اسوقھا و جائریہاں جائر کا عطف یقصد پر ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ پرندہ جب فضا میں اڑ رہا ہو تو فضا میں اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں روکتا۔

### أَمِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدُكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۚ إِنَّ الْكُفْرَ دُونَ إِلَّا فِي



## عُرُوْا ①

”(اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ، بے شک منکرین دھوکہ میں مبتلا ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جُنْدُ کا معنی حزب اور منعة کیا ہے (1)، یعنی ایسی جماعت جو تمہارا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ جس کا تمہارے بارے میں ارادہ کرے گا۔ اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ لفظ جند واحد ہے اسی وجہ سے فرمایا: هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدُكُمْ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے پاس کوئی لشکر نہیں جو تمہارا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دفاع کرے۔ دون، سوا کے معنی میں ہے۔ کافر شیطان کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ انسان کو دھوکہ دیتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں کوئی حساب نہیں۔

## أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُوْرٍ ②

”کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔“

کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں دنیا کے منافع عطا کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تم پر بارش نازل فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے بلکہ انہوں نے سرکشی کی اور سرکشی میں اور حق سے دور بھاگنے میں اصرار کیا۔

## أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ③

”کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔“

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مُكِبًّا وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہے وہ اپنے سامنے نہیں دیکھ سکتا نہ دائیں دیکھ سکتا ہے اور نہ بائیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ لڑکھڑانے اور منہ کے بل گرنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح وہ آدمی جو سیدھا اعتدال سے چلتا ہے جبکہ وہ سامنے، اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ دنیا میں ہے۔ یہ جائز ہے کہ مراد اندھا ہو جو راستہ کی طرف ہدایت نہیں پاتا تو وہ بھٹک جاتا ہے وہ ہمیشہ منہ کے بل گرتا رہتا ہے۔ وہ اس آدمی کی طرح نہیں جو سیدھے قدم والا، صحیح، دیکھنے والا ہے اور راستہ میں چلتا ہے اور ہدایت پاتا ہے۔ قنادہ نے کہا: مراد کافر ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر منہ کے بل گرا رہتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل ہی گرائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی نے کہا: أَمَّنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ سے مراد ابو جہل ہے اور الذی یمشی سویاً سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر و مومن کو عام ہے یعنی کافر

نہیں جانتا کہ کیا وہ حق پر ہے یا باطل پر ہے یعنی کیا یہ کافر زیادہ حق پر ہے یا مسلمان حق پر ہے جو سیدھا اور اعتدال کے ساتھ چلتا ہے جبکہ وہ راستہ بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکب باب افعال ہو تو لازم استعمال ہوتا ہے اور کب مجرد ہو تو متعدی استعمال ہوتا ہے جیسے کتبہ اللہ لوجہ۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

”آپ فرمائیے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو شرک کی قباحت سے آگاہ کریں جبکہ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں پیدا کیا ہے۔ اَلْأَفْئِدَةُ سے مراد دل ہیں۔ قَلِيلًا مَّا یہ لاکے معنی میں ہے یعنی تم ان نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے اور تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان نہیں کرتے تو کہتا ہے: قلما فعل کذا یعنی میں اسے نہیں کرتا۔

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

”آپ فرمائیے: اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روزِ حشر) تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازاراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔“

ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تمہیں زمین میں پیدا کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں اس میں پھیلا دیا اور اس پر تمہیں بکھیر دیا (2)؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ تمہیں اس کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا تا کہ ہر کسی کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں: یہ قیامت کب آئے گی؟ یہ عذاب کب آئے گا جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ یہ بات بطور استہزاء کہا کرتے تھے۔

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝

”آپ فرمائیے: (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“

اے محمد! سنو! یہ تمہیں بتا دیجئے قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي (الاعراف: 187) نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ تمہیں ڈرانے والا اور تمہیں تعلیم دینے والا ہے۔



فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ ﴿١٠٦﴾

”پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو۔“

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً۔ زُلْفَةً مصدر ہے جو مزدلفا کے معنی میں ہے جس کا معنی قریب ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی عیاں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا: معنی ہے جب وہ عذاب کو قریب دیکھیں گے۔ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد بدر کا عذاب ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس حشر کا ان سے وعدہ کیا گیا اس کو قریب دیکھیں گے۔ اس پر تحشرون دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اپنے برے عمل کو قریب دیکھیں گے۔

سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا کفار کے ساتھ برا معاملہ کیا جائے گا۔ زجاج نے کہا: ان کے چہروں میں سوء کو ظاہر کر دے گا اور ان کے چہروں پر ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو ان کے کفر پر دلالت کرے گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (آل عمران: 106)

نافع، ابن مہیسن، ابن عامر اور کسائی نے ضمہ کے اشہام کے ساتھ سیئت پڑھا ہے باقی قراء نے اشہام کے بغیر خفت کو طلب کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ جس نے ضمہ پڑھا اس نے اصل کو پیش نظر رکھا۔

وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ ﴿١٠٦﴾ قراء نے کہا: تَدْعُونَ یہ دعا سے تفتعلون کا وزن ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے یعنی تم تمنا کرتے ہو اور سوال کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ اس کی تاویل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تم باطل کا دعویٰ کیا کرتے تھے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ عام قرأت تَدْعُونَ ہے۔ اس کی تاویل وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ قتادہ، ابن ابی اسحاق، ضحاک اور یعقوب نے تَدْعُونَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کا یہ قول ہے رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَنَا (ص: 16) ضحاک نے کہا: وہ ان کا یہ قول ہے اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ (الانفال: 32) حضرت ابو العباس نے کہا: تدعون کا معنی ہے تم جلدی مچاتے ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوت بکذا۔ جب تو اسے طلب کرے۔ ادعیت یہ اسی سے باب افتعال ہے۔ نحاس نے کہا: تدعون اور تدعون دونوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح کہا جاتا ہے: قدر اور اقتدر، عدی اور اعتدی، مگر افتعل میں ایسا معنی ہے کہ ایک شے دوسری شے کے بعد واضح ہوتی ہے اور فعل، قلیل و کثیر پر واقع ہوتی ہے۔

قُلْ أَسَأَلْتُكُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَّعِيَ أَوْ رَاحَتُنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ﴿١٠٧﴾

”آپ فرمائیے: (اے منکر!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرما دے تو کون بچالے گا کافروں کو دردناک عذاب سے۔“

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں کہہ دیجئے۔ مراد مشرکین مکہ ہیں۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی موت کا انتظار کرتے تھے

جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَدَبُّهُ مِن رَّيْبِ الْمُؤْمِنِينَ** (الطور) بتاؤ اگر ہمیں موت آجائے یا ہم پر رحم کیا جائے اور ہماری موت کے وقت کو موخر کر دیا جائے تو تمہیں عذاب الیم سے کون پناہ دے گا تو تمہیں ہماری موت کے انتظار کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی قیامت کے وقوع کی جلدی کی ضرورت ہے۔ ابن محیسن، مسیب، شیبہ، ائمش اور حمزہ نے اہلکنی کی یاء کو ساکن کیا ہے، باقی قرء نے اسے فتح دیا ہے۔ تمام قراء نے کہا: ومن معی کی یاء کو فتح دیا ہے مگر اہل کوفہ نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ حفص نے اسے دوسرے قراء کی طرح فتح دیا ہے۔

**قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** (1)

”فرمائیے: وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔“

کسانی نے تعلمون کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1) اور اسے علی سے روایت کیا ہے باقی قراء نے خطاب کے صیغہ کے طور پر تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ان کو دھمکانا ہے۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: اَمَنَّا کے مفعول بہ کو موخر کیوں کیا گیا اور تَوَكَّلْنَا کے مفعول کو مقدم کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب دیا جائے گا: کافروں کے ذکر کے بعد جب اس کو ذکر کیا تو کفار سے اشارۃ بات کی گئی گویا کہا گیا ہم ایمان لائے اور ہم نے کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا۔ پھر فرمایا: وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا خصوصاً ہم ان چیزوں پر بھروسہ نہیں رکھتے جن پر تم بھروسہ رکھتے ہو جیسے اپنے مردوں اور اپنے اموال پر: یہ زمخشری کا قول ہے (2)۔

**قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوًّا فَمِنْ أَنتُمْ مَاءٌ يَّاتِيَكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ** (3)

”آپ پوچھیے: اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لادے گا۔“

**قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوًّا فَمِنْ أَنتُمْ مَاءٌ يَّاتِيَكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ** (3) معین کا معنی جاری ہے: یہ قنادہ اور سخاک کا قول ہے۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ کہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی لانے والا نہیں، تو فرمائیے: تم اس کے ساتھ ایسے کیوں شریک ٹھہراتے ہو جو تمہارے لیے پانی لانے والا بھی نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غار الساء یغور غوراً پانی کا دور چلا جاتا، غور، غائر کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لیے مصدر کے ساتھ صفت ذکر کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: رجل عدل ورضا سورۃ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سورۃ مومن میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ماء معین کا معنی ہے ظاہر پانی جسے آنکھیں دیکھ سکیں (3)۔ یہ مفعول کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن الساء سے مشتق ہے یعنی زیادہ ہو جانا اس وقت فعل کا وزن ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کون میٹھا پانی لائے گا؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



4۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1855

تک لکھے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا گیا۔ جبار نے ارشاد فرمایا: میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے بڑھ کر مجھے پسند ہو۔ میری عزت و جلال کی قسم! میں جس سے محبت کرتا ہوں گا اس میں تجھے مکمل کروں گا اور جس سے ناراض ہوں گا۔ اس میں تجھے ناقص رکھوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اکمل الناس عقلاً أطوعهم لله وأعلهم بطاعته (1) لوگوں میں سے از روئے عقل کے سب سے کامل وہ ہیں جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اس کی طاعت میں زیادہ عمل کرنے والے ہیں۔

مجاہد نے کہا: ن سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کے ساتھ ذکر لکھا گیا ہے: اسی طرح مقاتل، مرہ ہمدانی، عطا خراسانی، سدی اور کلبی نے کہا: نون سے مراد وہ مچھلی ہے جس پر سات زمینیں قائم ہیں۔ ابو ظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے (2): سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا، پھر پانی کے بخار کو اٹھایا تو اس سے آسمان کو بنایا پھر مچھلی کو پیدا کیا تو اس کی پشت پر زمین کو بچھا دیا۔ زمین جھک گئی تو اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا، بے شک پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ن وَالْقَلَم کی قرأت کی۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: اس مچھلی کا نام بہوت ہے۔ راجز نے کہا:

مَالِ أَرَاكُمْ كُنْكُمْ سَكُونًا وَ اللَّهُ رَبِّي خَلَقَ الْبَهْمُوتَ

کیا وجہ ہے میں تم سب کو خاموش دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے بہوت کو پیدا کیا ہے۔

ابو ظبیان اور واقدی نے اس کا نام لیوٹ لیا ہے (3)۔ کعب نے کہا: اس کا نام لوٹوٹ ہے۔ کہا: اس کا کام بلموٹ ہے۔ کعب نے کہا: ابلیس مچھلی میں داخل ہو گیا جس مچھلی پر زمینیں ہیں اس نے مچھلی کے دل میں وسوسہ اندازی کی۔ کہا: اے لوٹوٹ! کیا تو جانتی ہے تیری پشت پر چوپاؤں، درختوں اور زمینوں وغیرہ میں سے کیا کچھ ہے اگر تو انہیں پھینکنا چاہے تو تو ان سب کو اپنی پشت سے نیچے پھینک دے۔ لوٹوٹ نے اس طرح کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ایک جانور بھیجا وہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک جا پہنچا۔ مچھلی نے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری کی اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو اجازت دے دی تو وہ جانور نکل گیا۔ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا اور مچھلی اس کی طرف دیکھتی اگر اللہ اس میں سے کسی چیز کا ارادہ کرتا تو جس طرح وہ پہلے تھی اسی طرح ہو جاتی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ن لفظ حمن کا آخری حرف ہے فرمایا: التا، حتم، ن مجموعہ حمن ہے ان حروف کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے (4)۔ ابن کیسان نے کہا: سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے۔ عطا اور ابو العالیہ نے کہا: یہ اس کے اسماء نصیر، نور اور ناصر کا آغاز ہے (5)۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی کہ وہ مومنوں کی مدد فرمائے گا۔ یہ حق ہے۔ اس کی وضاحت



اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ** (الروم)۔ امام جعفر صادق نے کہا: یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسے نون کہتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا: یہ حروف معجم میں سے ایک ہے کیونکہ اگر یہ کوئی اور چیز ہوتی تو یہ معرب ہوتا۔ ابونصر عبد الرحیم قشیری نے اسے پسند کیا ہے۔ فرمایا: ن حرف ہے اس پر اعراب نہیں۔ اگر یہ مکمل قلم ہوتا تو اس پر اسی طرح اعراب ہوتا جس طرح قلم پر اعراب دیا جاتا ہے یہ حرف تہجی ہے جس طرح باقی ستونوں کے آغاز میں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے یعنی یہ سورہ نون ہے پھر فرمایا: **وَالْقَلَمُ**۔ قلم کی قسم اٹھائی کیونکہ اس کے ذریعے ہی وضاحت کی جاتی ہے جس طرح زبان کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس حکم پر ہوتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو۔ اسی معنی میں ابوالفتح بستی کا قول ہے:

كفى قلم الكتاب عزاً و رفعة مَدَى الدهر أن الله أقسم بالقلم

کاتبوں کے قلم کے لیے طویل زمانہ تک یہ عزت و رفعت میں کافی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھائی ہے۔ شعراء کے بے شمار ایسے الفاظ ہیں جن میں قلم کو تلواریں پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان سب سے اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اس قلم کی قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا۔ کہا: یہ قلم نور کا ہے اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے (2)۔ یہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کی طرف دیکھا تو اس میں شق پیدا ہو گیا فرمایا: چل پڑ۔ قلم نے عرض کی: اے میرے رب! میں کس کے ساتھ جاری ہوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھنے کے ساتھ چل پڑ۔ تو وہ لوح محفوظ پر جاری ہو گیا۔ ولید بن عبادہ بن صامت نے کہا: میرے والد نے اپنے وصال کے موقع پر وصیت کی اور کہا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو! تو کبھی بھی متقی نہیں بنے گا اور علم تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے (3)۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، قلم اس لمحہ لکھنے لگی جو کچھ ہو چکا تھا اور ہمیشہ کے لئے جو کچھ ہونے والا تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اسے حکم دیا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھتا جائے اس نے جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی لکھا **تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ**۔ قتادہ نے کہا: قلم بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اول قلم کو پیدا کیا جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا (4) اسے اپنے عرش پر اپنے پاس رکھ دیا، پھر دوسرے قلم کو پیدا کیا تاکہ اس کے ساتھ زمین میں لکھے جس کی وضاحت سورہ **إِقْدَأْ بِأَسْمِ مَا بَكَ** میں آ رہی ہے۔

وَمَا يَنْظُرُونَ ۝ اور جو وہ لکھتے ہیں، مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے لوگ لکھتے ہیں اور جس کے ذریعے ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: وَمَا يَنْظُرُونَ ۝ کا معنی ہے جو وہ جانتے ہیں موصولہ ہے یا مصدر یہ ہے مراد مسطور ہے یا سطر ہے، مراد ہوگا جو کوئی لکھتا ہے یا جسے حفظ فرشتے لکھتے ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ یہ جواب قسم ہے اور جملہ منفیہ ہے۔ مشرک نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہ مجنون ہے، اس کا ایک شیطان ہے نعوذ باللہ (2)۔ وہ ان کا یہ قول تھا: يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور ان کے قول کی تکذیب کرتے ہوئے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہاں نعمت رحمت کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ اپنے رب کی رحمت کے ساتھ مجنون نہیں۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں نعمت قسم کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی تیرے رب کی نعمت کی قسم! آپ مجنون نہیں کیونکہ واؤ اور باء حروف قسم میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کا یہ معنی ہے مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ وَالنِّعْمَةُ لِرَبِّكَ جس طرح ان کا قول ہے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ یعنی والحمد لله۔ اسی معنی میں لبید کا یہ شعر ہے:

وَأَفْرَدْتُ فِي الدُّنْيَا بِفَقْدِ عَشِيْقِي وَفَارَقْنِي جَارٌ بِأَرْبَدٍ نَافِعٌ

اس شعر میں باربد، دھواربد کے معنی میں ہے۔ تابغہ کا شعر ہے:

لَمْ يُخَرِّمُوا حُسْنَ الْغِذَاءِ وَأُمُّهُمْ طَفَعَتْ عَلَيْكَ بِنَاتِقٍ مِذْكَارٍ

اس میں بھی بناتق، ہوناتق کے معنی میں ہے۔ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ کے متعلق ہے جس کی نفی کی گئی ہے جس طرح کلام مثبت میں غافل کے متعلق ہے۔ تیرا قول ہے: أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ غَافِلٌ اس کا کل نصب ہے۔ یہ حال ہے گویا فرمایا: مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ مَنَعًا عَلَيْكَ بِذَلِكَ۔ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا آتٍ کے لیے ثواب ہے کیونکہ آپ نبوت کے بوجہ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وہ نہ ختم ہوگا اور نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَنْنْتَ الْحَبْلَ جب توری کو کاٹ دے حبل منین جب وہ مضبوط نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

غُبْنَا كَوَاسِبَ لَا يَسِنُ طَعَامُهَا

یہاں بھی لایسن، لایقطع کے معنی میں ہے۔ ان کا کھانا ختم نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا: غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ کا معنی ہے اس کا کوئی حساب نہ ہوگا (4)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اے احسان جتنا کر گدلا نہ کیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: بغیر عمل کے اجر ہوگا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر اندازہ کے ہوگا (6)۔ یہ فضل و احسان ہے کیونکہ جزا اندازے سے ہوتی ہے اور فضل و احسان اندازے کے بغیر ہوتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔



## وَإِنَّكَ لَعَلَّ خُلِقْتَ عَظِيمٌ ۝

”بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

خلق سے مراد

**مسئلہ نمبر 1۔** وَإِنَّكَ لَعَلَّ خُلِقْتَ عَظِيمٌ ۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: علی خلق سے مراد ہے دینوں میں سے عظیم دین پر۔ اللہ تعالیٰ کو اس دین سے بڑھ کر کوئی دین محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: آپ کا خلق قرآن ہے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور عطیہ نے کہا: اس سے مراد ادب قرآن ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ ﷺ کا اپنی امت کے لیے نرم دل ہونا اور ان کو اکرام سے نوازنا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کا حکم دے اس کو بجالانا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے اس سے رک جانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ﷺ طبع کریم پر ہیں۔ ماوردی نے کہا: یہی معنی ظاہر ہے (3)۔ لغت میں خلق کا حقیقی معنی یہ ہے ہو مایا خذبه الإنسان نفسه من الأدب انسان اپنے نفس کے لیے جو ادب اپناتا ہے اسے خلق کہتے ہیں کیونکہ یہ چیز اس میں خلقت کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس ادب پر اسے پیدا کیا جاتا ہے اسے خیم کہتے ہیں جس کا معنی سحیۃ اور طبیعۃ ہے۔ لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ خیم پہاڑ کا نام ہے۔ خلق ایسی فطرت ہے جس میں تکلف ہو اور خیم ایسی فطرت ہے جو پیدائشی ہو۔ اشی نے اسے اپنے شعر میں واضح کیا ہے:

وَإِذَا ذُو الْفُضُولِ ضَنَّ عَلَى النَّوْ لِي وَ عَادَتْ لَخِيْمَهَا الْأَخْلَاقُ

جب مالدار غلام پر بخل کرنے لگیں تو اخلاق اپنی طبع کی طرف لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو قول، ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے وہ تمام اقوال سے اصح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ سے دس آیات کو پڑھا۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اخلاق میں کوئی اچھا نہ تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ اور گھروالوں میں سے کسی نے آپ ﷺ کو نہ بلایا مگر آپ ﷺ نے جواب میں کہا: لبیک۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلَّ خُلِقْتَ عَظِيمٌ ۝ کوئی خلق محمود ذکر نہیں کیا گیا مگر نبی کریم ﷺ کا اس میں وافر حصہ ہوتا۔ جنید بغدادی نے کہا: آپ ﷺ کے خلق کو عظیم کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ کہنے کی کسی کی ہمت نہ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ﷺ کے خالق کو عظیم نام دیا گیا کیونکہ آپ ﷺ میں مکارم اخلاق جمع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ادب سکھایا، اس کی آپ ﷺ نے اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (الاعراف) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے میرے رب نے اچھا ادب سکھایا کیونکہ ارشاد فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ

بِالْعَرَفِ وَأَعْرَضَ عَنِ الْجَاهِلِينَ ⑤ (الاعراف) جب میں نے اسے قبول کر لیا تو فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلَّ خُلُقٍ عَظِيمٍ ⑥۔  
خلق سے مراد اخلاق ہے

**مسئلہ نمبر 2۔** امام ترمذی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتق الله حيثما كنت واتبع السيئة الحسنة تسحها وخالق الناس بخلق حسن جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد اچھائی کرو جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ خلق حسن کے ساتھ معاملہ کرو (1)۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ فحش یا وہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ما من شيء يوضع في الميزان أثقل من حسن الخلق وإن صاحب حسن الخلق ليبذل به درجة صاحب الصلاة والصوم جو چیز میزان میں رکھی جاتی ہے حسن خلق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی۔ اچھے اخلاق والا نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے کے درجہ تک جا پہنچتا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے، اسی سند سے مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ کنسی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی؟ فرمایا: ”اللہ سے تقویٰ اور حسن خلق“ (3)۔ پوچھا گیا: کنسی چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی؟ فرمایا: ”منہ اور شرمگاہ“۔ کہا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے: آپ نے حسن خلق کے بارے میں فرمایا: ترش روئی نہ کرنا، نیکی کرنا اور اذیت کو دور کرنا (4)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز مجھے سب سے محبوب اور میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو تم میں سے اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا“ (5)۔ فرمایا: ”قیامت کے روز تم میں سے سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس میں سب سے دور وہ ہوگا جو شرثاروں (زیادہ باتیں کرنے والے) متشدقون (زبان دراز) اور متفیہقون ہیں“۔ صحابہ نے عرض کی: ہم شرثاروں اور متشدقون کو تو جانتے ہیں، یہ متفیہقون کون ہیں؟ فرمایا: ”متکبر“۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

فَسْتَبْصِرْ وَيُبَصِّرُونَ ⑤ بِأَيِّكُمُ الْمَفْقُتُونَ ⑥ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ⑦

”عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے؟ بے شک آپ کا

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، ما جاء في معاشرۃ الناس، جلد 2، صفحہ 20۔ ایضاً، حدیث نمبر 1910، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً

3۔ ایضاً

2۔ ایضاً، ما جاء في حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 21۔ ایضاً، حدیث نمبر 1925، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ ایضاً، باب ما جاء في معاني الاخلاق، جلد 2، صفحہ 22



رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔

فَسَتَّبِعُوا وَيُبْصِرُونَ ﴿٥﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے آپ عنقریب جان لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز جان لیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز دیکھ لیں گے جب حق اور باطل واضح ہو جائے گا (2)۔ بِأَيِّكُمْ الْمَفْتُونُ ﴿٦﴾ باء زائدہ ہے، تقدیر کلام یہ ہے فسْتَبْصِرُونَ وَيَبْصِرُونَ أَيْكُمْ الْمَفْتُونِ یعنی جسے جنون کے ساتھ آزمائش میں ڈالا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَتَّبِعْتُ بِالْذُّهْنِ (المومنون: 20) یشراب بہا عباد اللہ دونوں میں باء زائدہ ہے؛ یہ قنادہ، ابو عبید اور رخفش کا قول ہے۔ راجز نے کہا:

نحن بنو جَعْدَةَ أصحاب الفلج نضرب بالسيف ونرجو بالفراج  
ہم بنو جعدہ ہیں جو فلج شہر والے ہیں۔ ہم تلوار مارتے ہیں اور کشادگی کی امید رکھتے ہیں۔  
بالسيف اور بالفراج میں باء زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء زائدہ نہیں۔ معنی ہے تم میں سے کسے فتنہ لاحق ہے (3)؟ یہاں مفتون مصدر ہے اور مفعول کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی فتون ہے جس طرح انہوں نے کہا: ما لفلان مجلود ولا معقول یعنی اس کے ہاں عقل اور سختی نہیں؛ یہ قول حضرت حسن بصری، ضحاک اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ زاعی نے کہا:

حتى إذا لم يتركوا لعظامه لحناً ولا لفؤاده معقولا

یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لیے گوشت اور دل کے لیے عقل نہ چھوڑی۔

یہاں معقول، عقل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بأیکم فتنۃ المفتون۔ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے۔ آپ عنقریب دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت مجنون ہے؟ کیا وہ جماعت جس میں آپ ﷺ ہیں یعنی مومن یا دوسری جماعت۔ مفتون سے مراد مجنون ہے جسے شیطان فتنہ میں ڈال دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد وہ ہے جسے عذاب دیا جائے۔ عربوں کا قول ہے: فتنت الذہب بالنار (4) جب تو اسے آگ پر گرم کرے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿٥﴾ (الذاریات) یُفْتَنُونَ یہاں یُعَذِّبُونَ کے معنی میں ہے۔

اس سورت کا اکثر حصہ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد شیطان ہے کیونکہ اسے اس کے دین میں فتنہ میں ڈالا گیا (5)، وہ کہا کرتے تھے: اِنَّ به شیطان مراد مجنون ہی لیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ کل جان لیں گے ان میں سے کون مجنون ہے یعنی وہ شیطان جس کے مس کرنے سے جنون اور عقل میں خلل واقع ہوتا تھا۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ جِوَادِیْ اس کے دین سے بھٹکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ وَهُوَ

أَعْلَمُ بِالْمُنْهَكِينَ ۝ جو ہدایت پر ہیں انہیں بھی خوب جانتا ہے، تو قیامت کے روز وہ ہر کسی کو اسی کے عمل کا بدلہ دے گا۔

### فَلَا تُطِيعُوا الْكَذِبَ بَيْنَ ۝

”پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی۔“

مشرکین کے ساتھ دوستی اور میلان سے منع کیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کو دعوت دیتے کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں کچھ نہ کہیں، وہ آپ ﷺ کے بارے میں کچھ نہ کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ان کے ساتھ دوستی اور ان کی طرف میلان کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ (الاسراء)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ﷺ جھٹلانے والوں کی ان باتوں میں اطاعت نہ کریں جن باتوں میں وہ آپ ﷺ کو اپنے خبیث دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

### وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيْدُهُنُ ۝

”وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطیہ، ضحاک اور سدی نے کہا: انہوں نے پسند کیا کاش! تم کفر کرتے تو وہ اپنے کفر میں مزید آگے بڑھ جاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: انہوں نے پسند کیا کہ اگر آپ ﷺ انہیں رخصت دیں تو وہ بھی آپ ﷺ کو رخصت دیں گے (1)۔ فراء اور کلبی نے کہا: اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں گے۔ ادھان سے مراد اس کے لیے نرمی کرنا ہے جس کے لیے نرمی کرنا مناسب نہ ہو؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے انہوں نے چاہا اگر آپ ﷺ ان کی طرف مائل ہوں اور آپ ﷺ حق کو چھوڑ دیں تو وہ بھی آپ ﷺ کی طرف مائل ہوں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ جھوٹ بولیں تو وہ بھی جھوٹ بولیں گے (2)۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ ﷺ اس امر سے کنارہ کش ہو جائیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیں گے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے پسند کیا اگر آپ اپنے دین میں ان کے ساتھ کوئی نرمی کریں تو وہ اپنے دین میں آپ ﷺ کے ساتھ نرمی کریں گے (4)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ ﷺ اپنے بعض امور کو ترک کر دیں تو وہ اپنے بعض امور کو ترک کر دیں گے (5)۔ زید بن اسلم نے کہا: اگر آپ ﷺ منافقت کریں اور ریا کاری کریں (نعوذ باللہ) تو وہ بھی منافقت کریں گے اور ریا کاری کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ ﷺ کمزوری دکھائیں تو وہ بھی کمزوری دکھائیں گے (6)؛ یہ ابو جعفر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ ﷺ اپنے دین میں مداہنت دکھائیں تو وہ اپنے ادیان میں مداہنت دکھائیں گے (7)؛ یہ قول قتبی کا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ ایک عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کریں تو وہ ایک عرصہ آپ ﷺ کے معبودوں

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 182

3۔ ایضاً

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62

7۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 95

6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62

5۔ ایضاً



کی عبادت کریں گے۔ یہ بارہ اقوال ہیں۔ ابن عربی نے کہا: مفسرین نے اس میں دس کے قریب اقوال ذکر کیے ہیں۔ سب لغت اور معنی پر جھوٹے دعوے ہیں (1)۔ ان میں سے ان کا یہ قول ہے: **وَدَّ الْوَتَكَذِبَ فَيَكْفُرُونَ**، **وَدَّ الْوَتَكَفُرَ فَيَكْفُرُونَ**۔ میں کہتا ہوں: سب انشاء اللہ صحیح ہیں لغت اور معنی کے موافق ہیں کیونکہ ادھان کا معنی نرمی کرنا اور نرم رویہ اپنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ادھان کا معنی دشمن سے حسن سلوک کرنا اور اس سے دوستی کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں قرب ظاہر کرنا اور قول میں نرمی کرنا۔

مفضل نے کہا: اس سے مراد نفاق اور باہم نصیحت کو ترک کرنا ہے (2)۔ اس تو جیہہ کی صورت میں یہ مذموم ہے اور پہلی تو جیہہ کی صورت میں مذموم نہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے **ادھن فی دینہ وادھن فی امرہ** یعنی اس نے اس میں خیانت کی اور جو چیز چھپائے ہوئے تھا اس کے خلاف ظاہر کیا۔ ایک قوم نے کہا: **فَيُذْهِتُونَ** کو عطف کے طریقہ پر چلایا ہے (3)۔ اگر نبی کے جواب کے طریقہ پر آتا تو اسے **فَيُذْهِتُونَ** ارشاد فرماتا۔ بے شک یہ ارادہ کیا انہوں نے تمنا کی اگر آپ ایسا کریں تو وہ بھی آپ کی مثل کریں گے۔ یہ عطف کے طور پر ہے۔ جزا اور مکافات کے طریقہ پر نہیں، یہ تمثیل و تنظیر ہے۔

**وَلَا تُطْعَمُ كُلُّ حَلَاظٍ مَّهِينٍ ۝ هَبَانٍ مَّشَاءٍ ۝ مَنَاءٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَشِيمٍ ۝**  
**عُتْلٍ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝**

”اور بات نہ مانے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چینی، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ وہ بد اصل ہے۔“

امام شعبی، سدی اور ابن اسحاق کے قول میں اخنس بن شریق مراد ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسود بن عبد یغوث یا عبد الرحمن بن اسود ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ولید بن مغیرہ ہے (5)۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو مال کی پیشکش کی اور اس نے قسم اٹھائی کہ اگر آپ ﷺ دین سے رجوع کر لیں تو وہ یہ مال انہیں دے دے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ابو جہل بن ہشام ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ قسمیں اٹھانے والا۔ مہین سے مراد جس کا دل کمزور ہو؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد سخت جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا ذلیل ہوتا ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شر میں بہت زیادہ آگے بڑھنے والا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کیا ہے۔ کلبی نے کہا: مراد حقیر، فاجر اور عاجز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ ذلیل ہے۔ امانی نے کہا: حقیر و پست کیونکہ وہ بہت زیادہ قبیح عمل کرتا ہے۔ یہ مہانہ سے فعیل کا وزن ہے جس کا

2۔ تفسیر مائوردی، جلد 6، صفحہ 63

4۔ تفسیر مائوردی، جلد 6، صفحہ 63

6۔ ایضاً

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1856

5۔ ایضاً

معنی قلت ہے۔ یہاں رائے اور تیز میں قلت ہے یا یہ فعیل، مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی مہمان (ذلیل کیا گیا) ہے۔  
 ہٹانہ ابن زید نے کہا: حماز سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے ہاتھ سے لوگوں کی چٹکی لیتا ہے اور انہیں مارتا ہے اور حماز جو زبان سے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو مجلس میں لوگوں کے عیب ذکر کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **هُمَزًا** (الہمزہ: 1) (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: حماز سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے ان کی برائی ذکر کرتا ہے اور حماز اسے کہتے ہیں جو ان کی عدم موجودگی میں ان کی برائی ذکر کرتا ہے؛ یہ ابو العالیہ، عطاء بن ابی رباح اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مقاتل نے اس کلام کی ضد میں کلام کی ہے: حمزہ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں غیبت کرتا ہے اور حمزہ اسے کہتے ہیں جو سامنے برائی کرتا ہے۔ مرہ نے کہا: دونوں برابر ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عدم موجودگی میں عیب جوئی کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

تُذِلُّ بَوْدَ إِذَا لَا قِيَتَنِي كَذْبًا وَإِنْ أَغْبُ فَاَنْتَ الْهَامِزُ اللَّمَزَةُ (2)

جب تو ملتا ہے تو جھوٹ موٹ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اگر میں غائب ہوں تو تو عیب جوئی کرنے والا ہے۔  
**مَشَا عِمْ بَنِي مِمْ** لوگوں میں چغل خوری کرتا ہے تاکہ ان میں فساد برپا کر دے۔ یہ بولا جاتا ہے: **نَمَّ يَنْمُ نَكَوْ نَيْمًا دَنِيْمَةً** جب وہ چغل خوری کرے اور فساد برپا کر دے۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ فلاں آدمی چغل خوری کرتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جنت میں کوئی چغل خور داخل نہیں ہوگا“ (3)۔ شاعر نے کہا:

وَمَوْلَى كَبِيتِ النَّمْلِ لَا خَيْرَ عِنْدَهُ لِمَوْلَاهُ إِلَّا سَغِيَةً بَنِيْمٍ (4)

غلام چیونٹی کے گھر کی طرح ہے۔ اس کے ہاں آقا کے لیے کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ چغل خوری کرتا ہے۔  
**مَتَّاءُ تَلَخَّيْ** وہ مال کو روکنے والا ہے کہ اسے بھلائی کے راستوں میں خرچ کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی اولاد اور قبیلہ کو اسلام سے روکتا ہے (5)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ انہیں کہتا ہے تم میں سے جو بھی (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا میں اسے کبھی بھی کسی چیز کا فائدہ نہیں دوں گا (6)۔ **مُعْتَدٍ** وہ لوگوں پر ظلم کرنے والا ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، باطل کا ساتھی ہے۔ **أَثِيْمٌ** گناہگار ہے اس کا معنی اٹوم ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے اور فَعُول کے معنی میں ہے۔ **عُتْلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيْمٌ** عقل، یعنی وہ کفر میں بہت سخت ہے۔ کلبی اور فراء نے کہا: وہ باطل میں سخت خصومت کرنے والا ہے (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں سے خصومت کرتا ہے اور انہیں قید یا عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عتل سے ماخوذ ہے جس کا معنی کھینچنا ہے؛ اسی معنی میں یہ ارشاد ہے **خُذُوْهُ فَاَعْتَلُوْهُ** (الدخان: 47) صحاح میں ہے عتلت

3- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 70

2- تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63

1- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 183

6- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84

5- زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 96

4- تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64

7- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 430



الرجل، أعتله وأعتله جب تو اسے سختی سے کھینچے۔ رجل معتل۔ وہ گھوڑے کی تعریف کرتا ہے:  
نفرعه فرعاً ولسنا نعتله ہم اسے سختی سے روکتے ہیں اور ہم اسے کھینچتے نہیں۔

ابن سکیت نے کہا: عتله وعتنه دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عتلیٰ کا معنی سخت دل۔ عتلیٰ کا معنی یہ بھی ہے  
موثنا نیزہ۔ رجل عتل ایسا آدمی جو برائی کی طرف جلدی جانے والا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لا أعتل معك یعنی میں اپنی  
جگہ سے نہ ہلوں گا۔ عبید بن عمیر نے کہا: العتل سے مراد بہت زیادہ کھانے والا، بہت زیادہ پینے والا، قوی اور شدید۔ اسے  
میزان میں رکھا جائے تو ایک جو کا وزن بھی نہ ہو۔ فرشتہ ایک دھکے سے ایسے ستر ہزار آدمیوں کو جہنم میں دھکیل دے گا۔  
حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: عتلیٰ سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور برے اخلاق والا۔ معمر نے  
کہا: اس سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور کمینہ ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

بِعُتْلٍ مِنَ الرِّجَالِ زَنِيمٍ غَيْرِ ذِي نَجْدَةٍ وَغَيْرِ كَرِيمٍ (2)

لوگوں میں سے ترش اور بد اصل وہ بلند مقام مرتبے والا نہیں اور نہ ہی معزز ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت حارث بن وہب سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:  
”کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں باخبر نہ کروں؟“ (3) صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ”ہر کمزور جسے لوگ  
کمزور جانیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کے بارے میں قسم اٹھا دے تو وہ اس قسم کو پورا کر دے۔ کیا میں تمہیں جہنمیوں کے  
بارے میں باخبر نہ کروں؟“ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ”ہر ترش رو، سخت دل، مال جمع کرنے والا اور متکبر“۔ ایک  
روایت میں ہے۔ ”ہر مال جمع کرنے والا، بد اصل اور متکبر“ (4)۔

جواظ سے مراد مال جمع کرنے والا اور خرچ کرنے سے روکنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادہ گوشت والا اور چال میں  
تکبر کرنے والا۔ ماوردی نے شہر بن حوشب سے وہ عبدالرحمن بن غنم سے روایت نقل کرتے ہیں (5)، اسے حضرت ابن مسعود  
رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یدخل الجنة جَوَاطٌ وَلَا جَعْظَرٌ وَلَا الْعُتْلُ الزَّئِيمُ ایک  
آدمی نے عرض کی: جواظ اور جعظری کیا ہوتا ہے اور عتل زئیم سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جواظ  
اسے کہتے ہیں جو مال جمع کرتا ہے اور اسے روک لیتا ہے، جعظری سے مراد سخت دل اور عتل زئیم سے مراد مضبو لاجسم والا،  
بڑے پیٹ والا، صحت مند، خوب کھانے پینے والا، کھانے کو پانے والا اور لوگوں پر ظلم کرنے والا۔ ثعلبی نے اسے شداد بن  
اوس سے نقل کیا ہے: ”جنت میں جواظ، جعظری اور عتل زئیم داخل نہیں ہوگا“۔ میں نے یہ باتیں نبی کریم ﷺ سے سنی  
ہیں۔ میں نے عرض کی: جواظ کون ہے؟ فرمایا: ”مال جمع کرنے والا اور اسے روکنے والا“۔ میں نے پوچھا: جعظری کیا ہے؟  
فرمایا: ”ترش رو سخت دل“، میں نے عرض کی: عتل زئیم کیا ہے؟ فرمایا: ”بڑے پیٹ والا“۔ بھرے گوشت والا، خوب

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 430

5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 65

4۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفته، جہنم اعادنا اللہ منها، جلد 2، صفحہ 382

کھانے پینے والا اور ظالم۔“

میں کہتا ہوں: یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے عتل کے بارے میں ہے جو مفسرین کے اقوال پر فوقیت رکھتی ہے۔ ابوداؤد کی کتاب میں جواظ کی تفسیر میں ہے، اس سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ یہ حارث بن وہب خزاعی کی حدیث میں وارد ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَازُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ (1)، جواظ اور جعظری جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کہا: جواظ سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ اس بارے میں دو اور تفسیریں ہیں جو مرفوع روایت میں بیان ہوئیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت دل ہے۔ حضرت زید بن اسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان: عُثْلِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٌ ۝ کی تفسیر میں کہتے ہیں (2)، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آسمان اس آدمی کی حرکتوں سے روتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کے جسم کو درست کیا، اس کے پیٹ کو بڑا کیا اور دنیا میں سے بعض دیا تو وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے، پس وہی عتل زنیم ہے اور آسمان اس بدکار بوڑھے کی وجہ سے روتا ہے جس کو زمین اٹھائے ہوئے ہے۔“

زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

زَنِيْمٌ تَدَاعَاہُ الرِّجَالُ زِيَادَةً

وہ زنیم ہے جسے لوگ بطور زیادہ چیز کے دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قریش کا ایک فرد تھا اس کا ایسا زخم تھا جس طرح بکری (کے کانوں یا گردن) میں الگ تھلگ گوشت لٹک رہا ہوتا ہے (3)۔ ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی کی ہے کہ وہ شرمس یوں معروف تھا جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے (4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد ایسا کمینہ فرد ہے جو اپنی کمینگی کی وجہ سے معروف ہو جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انہ (عیب) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مظلوم ہے۔ یہ چھ اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا: زنیم جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں اور ہر انگوٹھے میں ایک انگلی زائد تھی۔ ان میں سے بھی اور سعید بن مسیب اور عکرمہ سے بھی یہ مروی ہے: اس سے مراد ولد زنا ہے جو نسب میں کسی قوم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو۔ ولید قریش میں دعی (جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) تھا وہ ان کی اصل سے نہ تھا۔ اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شاعر نے کہا:

زَنِيْمٌ لِّسْ يُعْرَفُ مِّنْ اَبُوہُ بَغْنِ الْاُمِّ ذُو حَسْبٍ لَّيْمٍ

وہ بد اصل ہے، اس کا باپ معروف نہیں، اس کی ماں بدکار تھی وہ کمینے حسب والا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بعینہ پہلا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی اصل نہ ہو۔ معنی



ایک ہی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں ولد زنا، اس کا بچہ اور اس کے بچے کا بچہ داخل نہیں ہوگا“ (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ولد زنا قیامت کے روز بندوں اور خزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے“۔ حضرت میمونہ نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت بھلائی میں رہے گی جب تک اس میں ولد زنا عام نہ ہوں گے اور جب اس میں ولد زنا عام ہو جائیں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب کو عام کر دے“۔ عکرمہ نے کہا: جب ولد زنا کی کثرت ہو جاتی ہے تو بارش کم ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلی اور دوسری حدیث کا تعلق ہے میں ان کی ایسی سند گمان نہیں کرتا جو صحیح ہو جہاں تک حضرت میمونہ کی حدیث کا تعلق ہے اور عکرمہ نے جو کہا ہے وہ صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحش جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہیں، سے مروی ہے۔ کہا: ایک روز نبی کریم ﷺ گھبراتے ہوئے نکلے جبکہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ تھا۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے: لا إله إلا الله ويل للعرب من شرٍ قد اقترب۔ فتحة اليوم من رد ميا جوج وما جوج مثل هذا (2) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عربوں کے لیے اس شر کی وجہ سے ہلاکت ہے جو قریب آچکی ہے۔ آج یا جوج و ما جوج کی آڑ اس قدر کھول دی گئی ہے۔ آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں صالح لوگ بھی ہیں۔ فرمایا: ”ہاں، جب بدکاری عام ہو جائے گی“۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ کثرة خبث سے مراد زنا کا عام ہونا اور زنا کی اولاد کا عام ہونا ہے۔ علماء نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عکرمہ کا قول قحط المطر اس امر کی وضاحت ہے جس کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہ امر قیاسی نہیں تو قیفی (جیسی خبر دی) ہے وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ منیٰ میں مقیم لوگوں کو تین دن حلوہ کھلاتا تھا اور اعلان کرتا: خبردار! کوئی آدی ہنڈیا کے نیچے آگ نہ جلائے، کوئی آدی کھروں (کو پکانے کے لئے) ان کے نیچے دھواں نہ ڈالے۔ خبردار! جو حیس (سڑک) کی خواہش رکھتا ہے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے وہ ایک حج کے موقع پر بیس ہزار یا اس سے زیادہ خرچ کیا کرتا تھا اور مسکین کو ایک درہم بھی نہ دیتا، تو کہا گیا: مَنَاءُ تَلْخِيْرُ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۚ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ (فصلت) محمد بن اسحاق نے کہا: یہ آیت انص بن شریق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ حلیف تھا اور بنو ہرہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا؛ اسی وجہ سے اسے زینم کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں اس کی یہ صفت بیان کی گئی اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا تو اس کا پتہ چلا۔ اس کی گردن میں گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جو لٹک رہا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۖ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

”(یہ غرور و سرکش) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب ہماری آیت اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو

کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ ابو جعفر، ابن عامر، ابو حیوہ، مغیرہ اور اعرج نے اَنْ كَانَ ایک ہمزہ مدودہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہے۔ مفضل، ابو بکر اور حمزہ نے اَنْ كَانَ دو ہمزوں کے ساتھ جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ کلام استفہامیہ نہیں۔ جس نے ایک ہمزہ مدودہ یا دو ہمزہ محققہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں کلام استفہامیہ ہوگی۔ اس سے مراد تو نیچ ہے اس کے لئے اچھا ہوگا کہ وہ ذنیم پر وقف کرے اور اَنْ كَانَ سے کلام کا آغاز کرے معنی یہ بنے گا کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے آپ سنیتمیہ ہجر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ تقدیر کلام بھی جائز ہے اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ یَقُولُ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ یَكْفُرُ وِیَسْتَكْبِرُ کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے وہ کفر کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے تو یہ استفہام کے بعد مذکور کی طرح ہے۔ جس نے اَنْ كَانَ استفہام کے بغیر پڑھا تو وہ مفعول لاجلہ ہوگا اس میں عامل فعل مضر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یَكْفُرُ لَٰنَ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ اس فعل پر اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ دلالت کرتا ہے۔ اَنْ میں تُتْلٰی فعل عامل نہیں ہوگا اور نہ ہی قَالَ فعل عامل ہوگا کیونکہ اِذَا کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ اِذَا، مابعد جملہ کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور مضاف الیہ، مضاف کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قَالَ جزاء کا جواب ہے یہ جزا کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ عامل کا حکم یہ ہے کہ وہ معمول سے پہلے ہو اور جواب کا حکم یہ ہے کہ وہ شرط کے بعد ہو وہ ایک ہی میں حال میں مقدم و موخر ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ معنی ہو اس کی اطاعت نہ کر اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے استفہام کے بغیر پڑھا اس کے لئے ذنیم پر وقف کرنا اچھا نہیں کیونکہ معنی ہے اَنْ كَانَ بَانَ كَانَ۔ ان ماقبل سے متعلق ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ مَقْشَاً عَمَّ وَبَنِیْمٍ کے متعلق ہو تقدیر کلام یہ ہوگی یَشِیْءُ بَنِیْمٍ لَٰنَ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ وہ چغل خوری اس لئے کرتا ہے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابو علی نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ یہ عتل کے متعلق ہو اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ سے مراد ان کی باطل باتیں، جھوٹی آرزوئیں اور خرافات ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سَنَسِیْبُهُ عَلٰی الْخُرْطُوْمِ ۝

”ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

سَنَسِیْبُهُ کا معنی و مفہوم

**مسئلہ نمبر 1۔** سَنَسِیْبُهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سَنَسِیْبُهُ کا معنی ہے ہم تلوار کے ساتھ اسے نکیل ڈالیں گے (1)،



کہا: جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی غزوہ بدر کے دن تلوار کے ساتھ اس کی ناک پر زخم لگایا گیا، وہ مرنے تک اسی طرح رہا۔ قتادہ نے کہا: قیامت کے روز ہم اس کی ناک پر نشان لگائیں گے جس کے ساتھ وہ پہچان لیا جائے گا یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَسَمَاءٌ مِّنَ النَّجْمِ ۚ وَسَمَاءٌ مِّنَ النَّجْمِ ۚ وَسَمَاءٌ مِّنَ النَّجْمِ ۚ (عمران: 106) یہ ظاہر علامت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (آل عمران: 106) یہ ظاہر علامت ہے اس آیت نے تیسرا فائدہ اٹھایا، وہ ناک پر آگ سے نشان لگاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ (الرحمن: 41)؛ یہ کبھی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابوالعالیہ اور مجاہد نے کہا: سَنَسِيبُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ① کا معنی ہے ہم اس کے ناک پر نشان لگائیں گے اور آخرت میں اس کے چہرے کو سیاہ کر دیں گے تو وہ اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے پہچانا جائے گا۔ خرطوم سے مراد انسان کی ناک ہے، درندوں سے اس کے ہونٹ کی جگہ ہے، قوم کے خراطیم سے مراد ان کے سردار ہیں۔ فراء نے کہا: اگر خرطوم کو سم کے ساتھ خاص کیا گیا ہو تو اس وقت یہ وجہ کے معنی میں ہوگا کیونکہ کسی چیز کے بعض کے ساتھ اس کے کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ طبری نے کہا: ہم اس کے امر کو واضح کریں گے یہاں تک لوگ اسے پہچان لیں گے وہ ان پر مخفی نہیں رہے گا جس طرح ناک پر نشان مخفی نہیں رہتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اسے عار لاحق کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کے لئے اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس کی ناک پر نشان ہو۔ قتبی نے کہا: عرب اس آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جس کو کوئی قبیح الزام دیا گیا ہو جو باقی رہنے والا ہو: قَدْ وَسَمَ مَيْسَمٌ سُوءَ مَعْنَى اَسَ اِیْسَی عَار لَاحِقٌ ہُوْگنی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوگی، جس طرح نشان کا اثر نہیں مٹایا جاسکتا۔ جریر نے کہا:

لَتَا وَضَعْتُ عَلَى الْفَرْزَدَقِ مَيْسَمِي وَعَلَى الْبَعِيثِ جَدَعْتُ أَنْفَ الْأَخْطَلِ (1)

جب میں نے اپنی بیوہ فرزدق اور بعیش (خداش بن بشر) پر رکھی تو میں نے اخطل کی ناک کو کاٹ دیا۔

یہاں میسیم سے مراد بجو ہے۔ کہا: یہ سب آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اتنے عیوب کا ذکر کیا ہو جتنے عیوب اس کے ذکر کئے۔ اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہوئی جس طرح ناک پر نشان زخم جدا نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اس کی ذات، مال اور اہل میں مبتلا کیا اسے ذلت و پستی میں رہنا پڑا (2)؛ یہ ابن بحر نے کہا جس طرح ایشی نے کہا: وَاعْلَبَ أَنْفَ مَنْ أَنْتَ وَاسْمُ جَسْ طَرْنَانٍ لَّگنا چاہتا ہے اس کی ناک پر نشان لگا۔ نصر بن شمیل نے کہا: معنی ہے ہم شراب پینے پر اس پر حد جاری کریں گے خرطوم سے مراد شراب ہے اس کی جمع خراطیم آتی ہے۔ شاعر نے کہا:

تَقْلُّ يَوْمَكَ فِي لَهْوٍ وَفِي طَرَبٍ وَأَنْتَ بِاللَّيْلِ شَرَابُ الْخَطَايِمِ

تو دن کے وقت لہو اور نشاط میں رہتا ہے اور رات کے وقت شراب پیتا ہے۔

ایک اور نے کہا: وَمَنِ يَشْرَب الْخُمْ طَوْماً يُصْبِحْ مُسْكِرًا جو شراب پیتا ہے، وہ نشہ کی حالت میں صبح کرتا ہے۔

چہرے پر نشان کے ساتھ مثال بیان کرنے کی وجہ

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: معصیت کا ارتکاب کرنے والے کے چہرے پر نشان لگانا لوگوں کے ہاں قدیمی معمول ہے (1)۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے: جب یہودیوں نے زانی کو رجم کرنے میں ڈھیل دی تو اس کے عوض انہوں نے مارنے اور چہرے کو سیاہ کرنے کی سزا دی۔ یہ بات الگ توجیہ ہے۔ چہرے پر نشان لگانے کے اعتبار سے صحیح توجیہ یہ ہے جو علماء نے رائے قائم کی کہ جھوٹی گواہی دینے والے کے چہرے کو سیاہ کیا جائے۔ یہ اس کی معصیت کی قباحت پر علامت کے طور پر ہے اور اس آدمی پر سختی کرنے کے لئے ہے جو جھوٹی گواہی کسی اور کے لئے دیتا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کے بارے میں اس عمل سے اجتناب کرنے کی امید کی جاسکتی تھی۔ وہ حق بات کہہ کر معزز ہو سکتا تھا جبکہ وہ معصیت کا ارتکاب کر کے حقیر ہو گیا ہے سب سے بڑی اہانت چہرے کی اہانت ہے اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو پست کرنا یہ دائمی بھلائی اور آگ پر حرمت کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کیا ہے کہ وہ انسان کے سجدہ کے اثر کو کھائے جس طرح حدیث صحیح میں ثابت ہے۔

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا

يَسْتَشْفُونَ ۝ فُطِّفَ عَلَيْهِمْ ظُهُفٌ مِّنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَآيِبُونَ ۝

”ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگایا اس باغ پر ایک چکر لگانے والے نے آپ کے رب کی طرف سے دران حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

باغ والوں کا ابتلا اور ان کا قصہ

**مسئلہ نمبر 1**۔ إِنَّا بَلَوْنَهُمْ مراد اہل مکہ ہیں۔ ابتلاء سے مراد آزمانا ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مال عطا کئے تاکہ وہ شکر بجالائیں نہ کہ وہ تکبر کریں۔ جب انہوں نے تکبر کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی تو ہم نے بھوک اور قحط کے ساتھ آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جن کی خبر ان کے ہاں معروف و مشہور تھی۔ وہ باغ یمن کے علاقہ میں صنعاء سے چند فرسخ دور تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: وہ دو فرسخ دور تھا وہ باغ ایک ایسے آدمی کا تھا جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا کرتا تھا جب وہ فوت ہو گیا تو باغ بیٹوں کی ملکیت میں آ گیا انہوں نے لوگوں کو اس کے مال سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں بخل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ایسے طریقہ سے ہلاک کر دیا جس کو دور کرنا ان کے لئے



ممکن نہ تھا۔ کبھی نے کہا: ان کے اور صنعاء کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ ان کے باغ کو جلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باغ ضوران میں تھا اور ضوران، صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا۔ اس باغ والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد ہوئے وہ سب بخیل تھے وہ مساکین سے بچنے کے لئے رات کے وقت کھجوروں سے پھل اتارتے تھے۔ انہوں نے فصل کاٹنے کا ارادہ کیا اور کہا: آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے وہ صبح صبح اس کی طرف گئے تو وہ باغ اپنی جڑوں سے اکھڑا جا چکا تھا تو وہ رات کی طرح ہو چکا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں۔ اگر رات مراد لی جائے تو اس جگہ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے اسے صریم کیا گیا گویا انہوں نے اس کی جگہ کو سیاہ کیچڑ کوئلہ پایا اگر صریم سے مراد دن ہو تو اس کے درختوں اور کھیتوں کے ختم ہونے اور زمین کے اندر سے صاف ہونے کی وجہ سے اسے صریم کہا گیا۔ طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں انہوں نے اس باغ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اس باغ کو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگایا اور پھر اسے وہاں رکھ دیا جہاں آج کل طائف شہر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو طائف کہتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں درخت، انگور اور پانی ہو۔ بکری نے بچم میں کہا: طائف کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ صدف کا ایک آدمی جسے دمون کہا جاتا اس نے ایک دیوار بنائی اور کہا: میں نے تمہارے شہر کے ارد گرد ایک طائف بنائی ہے اس وجہ سے اس شہر کا نام طائف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کھیتی کاٹنے کا وقت اور اس وقت کیا کرنا چاہیے

**مسئلہ نمبر 2۔** بعض علماء نے کہا: جو آدمی اپنی کھیتی کاٹے یا پھل کاٹے تو جو آدمی وہاں حاضر ہو اس کے ساتھ غم گساری کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** (الانعام: 141) کا یہی مقصود ہے، یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس طرح سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: کاٹنے والوں نے جسے چھوڑ دیا ہے مالک پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رات کے وقت فصل کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس طریقہ سے مساکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا اس نے سورۃ ن وَالْقَلَم کی اس آیت کی یہ تاویل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کے وقت اس لئے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا خوف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا حسن ہے۔ ہم نے کہا ہے: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سزا انہیں اسی لئے ملی جو انہوں نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسباط نے سدی سے روایت کی ہے کہ ایک قوم یمن میں آباد تھی ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا جب ان کے پھل پک جاتے تو مساکین اس کے پاس آ جاتے وہ باغ میں داخل ہونے سے انہیں منع نہ کرتا، اس سے کھانے سے منع نہ کرتا اور زاد راہ لینے سے منع نہ کرتا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم اپنے اموال مساکین کو کیوں دیں۔ آؤ۔ ہم رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور مساکین کو علم ہونے سے پہلے ہی کاٹ لیں۔ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ وہ پہلے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے رازداری

سے بات کرو آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہو اسی وجہ سے فرمایا: اِذَا اَقْسَمُوا لِيَصْرُ مِنْهَا مُصْبِحِينَ ۝ انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ مساکین کے گھروں سے نکلنے سے پہلے ہم صبح صبح اسے کاٹ لیں اور انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: وہ باغ صنعاء سے دوفرخ کے مقام پر تھا اسے ایک صالح آدمی نے لگایا تھا اس کے تین بیٹے تھے وہ تمام پھل مساکین کے لئے ہوتا جو درانتی سے رہ جاتا اور انگور میں سے اس نے نہ کاٹا ہوتا جب اسے چادر پر ڈالا جاتا تو جو پھل اس چادر سے گر جاتا وہ بھی مساکین کے لئے ہوتا جب وہ اپنی کھیتی کاٹتے تو جو چیز درانتی سے رہ جاتی وہ مساکین کے لئے ہوتی جب وہ اس فصل کو صاف کرتے تو جو چیز ادھر ادھر بکھر جاتی وہ بھی مساکین کے لئے ہوتی ان کا باپ اس میں سے صدقہ کرتا ان کے باپ کی زندگی میں یتامی، یواکیں اور مساکین اس سے وقت گزارتے جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے وہ کچھ لیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: مال کم ہو گیا ہے اور اہل و عیال زیادہ ہو گئے ہیں، انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ لوگوں کے نکلنے سے پہلے وہ باغ کی طرف جائیں گے پھر اسے کاٹیں گے اور مساکین کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اِذَا اَقْسَمُوا لِيَصْرُ مِنْهَا کا یہی معنی ہے انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی کھجوروں کا پھل اس وقت کاٹیں گے جب ابھی رات کی کچھ تاریکی ہوگی تاکہ مساکین بیدار نہ ہوں۔ صرم کا معنی کاٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صرم العذق من النخل اس نے کھجور کا خوشہ کاٹا۔ اصرم النخل کھجور کے کاٹنے کا وقت آ گیا جس طرح اربکب السہر اور احصد الزرع یعنی بکھیرے پر سواری کرنے کا وقت آ گیا اور کھیتی کے کاٹنے کا وقت آ گیا۔

وَلَا يَسْتَنْوُونَ ۝ انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا: فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ وہ ایک دوسرے کو ندا کرتے ہیں: اِنْ اَعْدُوا عَلٰی حَرِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِوۡنَ ۝ کھیتی کو کاٹنے کا عزم رکھتے ہو۔ قنادہ نے کہا: اگر تم کھیتی کاٹنے والے ہو۔ کلبی نے کہا: ان کے باغ میں جو کھیتی اور کھجوریں ہیں انہیں کاٹنے والے ہو۔ مجاہد نے کہا: ان کی کھیتی انگور کی تھی۔ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا (1)۔ ابو صالح نے کہا: ان کی استثناء ان کا یہ قول تھا: سبحان اللہ ربنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَسْتَنْوُونَ کا معنی ہے وہ مساکین ہا حق نہیں نکالتے؛ یہ علماء کا قول ہے وہ اپنے باغ میں رات کے وقت آئے انہوں نے باغ کو سیاہ پایا تیرے رب کی جانب سے ان پر ایک مصیبت آئی جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد ہے تیرے رب کی جانب سے امر (2)۔ قنادہ نے کہا: تیرے رب کی جانب سے عذاب۔ ابن جریج نے کہا: آگ کی گردان جو جہنم کی وادی سے نکلی تھی۔ طائف اس مصیبت کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آئے؛ یہ فراء کا قول ہے (3)۔

انسان کے عزم پر بھی سزا ہوتی ہے

**مسئلہ نمبر 3۔** میں کہتا ہوں: اس آیت میں ایسی دلیل ہے کہ عزم پر بھی انسان کا مواخذہ ہوگا کیونکہ انہوں نے عزم کیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے تو ان کے فعل سے پہلے انہیں سزا دی گئی۔ اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُؤْذِ فَبِهِ



بِالْحَادِ بِظُلْمٍ تُذِقُهُ مِنْ عَذَابِ آلِيمٍ ۝ (الحج) صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”جو دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ باہم مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہونگے“ (1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! مثل ﷺ یہ تو قاتل ہے تو مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا: ”وہ اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا“۔ سورہ آل عمران آیت 135 میں وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا كَٱلَّذِينَ هُمْ فِيهِ مُشْرِقُونَ میں بحث گزر چکی ہے۔

فَاصْبَحْتُ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ اِنِ اعْتَدُوا عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَرِمِينَ ۝

”پس چکر لگا گیا اس باغ پر چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے دریاں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندادی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو تم اگر پھل توڑنا چاہتے ہو“۔

فَاصْبَحْتُ كَالصَّرِيمِ ۝ وہ ہو گیا تاریک رات کی طرح (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یعنی وہ باغ جل گیا اور سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا (3)۔ کہا: حزمہ کی لغت میں وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ ثوری نے کہا: کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ صریم، مصروم کے معنی میں ہے اس میں جو کچھ تھا اس کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بھلائی اس سے ختم کر دی گئی۔ صریم، اسم مفعول کا وزن ہے۔ مورج نے کہا: ایسی ریت جو زیادہ ریت سے الگ ہو گئی۔ یہ کہا جاتا ہے: صریمۃ، صرائم ریت کوئی ایسی چیز نہیں اگاتی جس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو۔ انخفش نے کہا: وہ صبح کی طرح ہو گیا جو رات سے کٹ چکی ہو۔ مرد نے کہا: وہ دن کی طرح ہو گیا، پس اس میں کوئی چیز باقی نہ بچی۔ شمر نے کہا: صریم سے مراد رات ہے، صریم سے مراد دن ہے، یعنی رات دن سے کٹتی ہے اور دن رات سے کٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کو صریمہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی تاریکی کی وجہ سے تصرف سے روک دیتی ہے؛ اسی وجہ سے فعل، فاعل کے معنی میں ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں جبکہ وہ انسان کو تصرف سے نہیں روکتا۔

فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝ وَاعْدُوا عَلٰی حَرْثٍ قَدِيرٍ ۝

”سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین اور ترز کے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں“۔

فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ یعنی وہ رازداری سے باتیں کر رہے تھے اپنی کلام کو وہ پست رکھ رہے تھے اور رازداری سے کام لے رہے تھے تاکہ کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہو؛ یہ عطا اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ خَفَتَ يَخْفَتُ سے مشتق ہے جب وہ ساکن ہو جائے اور کسی بات کو ظاہر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں

دیکھ نہ لیں۔ ان کا باپ فقراء اور مساکین کو خبر دیتا تو وہ کانٹے کے وقت حاضر ہو جاتے۔

وَعَدُوًّا عَلَى حَرْدٍ قُلُوبًا ۝ حراد کا معنی قصد ہے اور اپنے حساب سے وہ قادر تھے۔ وہ گمان کرتے تھے وہ اپنی مراد پر قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے یہی معنی کیا ہے۔ حراد کا معنی قصد کرنا ہے۔ حَرَادٌ، يَحْرَدُ، حَرَادًا قصد کیا۔ تو کہتا ہے: حَرَادَتُ حَرَادٌ۔ تو نے قصد کیا۔ اس معنی میں راجز کا قول ہے:

أَقْبَلَ سَيْلٌ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يَحْرَدُ حَرَادَ الْجَنَّةِ الْمَغْلَةِ (1)

سیلاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔ نحاس نے یہ شعر پڑھا:

قَدْ جَاءَ سَيْلٌ جَاءَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ بِحَرَدٍ حَرَادَ الْجَنَّةِ الْمَغْلَةِ (2)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیلاب آیا، وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔

مبرد نے کہا: مغلہ سے مراد غلہ والا۔ دوسرے علماء نے کہا: مغلہ سے مراد وہ باغ ہے جس کی جڑوں میں پانی بہتا ہے؛ اسی سے تغللت بالغالیۃ ہے اسی سے تغلیت ہے، لام کو یاء سے بدل دیا گیا۔ جس نے تغلفت کہا: اس کے نزدیک اس کا معنی ہے میں نے اسے غلاف بنایا۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: علی حراد کوشش کرتے ہوئے (3)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی کیا ہے: ضرورت اور فاقہ کی صورت میں۔ ابو عبیدہ اور قتیبہ نے کہا: اس کا معنی روکنا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: حَارَدَتِ الْإِبِلُ حَرَادًا جب اس کا دودھ کم ہو گیا۔ حرود اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا دودھ کم ہو۔ حَارَدَتِ السَّنَةُ جس سال بارش اور فصل کم ہو۔ سدی اور سفیان نے کہا: حراد کا معنی غضب ہے۔ ابونصیر احمد بن حاتم اصمعی کے صاحب نے کہا: اس میں تخفیف کی گئی ہے اور یہ شعر پڑھا:

إِذَا جِيَادُ الْخَيْلِ جَاءَتْ تَرْدِي مَسْلُوقًا مِنْ غَضَبٍ وَ حَرَادٍ

عمدہ گھوڑے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے آئے اس حال میں کہ وہ غصہ اور غضب سے بھرے ہوئے تھے۔

ابن سکیت نے کہا: بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے تو کہتا ہے: حَرَادٌ، حَرَادًا فَهُوَ حَارِدٌ وَ حَرَادَانِ اسی معنی میں کہا جاتا ہے: أَسَدٌ حَارِدٌ، دلیوٹ حوارد، غصیلے شیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی حراد، الگ تھلگ۔ یہ کہا جاتا ہے: حراد یحراد حرودا وہ اپنی قوم سے الگ ہو گیا اور الگ تھلگ اتر اور ان سے میل جول نہ رکھا۔ ابوزید نے کہا: رجل حرید من قوم حراد قد حرید یحراد حرودا جب وہ اپنی قوم کو ترک کر دے اور ان سے الگ تھلگ ہو جائے کو کب حرید جو دوسرے ستاروں سے الگ تھلگ ہو۔ اصمعی نے کہا: رجل حرید یگانہ اور الگ تھلگ۔ ہزیل کی لغت میں منحراد، منفرد کو کہتے ہیں۔ ابوزویب کا یہ شعر پڑھا:

كَأَنَّهُ كَوْكَبٌ فِي الْجَوِّ مُنْحَرَدٌ كَمَا يَدُوهُ فُضَا مِثْلُ الْكَوْكَبِ تَهْلِكُ سَارَهُ هُـ

ابو عمرو نے اسے جیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی تفسیر منفرد سے کی ہے۔ کہا: وہ تہیل ستارہ ہے۔ ازہری نے کہا: حرود، ان کی



بستی کا نام تھا۔ سدی نے کہا: یہ ان کے باغ کا نام تھا۔ اس میں دو لغتیں ہیں۔ حَرَادٌ وَ حَرَادٌ عام قرأت سکون کے ساتھ ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سبیع نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں قُدْرَانِیْن کا معنی ہے انہوں نے اندازہ لگایا اور اس پر عمل کیا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اپنے ہاں وہ اپنے باغ پر قادر تھے (1)۔ شعبی نے کہا: وہ مساکین پر قادر تھے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی پانا ہے یعنی انہوں نے روکا جبکہ وہ پانے والے تھے۔

فَلَمَّارًا وَ هَا قَالُوا إِنَّا لَصَّالُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝

”پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے، نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔“

فَلَمَّارًا وَ هَا قَالُوا إِنَّا لَصَّالُّونَ ۝ جب انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا اس میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ سیاہ رات کی طرح ہو گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے گویا وہ راکھ ہو۔ انہوں نے اس کو عجیب و غریب جانا اور اس میں شک کیا۔ بعض نے بعض سے کہا: إِنَّا لَصَّالُّونَ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ ہم نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا اسی وجہ سے ہمیں سزا دی گئی۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ بلکہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے ہمیں اپنے باغ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسباط نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِيَّاكُمْ وَالْمَعَاصِيَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيُذْنِبُ الذَّنْبَ فَيُحْرَمُ بِهِ رِزْقًا كَانَ هَيْئًا لَهُ (3) معاصی سے بچو، بے شک بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے اس رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے تیار ہوتا ہے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی فَطَافٌ عَلَيْهَا طَافٌ مِنْ رَبِّكَ۔

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا

ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْهُمْ ۝ قَالُوا يَوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا

ظَالِمِينَ ۝ عَلَى رَبِّنَا أَنْ يَبْدُلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝

”ان میں سے جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے: پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک اور کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے: تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔“

قَالَ أَوْسَطُهُمْ سَبِّحُوا، سب سے اچھے، سب سے عادل (4) اور سب سے دانشمند نے کہا: أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُونَ ۝ تم

انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ ان کی استثناء تسبیح ہوا کرتی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ یہ اس پر دال ہے کہ اوسط نے انہیں استثناء کا حکم دیا تھا۔ دوسرے بھائیوں نے اس کی اطاعت نہ کی۔ ابوصالح نے کہا: ان کی استثناء سبحان اللہ تھی (5)۔ اس نے

ان سے کہا تھا تم سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجالاتے؟ نحاس نے کہا: تسبیح کا اصل معنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ مجاہد نے تسبیح کو انشاء اللہ کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تنزیہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے فعل سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اپنی نیت کی خیانت سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ ان میں سے درمیانے نے انہیں یہ بات اس وقت کہی جب انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا، اس نے انہیں مجرموں سے انتقام لیے جانے کا ذکر کیا تھا۔ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا انہوں نے معصیت کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی کہ وہ اپنے کسی عمل میں ظالم ہو (1)۔ حضرت ابن عباس نے یہ تعبیر کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طالب ہیں۔ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ ہم نے مساکین کو جو مال عطا نہیں کیا اس میں ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (2)۔ قَاتِبَكَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْهُمُ ۝ یعنی ایک دوسرے کو قسم اٹھانے پر اور مساکین کو روکنے پر ملامت کرنے لگے۔ ایک کہتا: بلکہ تو نے ہمیں اس کا مشورہ دیا۔ قَالُوا يٰ وَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فقراء کے حق کو روک کر اور استثناء ترک کر کے ہم نے نافرمانی کی۔ ابن کیسان نے کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر سرکشی کی، ہم نے ان کا شکریہ ادا نہ کیا جس طرح ہمارے آباء نے اس سے پہلے نعمتوں پر شکر ادا کیا تھا (3)۔

عَلَىٰ رَبِّنَا اَنْ يُبَدِّلَ لَنَا خَيْرًا مِنْهَا انہوں نے معاہدہ کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمایا تو ہم وہ کچھ کریں گے جس طرح ہمارے آباء نے کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی اور آہ وزاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسی رات اس باغ سے بہتر عطا فرمادیا اور جبرائیل امین کو حکم دیا کہ اس جلے ہوئے باغ کو اکھاڑے اور شام کے علاقہ میں زعر کے مقام پر لگا دے اور شام کے علاقہ سے ایک باغ لے اور اس جلے ہوئے باغ کی جگہ لگا دے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قوم نے اخلاص کا مظاہرہ کیا (4)، اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کو پہچان لیا اور بدلے میں ایک باغ عطا فرمادیا جسے حیوان کہتے۔ اس میں انگور تھے، خجرات کے ایک گچھے کو اٹھاتا تھا۔ یمانی ابو خالد نے کہا: میں اس باغ میں داخل ہوا تو میں نے اس میں ہر گچھا ایسے دیکھا جس طرح ایک حبشی مرد کھڑا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: باغ والوں کا یہ قول اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُغْبُوْنَ ۝ میں نہیں جانتا کہ یہ ان کی جانب سے ایمان تھا یا مشرکین کا وہ قول تھا جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ یہ قول کرتے (5)۔ ان کے ایمان دار ہونے میں توقف کیا جائے گا۔

قنادہ سے باغ والوں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟ فرمایا: تو نے مجھے تھکا دیا ہے، اکثر لوگ یہ کہتے ہیں: انہوں نے توبہ کی اور اخلاص کا مظاہرہ کیا: قشیری نے اسے بیان کیا ہے عام قرأت یبدلنا ہے اہل مدینہ اور ابو عمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبدیل سے مراد شی کو تبدیل کرنا یا اس کی حالت کو بدل دینا جبکہ ٹہی کی ذات اپنی جگہ پر قائم رہے اور ابدال سے مراد ہے کسی شی کو اٹھانا اور کسی دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھنا۔ سورہ نساء،



میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْآٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ۝

”(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو جانتے۔“

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ یعنی دنیا کا عذاب اور اموال کی ہلاکت؛ یہ ابن زید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کی وجہ سے خشک سالی میں مبتلا کیا تھا یعنی ہم ان کے ساتھ دنیا میں اسی قسم کا معاملہ کریں گے جو بھی ہماری حدود کو پامال کرے گا (1)۔ وَلَعَذَابُ الْآٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اہل مکہ کے لئے مثال ہے جب وہ بدر کی طرف نکلے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو قتل کریں گے اور مکہ کی طرف لوٹیں گے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے، شراب پیئیں گے اور لونڈیاں ان کے پاس نغمے گائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو الگ کر دیا، انہیں گرفتار کر لیا گیا، انہیں قتل کر دیا گیا اور ان باغ والوں کی طرح انہیں شکست کھانا پڑی جب باغ والے فصل کاٹنے کے لئے نکلے تھے اور خائب و خاسر ہوئے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وہ حق جسے باغ والوں نے مساکین سے رد کا تھا، اس بارے میں احتمال ہے کہ ان پر واجب ہو اور یہ احتمال ہے کہ وہ نفل ہو۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت مکی ہے تو آیت کو اہل مکہ پر جو قحط آیا یا غزوہ بدر میں جو انہیں قتل کیا گیا اس پر محمول کرنا ممکن نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ۝۱۱۰ اَفَجَعَلَ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۱

مَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۱۱۲ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝۱۱۳ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَآ

تَخَيَّرُوْنَ ۝۱۱۴ اَمْ لَكُمْ اٰیْمَانٌ عَلٰی نَابِالِغَةِ اِلٰی یَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُوْنَ ۝۱۱۵

”بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کریں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو؟ کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے؟“

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ۝۱۱۰ اس بارے میں قول پہلے گزر چکا ہے یعنی متقین کے لئے آخرت میں ایسی جنتیں ہیں جن میں خالص نعمتیں ہیں، ان میں کسی ایسی چیز کی آمیزش نہ ہوگی جو ان نعمتوں کو بد مزہ کرے جس طرح وہ دنیا کی نعمتوں کو بد مزہ کرتی تھی۔ قریش کے سردار دنیا میں اپنا حصہ دیکھتے تھے اور مسلمانوں کا حصہ کم دیکھتے تھے جب وہ آخرت کی کوئی بات سنتے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جو وعدے کئے ان کو سنتے تو کہتے: اگر یہ بات درست ہوگی کہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا

جائے گا جس طرح حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی گمان کرتے ہیں تو ہمارا اور ان کا حال نہ ہوگا مگر اسی طرح جس طرح دنیا میں حال ہے ورنہ وہ ہم پر زائد نہ ہوں اور نہ انہیں ہم پر فضیلت ہوگی۔ آخری حد یہی ہوگی کہ وہ ہمارے برابر ہوں گے۔ فرمایا: **أَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ** ﴿۵﴾ مجرمین سے مراد کفار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: کفار مکہ نے کہا: آخرت میں ہمیں اس سے بہتر دیا جائے گا (۱) جو تمہیں دیا جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **أَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ** ﴿۵﴾ پھر انہیں شرمندہ کیا اور فرمایا: **مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ** ﴿۶﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کس طرح کا فیصلہ دیتے ہو۔ جزاکا معاملہ تمہارے سپرد ہے یہاں تک کہ تم اس میں فیصلہ کرتے ہو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے جیسی مسلمانوں کے لئے ہے۔

**أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ** ﴿۷﴾ کیا تمہارے لئے کتاب ہے جس میں تم مطیع کو عاصی کی طرح پاتے ہو **إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَاتٌ تَحْذَرُونَ** ﴿۸﴾ تم پسند کرتے ہو اور تم اسے چاہتے ہو۔ اصل میں ان فتح کے ساتھ تھا لیکن خبر پر لام مفتوح آنے کی وجہ سے اسے کسرہ دیا، تو کہتا ہے: **عَلِمْتُ أَنَّكَ عَاقِلٌ** اور **عَلِمْتُ أَنَّكَ لِعَاقِلٍ**۔ **إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَاتٌ تَحْذَرُونَ** ﴿۸﴾ میں عامل **تَدْرُسُونَ** ہے۔ لام ان کے ہمزہ کے فتح کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **تَدْرُسُونَ** پر کلام مکمل ہو گئی پھر نئی کلام شروع کی اور کہا: **إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَاتٌ تَحْذَرُونَ** ﴿۸﴾ کتاب میں تمہارے لئے وہ جو تم پسند کرتے ہو یعنی تمہارے لئے ایسا نہیں دونوں **فِيهِ** میں ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے پھر تونیخ میں یہ اضافہ کیا **أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ** یعنی پختہ وعدے ہیں۔ **عَلَيْنَا بِالْعَهْدِ** ہم پر پختہ ہیں بالغہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے موکد ہیں، یعنی تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ پر پختہ وعدے ہیں جن کی وجہ سے تم نے یقین کر لیا ہے کہ وہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔

**إِنْ لَكُمْ لَمَاتٌ تَحْكُمُونَ** ﴿۹﴾ خبر پر لام آنے کی وجہ سے **إِنْ** کے ہمزہ کو کسرہ دیا۔ اس کلام کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے محل نصب کا ہے لیکن لام کی وجہ سے کسرہ دیا گیا۔ تو کہتا ہے: **حَلَفْتُ أَنْ لَكَ كَذَابٌ**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **كَلَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ** پر مکمل ہوگی، پھر فرمایا: **إِنْ لَكُمْ لَمَاتٌ تَحْكُمُونَ** ﴿۹﴾ یعنی معاملہ ایسا نہیں۔ ابن یزید نے **إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَاتٌ تَحْذَرُونَ** ﴿۸﴾ اور **إِنْ لَكُمْ لَمَاتٌ تَحْكُمُونَ** ﴿۹﴾ دونوں میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے بالغہ نصب کے ساتھ حال پڑھا ہے یا تو یہ **لَكُمْ** کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ یہ ایمان کی خبر ہے کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے یا یہ عدینا کی ضمیر سے حال ہے اگر آپ عدینا کو ایمان کی صفت بنائیں ایمان کی ذات کے متعلق نہ کریں، کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے جس طرح جب یہ خبر بنے تو اس وقت اس میں ضمیر تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان سے حال ہو اگرچہ ایمان نکرہ ہے جس طرح انہوں نے حقا کو نصب دی جو متاع سے حال ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں **مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ** ﴿البقرة﴾ عام قرات بالغہ رفع کے ساتھ ہے یہ ایمان کی صفت ہے۔

**سَلَامٌ أَيْتُهُمْ بِذَلِكَ رَعِيْمٌ** ﴿۱۰﴾ **أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فُلْيَا تُوَاشِرُ كَا يَهُمُ** **إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ** ﴿۱۱﴾



”ان سے پوچھیے: ان میں سے کون ان (بے سرو پا) باتوں کا ضامن ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں، اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں۔“

سَلُّهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ۝ اے محمد ﷺ! ان سے پوچھئے جو میرے بارے میں خود ساختہ باتیں کرتے ہیں جس بات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس کا کوئی ضامن ہے کہ کفار کے لئے بھی وہ بھلائی ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ زعیم سے مراد کفیل اور ضامن ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہاں زعیم سے مراد حجت قائم کرنے والا اور دعویٰ کرنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: زعیم سے مراد رسول ہے (2)۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ اَصْلُ کَلَامٍ یہ ہے الہم شرکاء یہاں میم زائد ہے، شرکاء کا معنی شہداء ہے۔ فَلْيَأْتُوا بِثَبَرٍ گواہوں نے گمان کیا ہے اس پر گواہی دیں ایسے گواہ لے آؤ۔ اِنْ كَانُوا صٰدِقِيْنَ ۝ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ان کے لئے ممکن ہو تو وہ اپنے شریک لے آئیں۔ یہ ایسا امر ہے جس کا معنی عجز کا اظہار ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ ذَلَّةً ۝ وَقَدْ كَانُوا يَدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝

”جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے، ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے۔“

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ یہ جائز ہے کہ یوم میں عامل فَلْيَأْتُوا ہو۔ انہیں چاہیے کہ اپنے شریک بلا لیں جس روز پنڈلی سے کپڑا اٹھایا جائے گا تا کہ شرکاء ان کے حق میں سفارش کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک فعل مضمر کے ساتھ یوم کو نصب دی جائے تقدیر کا کام یہ ہوگی اذکر یوم یکشف عن ساق اس صورت میں صٰدِقِيْنَ پر عطف ہوگا پہلی تقدیر کی صورت میں اس پر وقف نہیں ہوگا، اسے یوم نکشف بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوم تکشف عن ساق پڑھا ہے اس صورت میں فعل معروف ہوگا۔ تکشف الشدة أو القيامة عن ساقها جس طرح عربوں کا قول ہے شَرَّتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا جنگ نے پنڈلی سے پردہ ہٹا لیا یعنی جنگ سخت ہوگئی۔

شاعر نے کہا:

فَتَى الْحَرْبِ اِنْ عَضَّتْ بِه الْحَرْبُ عَضَّهَا و اِنْ شَرَّتْ عَنْ سَاقِهَا الْحَرْبُ شَتَرَا (3)

وہ جنگجو ہے اگر جنگ اسے کالے تو وہ اسے کاٹتا ہے اور اگر جنگ پنڈلی سے پردہ ہٹالے تو وہ بھی پنڈلی سے پردہ ہٹا دیتا ہے۔

راجز نے کہا:

قد كشفت عن ساقها فشذوا و جذت الحرب بكم فجذوا (1)

جنگ سخت ہو گئی پس تم بھی سخت ہو جاؤ جنگ نے تمہارے ساتھ سختی کی پس تم بھی سختی کرو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

كشفت لهم عن ساقها و بدا من الشئ الصراخ (2)

اس نے ان کے لئے پنڈلی کو ظاہر کر دیا اور واضح شر ظاہر ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے یکشف مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ قرأت یکشف کے معنی کی طرف راجع ہے گویا فرمایا: یوم تکشف القيامة عن شذة اسے یوم تکشف بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ اکشف سے مشتق ہوگا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کشف میں داخل ہو۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اکشف الرجل فهو مكشف جب اس کا اوپر والا ہونٹ الٹ جائے۔ ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم تکشف عن ساق کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جس روز کرب اور شدت عیاں ہو جائے گی (3)۔ ابن جریج نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: شدت امر۔ مجاہد نے کہا: قیامت کے روز یہ سب سے مشکل ساعت ہو گی (4)۔ ابو عبیدہ نے کہا: جب جنگ اور امر شدید ہوگا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر اپنی اصل سے ظاہر ہوگا۔ اس میں اصل یہ ہے جو آدمی کسی ایسے امر میں واقع ہو جس میں اسے محنت و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی پنڈلی سے کپڑا اٹھا لیتا ہے۔ ساق اور کشف کا لفظ اس کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساق الشئ سے مراد اس کی اصل ہے جس پر اس کا انحصار ہوتا ہے جس طرح ساق شجر اور ساق انسان۔ مراد ہوگا جس روز معاملہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا جائے گا تو امور کے حقائق اور ان کی اصل ظاہر ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کی اصلیت ظاہر کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کی اصلیت کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد موت کے وقت کا قریب آنا اور بدن کا کمزور ہونا یعنی مریض اپنی پنڈلی ننگی کرے گا تا کہ اپنا ضعف دیکھے، موزن اس کو نماز کی دعوت دے گا تو اس کے لئے کھڑا ہونا اور نکلنا ممکن نہ ہوگا۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹائے گا“ اللہ تعالیٰ اعضاء، اعضاء، پردہ ہٹانے اور پردہ ڈالنے سے برتر ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عظیم امر کو ظاہر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے نور سے پردہ ہٹائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ عن ساق سے مراد ہے وہ عظیم نور سے پردہ ہٹائے گا تو لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے (6)۔ ابولیت سمرقندی نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ غلیل بن احمد، ابن منیع سے وہ ہدبہ سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ عدی بن زید سے وہ عمارہ قرشی سے وہ ابو بردہ سے وہ ابو موسیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا (7): ”جب قیامت کا

3۔ احمد کرہ، اذا كان يوم القيامة تتبء كل امة ما كانت تعبد، جلد 2، صفحہ 22

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 71

2۔ ایضاً

7۔ ایضاً

6۔ ایضاً، صفحہ 24

5۔ ایضاً

4۔ ایضاً



دن ہوگا تو یہ قوم کے لئے اس چیز کا مثالی جہنم بنایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے ہر قوم اس کے پیچھے چلی جائے گی جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اہل توحید وہیں رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو جبکہ لوگ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہمارا ایک رب تھا جس کی دنیا میں ہم عبادت کرتے تھے ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ انہیں کہا جائے گا: تم کیسے اسے پہچان لو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ وہ عرض کریں گے: اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ ان کے سامنے سے حجاب ہٹا دیا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ رہ جائیں گے ان کی پشتیں گائے کے سینگوں کی طرح ہونگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو اس کی طاقت نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ** کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندو! اپنے سروں کو اٹھا لو میں نے تمہارے ہر آدمی کے بدلے یہود و نصاریٰ میں ایک آدمی جہنم کے لئے بنادیا ہے۔

ابو بردہ نے کہا: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بیان فرمائی حضرت عمر نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کیا تیرے باپ نے تجھے یہ حدیث بیان کی ہے؟ ابو بردہ نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے اہل توحید کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی جو مجھے اس حدیث سے زیادہ محبوب ہو۔

قیس بن سکن نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بیان کیا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ چالیس سال تک رب العالمین کے لئے کھڑے رہیں گے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوں گی جو آسمان کی طرف اٹھی ہوں گی، وہ ننگے پاؤں ہوں گے، ننگے بدن ہوں گے، پسینہ ان کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ نظر رحمت فرمائے گا پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: اے لوگو! کیا تمہارے اس رب کی جانب سے یہ عدل نہیں ہو گا جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری تصویر بنائی، تمہیں موت عطا کی، تمہیں زندہ کیا پھر تم نے کسی اور چیز کی عبادت کی کہ ہر قوم کو اسی طرف جانے دے جس طرف وہ خود پھرے ہیں؟ لوگ عرض کریں گے: ہاں۔ فرمایا: ہر قوم کے لئے اسے بلند کیا جائے گا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ اس کی اتباع کریں گے یہاں تک کہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مسلمان اور منافق وہاں ہی کھڑے رہیں گے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم نہیں جاؤ گے جبکہ لوگ تو جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: یہاں تک کہ ہمارا رب آئے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اس نے ہمیں پہچان کرائی تو ہم پہچان لیں گے۔ اس موقع پر ساق (عظیم نور) سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سجدہ ریز ہو جائے گا منافق اسی طرح رہیں گے وہ اس کی طاقت نہ رکھیں گے گویا ان کی پشتوں میں ایسی سلاخیں ہیں جن پر گوشت بھونا جاتا ہے، انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور سجدہ کرنے والے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ** سے یہی مراد ہے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں ذلیل اور جھکی ہوں گی۔ اسے حال ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ **تَرْهَقُهُمْ**

ذَلَّةً ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنین اپنے سراو پر اٹھائیں گے جبکہ ان کے چہرے برف سے بھی زیادہ سفید ہوں گے منافقوں اور کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے یہاں تک کہ وہ تارکول سے زیادہ سیاہ ہوں گے (1)۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن مسعود کی احادیث کے معنی صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری کی حدیث اور دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔ وَقَدْ كَانُوا يَدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی جبکہ وہ صحت مند تھے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: اذان اور اقامت کے ساتھ انہیں دعوت دی جاتی تھی تو وہ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حسی علی الفلاح کی ندا سنتے تھے تو وہ اس کا جواب نہ دیتے تھے (2)۔ کعب الاحبار نے کہا: اللہ کی قسم! یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے شرع میں جس امر کا انہیں مکلف بنایا گیا ہے اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ سورہ بقرہ میں نماز باجماعت کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ربیع بن خثیمہ کو فالج کی تکلیف ہوئی تو دو آدمیوں کے سہارے انہیں مسجد کی طرف لے جایا جاتا تھا کہا گیا: اے بایزید! کاش آپ گھر میں ہی نماز پڑھ لیتے آپ کے لئے رخصت تھی۔ فرمایا: جس نے حسی علی الفلاح کی آواز سنی تو اس پر لازم ہے کہ وہ لبیک کہے اگرچہ گٹھنوں کے بل چل کر جانا پڑے۔ حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا: طارق تجھے قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے چھپ جا فرمایا: کیا ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت نہیں رکھے گا؟ ان سے کہا گیا: اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ فرمایا: میں حسی علی الفلاح کی آواز سنوں اور اس پر لبیک نہ کہوں؟

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَ  
أُمِّلُ لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۖ

”پس اے حبیب! آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے، ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے، میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے۔“

فَذَرْنِي مجھے چھوڑ دیجئے وَمَنْ يُكْذِبُ مَنْ مفعول معہ ہے یا ضمیر متکلم پر معطوف ہے بِهَذَا الْحَدِيثِ مراد قرآن حکیم ہے: یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے یعنی میں انہیں اجازت دیتا ہوں اور ان سے انتقام لیتا ہوں۔ پھر فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۖ اس کا معنی ہے ہم اس کی غفلت میں اسے پکڑ لیں گے جبکہ وہ پہچانتے تک نہ ہوں گے پس انہیں بدر کے دن عذاب میں مبتلا کیا گیا (4)۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: ہم ان پر نعمتیں بہائیں گے اور شکر کرنا انہیں بھلا دیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کتنے ہی لوگ ہیں جن پر احسان کرنے کے ساتھ ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے (5)؟ کتنے ہی لوگ ہیں جن کی تعریف کر کے انہیں آزمائش میں



ڈالا جاتا ہے؟ کتنے ہی افراد ہیں جن کے عیبوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ ابوروق نے کہا: جب بھی وہ غلطی کرتے ہیں ہم ان پر ایک نئی نعمت کرتے ہیں اور استغفار ان سے بھلا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم ان کے ساتھ مکر کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کو تھوڑا پکڑ کریں گے اور اچانک ان کو اپنی گرفت میں نہیں لیں گے۔ ایک حدیث میں ہے ”بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیری کتنی ہی نافرمانیاں کیں تو نے مجھے سزا نہ دی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ کے نبی کی طرف وحی کی اس آدمی سے کہو: میری کتنی ہی تیرے لئے سزائیں ہیں جن کا تو شعور تک نہیں رکھتا، بے شک تیری آنکھوں کا (خوف الہی میں رونے سے) خشک ہو جانا اور تیرے دل کی سختی میری جانب سے استدراج ہے اور سزا ہے اگر تو سمجھے۔“ استدراج کا معنی جلدی کو ترک کرنا ہے، اس کا اصل معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے جس طرح تدرج ہوتا ہے اسی سے درجہ ہے یہ ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہے۔ استدراج فلان فلانا فلاں نے فلاں سے چیز آہستہ آہستہ نکالی۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: درجہ الی کذا، استدراجہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ اس نے تدریجا سے اپنے قریب کیا تو وہ قریب ہو گیا۔

وَأُمِّلُ لَهُمْ میں انہیں مہلت دوں گا اور مدت کو ان کے لئے لمبا کر دوں گا۔ ملاوۃ زمانے کی ایک مدت کو کہتے ہیں۔ اصل اللہ لہ اس کو لمبا کر دیا۔ فلوان سے مراد رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واصلی لهم میں جلدی انہیں موت نہیں دوں گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ إِنَّ كَيْدَ بَنِي مَثْنُونٍ ۝ میرا عذاب قوی اور شدید ہے کوئی مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔

### أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝

”آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔“

کلام اسی طرف راجع ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ کیا تم ان سے ثواب کے طالب ہو اس بات پر جو آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو۔ وہ اس چٹی میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس بوجھ کے نیچے دبے چلے جا رہے ہیں جو انہیں مال خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی ان پر کوئی مشقت نہیں بلکہ وہ آپ کی متابعت کے ذریعے زمین کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے اور جنات نعیم تک پہنچ جائیں گے۔

### أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ۝

”کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔“

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ جو چیز ان سے غائب ہے اس کا علم ان کے پاس ہے فَهُمْ يَكْتُمُونَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو وہ کہتے ہیں کیا اس کے باعث ان پر وحی نازل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں غیب سے مراد لوح محفوظ ہے کیا وہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں جس کے بارے وہ آپ سے مخاصمت کرتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ وہ آپ سے افضل ہیں اور انہیں سزا نہ دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَكْتُمُونَ کا معنی ہے وہ اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرتے ہیں جس کا وہ

ارادہ کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ①

”پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا۔“

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے (1)۔ یہاں حکم، قضا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو جو رسالت کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس پر صبر کیجئے۔ ابن بحر نے کہا: اپنے رب کی نصرت (میں تاخیر) پر صبر کیجئے۔ قتادہ نے کہا: جلدی نہ کیجئے اور ناراض نہ ہوں آپ ﷺ کی مدد ضرور کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں یعنی غضب، اندرونی پریشانی اور جلد بازی میں حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو صبر کی تلقین کرتا ہے اور صبر کا حکم دیتا ہے جس طرح صاحب حوت نے جلدی کی اللہ کا رسول جلدی نہیں کرتا (2)۔ اس کی وضاحت سورہ یونس، سورہ انبیاء اور سورہ صافات میں گزر چکی ہے۔ ذی اور صاحب کی اضافت کے بارے میں گفتگو سورہ یونس میں گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

إِذْ نَادَىٰ جب حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ③۔ (3) وَهُوَ مَكْظُومٌ ④ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کرب سے بھرے ہوئے تھے۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرا مجاہد کا ہے۔ دوسرا قول عطا اور ابو مالک کا ہے۔ ماوردی نے کہا: دونوں میں فرق یہ ہے کہ غم دل میں ہوتا ہے اور کرب انفاس میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکظوم کا معنی محبوس ہے۔ کظم کا معنی جس ہے یعنی روکنا۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: فَلَا تَكْظَمُ غِيظَهُ فَلَانَ نے اپنا غصہ روک لیا؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کظمہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد نفس کی نالی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ یہ اور دوسری چیزیں سورہ یوسف میں گزر چکی ہیں۔

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ⑤ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ

فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑥

”اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں دراں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنادیا اس کو اپنے نیک بندوں سے۔“

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ عام قرات تَدَارَكَہ ہے۔ ابن ہرمرز اور حضرت حسن بصری نے تدارکہ پڑھا ہے۔ یہ مضارع کا صیغہ ہے اس کی تاء کو وال میں ادغام کیا گیا ہے یہ حال کی حکایت کی تقدیر پر ہے۔ گویا فرمایا: لَوْلَا ان کان یقال



فیہ تتدارکہ نعمة۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے تدارکتہ پڑھا ہے یہ متن کی کتابت کے خلاف ہے تدارکہ فعل ماضی ہے مذکر ہے نعمة کے معنی پر محمول ہے کیونکہ نعمة کی تانیث غیر حقیقی ہے تدارکہ نعمة کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ نعمة کے معنی میں یہاں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نبوت ہے، یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عبارت ہے جو پہلے گزر چکی: یہ ابن جبیر کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ کی یہ دعا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ① یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت سے مراد مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالنا ہے: یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد رب کی رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان پر نظر شفقت فرمائی۔

لَتُنَبِّذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ② تو انہیں پھینکا جاتا جبکہ وہ مذموم ہوتے لیکن انہیں پھینکا گیا جبکہ وہ بیمار تھے اور مذموم نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں مذموم کا معنی ملیم (لامت کیا گیا) ہے۔ بکر بن عبد اللہ نے کہا: اس کا معنی گناہگار ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مذموم کا معنی ہر بھلائی سے دور کیے گئے۔ العراء سے مراد ایسی وسیع زمین ہے جس میں پہاڑ اور درخت نہ ہوں جو اس زمین کو ڈھانپ سکیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہوتے پھر انہیں قیامت کے میدان میں مذموم پھینک دیا جاتا اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ③ لَلَّيْتُ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ④ (الصافات)۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ أَسَٰءَ پسند کیا اور اسے اختیار کیا۔ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ نے ان کی طرف وحی لوٹادی آپ کی ذات اور ان کی قوم کے بارے میں آپ کی سفارش کو قبول فرمایا اور ان کی توبہ کو قبول کیا فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑥ سے مراد ہے آپ کو ایک لوگوں سے زائد افراد کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیا۔

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ⑦

”اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلادیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے۔“

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا، ان یہ مشغلہ سے مخففہ ہے لَيُزْلِقُونَكَ یعنی وہ آپ کو نظر لگائیں۔ بِأَبْصَارِهِمْ اس امر کی خبر دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کو نظر لگائیں (4) تو قریش میں سے چند لوگوں نے آپ کو دیکھا اور انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی مثل نہیں دیکھا اور ان کے جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنی اسد میں نظر لگانے کا عام رواج تھا یہاں تک کہ موٹی گائے یا موٹی اونٹنی ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اس کو نظر لگاتے پھر وہ کہتے: اے لونڈی! نوکرا اور درہم لو اور اس اونٹنی کا گوشت لے آؤ۔ وہ اسی حال میں ہوتی کہ موت کے لئے

قد کان قومک بحسبونک سیداً و إخال أنک سیدٌ مَغُیُّونُ

تیری قوم تجھے سردار گمان کرتی ہے جبکہ میرا خیال ہے کہ تو ایسا سردار ہے جس کو نظر لگی ہے۔

یہی تو م ہے سردار زمان کرے ہے۔ جب یہ یسائیں ہے کہ وہ اس سے زیادہ بڑا ہو گا اور اسی کی مثل  
اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس سے محفوظ رکھا، تو یہ آیت نازل ہوئی وَ إِنْ يَنْكَرُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُوَنَّكُمْ؛ اسی کی مثل  
مادردی نے ذکر کیا ہے۔ عربوں میں یہ معمول تھا جب ان میں سے کوئی نظر لگانا چاہتا وہ اس کی ذات میں ہوا یا مال میں وہ تین  
دن تک بھوکا رہتا (۲) پھر وہ اس کے مال اور نفس کا سامنا کرتا تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ قوی، اس سے زیادہ  
بہادر، اس سے زیادہ مالدار اور اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا تو اسے نظر لگ جاتی تو وہ اس کا مال ہلاک ہو جاتا اللہ تعالیٰ  
نے اسی آیت کو نازل فرمایا۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ نظر اس وقت لگتی ہے جب کسی چیز کو اچھا خیال  
کیا جائے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے نا پسندیدگی اور بغض کی وجہ سے نظر نہیں لگتی؛ اسی وجہ سے فرمایا: يَقُولُونَ إِنَّهُ  
لَمَجْنُونٌ ③ یعنی وہ آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں۔  
میں کہتا ہوں: منسرین اور لغت کے علماء کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے نظر سے ان کی مراد  
سرور دو عالم ﷺ کو قتل کرنا تھا۔ کسی شی کو نا پسند کرنا اس امر کے مانع نہیں کہ دشمنی کی وجہ سے کسی کو نظر لگائی جائے یہاں تک کہ  
وہ ہلاک ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عائشہؓ، ابو سلام اور مجاہد نے لیذحقونک پڑھا ہے (۳) یعنی تاکہ  
وہ آپ کو ہلاک کریں۔ یہ قرات تفسیر کے طریقہ پر ہے یہ زهقت نفسه از حقها سے مشتق ہے ابل مدینه نے لیذلقونک کو یاد  
کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے:  
زَلَقَهُ، يُزَلِّقُهُ، أَزَلَّقَهُ يُزَلِّقُهُ إِذَا فَا جَبَ أَسَّ الْأَيْكِ طَرْفٍ كُرْدِيًا وَأُسَّ الدُّرْ كِرْدِيًا۔ ذُلُق رَأْسَهُ يَزِلْقُهُ ذُلُقًا۔ جب اس کا حلق  
کیا، اسی طرح ازلقه اور ذلقه تذليقا ہے رجل ذلقى وذُمِّلِق جس کی مثل هُدْبِه ہے اس کی جمعہ زمالق اور ذُمَّلِق ہے اس  
سے مراد وہ مرد ہے جس کو جماع سے قبل انزال ہو جائے۔ اسے جو بری اور دوسرے علماء نے حکایت کیا ہے۔ کلمہ کا معنی ہوگا  
ایک طرف کرنا اور زائل کرنا۔ نبی کریم صلی علیہ وسلم کے حق میں یہ چیز نہیں ہوگی مگر آپ صلی علیہ وسلم کو ہلاک کرنے اور آپ صلی علیہ وسلم کی  
موت کی صورت میں واقع ہوگی۔

ہروی نے کہا: ارادہ کیا کہ وہ اپنی نظروں کے ساتھ آپ سنی نبیؐ کو نظر لگائیں اور آپ سنی نبیؐ کو اس مقام سے زائل کر دیں جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سنی نبیؐ کو کھڑا کیا ہے وجہ آپ سنی نبیؐ سے دشمنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی



نظروں سے آپ ﷺ کو ہلاک کر دیں (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: ذلِق السهم وذہق جب تیرا پار ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے: وہ اپنی نظر کی شدت سے آپ ﷺ کو ہلاک کر دیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ آپ ﷺ کو پچھاڑ دیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے نیز سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: آپ ﷺ جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اس سے آپ ﷺ کو پھیر دیں۔ عوفی نے کہا: وہ آپ ﷺ کو تیر ماریں۔ مورج نے کہا: وہ آپ ﷺ کو پھسلادیں۔ نصر بن شمیل اور اخفش نے کہا: وہ آپ ﷺ کو فتنہ میں ڈال دیں۔

عبد العزیز بن یحییٰ نے کہا: وہ آپ ﷺ کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: تاکہ وہ آپ ﷺ کو مس کریں۔ امام جعفر صادق نے کہا: تاکہ وہ آپ کو کھا جائیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: صر عنی بطرفہ، قتلتنی بعینہ اس نے مجھے اپنی نظر سے پچھاڑ دیا اور اس نے مجھے اپنی نظر سے قتل کر دیا۔

شاعر نے کہا:

یتقارضون إذا التقوا فی مجلس نظرًا یزل مواطئ الأقدام (3)

جب وہ کسی مجلس میں ملتے ہیں وہ گھور کر ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جو قدموں کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تیری طرف عداوت سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہے وہ آپ ﷺ کو گرا دیں۔ یہ سب اسی طرف راجع ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ جامع معنی یہ ہے وہ تجھے نظر لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عز و شرف یعنی قرآن نہیں ہے مگر جہانوں کے لیے نصیحت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں مگر جہانوں کے لیے نصیحت جس سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی شرف ہے یعنی قرآن شرف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) نبی کریم ﷺ بھی جہانوں کے لیے نصیحت ہیں (4)۔ جہان کے لوگ آپ کی اتباع کر کے اور آپ پر ایمان لا کر شرف والے ہو گئے۔

1۔ معالم التنزيل، جلد 5، صفحہ 441



وَمَا أَذُرُكَ مَا لَهَا قُوَّةٌ ① یہ بھی جملہ استفہامیہ ہے یعنی کس چیز نے تجھے بتایا کہ وہ دن کیا چیز ہے؟ نبی کریم ﷺ قیامت کے بارے میں آگاہ تھے مگر صفت کے اعتبار سے، اس کی تفخیم شان کے لیے کہا گیا۔ وما ادراک ماہی گویا جب آپ ﷺ نے اس کا معائنہ کیا تو تو اس کو جانتا ہی نہیں۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی وَمَا أَذُرُكَ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا اور علم عطا فرما دیا اور جہاں بھی وما یدرک ہے اس کے بارے میں علم عطا نہیں فرمایا (1)۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وَمَا أَذُرُكَ اس کے بارے میں خبر دی اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وما یدرک اس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی۔

### كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ②

”جھٹلایا ثمود اور عاد نے قارعہ کو“

جنہوں نے قیامت کو جھٹلایا اس کا ذکر فرمایا۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے (2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ لوگوں کو اپنی ہولناکیوں سے کھٹکھٹاتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصابتمہم قوارع الدھر انہیں حادثات زمانہ پہنچے۔ نعوذ باللہ من قوارع فلان ولواذعہ وقوارص لسانہ ہم فلاں کی طرف سے دی جانے والی مصیبتوں، آفتوں اور بدکلامیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قوارص یہ قارص کی جمع ہے جس کا معنی تکلیف دہ حکم ہے۔ قوارع القرآن، اس سے مراد وہ آیات ہیں جو انسان، جنوں یا انسانوں سے خوفزدہ ہو کر پڑھتا ہے جس طرح آیت الکرسی، گویا یہ شیطان کو کھٹکھٹاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے قارعہ یہ قارعہ سے ماخوذ ہے (3) یعنی وہ بعض لوگوں کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے؛ یہ مرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قارعہ سے مراد ایسا عذاب ہے جو دنیا میں ان پر نازل ہوا۔ ان کا نبی انہیں اس بارے میں خبردار کرتا تھا تو وہ اس نبی کی تکذیب کرتے تھے۔ قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی (4)، ان کی بستیاں شام اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: یہ وادی قری ہے۔ یہ عرب تھے، جہاں تک عاد کا تعلق ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان کی بستیاں احقاف کے علاقہ میں تھیں۔ احقاف سے مراد عمان سے لے کر حضرموت تک کا ریتلا علاقہ ہے اور پورا یمن مراد ہے۔ یہ عربی تھے، بڑے مضبوط جسم والے تھے؛ محمد بن اسحاق نے اس کا ذکر کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

### فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ③

”پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا، سخت چٹکھاڑ سے۔“

اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے بالفعل الطاغیۃ۔ قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بالصیحة الطاغیۃ جو حد سے تجاوز کرنے والی تھی یعنی ہولناکی میں چیخوں کی حد سے تجاوز کرنے والی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّا أَنزَلْنَاهَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَطِرِ ④ (القمر) طغیان سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے؛ اسی سے یہ ہے إِنَّا لَنَاطِقُهَا النَّاسُ (الحاقہ: 11) یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا۔ کلبی نے کہا: الطاغیۃ سے مراد الصاعقہ ہے (5)۔ مجاہد نے کہا: گناہوں

کے بدلے میں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سرکشی کے باعث۔ یہ مصدر ہے جس طرح کاذبہ، عاقبہ اور عافیہ مصدر ہے یعنی انہیں طغیان اور کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاغیۃ سے مراد اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا ہے (1)؛ یہ ابن زید کا قول ہے یعنی انہیں ہلاک کیا گیا اس کے باعث جو ان کے طاغیہ نے کہا کہ اونٹنی کی کوچیں کاٹیں۔ وہ ایک تھا۔ ان سب کو ہلاک کیا گیا کیونکہ وہ اس کے فعل پر راضی تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا۔ اسے طاغیہ کا نام دیا جس طرح کہا جاتا ہے: فلان راویۃ الشعر فلاں شعر روایت کرنے والا ہے اس طرح داهیۃ، علامہ اور نسابہ ہے۔

وَأَمَّا عَادُ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ① سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةً

أَيَّامٍ حُسُومًا ② فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُعِجَزُوا بِخُلْدٍ ③

”رہے عادتو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تند تھی، اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسل)“

سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں

گویا وہ مڑھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔“

وَأَمَّا عَادُ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ، صرصر یعنی ٹھنڈی جو اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلادیتی ہے جس طرح آگ جلاتی ہے؛

یہ صر سے ماخوذ ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت آواز ہے۔ مجاہد نے کہا: سخت زہریلی۔

عَاتِيَةٍ ① وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہو گئی اور اس نے ان کی اطاعت نہ کی اور اس ہوا کے تیز چلنے کی وجہ سے اس پر قابو نہ رکھ

سکے۔ وہ ہوا اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے غضب ناک ہوئی۔

عَاتِيَةٍ ① ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم عاد پر سرکش ہو گئی اور ان پر غالب آ گئی۔ سفیان ثوری نے موسیٰ بن مسیب سے

وہ شہر بن حوشب وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں (2) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ

ہوا کا جھونکا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانہ سے اور پانی کا قطرہ نہیں بھیجتا مگر اندازہ سے مگر قوم عاد اور قوم نوح کے دن کیونکہ پانی

حضرت نوح علیہ السلام کے دن خازنوں پر سرکش ہو گیا خازنوں کو اس پر گرفت کی کوئی صورت نہ رہی“ پھر اس آیت کی تلاوت

کی اِنَّا لَنَاطِقُا لِمَاءٍ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْهَامِ ② (الحاقۃ) اور ہوا جب قوم عاد کا دن آیا تو وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہو گئی تو ان

خازنوں کو ہوا پر کوئی غلبہ نہ رہا“ پھر اس آیت ہر ریح صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کی تلاوت کی سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اور

اسے ان پر مسلط کیا (3)۔ تسخیر کا معنی ہے کسی شے سے قدرت کے ساتھ کام لینا۔

سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةً أَيَّامٍ حُسُومًا ② درپے درپے ان میں کوئی انقطاع نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: حُسُوم سے مراد پے درپے کسی عمل کو کرنا ہے (4)۔ یہ حسم الدعاء سے مشتق ہے جب

مریض کو کاویہ سے پے درپے داغا جائے۔ عبدالعزیز بن زرارہ نے کہا:



ففرق بينهم زمان تتابع فيه أعوام حسوم (☆)

مبرد نے کہا: یہ تیرے قول حسمت الشیء سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے اور دوسرے حصے سے جدا کرے۔ اور ایک قول یہ ہے: حسم سے مراد استئصال ہے اور تلوار کو حسام کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دشمن کو دشمنی کی شدت کی وجہ سے وہاں سے کاٹ دیتی ہے جہاں سے دشمن چاہے۔ شاعر نے کہا:

حُسامٌ إذا قَتَّ مُعْتَصِدًا به كَفَى الْعَوْدَ مِنْهُ الْبَدءُ لیس بِمُعَصِدٍ

وہ ایسی تلوار ہے جو میں اسے بغل میں لے کر کھڑا ہوتا ہوں تو اسی کا پہلا وار دوسرے کو کافی ہو جاتا ہے یہ درانتی نہیں۔ اس کا معنی ہے ہوانے انہیں کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب کے ساتھ قطع کرنے والی ہے۔ ابن زید نے کہا: ہوانے انہیں ہلاک کر دیا ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہواراتوں اور دنوں میں پے در پے آئی یہاں تک کہ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا (2) کیونکہ پہلے دن یہ ہوا سورج کے طلوع ہونے کے وقت شروع ہوئی اور آخری دن سورج کے غروب ہونے کے وقت ختم ہوئی۔ لیث نے کہا: حسوم سے مراد نحوست ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: یہ نحوست کی راتیں ہیں، یعنی بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کرنے والیاں ہیں؛ صحاح میں یہ قول کیا ہے۔ عکرمہ اور ربیع بن انس نے کہا: مراد نحوست والے (3)؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **فِي أَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ** (فصلت: 16)۔ عطیہ عوفی نے کہا: **حُسُومًا** سے مراد ہے جنہوں نے بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کر دیا (4)۔ اس کے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتوار کی صبح؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جمعہ کے دن کی صبح؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدھ کی صبح؛ یہی یحییٰ بن سلام اور وہب بن منبہ نے کہا۔ وہب نے کہا: وہ دن جنہیں عرب ایام عجز کہتے ہیں وہ ٹھنڈے اور شدید ہوا والے تھے۔ اس کا پہلا دن بدھ تھا اور آخری دن بھی بدھ تھا۔ انہیں ایک بوڑھی کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ قوم عاد کی ایک بوڑھی درندے کی ایک بل میں داخل ہوئی، ہوانے اس کا پیچھا کیا اور آٹھویں دن اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایام عجز اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں واقع ہوئے۔ سریانیوں کے زبان میں یہ آزار (مارچ) کے مہینہ میں ہوا ہے۔

**حُسُومًا** حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: تحسہم حسوما انہیں فنا کر دے گی۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو یعنی ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے ہوا کو اتنی مدت ان پر مسلط کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حاسہ کی جمع ہو۔ سدی نے **حُسُومًا** پڑھا ہے۔ یہ ریح سے حال ہے یعنی ہوا کو ان پر مسلط کیا، اس حال میں کہ وہ ان کی جڑ ختم کرنے والی تھی۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا مَضْمِرًا سِرًّا مِنْ رَاتِمٍ اور دن ہیں (1)۔ صَرَغِي یہ صریح کی جمع ہے یعنی مردہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ماضمیر سے مراد ہوا ہے گَانْتَهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ اعجاز کا معنی تنے ہیں۔ خاویۃ بوسیدہ؛ یہ ابو طفیل کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اندر سے خالی، ان میں کچھ بھی نہ تھا۔ نخل مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر فرمایا: گَانْتَهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعَةٍ ۝ (القمر) یہ احتمال موجود ہے کہ انہیں ایسی کھجوروں سے تشبیہ دی گئی جو اپنی جڑ سے اکھیز کر پھینک دی گئیں۔ یہ اس امر کی خبر ہے کہ ان کو ختم کرنا بڑا عظیم امر تھا۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جڑیں ہوں تنے نہ ہوں یعنی ہوانے انہیں کاٹ کر رکھ دیا یہاں تک کہ وہ یوں ہو گئے جس طرح کھجور کی ایسی جڑیں ہوں جو اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ہوا ان کے پیٹوں میں داخل ہوتی تو انہیں ہلاک کر کے رکھ دیتی جس طرح وہ کھجور ہو جو اندر سے کھوکھلی ہو۔ ابن شجرہ نے کہا: ہوا ان کے مونہوں میں داخل ہوتی اور ان کے پیٹوں میں جو انتڑیاں وغیرہ تھیں، ان کو باہر نکال دیتی تو وہ اس کھجور کی طرح ہو گئے جو اندر سے کھوکھلی تھی (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: خاویۃ کہا کیوں کہ ان کے بدن روحوں سے خالی ہو گئے تھے جس طرح کھوکھلا تنا ہوتا ہے (4)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ معنی ہو گویا کھجور کے ایسے تنے ہیں جو اپنی جڑوں سے خالی ہو چکے تھے جو زمین میں گڑھی ہوتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ (النمل: 52) یعنی وہ کھنڈر ہے ان میں کوئی رہائشی نہیں۔ خاویۃ کا معنی بوسیدہ بھی ہو سکتا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ جب وہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہلاک کیے جا چکے تو انہیں کھجور کے کھوکھلے تنوں کے ساتھ تشبیہ دی۔

### فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝

”کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد؟“

یہاں بَاقِيَةٍ سے پہلے فرقة یا نفس محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں بَاقِيَةٍ، بقیہ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بقاء کے معنی میں ہے، یہ فاعل کا وزن ہے۔ مصدر کے معنی میں ہے جس طرح عافہ اور عافیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم ہو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی پاتے ہو۔ ابن جریج نے کہا: وہ سات راتیں اور آٹھ دن تھے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا کی صورت میں جو عذاب آیا اس میں وہ زندہ رہے جب آٹھویں دن کی صبح کی تو وہ مر گئے۔ ہوانے انہیں اٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝ اور فَاصْبَحُوا لَا يَرَى إِلَّا مَسَكِنُهُمْ (الاحقاف: 25) کا یہی معنی ہے۔

### وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُ بِالْخَاطِئَةِ ۝

”اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور انسانی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا۔“

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ ابو عمرو اور کسائی نے وَمَنْ قَبْلَهُ پڑھا ہے، یعنی قاف کے نیچے کسرہ اور باء پر زبر۔ معنی ہوگا جو اس کے ساتھ تھے اور لشکروں میں سے جو اس کے پیروکار تھے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے حضرت عبد اللہ اور حضرت ابی کی



قرأت ومن معہ پر اعتبار کرتے ہوئے اسے پسند کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اسے ومن تلقاء قرأت کی باقی قراء نے قبلہ قرأت کی مراد ہے جو سابقہ قومیں گزر چکی تھیں (1)۔

وَالْمُؤْتَفِكَةُ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کے لوگ ہیں۔ عام قرأت الف کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری اور حمد ری نے والمؤتفکة قرأت کی ہے۔ قتادہ نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو مؤتفکات کا نام دیا کیونکہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ الٹایا گیا تھا۔ طبری نے محمد بن کعب قرظی سے یہ ذکر کیا ہے: وہ پانچ بستیاں تھیں صبعہ، صعرہ، عمرہ، دوما اور سدوم۔ یہ بڑی بستی تھی۔ بِالْخَاطِئَةِ ① اس سے پہلے الفعلۃ کا لفظ محذوف ہے۔ اس سے مراد معصیت اور کفر ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ خطائیں ہیں جو وہ کیا کرتے تھے۔ جر جانی نے کہا: مراد بڑی خطا ہے خاطئہ مصدر ہے۔

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَّابِيَةً ②

”پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے۔“

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہ السلام ہیں جس طرح فرمایا: فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ③ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد رسالت ہے؛ بعض اوقات رسالت کو رسول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قول فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَّابِيَةً ④ رابیہ ایسی پکڑ جو پکڑوں پر بلند اور زائد ہو اور امتوں کے عذاب پر بلند ہو؛ اسی سے ربا کا لفظ ہے جب سونے اور چاندی میں اس سے زیادہ چیز لی گئی جو دی گئی تھی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ربا الشئ یرسو جب وہ زائد ہو جائے اور کئی گنا ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی سخت ہے گویا یہ ارادہ کیا وہ شدت میں بڑھ کر ہے۔

إِنَّا لَنَاطِقَاتُ الْمَاءِ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑤ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ ⑥

”ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا تاکہ ہم بنادیں اس واقعہ کو تمہارے لیے

یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان۔“

إِنَّا لَنَاطِقَاتُ الْمَاءِ جب پانی بلند ہو گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: پانی اللہ تعالیٰ کے لیے غضب کی وجہ سے فرشتوں میں سے خازنوں پر سرکش ہو گیا (2)۔ وہ خزان اسے قابو رکھنے پر قادر نہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: ہر چیز پر پندرہ ہاتھ بلند ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی اپنے خازنوں پر سرکش ہو گیا، وہ ان پر بہت زیادہ ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کتنا پانی نکلا۔ اس سے قبل اور اس کے بعد کوئی قطرہ نازل نہیں ہوتا مگر معلوم پیمانہ کے ساتھ نازل ہوتا صرف اس دن ایسی صورت نہ تھی۔ سورت کے آغاز میں مرفوع حدیث گزر چکی ہے۔ ان امتوں کے واقعات کے ذکر کرنے کا مقصود اور جو عذاب ان پر آئے، ان کے ذکر کا مقصود یہ ہے کہ اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ان کفار کی اقتدا سے روکا جائے۔ پھر ان پر یہ احسان بتلایا کہ انہیں ان لوگوں میں سے بنایا جو اس غرق ہونے سے نجات پانے والے تھے۔

فرمایا: **حَمَلْنٰكُمْ فِي الْمُبَارِكَةِ** ۝ یعنی ہم نے تمہارے آباء کو کشتی میں اٹھالیا جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ اس کشتی میں جن کو اٹھایا گیا تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ روئے زمین پر جو بھی انسان ہیں انہیں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

**لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرًا**، حاضیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے نصیحت بنالیا یہاں تک کہ اس کے اوائل نے اس کشتی کو پایا؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کے تختے جو دی پہاڑ پر تھے (2)۔ معنی یہ ہے میں نے تمہارے لیے ان لکڑیوں کو باقی رکھا تا کہ تم اس کو یاد کرو جو قوم نوح پر واقع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباء کو جو نجات دی اسے یاد کرو۔ کتنی کشتیاں ہیں جو ہلاک ہوئیں اور مٹی ہو گئیں اور ان میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ ہم اس فعل ”یعنی قوم نوح کو غرق کرنا اور جو ایمان لایا تھا اسے نجات دینا“ کو تمہارے لیے نصیحت بنادیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** ۝ یعنی اسے یاد رکھیں اور اسے کان سنیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آیا ہے اسے یاد رکھیں۔ سفینہ کی صفت اس کے ساتھ نہیں لگائی جاسکتی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے **وَعِيتُ كَذَا عِيًا** اسے میں نے اپنے دل میں یاد کیا۔ **وَعِيتُ الْعِلْمَ**، وعیت ماقلت، سب کا ایک ہی معنی ہے۔ **أُوْعِيتُ الْمَتَاعَ فِي الْوَعَا** میں نے برتن میں سامان کو محفوظ کیا۔ زجاج نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز میں محفوظ رکھے، اس کے لیے **أُوْعِيتَہ** کا لفظ بولا جاتا ہے جسے تو اپنی ذات میں محفوظ رکھے اس کے لیے **وَعِيتَہ** کا لفظ بولا جاتا ہے (3)۔ طلحہ، حمید اور اعرج نے **وَتَعِيَهَا عَيْنٌ** کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اسے ارنا کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ عاصم اور ابن کثیر سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** ۝۔ **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ** (ق: 37) قنادہ نے کہا: **اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** سے مراد ایسے کان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سے سمجھ بوجھ نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو کچھ سنا اس سے فائدہ اٹھایا (4)۔ مکحول نے کہا: حضرت علی شیر خدا **ع** فرماتے تھے میں نے رسول اللہ **ﷺ** سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں سنی جسے میں بھول گیا ہوں بلکہ میں نے اسے یاد رکھا؛ مادردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: جب **وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** آیت نازل ہوئی تو نبی کریم **ﷺ** نے فرمایا: ”اے علی! میں نے اپنے رب سے سوال کیا ہے کہ اے تیرے کان بنادے“ (5)۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا اور میرے لیے زیبا نہیں کہ میں کسی چیز کو بھولوں۔ ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** نے کہا: نبی کریم **ﷺ** نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ”اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے دور نہ کروں، میں تجھے تعلیم دوں اور تو اسے یاد رکھے“ (6)۔ درمنثور میں الفاظ اس طرح ہیں ”تجھ پر لازم ہے تو اسے یاد رکھے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ تجھے یاد رکھے“۔

**فَاذْاُفُوْا فِي الصُّوْرِ نَفْحَةً وَّاحِدَةً** ۝



”پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت پہلا نفخہ ہے (1)۔ اس وقت ہر کوئی مرجائے گا۔ نفخ کو مذکر لانا بھی جائز ہے کیونکہ نفخ صلی تانیث غیر حقیقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ فرمایا: نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ یعنی اس کو دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا۔ انفس نے کہا: فعل، نفخہ پر واقع ہوا کیونکہ اس سے پہلے کوئی اسم مرفوع نہیں تو اسے نفخۃ کہا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو۔ ابوسال نے اسے یوں ہی پڑھا ہے یا کہا جاتا ہے: صرف فعل کے ساتھ خبر دینے پر اقتصار کیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: ضرب ضرباً زجاج نے کہا: فی الصور نائب فاعل کے قائم مقام ہے۔

وَحُصِّلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝

”اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی دفعہ چور چور کر دیا جائے گا“۔

وَحُصِّلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ عام قرأت میم کی تخفیف کے ساتھ ہے یعنی انہیں اپنی جگہوں سے اٹھالیا جائے گا (2)۔ فَدُكَّتَا انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا دَكَّةً وَاحِدَةً۔ دكة میں نصب ہی جائز ہے کیونکہ فَدُكَّتَا میں ضمیر مرفوع ہے فراء نے کہا: فدک کن نہیں کہا کیونکہ تمام پہاڑوں کو ایک پہاڑ کی طرح بنادیا گیا اور زمین کو ایک بنادیا گیا (3)۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا (الانبیاء: 30) یہاں بھی کن نہیں فرمایا یہ دلزلہ کی طرح ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ (الزلزلہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے دکتا کا معنی ہے دونوں کو ایک ہی دفعہ پھیلا دیا جائے گا اسی سے اندک سنام البعیر ہے جب اس کی کہان اس کی پشت میں پھیل جائے۔ سورۃ الاعراف میں اس بارے میں نَفْتَلُوْا رِجْلًا ہے۔ عبد الحمید نے اس عامر سے یہ قرأت نقل کی ہے وَحُصِّلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ یعنی تشدید کے ساتھ اسے پڑھا ہے کیونکہ فعل دوسرے فعلوں کی طرف متعدی ہے گویا اصل کلام یوں ہے وَحُصِّلَتِ الْقَدَرَتْنَا أَوْ مَلَكًا مِنْ مَلَائِكَتِنَا الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ پھر فعل کو دوسرے فعلوں کی طرف منسوب کیا گیا تو اس کے لئے یہ صیغہ بنایا گیا۔ اگر پہلا مفعول لایا جائے تو فعل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ گویا فرمایا: وَحُصِّلَتِ الْقَدَرَتْنَا الْأَرْضُ کبھی قلب کے طریقہ پر دوسرے مفعول کے لئے اسے مجہول کا ذکر کرنا بھی جائز ہے تو کہا جائے گا: حُصِّلَتِ الْأَرْضُ الْمَلِكُ جس طرح تیرا قول ہے: أَلَيْسَ زَيْدٌ الْجَبَّةُ أَوْ أَلَيْسَتْ الْجَبَّةُ زَيْدًا۔

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلِكُ عَلَى

أَرْجَاءَ يَهَا وَيَحْمِلُ عَرْشُ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ ۝

”تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس بالکل جدا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا“۔

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ جس روز قیامت قائم ہوگی (1) وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ آسمان پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ پھٹ جائے گا کہ جو فرشتے اس میں ہیں وہ نیچے اتر آئیں گے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزُلُ الْمَلَكُ تَنْزِيلًا ۝ (الفرقان) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے فَحِیَ یَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ وہ اس دن کمزور ہو گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَهِيَ الْبِنَاءُ يَنْهَى وَهِيَ فَهِيَ وَادٍ جب وہ بہت کمزور ہو جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: كَلَامٌ وَادٍ ضَعِيفٌ کلام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی سختی کے بعد کمزوری میں اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ فرشتوں کے نازل ہونے کے لئے ہوگا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاهِيَةٌ کا معنی ہے اس میں سوراخ ہو جائیں گے: یہ ابن شجرہ نے کہا ہے (2)۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: وَهَى السَّاءُ جب اس میں سوراخ ہو جائیں۔ ان کی امثال میں سے ہے:

خَلَّ سَبِيلَ مَنْ وَهَى سِقَاءَهُ دَ مِنْ هُرَيْقٍ بِالْفَلَاحِ مَاءَهُ

اس آدمی کا راستہ چھوڑ دے جس کا مشکیزہ پھٹ گیا ہو اور جس کا پانی جنگل میں بہہ گیا ہو۔ یعنی جو کمزور عقل والا ہو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ وَالْمَلَكُ اس سے مراد فرشتے ہیں یہ اسم جنس ہے عَلَى أَرْجَا يَتَجَابَّ آسمان پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کی اطراف میں ہوں گے کیونکہ آسمان میں ان کا مکان تھا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ماوردی نے کہا: شاید یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے اسے سخاک سے روایت کیا ہے۔ کہا: اس کے ان اطراف پر جو پہنچتی نہیں۔ یہ ارادہ کیا کہ آسمان فرشتوں کا مکان ہے جب وہ پھٹ گیا تو وہ اس کی اطراف میں چلے گئے۔ سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے فرشتے دنیا کی اطراف میں ہونگے یعنی زمین کی طرف اتریں گے اور اس کی اطراف کی گہائی کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو فرشتے ان ٹکڑوں پر کھڑے ہو جائیں گے جو خود نہیں پھٹے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ جب جہنم دیکھیں گے تو جہنم ان کو خوفزدہ کر دے گی تو وہ یوں بھاگ کھڑے ہوئے جس طرح اونٹ بھاگتا ہے وہ زمین کے کسی کونے میں نہیں آئیں گے مگر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو جہاں سے آئے تھے واپس چلے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کی اطراف میں انتظار کر رہے ہوئے کہ جہنمیوں کے بارے میں انہیں جو حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں جہنم میں ہانک دیا جائے اور اہل جنت کے بارے میں سلام اور کرامت کا حکم دیا جائے۔ یہ سب ابن جبیر کے قول کے معنی کی طرف راجع ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَنُزُلُ الْمَلَكُ تَنْزِيلًا ۝ (الفرقان) اور يَمْعَشَرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (الرحمن: 33) اس پر دلالت کرتا ہے جس طرح ہم نے وہاں بیان کیا ہے۔ ارجاء کا معنی اطراف ہے، یہ بذیل کی لغت ہے اس کا واحد رجا ہے اس کی تشبیہ رجوان ہے جس طرح عصا اور عصوان ہے۔ شاعر نے کہا:

فَلَا يُؤْمَى بِنِ الثَّوَجَوَانِ أَنِّي أَقْلُّ الْقَوْمِ مَنْ يُغْنِي مَكَانَ

مجھے دونوں طرفوں میں نہیں پھینکا جاسکتا میں قوم میں سب سے قلیل ہوں میرے مکان سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے۔



یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِينَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی (1) جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آٹھ فرشتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں (3)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”آج عرش کو اٹھانے والے چار ہیں جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ چار اور سے ان کی مدد کرے گا وہ آٹھ ہو جائیں گے“۔ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یَحْمِلُهُ الْيَوْمَ أَرْبَعَةٌ وَهَمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثِينَ آج چار اے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کے روز وہ آٹھ ہوں گے۔ عباس بن عبد الملک نے کہا: وہ پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں، اسے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے چار منہ ہیں انسان کا چہرہ، شیر کا چہرہ، بیل کا چہرہ اور گدھ کا چہرہ۔ ہر چہرہ اپنی جنس کے لئے رزق طلب کرتا ہے“ (4) جب امیہ بن ابی صلت کے اشعار نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھے گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس نے سچ کہا“۔

رَجُلٌ وَ ثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِينِهِ وَ الشَّمْرُ لِلْآخِرَى وَ لَيْثٌ مُرْصَدٌ  
وَ الشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ حَمْرَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ  
لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهُمْ فِي رِسَالِهَا إِلَّا مُعَذِّبَةٌ وَ إِلَّا تُجَدِّدُ

حدیث طیبہ میں ہے: ”ساتویں آسمان کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں ان کے کھروں کے گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے ان کی پشتوں پر عرش ہے“ (5)۔ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عباس بن عبد المطلب کی حدیث تخریج کی ہے: سورہ بقرہ میں وہ مکمل گزر چکی ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل اور اس کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حدیث مرفوعہ میں ہے: ”عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی شکل پر ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کے لئے ستر سال کی مسافت ہے“۔ کلبی کی تفسیر میں یہ الفاظ ہیں ثَلَاثِينَ أَجْزَاءً مِنْ تِسْعَةِ أَجْزَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ان سے یہ بھی مروی ہے ثَلَاثِينَ أَجْزَاءً مِنْ عَشْرَةِ أَجْزَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ پھر ملائکہ کی تعداد کا ذکر کیا جس کا ذکر طویل ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ان سے نقل کیا اور دوسرا قول قشیری نے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ثَلَاثِينَ أَجْزَاءً مِنْ تِسْعَةِ يَوْمٍ مَقْرَبٍ فرشتے ہیں (6)۔ عرش کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، بیت رہائش کے لیے نہیں یہی کیفیت عرش کی ہے۔ فَوْقَهُمْ کا معنی ہے ان کے سروں کے اوپر۔ سدی نے کہا: عرش کو حاملین عرش اپنے اوپر اٹھائے

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 190

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443

4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82

6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82

5۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ حاقہ، جلد 2، صفحہ 167

ہوئے ہونگے جبکہ عرش کو اٹھانے والوں پر رکھنے والا صرف اللہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوَقَّهْمُ سے مراد ہے عرش کو اٹھانے والے فرشتے ان فرشتوں کے اوپر ہوں گے (1) جو آسمان میں اس کی اطراف میں ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوَقَّهْمُ سے مراد فوق اهل القيامة ہے۔

### يَوْمَ مَنِّ تَعْرِضُونَ لَا تُخْفِي مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝

”وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔“

يَوْمَ مَنِّ تَعْرِضُونَ جس روز تمہیں اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: وَعَرَّضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا (الکہف: 48) یہ وہ پیشی نہیں جس کے ذریعے اس چیز کو جانا جائے جس سے پہلے آگاہ نہ ہو، بلکہ اس کا معنی حساب ہے اور جزا کے لئے ان پر اعمال واضح کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہونگی جہاں تک دو پیشیوں کا تعلق ہے وہ جھگڑا اور معذرت ہے، جہاں تک تیسری پیشی کا تعلق ہے اس موقع پر صحیفے ہاتھوں میں اڑ کر پہنچیں گے کوئی اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے گا“ (2)۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل نہیں کی۔

لَا تُخْفِي مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ وہ تمہارے اعمال میں سے ہر عمل کو جانتا ہے اس تعبیر کی بنا پر خَافِيَةٌ خفیہ کے معنی میں ہے وہ اپنے اعمال چھپایا کرتے تھے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی انسان اس پر مخفی نہیں رہے گا یعنی کوئی انسان باقی نہیں رہے گا جس کا محاسبہ نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: مومن کافر سے اور نیک فاجر سے مخفی نہیں رہے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری شرمگاہیں پردہ میں نہ ہونگی۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھائے جائیں گے“ (4)۔ عاصم کے علاوہ کوفیوں نے لایخفی پڑھا ہے کیونکہ خافیہ کی تانیث غیر حقیقی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَآخِذْ بِالَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ (ہود: 67) ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ فعل اور اسم مونث کے درمیان جار اور مجرور حائل ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے خافیہ کی تانیث کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَآؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيهِ ۖ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ  
صَاحِبِهِ ۖ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۖ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۖ كُلُوا  
وَأَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۖ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ

1- تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82  
2- جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، ما جاء في العرض، جلد 2، صفحہ 65  
3- تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82  
4- صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، فناء الدنيا بيان الحشر يوم القيامة، جلد 2، صفحہ 384



فَيَقُولُ يَلَيَّتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهُ ۚ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهُ ۚ يَلَيَّتَهَا كَانَتْ  
الْقَاضِيَةَ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهُ ۚ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهُ ۚ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۚ ثُمَّ  
الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۚ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ لَا  
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۚ وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۚ

”پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا: لو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا عالیشان جنت میں، جس کے خوشے جھکے ہوں گے (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ۔ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گذشتہ دنوں میں اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا: اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے، اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی (فرشتوں کو حکم ہو گا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے دوزخ میں جھونک دو پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ بد بخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی۔“

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ دَانِيَةً نِّجَاتٍ ۖ دَلِيلٌ هُوَ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس امت میں سب سے پہلے جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں گے، اس کی شعاع یوں ہوگی جس طرح سورج کی شعاع ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا: ابو بکر کہاں ہیں؟ حضرت عمر کہیں گے: بہت دور بہت دور! فرشتے اسے گھیرے میں لے کر جنت کی طرف لے گئے ہیں! ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے ہم نے ”تذکرہ“ کتاب میں حضرت زید بن ثابت سے مرفوع حدیث انہیں الفاظ اور معنی کے ساتھ نقل کی ہے۔ الحمد للہ

فَيَقُولُ هَآؤُمُ اقْدَرُوا كِتَابِيَهُ ۚ وہ اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنی نجات پر خوش ہوتے ہوئے یہ کہے گا کیونکہ یہیں عربوں کے اس خوشی کے دلائل اور شمال غم کی نشانیوں میں سے ہے (2)۔ شاعر نے کہا:

أَبِينِي أَوْ يُونَنِي يَذِّبُكَ جَعَلْتَنِي فَأَفْرَحُ أَمْ صَدَّرْتَنِي فِي شَمَالِكَ (3)

مجھ پر واضح کرو کیا تو نے مجھے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا ہے تو خوش ہوں یا تو نے مجھے بائیں ہاتھ میں رکھا ہے۔

هَآؤُمُ کا معنی ہے آؤ؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی پکڑو۔ اس معنی میں ربا کے بارے میں ایک روایت ہے اور هاء ہر ایک اپنے ساتھی کے بارے میں کہے گا پکڑ لو۔ ابن سکیت اور کسائی نے کہا: عرب کہتے ہیں هاء یا رجل اقر۔ دو کو کہتے ہیں: هاء ما یا رجلان۔ هاء ما یا رجلا۔ عورت کے لئے کہتے

ہیں: ہاء، ہاؤما، ہاؤن اصل میں یہ حاکم تھا۔ کاف کو ہمزہ کی صورت میں بدل دیا ہے؛ یہ قسمی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاء مرایا کلمہ ہے جو نشاط اور فرحت کے وقت بلانے والے کو جواب دینے کے بولا جاتا ہے (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک بدو نے بلند آواز سے بلایا تو نبی کریم ﷺ نے اسے ہاء کے ساتھ جواب دیا اور آواز کو لمبا کیا (2) اور کتابیہ یہ کوفیوں کے نزدیک یہ ہاء مد سے منصوب ہے بصریوں کے نزدیک اقراؤا کے ساتھ منصوب ہے کیونکہ دونوں عاملوں میں سے یہ قرطبی عامل ہے اصل کتابی ہے ہاء کو داخل کیا گیا ہے تاکہ یاء کے فتح کو واضح کیا جائے۔ ہاء وقف کے لئے ہے اسی طرح اس کے اخوات حسابیہ، مالیہ اور سلطانیہ میں ہے سورہ قارعہ میں ماہیہ ہے عام قرأت وقف اور وصل دونوں صورتوں میں ہاء کے ساتھ ہے کیونکہ مصحف میں یہ ہاء کے ساتھ ہے اسے ترک نہ کیا جائے گا۔ ابو عبید نے یہ پسند کیا ہے کہ ان پر وقف کیا جائے تاکہ سکتہ میں ہاء کے لاحق کرنے میں لغت کے موافق ہو جائے اور خط کے بھی موافق ہو جائے۔ ابن محصین، مجاہد، حمید اور یعقوب نے وصل میں ہاء کے حذف اور وقف میں ہاء کو سبب میں ثابت رکھا ہے حمزہ نے مالیہ اور سلطانیہ میں اور سورہ قارعہ میں ماہیہ ان کی موافقت کی ہے مجموعی طور پر یہ سات حروف ہیں۔ ابو حاتم نے یعقوب اور اس کے ساتھیوں کی قرأت کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ لغت کی اتباع کرتے ہیں۔ جنہوں نے وصل میں ہاء کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ بھی وقف کی نیت پر ہوگا۔

إِنِّي ظَنَنْتُ مَجْهً يَتِّعِنُ اور علم ہے (3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا میرے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ کرے گا۔ اس نے مجھے معاف کرنے کے ساتھ مجھ پر فضل و احسان فرمایا اور میرا مواخذہ نہ کیا۔ سخاک نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی لفظ ظن استعمال ہوا ہے اس کی نسبت مومن کی طرف ہے (4) تو وہ یقین کے معنی میں ہے اور کافر کی طرف نسبت ہو تو وہ شک کے معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا: آخرت کا ظن یقین ہے اور دنیا کا ظن شک ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: مومن اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے تو وہ اچھا عمل کرتا ہے اور منافق اپنے رب کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے تو وہ برا عمل کرتا ہے۔ (5)

أَنِّي مُلْقٍ حَسَابِيَّةٍ ۝ میں آخرت میں اپنے حساب کو پانے والا ہوں، میں بعث کا انکار نہیں کرتا یعنی اس نے نجات نہیں پائی مگر اس وجہ سے کہ اسے یوم حساب کا خوف تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا تو اس نے آخرت کے لئے عمل کیا۔

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وہ ایسی زندگی میں ہوگا جس پر وہ راضی ہوگا اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ ہوگی۔ ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: راضیہ سے مراد مرضیہ ہے جس طرح تیرا قول ہے: ہاء دافق یہ مدفوق کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ذات رضا کے معنی میں ہے یعنی اس سے اس کا صاحب راضی ہوگا، جس طرح لابن اور تامل سے مراد دودھ والا اور کھجور والا ہے۔ صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”وہ زندہ رہیں گے کبھی بھی نہیں مریں گے، وہ صحت مند رہیں گے وہ کبھی بھی



بیمار نہیں ہونگے وہ نعمتوں میں ہونگے کبھی تکلیف نہ دیکھیں گے، وہ جوان رہیں گے کبھی بھی بوڑھے نہ ہوں گے“ (1)۔

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ اِیسی جنت جو نفوس میں عظیم شان والی ہے۔ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۖ اس کے گچھے قریب ہونگے آسانی سے انہیں حاصل کیا جاسکے گا، کھڑا ہوا، بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے توڑ لے گا۔ اس کی وضاحت سورۃ الدخان میں آئے گی۔ قُطُوفُ یہ قطف کی جمع ہے اس سے مراد وہ پھل ہیں جنہیں توڑا جاتا ہے۔ قطف یہ مصدر ہے قطفاف یہ توڑنے کا وقت ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا ۖ اِیسی یہ کہا جائے گا: کھاؤ اور پیو۔ هَنِيئًا مَّبَارَكًا ۖ اس میں کوئی تکرار اور بد مزگی نہ ہوگی۔ بِمَا اَسْلَفْتُمْ کے بعد کُلُوا فرمایا کیونکہ پہلے فرمایا: فَاَصْمَٰصُ اَوْتٰی، مَن اپنے ضمن میں جمع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ ضحاک نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ وہ آیت جو اس کے بعد آ رہی ہے وہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے۔ یہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ اور اس کا بھائی ان آیات کے نزول کا سبب ہوگا معنی تمام اہل شقاوت اور اہل سعادت کو عام ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کُلُوا وَاشْرَبُوا دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے ہر وہ آدمی، خیر اور شر میں جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب کوئی آدمی بھلائی میں سردار ہو، اس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس کا حکم دیتا ہو اور اس کے پیروکار زیادہ ہو جائیں اسے اس کے نام اور ان کے باپ کے نام سے بلایا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ قریب ہوتا ہے اس کے لئے سفید کتاب سفید خط سے لکھی ہوئی نکالی جاتی ہے اس کے اندر برائیاں ہوتی ہیں اور اس کے ظاہر میں نیکیاں ہوتی ہیں، وہ برائیوں سے شروع کرتا ہے وہ انہیں پڑھتا ہے وہ ڈرتا ہے، اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے، جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے اس میں پاتا ہے: ”یہ تیری برائیاں تھیں میں نے تجھے بخش دیا ہے“ وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے پھر وہ کتاب کو اٹھاتا ہے تو اپنی نیکیوں کو پڑھتا ہے تو اس کی خوشی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے تو اس میں پاتا ہے: ”یہ تیری نیکیاں تھیں تیرے لئے ان میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا ہے“ اس کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے۔ ایک تاج لایا جاتا ہے جو اس کے سر پر رکھا جاتا ہے، اسے دو حلے پہنائے جاتے ہیں ہر جوڑ میں زیورات ڈالے جاتے ہیں، اس کا قد ساٹھ ذراع ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔ اسے کہا جاتا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ انہیں خبر دو اور بشارت دو کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اس کی مثل ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو کہتا ہے: هَاؤُمْ اَقْدَعُوْا كِتٰبِيْہٖ ۖ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلِقٌ حَسٰبِہٖ ۖ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ یٰہَا رَاضِیَۃٌ، مرضیۃ کے معنی میں ہے جس پر وہ راضی ہوگا۔ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَۃٍ یعنی باغ آسمان میں ہے قُطُوفُهَا اس کے پھل اور انگور دَانِیَۃٌ ان کے قریب ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ امت نے تجھے ڈھانپ رکھا ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں تم میں سے جو بھی ہے اسے اس کی مثل کی بشارت دے دو کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنٰیئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاٰیَامِ الْعَالِیَۃِ تم نے دنیا کے ایام میں آگے بھیجا ہے۔

جب ایک آدمی شرمسار تھا، اس کی طرف دعوت دیتا تھا، اس کا حکم دیتا تھا اس پر اس کے پیروکار زیادہ ہو گئے اسے اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ ندا کی جائے گی وہ اپنے حساب کے لئے آگے بڑھے گا، اس کے لئے ایک سیاہ کتاب سیاہ نیا میں نکالی جائے گی اس کے اندر نیکیاں ہوں گی اور اس کے باہر برائیاں ہوں گی وہ نیکیوں سے شروع کرے گا انہیں پڑھے گا اور وہ گمان کرے گا کہ وہ نجات پا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس میں یہ پائے گا: ”یہ تیری نیکیاں تھیں جو تجھ پرورد کردی گئی ہیں“ اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، حزن غالب آ جائے گا اور بھلائی سے مایوس ہو جائے گا۔ وہ اپنی کتاب الٹے گا تو اپنی برائیاں پڑھے گا تو اس کے حزن میں اضافہ ہو گا اس کے چہرے کی سیاہی میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس کے آخر میں پائے گا: ”یہ تیری برائیاں تھیں یہ تجھ پر کئی گنا کردی جائیں گی“ یعنی عذاب ان پر کئی گنا کر دیا جائے گا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس نے جو عمل نہیں کیا وہ اس پر زائد کر دیا جائے گا۔ کہا: اسے آگ کے لئے بڑا کر دیا جائے گا، اس کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، اسے تارکول کے پاجامے پہنائے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اسی کی مثل ہے۔ وہ جائے گا: اور کہے گا ہائے کاش! مجھے کتاب نہ دی جائے اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، ہائے کاش! یہ موت میرا معاملہ تمام کر دیتی وہ موت کی تمنا کرے گا۔

**هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ** ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر بیان کی ہے: مجھ سے میری محبت ہلاک ہو گئی (1)؛ یہ مجاہد، عکرمہ، سدی اور سخاک کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں سلطان سے مراد دنیا میں جو حکومت و بادشاہت تھی۔ یہ آدمی ایسا تھا جس کے ساتھی اطاعت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خُذُوهُ فَغُلُّوْهُ** ② ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف جلدی کریں گے پھر اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَغُلُّوْهُ** کا یہی مفہوم ہے اسے طوق کے ساتھ جکڑ دو **وَلَمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ** ③ اسے یوں بنا دو کہ وہ جہنم کی آگ کو تپتا رہے۔ **لَمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذُرْعَاهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہاں کون سا ذراع ہے؟ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کے ہاتھ کے برابر ستر ہاتھ (2)۔ نوف نے کہا: ہر ہاتھ ستر باع کا ہو گا اور ہر باع تیرے اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ ہے (3)۔ اس وقت وہ کوفہ کے علاقہ میں تھا۔ مقاتل نے کہا: اگر اس کا ایک حلقہ پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو وہ یوں پگھل جائے جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے۔ کعب نے کہا: اس زنجیر کا ایک حلقہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا **ذُرْعَاهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا** دنیا کے تمام لوہے کی طرح ہے **فَأُسْلِمُوْهُ** ④ سفیان نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ اسے اس کی دبر میں داخل کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے منہ سے نکالا جائے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے معنی ہے پھر اس میں زنجیر داخل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی جائے گی پھر اس کے ساتھ اسے کھینچا جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے: ”وہ اس کی دبر سے داخل کی جائے گی اور اس کے نتھنوں سے نکالی جائے گی“ (4) ایک اور روایت میں ہے: ”اس کے منہ سے داخل کی جائے گی



اور اس کی دبر سے نکالی جائے گی“ وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: کیا تم مجھے پہنچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں مگر جس ذلت و رسوائی میں تو مبتلا ہے اس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو کون ہے؟ وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں، تم میں سے ہر انسان کے لئے ایسا ہی عذاب ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تفسیر صحیح ترین ہے جو اس آیت کے بارے میں کہی گئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: **يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاثٍ بِاُمِّهَا** (الاسراء: 71) اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے ہم نے اسے سورہ الاسراء میں بیان کیا ہے، وہاں سے اس میں غور و فکر کر لے۔

**اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۚ وَلَا يَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْمُسْكِيْنِ ۝** یہاں طعام، اطعام کے معنی میں ہے جس طرح عطاء کو عطاء کی جگہ رکھا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

اَكْفَرًا بَعْدَ رَدِّ الْمَوْتِ عَنِّي وَ بَعْدَ عَطَائِكَ الْمَائَةِ الْبَرِّتَاعَا

کیا اس کے بعد بھی ناشکری ہو سکتی ہے کہ تو نے موت کو مجھ سے دور کیا اور تو نے سوا دہائی دیئے جو چرنے والے تھے۔ اس شعر میں بھی عطاء، اطعام کے معنی میں ہے۔ اس امر کو واضح کیا انہیں کھانا کھلانے کے ترک اور بغل کا حکم دینے پر عذاب دیا گیا جس طرح کفر کے سبب سے عذاب دیا گیا۔ حض سے مراد برا بیعت کرنا ہے۔ لفظ طعام میں اصل تو یہ ہے کہ وہ مصدر مقدر کے ساتھ منصوب ہو طعام سے مراد یعنی چیز ہے اسے مسکین کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ مسکین اور طعام میں گہرا تعلق ہے جس طرح اطعام عمل کرتا ہے اسی طرح طعام بھی عمل کرتا ہے پس لفظ مسکین کا محل نصب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی **عَلَىٰ اطْعَامِ الْمُسْكِينِ** نال کو حذف کیا اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا۔

**فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ ۚ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غُسْلَيْنِ ۚ لَا يَأْكُلُهُ اِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝**

”پس آج یہاں ان کا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے، جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے۔“

**فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ ۚ** لہ، لیس کی خبر ہے ہاذا اس کی خبر نہیں کیونکہ اسے خبر بنایا جائے تو معنی یہ بنتا ہے وہاں کھانا نہیں مگر غسلیں۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہاں غسلیں کے علاوہ بھی کھانا ہے ہاذا اس فعل کے متعلق ہے جو لہ کے معنی میں پایا جاتا ہے۔ یہاں حمیم سے مراد قریبی ہے یعنی اس کا کوئی قریبی نہیں جو اس کے لئے نرمی کرے اور اس کا دفاع کرے۔ یہ حمیم سے ماخوذ ہے جس کا معنی گرم پانی ہے کیونکہ دوست وہ ہوتا ہے جو اس کے لئے نرمی کرتا ہے اور اس کا دل اس کے لئے جلتا ہے۔

**غُسْلَيْنِ**، یہ غسل سے فعلین کا وزن ہے گویا یہ ان کے بدنوں سے نچڑتا ہے، یہ جہنیوں کی پیپ ہے جو ان کے زخموں اور شرمگاہوں سے بہتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نہاک اور ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جسے جہنمی کھاتے ہیں غسل سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ سر کو دھویا جاتا ہے جس طرح خطمی مٹی وغیرہ (1)۔ انفس نے کہا: اسی سے غسلیں ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو جہنیوں کے گوشت اور خون سے بہتی ہے اس میں یا عنون کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح غفین میں اضافہ کیا گیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سب سے برا کھانا ہے۔ ابن زید نے کہا: نہ اس کا پتہ

ہے اور نہ ہی زقوم کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے؟ ایک اور موقع پر کہا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ (الغاشیہ)۔ یہ بھی جائز ہے کہ صریح بھی غسلیں ہی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے آج ان کے لئے وہاں کوئی کھانا نہیں مگر غسلیں۔ وہ گرم پانی ہوگا۔

الطعام ان کے لئے ایسا کھانا نہیں ہوگا جس سے وہ نفع اٹھا سکیں۔ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ (خاصون سے مراد گناہگار ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: مراد شرکین ہیں۔ اسے الخاطیون بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یاء سے بدلایا گیا ہے اسے حذف کر کے الخاطون بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ خاطون یہ ہے؟ ہم میں سے ہر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ ابوالاسود نے ان سے روایت نقل کی ہے: یہ خاصون کیا ہے؟ صابون کیا ہے یہ اصل میں صابون ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد وہ لوگ ہوں جو حق سے باطل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٦﴾ وَمَا لَا تَبْصِرُونَ ﴿٧﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٨﴾

”پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا۔“

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٦﴾ وَمَا لَا تَبْصِرُونَ ﴿٧﴾ معنی ہے میں تمام اشیاء کی قسم اٹھاتا ہوں جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے اور زائد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ سابقہ کلام کا رد کیا گیا ہے (1) یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح مشرک کہتے ہیں: مقاتل نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جادوگر ہیں (2)۔ ابوجہل نے کہا: وہ شاعر ہیں۔ عتبہ نے کہا: وہ کاہن ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا أُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں الا قسم کی نفی کے لئے ہے کیونکہ حق واضح ہے اس لئے قسم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کا جواب جواب قسم کی طرح ہے إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ضمیر سے مراد قرآن ہے (3)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت جبریل امین ہیں (4)؛ یہ حضرت حسن بصری، کبھی اور مقاتل کا قول ہے اس کی دلیل: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٦﴾ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ (التکویر) ہے کبھی اور قتبی نے کہا: یہاں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قُرْآنَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (6) قول کی نسبت رسول کی طرف اس لئے کی کہ آپ اس کی تلاوت کرنے والے، اس کی تبلیغ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں جس طرح ہمارا قول ہے: یہ امام مالک کا قول ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ﴿٧﴾ وَلَا يَقُولُ كَآهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَكْرُونَ ﴿٨﴾

”اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ



کرتے ہو۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ يَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الْحَقِّ وَلَا يَقُولُ كَا هُنَّ شِطَانُ طِينٍ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقُرْآنُ حَرْفًا مَعْرُوفًا ۝۱۰ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۝۱۱ اور قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝۱۲ میں مازائدہ ہے سب دشمتم کرے اس پر وہ کوئی چیز کیا نازل کریں گے۔ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۝۱۱ کے قلیل ایمان سے مراد یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے: انہیں کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے۔ یہ جائز نہیں کہ ما فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو اور ما کا ما بعد قَلِيلًا کو نصب دے کیونکہ اس صورت میں صلہ کا موصول پر مقدم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مصدر جس میں عمل کرتا ہے وہ اس کا صلہ ہوتا ہے۔ ابن محیسن، ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے مایومنون اور یذکرہ پڑھا ہے (1) باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے قبل اور اس سے بعد خطاب کے صیغے ہیں جہاں تک ما قبل کا تعلق ہے وہ تَبْصُرُونَ ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۳ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝۱۴ لَا خَذَنَّا

مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝۱۵ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝۱۶

”بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔“

تَنْزِيلٌ یہ اصل میں ہو تنزیل ہے مبتدا مخدوف ہے مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۳ اس کا عطف اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ پر ہے یعنی رسول کریم کا قول ہے اور یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝۱۴ تقول کا معنی ہے اس نے تکلف سے کام لیا اور اس نے اپنی جانب سے قول کیا۔ اسے مجہول کا صیغہ تَقَوَّلَ بھی پڑھا گیا ہے لَا خَذَنَّا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝۱۵ یمین سے مراد قوت اور قدرت ہے یعنی ہم اسے قوت سے پکڑ لیتے۔ من زائدہ ہے۔ قوت اور قدرت کو یمین سے تعبیر کیا کیونکہ ہر شے کی قوت اس کی دائیں جانب میں ہوتی ہے؛ یہ قبی کا قول ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے؛ اس معنی میں شامخ کا قول ہے:

إِذَا مَا رَأَيْتُ رَفَعْتُ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِينِ (2)

جب کبھی بزرگی کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے تو عرابہ اسے قوت کے ساتھ لے لیتا ہے۔

عرابہ انصار میں قبیلہ اس کا ایک فرد تھا۔ ایک اور شاعر نے کہا:

دَلَّتْ رَأْيْتُ الشَّمْسِ أَشْمَقُ نَوْدَهَا تَنَادَلَتْ مِنْهَا حَاجَتِي بَيْمِينِي

جب میں نے سورج کو دیکھا اس کا نور روشن تھا میں نے اس سے اپنی حاجت اپنی قوت سے لی۔ سدی اور حکم نے کہا: یمین کا معنی حق ہے؛ دلیل کے طور پر یہ مصرعہ ذکر کیا ہے: تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِينِ عرابہ نے اسے استحقاق رکھتے ہوئے لیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس کے دائیں ہاتھ کو

تصرف سے روک لیتے۔ یہ نطق یہ کا قول ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ کلام اس طریقہ پر آیا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے جس کو ذلیل کرنے کا پروگرام ہو اور اس کو سزا دینی ہو تو اس کا دایاں ہاتھ پکڑا جاتا ہے جس طرح سلطان جس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں حکم دیتا ہے: اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو، یعنی ہم نے اس کے ہاتھ کو پکڑنے کا حکم دیا اور اس کے سزا دینے میں مبالغہ سے کام لیا۔

﴿لَمْ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾ ① ہم نے اس کی شاہ رگ کاٹ دی یعنی ہم نے اسے ہلاک کر دیا (1)۔ یہ ایسی رگ ہے جس کے ساتھ دل متعلق ہوتا ہے جب وہ رگ کٹ جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر لوگوں کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ دل کی وہ ڈوری ہے جو پشت میں ہوتی ہے جو حرام مغز ہے جب یہ ٹوٹ جائے تو قوتیں باطل ہو جاتی ہیں (2) اور وہ آدمی مر جاتا ہے موتوں اسے کہتے ہیں جس کی وٹین کاٹ دی جائے۔ محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد دل اور اس کے ساتھ والی چیزیں ہیں (3)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد علباء اور حلقوم کے درمیان رگ ہے۔ علباء سے مراد گردن کا پٹھا ہے، وہاں دو پٹھے ہیں جن دونوں کے درمیان رگ پیدا ہوتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: وٹین کو جب کاٹا جائے تو اس کے بھوکے ہونے کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کے سیر ہونے کا پتہ چلتا ہے (4)۔

﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حِجْرٌ﴾ ② وَإِنَّهُ لَكَمَّا لَلْئَسْتَقِينَ ③

”پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہیں ہوتا اور بیشک یہ تو نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔“

﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حِجْرٌ﴾ ② مانا یہ ہے احد جمع کے معنی میں ہے اس وجہ سے اس کی صفت جمع سے لگائی گئی ہے یعنی تم میں سے کوئی ایسی قوم نہیں جو اس سے روکنے والی ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَفَرِّقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ: 285) یہاں بھی احد جمع پر دال ہے کیونکہ بین کا لفظ دو یا زیادہ افراد پر ہی داخل ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ سِوَاكَ الرُّعُوسِ قَبْلَكُمْ تَمَّ مِنْ سِوَاكَ سَرْدَارِكَ لَعْنَةُ غَنِيمَتِ حَلَالٍ نَحْنُ نَحْنُ۔ یہاں بھی لفظ احد ہے اس کا معنی جمع کا ہے اور بین ذائد ہے حِجْر کا معنی روکنا ہے حِجْرٌ ③ کے بارے میں جائز ہے کہ یہ احد کی صفت ہو معنی کے اعتبار سے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے تو یہ محل جر میں ہوگا۔ خبر منکم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ منصوب ہو اور خبر ہو اور منکم ملغا ہو اور حِجْرٌ ③ کے متعلق ہو اس میں خبر کے منصوب ہونے میں یہ مانع نہیں جس طرح ان فیئ زیداً راغب میں فصل مانع نہیں وَإِنَّهُ لَكَمَّا لَلْئَسْتَقِينَ ضمیر سے مراد قرآن ہے قرآن ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کی مثل فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ④ (بقرہ) ہے جس طرح ہم نے سورہ بقرہ کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت، رحمت اور نجات ہیں (5)۔

﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ﴾ ⑤ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ⑥ وَإِنَّهُ لَحَقُّ



### الْيَقِينِ ① فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ②

”اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے اور

بیشک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے۔“

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ③ ربیع نے کہا: قرآن کو جھٹلانے والے ہیں (1)۔ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ ④ ضمیر سے مراد

تکذیب ہے، حسرت سے مراد ندامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز قرآن کافروں کے لئے حسرت ہوگا جب

وہ مومنوں کا ثواب دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ان کے لئے حسرت ہوگی جب وہ معاوضہ پر قادر نہ ہوں گے

جب انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل کوئی سورت لے آئیں۔

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ⑤ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے وہ حق یقین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر

یقینی اور حق ہے کہ یہ قیامت کے روز ان کے لئے حسرت ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر حسرة، تحسر کے معنی میں ہوگا۔ یہ مصدر ہے

جو تحسر کے معنی میں ہے اس کے لئے ضمیر کا مذکر ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیشک یہ تیرے اس قول

کی طرح ہے لعین الیقین، محض الیقین اگر یقین صفت ہو تو اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہ ہو جس طرح تو کہتا ہے: هذا

رجل الظریف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): لفظوں کے اختلاف کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف مضاف کیا۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

رَبِّكَ الْعَظِيمِ ⑥ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی

سود اور نقائص سے پاکی بیان کرو۔

## سورة المعارج

﴿سَبْعًا ۝۲۳﴾ ﴿سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ ۝۹﴾ ﴿رَكْعَتَانِ ۝۲﴾

بالاتفاق یہ سورت مکئی ہے۔ اس کی چوالیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِيْنَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ

اَلْفَ سَنَةٍ ۝

”مطالب کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے یہ تیار ہے) کفار کے لئے اسے کوئی ماننے والا نہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔“

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ نافع اور ابن عامر نے سَأَلَ سَائِلٌ پڑھا ہے (1) یعنی ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس وقت یہ سوال سے مشتق ہوگا۔ باء کے بارے میں جائز ہے کہ یہ زائد ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عن کے معنی میں ہو۔ سوال، دعا کے معنی میں ہوگا یعنی ایک دعوت دینے والے نے عذاب کو دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: دَعَا عَنِّي فُلَانٌ بِالنَّوْلِ دَعَا عَلَيْهِ بِالْعَذَابِ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوت زید یعنی میں نے اس کے حاضر ہونے کی التماس کی۔ مراد ہوگا ایک التماس کرنے والے نے کافروں کے لئے عذاب کی التماس کی۔ قیامت کے روز لا محالہ ان پر واقع ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر با زائدہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنْثِيْتُ بِالْذُّحْنِ (المومنون: ۲۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَخُذْ مَنَىٰ اِلَيْكَ بِحُجُوعِ النَّحْلَةِ (مریم: ۲۵) یہ تاکید ہے یعنی ایک سائل نے واقع ہونے والے عذاب لے بارے میں سوال کیا۔

لِّلْكَافِرِيْنَ، لام، عن کے معنی میں ہے۔ سوال کرنے والا انضر بن حارث تھا (2)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سوالوں کا یوں ذکر کیا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارًا مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اِثْبِتْ عَلَيْنَا عَذَابَ الْيَمِيْمِ ۝ (الانفال) اس کا سوال پورا ہوا غزوہ بدر کے موقع پر اسے اور عقبہ بن ابی معیط کو انتقام میں قتل کیا گیا اس کے علاوہ کسی کو انتقام میں قتل نہیں کیا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس بن حبیب اور مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سائل حارث بن نعمان فہری تھا اس کی



وجہ یہ بنی کہ جب اسے نبی کریم ﷺ کا حضرت علی شیر خدا کے بارے میں یہ فرمان پہنچا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيٌّ مَوْلَاً (1) وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا وہ آیا یہاں تک کہ اس نے اپنی سواری ابطح میں بٹھائی پھر کہا: اے محمد! ﷺ تو نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حکم دیا کہ ہم لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی وائٹک رسول اللہ کی گواہی دیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی، ہم پانچ نمازیں پڑھیں تو ہم نے آپ ﷺ سے وہ بات قبول کی، ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ دیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی ہر سال ہم رمضان شریف کے روزے رکھیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی، ہم حج کریں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی پھر آپ ﷺ اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد کو ہم پر فضیلت دی۔ کیا یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ نے اپنی جانب سے کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے“ حارث مڑا وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگر وہ حق ہے جو محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اللہ کی قسم! وہ اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک پتھر مارا جو اس کے دماغ کو لگا تو وہ اس کی دبر سے نکل گیا تو اسے قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ (☆) ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش کے کفار کی جماعت کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کافروں کے خلاف عذاب کا سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں آپ ﷺ نے عذاب کا مطالبہ کیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اسے کفار پر واقع کرے وہ لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ کلام اس ارشاد تک فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ تک ممتد ہے۔ یعنی جلدی نہ کیجئے عذاب بالکل قریب ہے جب باء، عن کے معنی میں ہو، یہ قتادہ کا قول ہے تو سائل یہ سوال کرتا ہے کہ عذاب کس کو واقع ہوگا یا کب واقع ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْئَلُكُمْ خَيْرًا ۝ (الفرقان) اس آیت میں بھی باء، عن کے معنی میں ہے۔ علقمہ نے کہا:

فَلَمَّا تَسَأَلُونِ بِالنِّسَاءِ فَلَمَنِي بِصِيرٍ بِأَدْوَاءِ النِّسَاءِ طَبِيب (2)

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں پوچھو تو عورتوں کی بیماریوں کو جاننے والا طبیب ہوں۔

یہاں بھی بالنساء، عن النساء کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَرَجْنَا نَسْأَلُ عَنْ فُلَانٍ وَبِفُلَانٍ یعنی باء اور عن دونوں صلے استعمال ہوتے ہیں۔ معنی ہوگا انہوں نے سوال کیا کس پر عذاب واقع ہوگا اور کس کے لئے واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِلْكَافِرِينَ کافروں پر یا کافروں کے لئے۔ ابوعلی اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ سوال سے مشتق ہو تو اس کی اصل یہ ہے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا، ایک مفعول پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ جب ان دونوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار ہو تو جائز ہوگا کہ حرف جار کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: سائل نے نبی کریم ﷺ یا

مسلمانوں سے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا۔ جس نے اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے تو اس کے نزدیک دو تو جہیں ہوں گی (۱) یہ سوال کی لغت ہے، یہ قریش کی لغت ہے عرب کہتے ہی سال، یسال۔ جس طرح نال، ینال۔ محاف، یخاف ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ سیلان سے مشتق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات اس کی تائید کرتی ہے سال، سل۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا: سال واد من اودیة جہنم جسے سائل کہتے ہیں؛ یہ حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول زیادہ اچھا ہے جس طرح اعشی ہمزہ کی تخفیف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سالتانی الطلاق إذ رأتانی قلّ مالی قد جئتمانی بنکر

ان دونوں نے مجھ سے طلاق کا سوال کیا جب ان دونوں نے مجھے دیکھا کہ میرا مال کم ہو گیا ہے تحقیق تم دونوں میرے پاس عجیب و غریب بات لائے ہو۔

صحاح میں ہے اخفش نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے خراجنا نسأل عن فلان و بفلان بعض اوقات اس کے ہمزہ میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: سال یسال۔ کہا:

و مرهق سال امتاعاً بأصدته

محل استدلال سال ہے مرهق اسے کہتے ہیں جس کو قتل کرنے کے لئے پکڑ لیا گیا ہو۔ أصد ہضمہ کے ساتھ ہے ایسی چھوٹی قمیص جسے کپڑے کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے سال پڑھا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ہمزہ میں تخفیف کرے کہ اے الف سے بدل دے یہ خلاف قیاس بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الف واؤ سے بدلا ہوا ہو؛ یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو یہ کہے: سلت اسال، جس طرح خفت، أخاف ہے۔ نحاس نے کہا: سیبویہ نے سلت أسال حکایت کیا ہے جس طرح خفت أخاف ہے یہ سالت کے معنی میں ہے یہ شعر پڑھا:

سالت هذیل رسول الله فاحشة ضلّت هذیل بما سالت ولم تصب (1)

ہذیل نے رسول اللہ ﷺ سے فحش سوال کیا ہذیل سوال کے باعث گمراہ ہو گیا اس نے صحیح راہ نہ پائی۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ دونوں برابر ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ یاء سے بدلا ہوا ہو یہ سال، یسیل سے مشتق ہے تو سایل جہنم میں ایک وادی ہوئی۔ پہلے قول کے مطابق سائل کا ہمزہ اصلی ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق واؤ کا بدل ہوگا اور تیسرے قول کے مطابق یاء کا بدل ہوگا۔ قشیری نے کہا: سائل مہوز ہے کیونکہ جب یہ ہمزہ کے ساتھ ہو تو یہ مہوز ہوگا اگر ہمزہ کے ساتھ نہ ہو تو بھی مہوز ہی ہوگا جس طرح قائل اور خائف ہے کیونکہ جب فعل کے عین کلمہ میں اعلال کا قاعدہ جاری ہو تو اسم فاعل میں بھی اعلال کا قاعدہ جاری ہوتا ہے التباس کے خوف سے حذف کے ساتھ اعلال جاری نہیں ہوگا تو اسے ہمزہ کے ساتھ بدل دیا جائے گا تیرے لئے یہ جائز ہے کہ تو ہمزہ میں تخفیف کرے یہاں تک کہ وہ بین بین ہو جائے۔

واقعہ عذاب کفار پر واقع ہوگا۔ یہ امر واضح کیا کہ یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا جو معارج والا ہے۔ حضرت



حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ پوچھا: کس کے لیے؟ فرمایا: کافروں کے لیے (1)۔ کافرین میں جو لام ہے یہ وَاَقِمْ کے متعلق ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے بعذاب للكافرين واقع اس اعتبار سے واقع، عذاب کی صفت ہوگی۔ لام عذاب کے لیے داخل ہو واقع کے لیے داخل نہیں ہوا؛ یعنی یہ عذاب آخرت میں کافروں کے لیے ہے۔ کوئی بھی ان سے اس عذاب کو دور نہیں کر سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام، عی کے معنی میں ہے۔ معنی ہے کافروں پر واقع ہوگا۔ روایت بیان کی گئی ہے حضرت اُبی کی قرأت میں یہ اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عن کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کافروں سے اس عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو معارج والا ہے۔ جو علو، فاضل درجات والا اور نعمتوں والا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ معارج سے مراد مخلوق کے اوپر اس کے انعام کے مراتب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عظمت و علا والا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد آسمان کے معارج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ملائکہ کے معارج ہیں کیونکہ ملائکہ آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں تو اپنی صفت اس سے بیان کی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معارج سے مراد بالا خانے ہیں یعنی وہ بالا خانوں کا مالک ہے یعنی اس نے اپنے اولیاء کے لیے جنت میں بالا خانے بنائے ہیں۔ عبد اللہ نے ذی المعارج پڑھا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے: مَعْرَجٌ، مَعْرَاجٌ، معارج اور معاریج۔ جس طرح مفتاح اور مفاتیح ہے۔ معارج سے مراد درجات ہیں اسی سے مَعَارِجٌ عَلَیْهَا یُظْهِرُونَ ۝ (زخرف) ہے۔ تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ وہ معارج میں بلند ہوتے ہیں (3) جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بنائے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے اصحاب، سلمیٰ اور کسائی نے یعرج قرأت کی ہے ارادہ جمع کا کیا ہے کیونکہ ان کا قول ہے ملائکہ کو مذکر ذکر کرو، انہیں مونث نہ گردانو۔ باقی قراء نے جماعت کا ارادہ کرتے ہوئے تاء کے ساتھ قرأت کی ہے۔ الروح سے مراد حضرت جبرائیل امین ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک فرشتہ ہے جو بہت ہی عظیم مخلوق ہے۔ ابوصالح نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، لوگوں کی شکل و صورت پر ہے مگر وہ انسان نہیں۔ قبیصہ بن زویب نے کہا: یہ میت کی روح ہے جب اسے قبض کیا جائے۔

إِلَیْہِ اس مکان کی طرف جو ان کا محل ہے، وہ آسمان میں ہے کیونکہ وہ اس کی نیکی اور کرامت کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرح ہے اِنِّیْ ذَٰہِبٌ اِلَیْ رَبِّیْ (الصافات: 99) یعنی اس جگہ کی طرف جانے والا ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَیْہِ کی ضمیر سے مراد اس کا عرش ہے۔

فَیُؤَمِّرُ کَانَ مَقْدَارًا خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ وہب، بکبی اور محمد بن اسحاق نے کہا: ملائکہ کا عروج اس مکان کی طرف ہوگا جو ان کا محل ہے۔ اتنے وقت میں ہوگا کہ اگر کوئی اور اوپر چڑھے تو اس کو ایک ہزار سال کا عرصہ لگتا۔ وہب نے یہ بھی کہا: زمین کے پست ترین حصہ سے عرش تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس آیت اور سورہ سجدہ کی آیت

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ: 5) میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کی پست ترین جگہ سے اس کے امر کی انتہا اور آسمانوں سے اوپر اس کے امر کی انتہا میں پچاس ہزار سال کا عرصہ حائل ہے اور اَلَمْ تَنْزِيلُ میں فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کا نزول آسمان دنیا سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے۔ وہ مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

مجاہد، حکم اور عکرمہ سے مروی ہے: یہ دنیا کی عمر کی مدت ہے جب سے اسے پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر جب تک یہ باقی رہے گی وہ پچاس ہزار سال ہیں (1)۔ کوئی نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ گزر چکا ہے اور کتنا باقی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے یعنی جس میں وہ فیصلہ فرمائے گا۔ اگر مخلوق اس کی ذمہ دار ہوتی تو پچاس ہزار سال لگ جاتے؛ یہ قول عکرمہ، بکلی اور محمد بن کعب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں اسی ساعت فارغ ہو جاتا ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے لیکن یوم قیامت ختم نہ ہوگا (2)۔ مراد حساب کے لیے ان کا کھڑا ہونا ہے۔ وہ دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر جنتی اور جہنمی اپنے اپنے ٹھکانوں میں قرار پا جائیں گے۔ ایمان نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے (3)۔ اس میں پچاس موطن ہیں۔ ہر موطن ہزار سال کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد یوم قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اسے پچاس ہزار سال کے برابر کر دیا ہے، پھر انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تعبیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے قاسم بن اصغ نے حضرت ابوسعید خدری سے بیان کیا ہے (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے“۔ میں نے پوچھا: یہ کتنا لمبا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ دن مومن پر خفیف ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جتنے وقت میں وہ فرض نماز پڑھا کرتا تھا اس سے زیادہ خفیف ہوگا“۔ نحاس نے اس قول کی صحت پر اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سہیل نے اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: ”ہر وہ شخص جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی اللہ تعالیٰ اسے جہنم کا سانپ بنا دے گا جس کے ساتھ اس کی پیشانی، اس کی پشت اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا“ (5)۔ یہ اس امر پر دل ہے کہ مراد یوم قیامت ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: مومن کے اوپر یہ دن اتنا ہی طویل ہوگا جس قدر ظہر اور عصر کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ تمہارا محاسب اتنے وقت میں کرے گا جتنا وقت دو نمازوں کے درمیان ہوتا ہے“ (6)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سَوِّیْعُ الْحِسَابِ ۝



(البقرہ) اور **أَسْرَعُ الْحُسَيْنِ** ⑩ (الانعام) رکھا ہے؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ فراغت نصف دن میں ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ خَيْرٍ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا** ⑪ (الفرقان) یہ مخلوقات کے فہم کے حساب سے ہے ورنہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کو کسی کام سے غافل نہیں کرتا جس طرح وہ ایک ساعت میں رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں حساب بھی کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا خَلَقْتُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ** (نعمان: 28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اس آیت کے بارے میں اور فی یوم گان مقدّمۃ ألف سنۃ (السجدہ) کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ ایسے دن ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کا نام رکھا ہے وہ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات کروں جن کے بارے میں آگاہ نہ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ** کے الفاظ بطور تمثیل کے ہیں۔ یہ میدان محشر میں مدت کے لمبا ہونے کی پہچان کرائی گئی ہے جو انسان وہاں مشکلات پائے گا۔ عرب شدت کے ایام کی صفت طول سے بیان کرتے اور خوشی کے دنوں کی صفت قصر سے بیان کرتے۔ شاعر نے کہا:

دیوم کظّل الزّمح قصّ طوله دُمّ الزّق عثا واصطفاق المزاهر

کتنے ہی دن ہیں جو نیزے کے سایہ کی طرح ہیں شراب اور بربط کے تاروں کے ملنے نے ہم پر اسکی طوالت کو مختصر کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا تھا، اس کو روکنے والا کوئی نہیں (1)، وہ ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں؛ یہی وہ قول ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

**فَأَصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ⑤ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ① وَنَرَاهُ قَرِيبًا ②**

”ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔“

**فَأَصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ⑤** آپ ﷺ کی قوم جو آپ کو اذیتیں دے رہی ہے اس پر صبر کیجئے۔ صبر جمیل سے مراد یہ ہے ایسا صبر جس میں جزع نہ ہو اور نہ ہی غیر اللہ کے ہاں شکوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم میں مصیبت والا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

**إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ①** مراد اہل مکہ ہیں۔ وہ جہنم کے عذاب کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی وہ ہوگا ہی نہیں۔ **وَنَرَاهُ قَرِيبًا ②** کیونکہ جو عذاب واقع ہونے والا ہوتا ہے وہ قریب ہی ہوتا ہے (2)۔ اعمش نے کہا: وہ بعث کو بعید خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ گویا وہ اسے محال ہونے کے اعتبار سے بعید خیال کرتے ہیں جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس سے بحث کرتا ہے: **هَذَا بَعِيدٌ لَا يَكُونُ**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس دن کو بعید خیال کرتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں کیونکہ

رویۃ، موجود کے متعلق ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: الشافعی یروی فی هذه المسئلة کذا و کذا۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيماً ۝  
”اس روز آسمان پھلکی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔“

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝ یوم میں عامل واقع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یقع بهم العذاب یوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عامل ثرۃ یا یُبَصَّرُوْنَهُمْ ہے یا قریب سے بدل ہوگا۔ مہل سے مراد تیل کی تلچٹ ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسروں کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سیسہ، تانبا یا چاندی میں سے جسے پگھلایا گیا ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: کالہیل سے مراد خالص پیپ ہے جو خون اور کچھلو سے ملی پیپ سے بنی ہو۔ سورہ دخان اور سورہ کہف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ پہاڑ ہو جائیں گے رنگی ہوئی اون کی طرح۔ اون کو عہن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگی ہوئی ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: پہاڑ سرخ اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ اونوں میں سے کمزور ترین اون ہوتی ہے۔ اسی معنی میں زبیر کا قول ہے:

كَانَ فُتَاتُ الْعِهْنِ فِي كُلِّ مَنْزِلٍ

فُتَات کا معنی ٹکڑے۔ العہن سے مراد سرخ اون۔ اس کی واحد عہنہ ہے، گویا سرخ اون کے ٹکڑے ہر جگہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: العہن سے مراد رنگ دار اون ہے۔ پہاڑوں کو اس سے تشبیہ دی جا رہی ہے کیونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں معنی ہے پہاڑ تختی کے بعد نرم ہو جائیں گے اور اجتماع کے بعد بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے پہاڑ جمع شدہ ریت کی طرح ہو جائیں گے، پھر دھنی ہوئی رنگ دار اون کی طرح ہو جائیں گے، پھر بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيماً ۝ کوئی جگری دوست اپنے دوست سے حال نہیں پوچھے گا کیونکہ ہر ایک انسان اپنے ذاتی مسائل میں ہی مصروف ہوگا، یہ قیادہ کا قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ (عس) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام یوں ہے لَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ عَنْ حَمِيمٍ حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عام قرأت یسئال یا، کے فتح کے ساتھ ہے۔ شبہ اور بزی نے عاصم سے وَلَا يَسْأَلُ قُرْأَتٍ نقل کی ہے کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی کسی دوست سے اس کے دوست کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی قریبی رشتہ دار سے اس کے قریبی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ہر ایک انسان سے اس کے اپنے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ (المدر)



”دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچالے۔“

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92

جس نے عموم کا دعویٰ کیا اس نے اس لفظ کو عشرہ پر معمول کیا جس نے اسے خصوص پر محمول کیا (1)۔ اس نے اسے آباء پر محمول کیا، قریبی پھر قریبی۔ پہلی تعبیر نطق میں اکثر مراد لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ تَثْوِيَهُ کا معنی ہے وہ اس سے ملاتا ہے اور اگر خوف ہو تو اسے امن دیتا ہے۔

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيْعًا وَهَـوَ يَدْعُوهُ فَيُدْخِلُهُ رَحْمَةً فَتَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا ۚ (الأنعام: 121) اصل میں اِنْ اَكْهَ لَفْسُقْ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُوْذُ الْمُجْرِمُ فَاءَ کے ساتھ جواب کا تقاضا کرتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَذُو الْوُتْدِ هُنَّ فَيُدْخِلُهُنَّ (القلم) اس میں فَيُدْخِلُهُنَّ کا جواب ہے۔ اس آیت میں جواب لَمْ يَنْجِيْهِ ۝ ہے کیونکہ یہ حروف عطف میں سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يُوْذُ السَّجْدِمْ لَوْ يَفْتَدِي فَيَنْجِيْهِ الْاِفْتِدَاءُ ہے۔

كَلَّا ۚ اِنَّهَا لَظِي ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مِّنْ اَدْبَرَ وَاَتَوَلٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْحٰى ۝

”لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا، بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو، وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا۔“

كَلَّا، کلا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے اور لا کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں امور کا احتمال رکھتا ہے۔ جب یہ حقا کے معنی میں ہو تو کلام یُنْجِيْهِ پر مکمل ہوگی اور جب یہ لا کے معنی میں ہو تو کلام اسی پر مکمل ہوگی، یعنی فد یہ دینا اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں دے گا، پھر فرمایا: اِنَّهَا لَظِي ۝ یعنی یہ جہنم ہے جس کی آگ بھڑک رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظٰی ۝ (اللیل) لَظٰی یہ تلظى سے مشتق ہے اور التظاء النار سے مراد آگ کا بھڑکنا ہے اور تلظیہا سے مراد بھی اس کا بھڑکنا ہے۔ اس کی اصل لفظ ہے یعنی عذاب کے دائمی ہونے کی وجہ سے وہ دائمی ہوگی اس کی ایک ظاء کو یاء سے بدل دیا تو لَظٰی باقی رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کے طبقات میں سے یہ دوسرا گڑھا ہے۔ یہ اسم مونث معروف ہے، اس لیے یہ غیر منصرف ہوگا۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ ابو جعفر، شیبہ، نافع اور عاصم نے ابو بکر کی روایت میں اعش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے نَزَّاعَةً کو مرفوع پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے عاصم سے نَزَّاعَةً کو منصوب نقل کیا ہے جس نے اس لفظ کو رفع دیا ہے اس کے نزدیک اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) لَظٰی کو ان کی خبر بنایا جائے اور نَزَّاعَةً سے پہلے ہی ضمیر مبتدا محذوف ہو۔ اس صورت میں لَظٰی پر وقف مستحسن ہوگا۔ (۲) لَظٰی اور نَزَّاعَةً دونوں ان کی خبریں ہوں جس طرح تو کہتا ہے: اِنَّهٗ خَلَقَ مَخَاصِمَ (۳) نَزَّاعَةً، لَظٰی کا بدل ہو اور لَظٰی ان کی خبر ہو۔ (۴) لَظٰی، ان کے اسم سے بدل ہو اور نَزَّاعَةً، ان کی خبر ہو۔ (۵) انہا کی ضمیر ضمیر قصہ ہو لَظٰی مبتدا ہو اور نَزَّاعَةً مبتدا کی خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّ الْقَصَّهٗ وَالْخَبْرَ لَظٰی، نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى۔ جس نے نَزَّاعَةً کو نصب دی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ لَظٰی پر وقف کرے اور نَزَّاعَةً کو لَظٰی سے الگ کر کے نصب دے



کیونکہ یہ نکرہ ہے جو معرفہ کے ساتھ متصل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حال موکدہ ہونے کی بنا پر منصوب ہو جس طرح فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس معنی کی بنا پر منصوب ہو اِنِّهَا تَتَلَفَّظُ نَزَاعَةً یعنی اس حال میں کہ وہ چمڑے کو ادھیڑنے والی ہے۔ اس میں عامل وہ معنی ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے، وہ تلفظی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو اس بنا پر کہ یہ مکذبین کی حالت بیان کر رہا ہو جبکہ ان کے حال کی خبر دی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماقبل سے قطع کرنے کے ساتھ اسے نصب دی گئی ہو جس طرح تو کہتا ہے: مردت بزید العاقل الفاضل نصب کی بھی یہ پانچ صورتیں ہیں۔ شوی یہ شواہکی جمع ہے۔ اس سے مراد سر کی جلد ہے۔ اعشی نے کہا:

قَالَتْ قُتِيلَةُ مَالَهُ قَدْ جُلِلَتْ شَيْبًا شَوَاتُهُ (1)

قتیلہ نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے اس کے سر کی چمڑی سفید بالوں کی وجہ سے معزز ہو گئی ہے۔

صحاح میں ہے: شوی یہ شواہکی جمع ہے جس کا معنی سر کی چمڑی ہے (2)۔ شوی سے مراد انسانوں کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور سر ہیں اور ہر وہ عضو جس پر زخم لگنے سے قتل واقع نہ ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رماہ فاشواہ اس نے اسے تیر مارا اور ایسی جگہ نہ لگا جو اس کو قتل کر دیتا۔ ہذلی نے کہا:

فَبَانَ مِنَ الْقَوْلِ التِّي لَا شَوَى لَهَا

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو خطا نہیں جاتیں بلکہ نارگٹ پر جا لگتی ہیں اور قتل کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اعشی نے کہا:

قَالَتْ قُتِيلَةُ مَالَهُ قَدْ جُلِلَتْ شَيْبًا شَوَاتُهُ (3)

ابو عبید نے کہا: ابو خطاب اخفش نے ابو عمرو بن علاء کے سامنے یہ شعر پڑھا تو ابو عمرو نے اسے کہا: تو نے اس میں تصحیف کی ہے۔ یہ شواتہ کی جگہ سراقہ ہے۔ ابو خطاب خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ہمیں کہا: بلکہ اس نے اس میں تصحیف کی ہے۔ بے شک اصل میں شواتہ ہی ہے۔ شوی الفرس سے مراد اس کے پاؤں ہیں کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: عُبِلَ الشَّوَى مَضْبُوطَ پاؤں والا۔ یہ لفظ سر کے لیے نہیں بولا جاتا کیونکہ انہوں نے گھوڑے کی صفت یوں بیان کی: اسالة الخدين وعشق الوجه اس سے مراد اس کی رقت ہے۔ شوی سے مراد ادنیٰ درجے کا مال ہے۔ شوی سے مراد ایسی شے ہے جو کم درجہ کی اور تھوڑی ہو۔ ثابت بنانی اور حضرت حسن بھری نے کہا نَزَاعَةً لِشَوَى سے مراد ہے چہرے کی عزت والی جگہوں کو بھون دینے والی (4)۔ ابو العالیہ نے کہا: شوی سے مراد چہرے کے محاسن ہیں۔ قتادہ نے کہا: خلقت کے مکارم اور اس کی اطراف ہیں۔ ضحاک نے کہا: وہ گوشت اور جلد کو ہڈیوں سے الگ کر دے گی یہاں تک ان میں سے کوئی چیز نہ چھوڑے گی۔ کسائی نے کہا: اس سے مراد جوڑ ہیں۔ ایک امام نے کہا: اس سے مراد چاروں پائے اور چمڑا ہے۔

ابوصالح نے کہا: ہاتھوں اور پاؤں کے اطراف (5)۔ شاعر نے کہا:

إِذَا نَظَرْتُ عَرَفْتُ الْفَخْرَ مِنْهَا وَعَيْنِيهَا وَلَمْ تَعْرِفْ شَوَاهَا

جب تو دیکھے گا تو اس سے اور اس کی آنکھوں سے فخر پہچان لے گا اور تو اس کی اطراف کو نہیں پہچانے گا۔  
حضرت حسن بصری نے کہا: شوی کا معنی کھوپڑی ہے (1)۔

لَا تُدْعُوهُمْ لَدَيْهِمْ فَهِيَ خَيْرٌ لِّكُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾ دنیا میں جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے روگردانی کی اور ایمان سے پھر لظیٰ اسے اپنی طرف کھینچے گی۔ اس کا بلا تائیوں ہوگا: اے مشرک! میری طرف آ۔ اے کافر! میری طرف آ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ فتنہ زبان سے کافروں اور منافقوں کو بلائے گی۔ اے کافر! میرے طرف آ۔ اے منافق! میری طرف آ۔ پھر وہ انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ ثعلب نے کہا: تدعو کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: دعاك الله الله تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے۔ خلیل نے کہا: یہ تعالیٰ کی طرح دعوت نہیں ہوگی بلکہ اس کی انہیں دعوت یہ ہوگی کہ وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داعی، جہنم کے داروغے ہوں گے۔ ان کی دعوت کو جہنم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی جس نے پیٹھ پھیری اور اس سے روگردانی کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، گویا جہنم ان کو بلانے والی ہے (2)؛ اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

ولقد هبطنا الواديين فوادينا يدعو الانيس به العضيض الا بكم

ہم دو وادیوں میں اترے ان میں سے ایک وادی ایسی تھی کہ کبھی اس سے انس رکھنے والے کو دعوت دے رہی تھی۔  
العضيض الا بكم سے مراد کبھی ہے، وہ دعوت نہیں دیتی اس کے پروں کی بھنٹناہٹ نے اس پر آگاہ کیا اور اس کی طرف دعوت دی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول حقیقت پر مبنی ہے جس کی وضاحت آیات قرآنیہ اور اخبار صحیحہ سے گزر چکی ہے۔ قشیری نے کہا: لظیٰ کی دعوت اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس میں زندگی پیدا کر دے گا جب وہ دعوت دے گی قیامت کے روز خارق للعادة امور کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

وَجَمَعَ فَأَوْغَى ﴿١١﴾ مال کو جمع کیا اور اسے برتن میں محفوظ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روک لیا پس وہ جمع کرنے والے بھی ہیں اور منع کرنے والے بھی ہیں۔ حکم نے کہا: عبد اللہ بن حکیم اپنے تھیلے کا منہ نہ باندھتے تھے وہ کہتے ہیں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَجَمَعَ فَأَوْغَى۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٢﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿١٣﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿١٤﴾

”بیشک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دوست ملے تو حد درجہ بخیل۔“

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٢﴾ یہاں انسان سے مراد کافر ہے (3)؛ یہ سخاک سے مروی ہے۔ لغت میں هلع سے مراد شدید حرص، بری طرح جزع فزع اور فحش ترین اسلوب (4)، اسی طرح قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے اس کا باب یوں



چلتا ہے هَدْغ يَهْدَعُ فَهُوَ هَلُوعٌ۔ یہ کثرت کے معنی پر دل ہے اس کا معنی ہے وہ خیر و شر پر صبر نہیں کرتا یہاں تک دونوں صورتوں میں ایسا کام کرتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد اندرونی تنگی اور غم ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو سیر نہ ہوتا ہو۔ منوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال پائے تو اللہ تعالیٰ کا حق روک لے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا وہ اس چیز کو پسند کرتا ہو جو اسے خوش اور راضی کرے اور اس سے دور بھاگتا ہے جو اسے ناپسند ہو اور اس کو ناراض کرے (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کیا کہ جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے اس کو خرچ کرے اور جس کو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر کرے۔ ابو عبید نے کہا: هَلُوعٌ وہ شخص ہوتا ہے جب اسے خیر پہنچتی ہے تو وہ شکر بجا نہیں لاتا اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتا؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ ثعلب نے یہ بھی کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے هَلُوعٌ کی تفسیر بیان کی ہے وہ وہ شخص ہے جب اسے شر پہنچتی ہے تو شدید جزع فزع کا اظہار کرتا ہے اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے اسے روک لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بندے کو جو عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے برا ایسا بخل ہے جو بے قرار کرنے والا ہو اور ایسی بزدلی ہے جو دل نکالنے والی ہو“ (3)۔ عرب کہتے ہیں: نَاقَةُ هَلُوعَةٍ وَ هَلُوعٌ۔ جب وہ تیز رفتار ہو اور ہلکی ہو۔ شاعر نے کہا:

صَكَاءٌ ذُعْلَبَةٌ إِذَا اسْتَدْبَرْتَهَا حَرَجٌ إِذَا اسْتَقْبَلْتَهَا هَلُوعٌ

صكاء یہ اونٹنی کا وصف نہیں بلکہ شتر مرغ کا وصف ہے اونٹنی کو شتر مرغ سے تشبیہ دی ذعلب اور ذعلبہ سے مراد تیز رفتار اونٹنی ہے، هَلُوعٌ بھی تیز رفتار اونٹنی کے لئے بولا گیا ہے۔

جَزُوعًا اور مَنُوعًا دونوں هَلُوعٌ کی صفت ہیں اس شرط پر کہ یہ دونوں اذا سے ارادہ میں مقدم ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کان مضرہ کی خبر ہیں۔

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۚ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۚ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۚ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيِّمٍ الدِّينِ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۚ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَدُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَنْدِهِمْ رَاعُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۚ

”بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں، اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے

اور محروم کے لئے، اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزا کی، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (محترم) ہوں گے جنتوں میں۔“

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ یہ اس پر دال ہے کہ اس سے ما قبل کلام کفار کے بارے میں ہے۔ انسان اسم جنس ہے اس کی دلیل استثناء ہے جو اس کے بعد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا (العصر) نغنی نے کہا: مصلین سے مراد فرض نماز ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جو نماز کو وقت پر ادا کرتے ہیں جہاں تک اس کو ترک کرنے کا تعلق ہے تو یہ کفر ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عام مومن ہیں کیونکہ وہ زیادہ جزع فزع پر غالب آ جاتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے رب پر اعتماد اور یقین ہوتا ہے الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ یعنی اپنے وقت پر نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا: یہی وہ لوگ ہیں جب نماز ادا کرتے ہیں تو دائیں اور بائیں متوجہ نہیں ہوتے۔ دائم کا معنی ساکن ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: نَهَىٰ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ كَهَرٍ پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا۔ ابن جریج اور حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو نفل نماز زیادہ پڑھتے ہیں (2)۔ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے: یہ قنادہ اور ابن سیرین کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صلہ رحمی کرنا اور بوجہ اٹھانا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حق کی صفت معلوم سے لگائی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ معلوم نہیں، وہ تو ضرورت کے مطابق ہوتا ہے جبکہ اس میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لَيْسَ آيِلٌ وَالْمَحْرُومِ ۝ سورہ زاریات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِينَ يُصَلُّونَ بَيُّوتِهِمُ الَّذِينَ ۝ یعنی یوم جزا، مراد قیامت کا دن ہے۔ اس بارے میں بحث سورہ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو جھٹلایا وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی بھی عذاب سے امن میں نہیں بلکہ ہر کسی پر واجب ہے کہ اس سے ڈرے۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِقَوْلِهِمْ خُضُّوا ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ اس بارے میں گفتگو سورہ مومن کی آیت قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَنْهُمْ لَمَأُونٌ ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ خواہ وہ گواہی انہیں قریبی



رشتہ دار یا دور کے رشتہ دار کے خلاف دینی پڑے۔ وہ حاکم کے پاس گواہی دیتے ہیں (1)، وہ اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرتے ہیں۔ شہادت اور اس کے احکام کے بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گواہیاں یہ ہیں **إِنَّ اللَّهَ وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ مُحْتَدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، لَا مُنْتَبِهٌ وَاحِدٌ كَصَيْغَةِ بِيْ**؛ یہ ابن کثیر اور ابن محیسن کی قرأت ہے۔ الامانة اسم جنس ہے۔ اس میں دین کی امانات داخل ہو جاتی ہیں۔ شرعی احکام بھی امانتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بندوں کو امین بنایا ہے۔ اس میں بندوں کی امانتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔ عباس دوری نے ابو عمرو اور یعقوب سے بشہادۃ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بشہادۃ واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مصدر بعض اوقات مفرد کا معنی دیتا ہے اگرچہ جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَبِيرِ ①** (لقمان) قراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَ أَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ** (الطلاق: 2) **بِشَهَادَتِهِمْ** واحد کے صیغہ پر دال ہے۔

**وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ②** قتادہ نے کہا: **عَلَى صَلَاتِهِمْ** سے مراد نماز کے وضو، اس کے رکوع اور اس کے سجدہ کی محافظت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: مراد نفلی نماز ہے۔ سورہ مومنوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ دوام، محافظت کے خلاف ہے۔ اس پر ان کے دوام کا مطلب ہے کہ وہ اس کی ادائیگی پر محافظت کرتے ہیں اس میں کوئی نقص واقع نہیں کرتے اور اس کی ادائیگی میں غفلت کر کے کسی اور شغل میں مصروف نہیں ہوتے۔ اس پر محافظت کا مطلب ہے اس کا وضو اچھی طرح کرتے ہیں، وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اس کے ارکان کو قائم کرتے ہیں اور اس کی سنتوں اور آداب کو مکمل کرتے ہیں اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ ضائع ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کریں۔ دوام نفس نماز کی طرف راجع ہے اور محافظت کا تعلق اس کے احوال سے ہے **أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ③** اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی کرامتوں کے ساتھ انہیں عزت دی ہے۔

**فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ④ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ⑤**

**أَيُطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ⑥ كَلَّا ⑦ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ ⑧**

”پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹٹکی باندھے بھاگتے چلے آ رہے ہیں، ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں۔“

**فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ⑨** انفس نے کہا (2): **مُهْطِعِينَ** کا معنی ہے جلدن جلدی آتے ہیں۔ ایک

شاعر نے کہا:

بِسَكَّةٍ أَهْلُهَا وَلَقَدْ أَرَاهُمْ إِلَيْهِ مُهْطِعِينَ إِلَى السَّمَاءِ

مکہ مکرمہ میں اس کے کمین ہیں، میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ بات سننے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ معنی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھتے ہیں اور آپ ﷺ انہیں جو حکم دیتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کو کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی بات سننے میں جلدی کرتے ہیں تاکہ وہ آپ ﷺ کی عیب جوئی کریں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں۔ عطیہ نے کہا: مُهْطِعِينَ کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: وہ تعجب سے آپ ﷺ کو دیکھتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی طرف جلدی کرتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنی گردنوں کو لمبا کیے ہوتے ہیں اور لگا تار آپ ﷺ کو دیکھنے جارہے ہیں۔ یہ دشمن کی نظر ہوتی ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ آیت استہزاء کرنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تو ہوتے مگر ایمان نہ لاتے قَبْلَكَ کا معنی ہے آپ ﷺ کی طرف۔

عَنِ الْيَمِينِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عَزِيزٌ ۝ وہ نبی کریم ﷺ کی دائیں اور بائیں جانب سے حلقے بناتے ہوئے اور جماعت و رجاعت۔ عزیز کا معنی ہے مختلف جماعتیں؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے: آپ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے انہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا: مَا لِي أَرَاكُمْ عَزِيزِينَ أَلَا تَصِفُونَ كَمَا تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا، قَالُوا كَيْفَ تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: يَتَّصِفُونَ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَيَتَرَاوُونَ فِي الصُّفُوفِ (1) امام مسلم اور دوسرے علماء نے اسے روایت کیا ہے۔

فرمایا: کیا وجہ ہے میں تمہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھتا ہوں کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ فرمایا: وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے مل کر بیٹھتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

تَرَانَا عِنْدَهُ وَاللَّيْلُ دَاجٍ عَلَى أَبْوَابِهِ حِلَقًا عَزِينًا (2)

تو ہمیں اس کے ہاں اس کے دروازوں پر مختلف حلقوں کی صورت میں دیکھتا ہے جبکہ رات انتہائی تاریک ہوتی ہے۔  
راعی نے کہا:

أَخْلِيفَةُ الرَّحْمَنِ إِنَّ عَشِيْقَ أَمْسَى مَرَاتَهُمُ إِلَيْكَ عَزِينَا

اے رحمن کے خلیفہ! بے شک میرا خاندان گروہ درگروہ تیری طرف راتوں کو چلتے ہوئے آتا ہے۔

کیست نے کہا۔

وَنَحْنُ وَجَنْدَلٌ بَاغٍ تَرَكْنَا كَتَائِبَ جَنْدَلٍ شَتَّى عَزِينَا

ہم نے جندل کے لشکروں کو مختلف گروہوں کی صورت میں چھوڑا جبکہ جندل بغاوت کرنے والا تھا۔



عزین کا واحد عزة ہے۔ واو، نون کے ساتھ اس کی جمع بنائی گئی تاکہ اس سے جو حرف حذف ہے اس کا یہ عوض بنا جائے۔ اصل میں یہ عزة تھا۔ اس میں وہی تعلیل جاری ہوگی جو سنۃ میں جاری ہوئی، اس کے نزدیک جس نے اس کی اصل سنۃ بنائی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل عزة ہے۔ یہ عزا، یعزۃ سے مشتق ہے۔ جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ ان جماعتوں میں سے ہر ایک دوسری کی طرف منسوب ہے۔ یہاں جو حرف حذف ہے وہ واو ہے۔ صحاح میں اس طرح ہے عزة سے مراد لوگوں کا ایک فرقہ ہے، ہاء، یاء کا عوض ہے۔ اس کی جمع عزی، فَعْل کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع عِزُون اور عِزُون کے وزن پر آتی ہے۔ انہوں نے اس کی جمع عِزَات نہیں بنائی جس طرح انہوں نے ثَبَات کہی۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے فی الدار عِزُون یعنی لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ يَهْمُطِعِينَ کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عِزِينَ کے متعلق ہو جس طرح تیرا قول ہے: أَخَذْتَهُ عَنْ زَيْد۔

أَيُطْعَمُ كُلُّ أَمْرٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۝ مفسرین نے کہا: مشرک نبی کریم ﷺ کے ارد گرد جمع ہو جاتے، آپ ﷺ کی گفتگو سنتے، اس کو جھٹلاتے، آپ پر جھوٹ بولتے اور آپ ﷺ کے صحابہ سے استہزاء کرتے اور کہتے: اگر یہ جنت میں داخل ہوئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اگر انہیں جنت کی کوئی چیز دی گئی تو ہمیں ان سے زیادہ چیز دی جائے گی۔ تو یہ آیت أَيْطَعُ نَازِل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استہزاء کرنے والوں کے پانچ گروہ تھے۔

حضرت حسن بصری، حضرت طلحہ بن مصرف اور اعرج نے أَنْ يُدْخَلَ قِرَات کی ہے، یاء پر زبر اور خاء پر پیش ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ مفضل نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

گلا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے پھر نئے سرے سے کلام شروع کی اور فرمایا: إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ۝ یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوٹھڑا سے پیدا کیا گیا ہے جس طرح اس کی ساری جنس کو پیدا کیا گیا۔ انہیں کوئی فضیلت نہیں جس کے باعث وہ جنت کے مستحق بنیں، جنت کا مستحق تو ایمان، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مسلمان فقراء کا مذاق اڑایا کرتے اور ان پر تکبر کرتے تو فرمایا: إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ۝ انہیں تکبر کرنا مناسب نہیں۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اے انسان! تو ایک گندے قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے، تو اللہ سے ڈر۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مطرف بن عبد اللہ بن ثخیر نے مہلب بن ابی صفرة کو خز (ریشم) کی چادر اور جبہ میں اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے اللہ کے بندے! یہ کیسی چال ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے؟ مہلب نے طرف سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ فرمایا: ہاں تیرا آغاز گندے نطفہ سے ہے اور تیری انتہاء بدبودار لاشہ ہے، اس کے درمیان تو غلاظت کو اٹھائے ہوئے ہے۔ مہلب چلا گیا اور اس چال کو ترک کر دیا۔ محمود وراق نے اسی مضمون کو اشعار میں بیان کیا ہے:

عَجِبْتُ مِنْ مُعْجَبٍ بِصُورَتِهِ      دَكَانَ فِي الْأَصْلِ نَظْفَةً مَذْرُوعَةً  
وَهُوَ غَدَاً بَعْدَ حُسْنِ صُورَتِهِ      يَصِيرُ فِي اللَّحْدِ جِيفَةً قَذْرَةً

وَهُوَ عَلَى تَيْهَةٍ وَنَخْوَةٍ مَا بَيْنَ ثَوْبِيهِ يَحْمِلُ الْعَذْرَةَ

میں اس آدمی پر متعجب ہوا جس کی صورت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اصل میں وہ ایک گند انطفہ ہے۔ وہ کل حسن صورت کے باوجود لحد میں بدبودار لاشہ ہوگا۔ وہ اپنے تکبر اور نخوت کے باوجود اپنے کپڑوں کے درمیان غلاظت اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

هَلْ لِي ابْنِ آدَمَ غَيْرَ الرَّاسِ مَكْرُمَةً وَهُوَ بِخَمْسٍ مِنَ الْأَوْسَاطِ مَضْرُوبٌ  
أَنْفٌ يَسِيلُ وَأُذُنٌ رِيحُهَا سَهْكٌ وَالْعَيْنُ مُرْمَصَةٌ وَالشَّعْرُ مَلْهُوبٌ  
يَابِنُ التَّرَابِ وَمَأْكُولُ التَّرَابِ غَدَاً قَصِيرٌ فَتَاكُ مَأْكُولٌ وَ مَشْرُوبٌ

کیا سر کے علاوہ انسان میں عزت والی شے ہے جبکہ اس میں پانچ میل والی چیزیں ہیں۔ ناک بہتی ہے، کان کی بو ناپسندیدہ ہے، آنکھ میں کیچڑ ہوتا ہے اور دانتوں پر میل ہے۔ اے مٹی سے جنم لینے والے! اور کل جس کو مٹی کھا جائے گی! اپنے آپ کو پست رکھ تجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس مقصد کے لیے جسے وہ جانتے ہیں۔ وہ امر، نہی، ثواب اور عقاب ہے جس طرح شاعر کے قول میں من اجلہ ہے: یہ اشی کا قول ہے: اَاَزْمَعْتُ مِنْ آلِ لَيْلَى ابْتِكَارًا كَمَا تَوْنِي آلِ لَيْلَى کے لیے جلدی کا قصد کیا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَنَقْدِرُ مَا دُونَ ۝ عَلَى أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۝

مَا نَحْنُ بِمُسْبُوقِينَ ۝

”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں۔“

فَلَا أُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یہاں لا زائدہ ہے۔ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ سورج کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کے رب کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو حیوہ، ابن محیسن اور حمید نے بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ واحد کے صیغہ کے ساتھ قرأت کی ہے۔

إِنَّا لَنَقْدِرُ مَا دُونَ ۝ عَلَى أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ہلاک کرنے، انہیں لے جانے اور فضل، اطاعت اور مال میں بہتر لوگوں کو لانے پر قادر ہیں۔ وَمَا نَحْنُ بِمُسْبُوقِينَ ۝ کوئی چیز ہم سے فوت نہیں ہو سکتی اور ہم جس امر کا ارادہ کر لیں، وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتا۔

فَقَدْ رَأَوْهُمْ يَخْوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يَوْمُهُمْ عَذَابٌ ۝

”سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) گمن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات کریں اپنے اس



دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

انہیں چھوڑ دو کہ اپنے باطل میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں۔ یہ کلام وعید کے طریقہ پر ہے۔ ابن حصین، مجاہد اور حمید نے اسے حَتَّى يَلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ پڑھا ہے۔ یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَى نُصْبٍ يُؤْفَضُونَ ③

”اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استہانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔“

يَوْمَ اس یوم سے بدل ہے جو اس سے پہلے ہے۔ عام قرأت یَخْرُجُونَ ہے یا پرفتحہ اور راء پر ضمہ ہے کیونکہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ سلمیٰ، مغیرہ اور اعشیٰ نے عاصم سے یَخْرُجُونَ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الأجداث سے مراد قبریں ہیں (1)۔ اس کا واحد جدث ہے۔ سورہ یاسین میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سِرَاعًا جب وہ دوسرے نغمہ کو سنیں گے تو بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جلدی جلدی نکلیں گے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

كَانَهُمْ إِلَى نُصْبٍ يُؤْفَضُونَ ③ عام قرأت نون کے فتح اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ ابن عامر اور حفص نے نون اور صاد کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ عمرو بن میمون، ابور جاء اور دوسرے علماء نے نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ نُصْب اور نُصْبِ دونوں لغتیں ہیں جس طرح ضَعْف اور ضَعْف۔ جوہری نے کہا: نُصْب سے مراد وہ چیز ہے جسے کھڑا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح نُصْب ہے، بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

وَذَا النُّصْبِ النُّصُوبُ لَا تَنْسُكُنَّهُ لِعَافِيَةٍ وَاللّٰهُ رَبُّكَ فَاعْبُدْهُ

یہاں فاعبدن کا ارادہ کیا اور الف پر وقف کیا جس طرح تو کہتا ہے: رایت زیدا اس کی جمع انصاب آتی ہے۔ شاعر کا قول: وَذَا النُّصْبِ یہ ایات وَذَا النُّصْبِ کے معنی میں ہے۔ نصب سے مراد شر اور بلاء ہے۔ شعر کا ترجمہ: نصب کیے ہوئے بت سے بچ کسی عافیت کے حصول کے لیے اس کی عبادت نہ کر، اللہ تعالیٰ تیرا رب ہے تو اسی کی عبادت کر۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَيْسَ مَسْنَى الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ③ (ص) انخس اور فراء نے کہا: نُصْب یہ نُصْب کی جمع ہے جس طرح رَهْن کی جمع رُهْن ہے۔ انصاب یہ نُصْب کی جمع ہے، یہ جمع کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نُصْب اور انصاب دونوں ایک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصب یہ نصاب کی جمع ہے۔ یہ ایسا پتھر یا بت ہے جس پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا ذُحِّمَ عَلَى النُّصْبِ (المائدہ: 3) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نُصْب، نُصْب اور نُصْبِ ایک معنی میں ہیں جس طرح عُنْد، عُنْد اور عُنْد ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلَى نُصْبٍ غایت تک۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے۔ کلبی نے کہا: مراد ہے کھڑی کی گئی چیز جیسے جھنڈا وغیرہ (2)۔ حضرت حسن بصری

نے کہا: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اپنے ان بتوں کی طرف جلدی کرتے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں (1)۔ ان کا پہلا شخص آخری کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

يُؤْفَضُونَ ۝ وہ جلدی کرتے ہیں۔ ایفاض کا معنی جلدی کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

فوارس ذُبْيَانٍ تَحْتَ الْحَدِيدِ كَالْجَنِّ يُوفَضْنَ مِنْ عَبْقَرٍ

ذبیان کے شاہسوار لوہے کے نیچے جنوں کی طرح ہیں جو عبقر (جنوں کا علاقہ) سے تیزی سے نکلتے ہیں۔

عبقر ایسا علاقہ ہے عرب جس کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کی سرزمین ہے۔

لیٹ نے کہا: وفضت الإبل تفيض وفضا وفضا تیزی سے چلے۔ اوفضها صاحبها ان کے مالکوں نے انہیں تیز چلایا۔

ایفاض متعدی ہے آیت میں جو لفظ لازم ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: وفض، اوفض اور استوفض کا معنی جلدی کرنا ہے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝

”جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر ذلت، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔“

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ آنکھیں جھکی ہوئی اور ذلیل ہیں۔ انہیں کیونکہ عذاب کی توقع ہے اس لیے وہ اپنی نظروں کو اوپر نہیں

اٹھاتے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان پر ذلت چھا جائے گی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد چہروں کی سیاہی ہے۔ ہتھ سے مراد چھا

جانا ہے اسی سے غلام مراہق ہے جب احتلام کا وقت قریب ہو جائے اور وہ چھانے والا ہو۔ رَحِقَ، يَرْهَقُ، رَهَقًا اس پر چھا

گیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهُهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ (یونس: 26) ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا

يُوعَدُونَ ۝ دنیا میں انہیں ڈرایا جاتا تھا کہ ان کے لیے عذاب ہے۔ فعل ماضی کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو

وعدہ کیا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔



﴿ اٰیٰتِهَا ۲۸ ﴾ ﴿ اِسْمُهَا سُورَةُ النُّوٰی ﴾ ﴿ قُلُوْبُهَا ۷ ﴾ ﴿ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

”بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا: اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔“

سورہ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام فرد ہیں جنہیں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ قتاوہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”پہلے رسول جنہیں مبعوث کیا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور انہیں تمام اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نسب یہ ہے حضرت نوح بن لامک بن متوخ بن اخنوخ یہی حضرت ادریس ہیں بن یرو بن مہلائل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

وہب نے کہا: یہ سب موئن تھے۔ انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جبکہ ان کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی عمر چالیس سال تھی (1)۔ عبد اللہ بن شداد نے کہا: انہیں مبعوث کیا گیا جبکہ ان کی عمر ساڑھے تین سو سال تھی۔ سورہ عنکبوت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

اَنْ اَنْذِرُ قَوْمَكَ اَصْل میں بَأْن انذار تھا حرف جار کے حذف کی وجہ سے ان محل نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل جر ہے کیونکہ ان کے ساتھ یہ عمل کرنے میں قوی ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوگا کیونکہ ارسال میں امر کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے باء کو مضمّر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عبد اللہ کی قرأت میں اَنْ کے بغیر اَنْذِرُ قَوْمَكَ ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا ہم نے اسے کہا: اپنی قوم کو ڈرائیے۔ سورہ بقرہ کے آغاز میں انذار کا معنی گزر چکا ہے۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد آخرت میں آگ کا عذاب ہے (2)۔  
کبھی نے کہا: اس سے مراد ہے جو طوفان کی صورت میں ان پر عذاب آیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ایمان نہ لائیں تو انہیں دردناک عذاب سے ڈرائیے۔ آپ اپنی قوم کو دعوت دیتے اور انہیں خبردار کرتے اور ان میں سے کسی فرد کو بھی دعوت

قبول کرنے والا نہ پاتے۔ لوگ آپ کو مارتے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی تو وہ کہتے: رب اغفر لقومی فبانتہم لا یعلمون (1) اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے بے شک وہ مجھے نہیں جانتے۔

قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَ أَطِيعُوا ۝  
يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخَذِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَسِيٍّ ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۚ  
لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

”آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو، وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ معیار تک، بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جاسکتا، کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے۔“

قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ یعنی میں تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ مُّبِينٌ ۝ میں تمہارے سامنے تمہاری اس زبان میں اظہار کرنے والا ہوں جسے تم پہچانتے ہو۔ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ، ان مفسرہ ہے جس طرح أَنْ اُنْذِرْ میں گزر چکا ہے۔ اعْبُدُوا اس کی وحدانیت کا اظہار کرو۔ وَاتَّقُوهُ تم ڈرو۔ وَ أَطِيعُوا ۝ جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ جواب امر کی وجہ سے يَغْفِرْ کو جزم دی گئی ہے۔ مِنْ زَانِد ہے۔ کلام کا معنی ہے وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا زائد ہونا صحیح نہیں کیونکہ مِنْ کا واجب میں اضافہ نہیں کیا جاتا (2)۔ یہ یہاں بعضیہ ہے۔ اس سے مراد بعض گناہ ہیں جو مخلوق کے حقوق سے متعلق نہ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنس کے بیان کے لیے ہے۔ اس میں بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی جنس نہیں گزری جو اس کے مناسب ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں سے نکالے (3)۔ ابن شجرہ نے کہا: معنی ہے جن گناہوں پر تم استغفار کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان گناہوں کو بخش دے (4)۔

وَيُخَذِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَسِيٍّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہاری عمروں میں مہلت دے گا۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ اگر وہ ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت ڈال دے گا۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب کو جلدی لے آئے گا۔ مقاتل نے کہا: تمہاری عمر کے آخری حصہ تک صحت و سلامتی کے ساتھ تمہیں مہلت دے گا اور قحط وغیرہ کے ساتھ سزا نہیں دے گا۔ اس تاویل کی بنا پر معنی یہ بنے گا تمہاری عمروں کے اختتام تک تمہیں عقوبات اور شدائد سے محفوظ رکھے گا۔ زجاج نے کہا: عذاب سے تمہیں مہلت دے گا تم کو ایسی موت نہیں مارے گا جو عذاب کے ساتھ جڑ کو ہی ختم کر دے؛ اس وجہ سے فرمایا: أَجَلٍ مُّسْتَسِيٍّ یعنی ایسی موت تک جس کو تم پہچانتے ہو۔ وہ تمہیں غرق کر کے، جلانے کے ساتھ اور قتل کر کے نہیں مارے گا؛ فراء نے اس کا ذکر کیا۔ پہلے قول کی بنا وہ مدت اللہ تعالیٰ کے ہاں معروف ہے۔ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ جب موت آ جاتی ہے اسے موخر نہیں کیا جاتا وہ موت عذاب کی صورت میں ہو



یا عذاب کے بغیر ہو۔ اجل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ اسی ذات نے انہیں ثابت کیا۔ بعض اوقات اس کی نسبت قوم کی طرف کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ (الاعراف: 34)** کیونکہ یہ اجل ان کے لیے بیان کردی گئی ہے۔ لو، ان کے معنی میں ہے یعنی اگر تم جانتے ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم جانتے ہو تو اس کو جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ وقت جب آ جائے تو اس میں تاخیر نہیں کی جاتی (1)۔

**قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ① فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ②**

”نوح نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (و نفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔“

**لَيْلًا وَنَهَارًا ①** کا معنی ہے مخفی طریقہ سے اور اعلانیہ طریقہ سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے پے در پے دعوت دی۔ **فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ②** میری دعوت ایمان سے دور کرتی ہے۔ عام قرأت دعائی میں یاء کے فتح کے ساتھ ہے۔ کوفہ کے قراء، یعقوب اور دوری نے ابو عمر سے اس کے سکون کی روایت نقل کی ہے۔

**وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا ③**

”اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے کفر پر اور پر لے درجے کے متکبر بن گئے۔“

میں نے جب انہیں سبب مغفرت یعنی تیری ذات پر ایمان اور تیری طاعت کی طرف بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں تا کہ وہ میری دعوت کو نہ سن سکیں، انہوں نے اپنے چہروں کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیا تا کہ وہ مجھے دیکھ ہی نہ سکیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے اپنے کپڑے اپنے سروں پر ڈال لیے تا کہ وہ کلام نہ سن سکیں۔ کپڑوں کے استغشا، کا مطلب ہے کہ کانوں کو بند کرنے میں زیادتی کرنا تا کہ وہ اس آواز کو نہ سنیں یا اپنے آپ کو اجنبی بنانے کے لیے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے یا آپ سے اپنے اعراض کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عداوت و دشمنی سے کنایہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: **لَبِسَ لِي فَلَانَ ثِيَابَ الْعَدَاوَةِ** اس نے میرے لیے عداوت کا لباس پہن لیا۔

**أَصْرُوا ③** انہوں نے کفر پر اصرار کیا اور توبہ نہ کی۔ **وَاسْتَكْبَرُوا ④** انہوں نے قبول حق سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا کیونکہ انہوں نے کہا: **أَنْتُمْ مِنْ لَدُنْكَ وَاتَّبَعَكَ إِلَّا نَزْدُلُونَ ⑤** (الشعراء) کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ کہنے لوگوں نے آپ کی پیروی کی۔ **اسْتَكْبَرُوا ⑥** بہت بڑا تکبر کیا۔

**ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑦ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑧**

”پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی، پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔“

ثُمَّ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ۝ ان کے لیے دعوت کو ظاہر کرتے ہوئے دعوت دی۔ جَهَارًا، دَعَوْتُهُمْ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ دعوت کی قسموں میں جَهَارًا بھی ایک قسم ہے تو اس کو نصب اسی طرح دی گئی ہے جس طرح قر فضاء کو تعد کے ساتھ نصب دی گئی کیونکہ یہ بھی تعد کی ایک قسم ہے یا اس لیے کیونکہ دَعَوْتُهُمْ سے مراد جاهر تہم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دعا فعل کے مصدر کی صفت ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی دعاء جہارا، جَهَارًا۔ یہ مجاہد کے معنی میں ہے۔ یہ مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی دعوتہم مجاہد الہم بالدعوة میں نے انہیں دعوت دی اس حال میں کہ میں انہیں ظاہر دعوت دے رہا تھا۔

ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ میں نے کوئی صورت نہ چھوڑی۔ مجاہد نے کہا: أَعْلَنْتُ کا معنی ہے میں نے چنچ کر دعوت دی اور میں نے اپنی دعوت کو ان میں سے ایک دوسرے سے مخفی رکھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَسْرَرْتُ لَهُمْ میں ان کے گھروں میں گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے یہ سب کچھ ان کو دعوت دینے میں مبالغہ کے لیے تھا اور دعوت میں نرمی اور مہربانی کے طور پر تھا۔ حرم کے قاریوں اور ابو عمرو نے ان کی یاء کو فتحہ دیا ہے اور باقی قراء نے اسے سکون دیا ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝

وَيُؤْتِيكُم بِأَمْوَالٍ مِّنْ بَيْنَيْنِ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝١٠

”پس میں نے کہا: (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش، اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لیے باغات اور بنادے گا تمہارے لیے نہریں۔“

اس میں تعین مسائل ہیں:

## استغفار کی فضیلت

**مسئلہ نمبر 1۔** فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُ وَإِنِّي لَأَكْثَرُ الْفَاسِقِينَ ۝۱۰۔  
 اِنَّهٗ كَانَ عَفُوًّا رَّحِيْمًا ۝۱۱۔  
 یہ اس کی جانب سے توبہ میں ترغیب ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: الاستغفار مباحاة للذنوب (2) استغفار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ فضیل نے کہا: بندہ کہتا ہے: استغفر اللہ اس کی تفسیر اَقْلَبُنِي ہے یعنی میری غلطیوں سے درگزر فرما۔



## توبہ کی فضیلت

**مسئلہ نمبر 2**۔ يُزِيلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ① وہ آسمان کا پانی برساتا ہے۔ اس کلام میں اضمار ہے۔ اصل

یہ ہے یُرْسِلُ مَاءَ السَّمَاءِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: السماء، کا معنی ہی بارش ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

إِذَا سَقَطَ السَّمَاءُ بِأَرْضِ قَوْمٍ رَعَيْنَاهُ وَإِنْ كَانُوا غَضَابًا

جب بارش کسی قوم کے علاقہ میں ہوتی ہے تو ہم اس کے سبزہ کو چرتے ہیں اگرچہ وہ غضب ناک ہوں۔

مِدْرَارًا کثیر بارش والی۔ يُزِيلُ کو جزم دی گئی ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کے جانور ہلاک ہو گئے اور کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بارش کے برسنے کی التجا کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہی بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ یعنی جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا سلوک کرتا ہے۔ پھر ایمان میں ترغیب دیتے ہوئے کہا: وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، بیٹوں اور اموال کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنادے گا (2)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نبی کو علم تھا کہ وہ دنیا کے بارے بڑے حریص ہیں تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دنیا و آخرت ملتی ہے۔

استغفار پر مرتب ہونے والے نتائج

**مسئلہ نمبر 3**۔ اس آیت اور سورہ ہود کی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ استغفار کے ذریعے رزق اور بارش کو طلب کیا جاتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہما استقاء کے لیے نکلے تو استغفار سے زائد کچھ عمل نہ کیا یہاں تک کہ واپس آ گئے تو لوگوں پر بارش ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کی: ہم نے آپ کو استقاء کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟ فرمایا: میں نے آسمان کے مجادح سے بارش طلب کی جن کے ساتھ بارش کے برسنے کو طلب کیا جاتا ہے، پھر پڑھا اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ① يُزِيلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ② امام اوزاعی نے کہا: لوگ بارش کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔ ان میں بلال بن سعد بھی نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یوں گویا ہوئے: اے اللہ! ہم نے تجھے یہ کہتے ہوئے سنا مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ (التوبہ: 91) ہم نے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ تیری مغفرت نہیں مگر ہماری مثل لوگوں کے لیے۔ اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور ہمیں سیراب کر۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھادیے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھادیے تو ان پر بارش کی گئی۔

ابن صبیح نے کہا: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری کی خدمت میں خشک سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرو۔ ایک اور آدمی نے فقر کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو۔

ایک اور آدمی نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کے حضور التجا، کیجئے کہ وہ بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کی التجا کر۔ ایک اور آدمی نے باغ کے خشک ہونے کی شکایت کی۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کر۔ ہم نے اس بارے میں ان سے عرض کی؟ فرمایا: میں نے اپنی جانب سے تو کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ سورہ نوح میں ارشاد فرماتا ہے: **اَسْتَغْفِرُ وَاَسْتَغْفِرُ لَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُسَدِّدُ كُمْ بِاَمْوَالٍ ذَبْنِیْنَ وَیَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّتٍ وَیَجْعَلُ لَكُمْ اَنْهَارًا ۝** سورہ آل عمران میں استغفار کی کیفیت گزر چکی ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہو اور گناہوں کو ختم کرنے کی صورت میں ہو۔ قبولیت میں یہی اصل ہے۔

**مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝**

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔“

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجا یہاں خوف کے معنی میں ہے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ وہ تم میں سے کسی کو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف کو ترک کرنے میں تمہارے پاس کیا عذر ہے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کی امید نہیں رکھتے اور اس کے عقاب سے نہیں ڈرتے (1)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عقاب سے نہیں ڈرتے اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔ والبی اور عوفی نے ان سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے (2)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کرتے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پرواہ نہیں کرتے۔ قطرب نے کہا: یہ مجازی لغت ہے۔ بنو ہذیل، بنو خزاعہ اور بنو منصر کہتے ہیں لم ارجح کا معنی ہے: میں پرواہ نہیں کرتا، وقار کا معنی عظمت ہے، توقیر کا معنی تعظیم ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے پکڑ کی امید نہیں رکھتے۔ گویا معنی یوں ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ تعالیٰ سے ایمان پر جزا کی امید نہیں رکھتے۔ ابن کيسان نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طاعت کے بارے میں یہ امید نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں اس صورت میں بدلہ دے کہ تمہیں بھلائی عطا کر کے عزت دے۔ ابن زید نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا وجہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ جو اس کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت کا اعلان بھی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وقار کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت قدم ہونا (4)۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَقَرْنَ فِی**



يُؤْتِكُنَّ (الاحزاب: 33) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات نہیں کرتے جبکہ وہ تمہارا الہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (1)۔ کہا قول ابن بحر نے کیا ہے، پھر اس پر دلیل قائم کی۔ فرمایا: وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَأٰرًا ۝ یعنی تمہاری ذات میں ایسی نشانی بنا دی جو اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: أَطْوَأٰرًا یعنی نطفہ، جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا (2)، یعنی خلقت کے مکمل ہونے تک مرحلہ بہ مرحلہ جس طرح سورہ مومنوں میں ہے۔ لغت میں طور سے مراد مردہ (ایک دفعہ) ہے یعنی جس نے یہ عمل کیا اور اس پر قادر ہوا، وہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کی عظمت بیان کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَطْوَأٰرًا سے مراد ہے بچے، جو ان پھر بوڑھے اور ضعیف پھر قوی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَطْوَأٰرًا سے مراد انواع ہے، صحیح، مریض، بینا، نابینا، غنی اور فقیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اطوار سے مراد اخلاق اور افعال میں ان کا مختلف ہونا ہے (3)۔

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَبَوَاتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا سورج کو (درخشاں) چراغ۔“

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَبَوَاتٍ طِبَاقًا ۝ ان کے لیے ایک اور دلیل ذکر کی یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ ذات جو اس پر قادر ہے تو وہی اس امر کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ طِبَاقًا کا معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہو۔ ہر آسمان دوسرے آسمان پر اس طرح ہے جس طرح قہ ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور سدی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو سات زمینوں کے اوپر پیدا کیا (4)۔ ہر دو زمینوں اور دو آسمانوں کے درمیان مخلوق اور امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان أَلَمْ تَرَوْا اٰخِبَارَ کے طریقہ پر ہے، آنکھوں سے مشاہدہ کے طریقہ پر نہیں جس طرح تو کہتا ہے أَلَمْ تَرَنِ كَيْفَ صَنَعَتْ بَفْلَانٍ کیا تو نہیں جانتا میں نے فلاں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ طِبَاقًا سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی مطابقة طباقا یا یہ حال ہے اور ذات طباق کے معنی میں ہے۔ ذات کے لفظ کو حذف کر دیا گیا اور طباق کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا چاند کو دنیا کے آسمان میں نور بنا دیا (5) جس طرح کہا جاتا ہے: اَتَانِي بِنُورٍ تَمِيمٍ مراد بنو تمیم کا بعض ہیں؛ یہ انخس کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: جب ان آسمانوں میں سے ایک آسمان میں ہو تو وہ ان سب میں ہے۔ قطرب نے کہا: فیہن، معہن کے معنی میں ہے؛ یہ کبھی کا قول ہے یعنی سورج اور چاند کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ساتھ پیدا کیا۔ اکثر علماء لغت نے امراتیں کے قول میں فی کو مع کے معنی میں لیا ہے: ثلاثین شہرانی ثلاثة

احوال تین مبینے تین احوال کے ساتھ۔ نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: نحو یوں کا جواب تو یہ ہے کہ جب چاند کو ان میں سے ایک میں بنایا تو اسے ان سب میں بنایا جس طرح تو کہتا ہے: أعطنی الشیاب السُّغْلَةَ اگرچہ وہ کپڑا جس میں نشانات ہوں، وہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے: یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ چاند کا چہرہ آسمان کی طرف ہے۔ جب وہ آسمان کے اندر کی جانب ہے تو چاند آسمانوں سے متصل ہے۔ نُورًا اہل زمین کے لیے نور بنادیا (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ عطا نے کہا: اہل آسمان اور اہل زمین کے لیے نور بنادیا (2)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے کہا: اس کا چہرہ اہل زمین کو روشنی دیتا ہے اور اس کی پشت آسمان والوں کو روشن کرتی ہے (3)۔

وَجَعَلَ الشَّمْسُ بِرَاجًا ۝ یعنی اہل زمین کے لیے مصباح بنادیا تاکہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے امور سرانجام دے سکیں۔ اہل آسمان کو روشنی دینے کے حوالے سے دو قول ہیں؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (4)۔ قشیری نے حضرت ابن عباس بنیہ جہ سے روایت نقل کی ہے کہ سورج کا چہرہ آسمان میں اور اس کی پشت زمین میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کبھی سورج ہمیں بھون کر رکھ دیتا ہے اور کبھی ہم پر ٹھنڈا ہوتا ہے (5)؟ فرمایا: یہ چوتھے آسمان میں ہوتا اور موسم سرما میں ساتویں آسمان میں رحمن کے عرش کے پاس ہوتا ہے۔ اگر یہ آسمان دنیا میں ہوتا تو کوئی چیز قائم نہ رہتی (۶)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاللّٰهُ اَنْتَبٰتُكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا ۝

”اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے، پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا۔“

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو تمام روئے زمین سے پیدا کیا (6)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ سورہ الانعام اور البقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ خالد بن معدان نے کہا: انسان کو کیچڑ سے پیدا کیا؛ اسی وجہ سے موسم سرما میں دل نرم ہو جاتے ہیں۔ نَبَاتًا یہ مفعول مطلق ہے مگر فعل کا اپنا مصدر نہیں کیونکہ اس کا مصدر یوں آتا ہے: اَنْتَبَتَ اَنْتَابًا تو اسم جو نبات ہے اسے مصدر کی جگہ رکھا۔ اس کی وضاحت سورہ آل عمران اور دوسری آیات میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے جو معنی پر محمول ہے کیونکہ اَنْتَبَتُكُمْ کا معنی ہے تمہیں بنایا کہ تم نباتات اگاتے ہو؛ یہ خلیل اور زجاج نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے لیے زمین سے نبات کو اگایا۔ اس تعبیر کی بنا پر نَبَاتًا مصدر صریح کے طور پر منصوب ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن جریج نے کہا: تمہیں زمین میں چھوٹا ہونے کے بعد بڑا اور مابا بنایا (7)۔ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا جب تمہیں موت آئے

4۔ ایضاً

3۔ ایضاً

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102

8۔ ایضاً

7۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102

5۔ ایضاً

موسم سرما میں کائنات کے اندر کے بارے میں جو بھی قول ذکر کیے جاتے ہیں ان میں کوئی حدیث مرفوعہ دو درجہ سے ثابت ہو اور اس میں مجاہدی معنی کا احتمال نہ ہو تو اس کو تسلیم کرنا لازم ہے بصورت دیگر اقوال کے سامنے تسلیم کرنا کوئی لازم نہیں بلکہ غرض دعوت۔ ماب۔ مقبول



گی تو دفن کرنے کے ساتھ تمہیں زمین میں لوٹا دے گا۔ وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا ۝ قیامت کے روز حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زمین سے نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ اِلًا رَّضًا بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَا جًا ۝

”اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔“  
بساط کا معنی مبسوط ہے پھیلائی ہوئی (1)۔ السبل کا معنی راستے ہیں۔ فجاء یہ فجی جمع ہے۔ اس سے مراد کھلا راستہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فج سے مراد ایسا راستہ ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج میں بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدًاۤ اِلَّا خَسَارًا ۝

”نوح نے عرض کی: اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کی کہ ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی اور آپ نے انہیں ایمان کے بارے میں جو حکم دیا اس کی اتباع نہ کی۔ اہل تفسیر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک انہیں دعوت دیتے رہے جبکہ وہ کفر اور نافرمانی پر قائم رہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام آباء کے بعد بیٹوں سے امید رکھتے رہے، اولاد کے بعد اولاد آتی رہی یہاں تک کہ سات نسلوں تک معاملہ جا پہنچا۔ مایوس ہونے کے بعد ان کے حق میں بددعا کی۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد کثیر ہو گئی اور لوگ عام ہو گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم مہینے میں دو دفعہ فصل کاشت کرتی تھی (3)؛ ماوردی نے اس کو ذکر کیا۔

وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدًاۤ اِلَّا خَسَارًا ۝ انہوں نے اپنے ان معززین اور اغنیاء کی پیروی کی جن کے کفر، اموال اور اولاد نے اضافہ نہیں کیا مگر دنیا میں گمراہی اور ہلاکت کا۔ اہل مدینہ، اہل شام اور عاصم نے ولدۃ واؤ اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ولد میں ایک لغت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ولد کی جمع ہو جس طرح فُلُک یہ واحد اور جمع ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہو۔

وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا كِبَارًا ۝

”اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے۔“

کِبَارًا یعنی بہت بڑا۔ یوں کہا جاتا ہے: کبیر، کبار، کتار جس طرح عجیب، عجاب اور عجاب سب کا ایک معنی ہے۔ اس کی مثل طویل، طوال اور طوال ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل حسن، رجل حسان، رجل جمیل، رجل جمال، قراء قاری کے لیے بولا جاتا ہے اور صناء روشن چہرے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

يَتَفَاءُ تَضَادُّ الْقُلُوبِ وَتَشْتَبِي بِالْحَسَنِ قَلْبَ الْمُسْلِمِ الْقَتَاءُ  
وہ سفید رنگ والی ہے، دلوں کا شکار کرتی ہے اور حسن کے ساتھ مسلمان قاری کے دل کو قیدی بناتی ہے۔ محل استدلال  
القتاء ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وَالْمَرْءُ يُلْحِقُهُ بِفَثِيانِ الثَّدْيِ خُلُقُ الْكَرِيمِ وَلَيْسَ بِالْوَضَاءِ (1)

انسان کے اچھے اخلاق سخی لوگوں کے ساتھ لاحق کر دیئے ہیں جبکہ وہ روشن چہرے والا نہ ہو۔  
مہر دے نے کہا: کبتار جب تشدید کے ساتھ ہو تو یہ مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ ابن محیسن، حمید اور مجاہد نے کبتار جب تشدید  
کے ساتھ پڑھا ہے ان کے مکر میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کہنے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے  
قتل پر برا بیچتے کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ صاحب مال اور صاحب اولاد کی جو عزت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کمزور  
لوگوں نے کہا: اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے تو انہیں یہ نعمتیں نہ دی جاتیں۔ کلبی نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جو بیوی اور  
بچے بنائے تھے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے مکر سے مراد ان کا کفر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ان کے بڑوں کو  
چھوٹوں کا یہ کہنا تھا: لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح: 23)

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۖ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

”اور ریمسوں نے کہا: (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور  
سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الہی) تو بھی ان کی  
گمراہی میں اضافہ کر دے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے: یہ بت اور تصاویر تھیں۔ پہلے حضرت نوح علیہ  
السلام کی قوم ان کی عبادت کرتی تھی پھر عربوں نے ان کی پوجا کی: یہ جمہور کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے  
بت تھے۔ کسی اور نے ان کی عبادت نہیں کی۔ یہ ان کے بڑے اور عظیم بت تھے، اسی وجہ سے لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ کے بعد  
ان کا ذکر کیا۔ کلام کا معنی وہی بتا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیروکاروں سے کہا: لَا تَذَرُنَّ  
آلِهَتَكُمْ عربوں نے اپنی قوم، اولاد سے کہا: تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام  
کی قوم کے متعلق ہے۔ عروہ بن زبیر اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے جبکہ آپ کے یہ بیٹے آپ  
کے پاس موجود تھے (3)۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ ودان سے بڑا اور سب سے نیک تھا۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، یہ سب بڑے عبادت



گزار تھے۔ ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وہ اس پر غمگین ہوئے۔ شیطان نے کہا: میں اس جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں۔ جب تم اسے دیکھو گے تو تم اسے یاد کرو گے۔ انہوں نے کہا: اس طرح بنا دو۔ شیطان نے پیتل اور سکے سے مسجد میں اس کی تصویر بنادی، پھر دوسرا فوت ہوا تو شیطان نے اس کی تصویر بھی بنادی یہاں تک کہ وہ سب فوت ہو گئے تو اس نے ان سب کی تصویریں بنادیں۔ اشیاء میں کمی آتی رہی جس طرح آج اشیاء میں کمی آتی ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کر دیا۔ شیطان نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے تم کسی شے کی عبادت نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہم کس کی عبادت کریں؟ اس نے کہا: اپنے معبودوں کی اور اپنے آباء کے معبودوں کی، کیا تم نماز پڑھنے کی جگہ میں نہیں دیکھتے؟ تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور تم ودا اور سواع کو نہ چھوڑنا۔

محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: وہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان صالح لوگ تھے۔ ان کے کچھ لوگ پیروکار تھے جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے ابلیس نے ان کے لیے اس امر کو مزین کیا کہ وہ ان کی صورتیں بنائیں تاکہ ان تصویروں کی مدد سے ان کی کادشوں کو یاد کرتے رہیں اور انہیں دیکھ کر تسلی حاصل کرتے رہیں تو شیطان نے ان کی تصویریں بنادیں۔ جب وہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آئے انہوں نے کہا: کاش! ہم جانتے کہ ہمارے آباء ان تصویروں کے ساتھ کیا کچھ کرتے تھے؟ شیطان ان کے پاس آیا اور کہا: ان کے آباء ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو یہ ان پر رحم کرتے اور ان پر بارش برساتے۔ ان لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کی تو بتوں کی عبادت اس وقت سے شروع ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: مسلم شریف میں جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہا سے مروی ہے وہ اس معنی کی تفسیر بیان کرتی ہے، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ بنتی نبیہا نے ایک کنیسہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جسے مار یہ کہتے تھے جس میں تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب ان میں کوئی صالح آدمی ہوتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں وہ تصویریں بنا دیتے تھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ تمام مخلوق سے برے لوگ ہوں گے“ (1)۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح افراد کے نام ہیں جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف الہام کیا جب مجلسوں میں وہ بیٹھا کرتے تھے کہ ان مجلسوں میں کوئی نشان کھڑا کر دو اور انہیں ان کے نام دے دو۔ ان کے ذریعے تم انہیں یاد رکھو گے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی عبادت نہ کی گئی یہاں تک کہ یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم ناپید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہند کے ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد اطہر کی

حفاظت کرتے تھے اور کافروں کو ان کی قبر کا طواف کرنے سے منع کرتے تھے۔ شیطان نے انہیں کہا: یہ لوگ تم پر فخر کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ صرف یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تم ان کی اولاد نہیں ہو۔ یہ تو صرف جسم ہے۔ میں اسی جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں جس کا تم طواف کر لینا۔ اس نے ان کے لیے ان پانچ بتوں کی تصویر بنادی اور ان کی عبادت پر انہیں برا بھیختہ کیا، جب طوفان کے دن آئے تو کیچڑ، مٹی اور پانی نے انہیں دفن کر دیا۔ یہ دفن ہی رہے یہاں تک کہ شیطان نے انہیں مشرکین عرب کے لیے باہر نکالا۔ ماوردی نے کہا: جہاں تک ود کا تعلق ہے تو وہ پہلا بت ہے جس کی عبادت کی گئی اسے ود کا نام دیا گیا کیوں لوگ اس سے محبت کرتے تھے (1)۔ قوم نوح کے بعد یہ دومة الجندل میں بنو کلب کا بت تھا، یہ حضرت ابن عباس، عطا اور مقاتل کا قول ہے: اسی کے بارے میں ان کا شاعر کہتا ہے:

حَيَّانَ وَدٌّ فَلَنَا لَا يَحِلُّ لَنَا لَهْوَ النِّسَاءِ وَإِنَّ الدِّينَ قَدْ عَزَمَا (2)

ود تجھے زندہ رکھے ہمارے لیے عورتوں کے ساتھ لہو و لعب حلال نہیں، بے شک دین پختہ ہو چکا ہے۔ جہاں تک سواع کا تعلق تھا تو یہ ساحل سمندر پر بنو ہذیل کا بت تھا (3)۔ یہ ان کا قول ہے۔ جہاں تک یغوث کا تعلق ہے یہ مراد میں سے غطف کا بت تھا جو سبا کے علاقہ میں جوف کے مقام پر تھا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ پہلے مراد قبیلہ کا بت تھا پھر بنو غطفان کا ہو گیا۔ ثعلبی نے کہا: بنو علی، بنو انعم جو طے سے تعلق رکھتے تھے اور اہل جرش نے مذجج سے یغوث کو لیا اور اسے مراد قبیلہ کی طرف لے گئے اور طویل زمانہ تک اس کی عبادت کرتے رہے۔ پھر بنو ناجیہ نے اعلیٰ اور انعم سے یہ بت چھیننے کا ارادہ کیا اور اسے حصین کی طرف لے گئے جو خزاعہ سے بنی حارث بن کلاب سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو عثمان نہدی نے کہا: میں نے یغوث کو دیکھا جو سکے سے بنا ہوا تھا۔ وہ اسے ایسے اونٹ پر لادتے جس میں حرد کی بیماری ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے وہ اسے جھڑکتے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی بیٹھ جاتا۔ جب وہ بیٹھ جاتا تو وہ ڈیرہ ڈال لیتے اور کہتے اس نے تمہارے لیے منزل کو پسند کر لیا ہے۔ وہ اس پر عمارت بنا لیتے اور خود اس کے ارد گرد پڑاؤ ڈال لیتے۔

جہاں تک یعوق کا تعلق ہے تو یہ بلنغ کے مقام پر ہمدان کا بت تھا؛ یہ عکرمہ، قتادہ اور عطا کا قول ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (4)۔ ثعلبی نے کہا: جہاں تک یعوق کا تعلق ہے یہ سبا کے کیلان قبیلہ کا تھا۔ پھر ان کی اولاد اس کی وارث بنتی رہی۔ بڑا پھر بڑا یہاں تک کہ یہ ہمدان تک سلسلہ پہنچا۔

جہاں تک نسر کا تعلق ہے یہ حمیر قبیلہ کی ذی الکاع شاخ کا بت تھا (5)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ اسی کی مثل مقاتل سے مروی ہے۔ واقدی نے کہا: ود انسان کی صورت میں تھا، سواع ایک عورت کی صورت میں تھا، یغوث شیر کی صورت پر تھا، یعوق گھوڑے کی صورت پر تھا، نسر یہ گدھ کی صورت پر تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نافع نے لا تذرن ددا پڑھا ہے یعنی واؤ کو ضمہ دیا ہے باقی نے اسے فتح دیا ہے۔ لیث نے کہا: ود (واؤ کے فتح کے ساتھ) ایک بت تھا جو قوم نوح کا تھا۔ ود یہ قریش کا ایک بت تھا، اسی کے نام پر عمرو بن ود نام رکھا گیا۔ صحاح میں ہے الود اہل نجد کی اُخت میں الود تھا گویا انہوں نے تاؤ کو ساکن کیا



اور اسے دال میں مدغم کر دیا۔ امراء القیس کے شعر میں الود کا لفظ ہے جس سے مراد الودت ہے:

تُظْهِرُ الْوَدَّ إِذَا مَا أَشْجَذَتْ دُثُورِيهِ إِذَا مَا تَغْتَكِرُ

وہ د کو ظاہر کرتا ہے جب وہ بادل چھٹ جائے اور جب سخت ہو جائے تو اسے چھپا لیتا ہے۔

ابن درید نے کہا: یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وڈ ایک بت تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی ایک قوم کا تھا۔ پھر یہ بنی کلب کے لیے ہو گیا۔ یہ دومة الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ اسی مناسبت سے انہوں نے عبدود نام رکھا۔ اور فرمایا: لَا تَذْمُنْ إِلَهَتَكُمْ پھر فرمایا: لَا تَذْمُنْ وَذَاؤَلَا سَوَاعَا اس کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ (الاحزاب: 7)

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا یہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے یعنی ان میں سے بڑوں نے بہت سے پیرکاروں کو گمراہ کیا۔ اس کا عطف وَ مَكْرُؤًا مَكْرًا كَبِيرًا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، یعنی ان کے سب سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے؛ اسی کی مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا تذکرہ ہے: رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا قِصْنِ النَّاسِ (ابراہیم: 36) اے میرے رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ذوی العقول کا وصف ان پر جاری کیا گیا ہے کیونکہ کفار ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ ضلال سے مراد عذاب ہے (1)؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل قائم کی گئی ہے: إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ (القمر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ضلال سے مراد خسارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مال اور اولاد کا نقص ہے۔ اس کا احتمال موجود ہے۔

مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُغْرِقُوا فَأَذْخَلْنَاهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ الْفَاسِقِينَ ۝

اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا، پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔

مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُغْرِقُوا، مازائدہ ہے، برائے تاکید ہے اس کا معنی ہے ان کی خطاؤں کے باعث۔ فراء نے کہا: ان کی خطاؤں کی وجہ سے۔ مانے یہ معنی دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما مجازات پر دال ہے۔ ابو عمرو کی قرأت خطایاہم جمع مکسر کے طور پر ہے۔ اس کا واحد خطیہ ہے۔ جمع میں اصل طریقہ تو یہ تھا کہ وہ خطائی ہوتا جو فعائل کے وزن پر ہے جب دو ہمزے جمع ہو گئے تو دوسرے ہمزہ کو یا، سے بدل دیا کیونکہ اس سے قبل کسرہ ہے پھر اس میں ثقل پیدا ہو گیا اور جمع ثقیل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ معتل بھی ہے تو یا، کو ان سے بدل دیا، پھر پہلے ہمزہ کو یا، سے بدل دیا کیونکہ دو ہمزوں کے درمیان اس میں فغا، ہوتا ہے۔ باقی قراء نے اسے خطیئاتہم جمع سالم کے طریقہ پر پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: یہ ایسی قوم تھی جنہوں نے ہزار سال تک کفر کیا تو ان کی خطاؤں کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس سے یہ ارادہ کیا کہ خطایا، خطیبات سے زیادہ ہوتی ہیں۔

ایک قوم نے کہا: خطایا اور خطیات ایک ہی ہیں۔ دونوں جمع کے صیغے ہیں، کثرت اور قلت میں استعمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان سے استدلال کیا ہے: مَا نَفَدَتْ كَلِمَتُ اللَّهِ (لقمان: 27) شاعر نے کہا:

لَنَا الْجَفَنَاتُ الْغُرُ يَلْمَعْنَ بِالضُّحَىٰ وَأَسْيَافُنَا يَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدَةٍ دَمًا

ہمارے ایسے سفید بڑے پیالے ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں معزز لوگوں کے خون کے قطرے نکالتی ہیں۔

اسے خطیئاتہم بھی پڑھا گیا ہے اور اسے خطیئاتہم بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا گیا اور ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ مجد ری، عمرو بن عبید، اعمش، ابو حیرہ اور اشہب عقیل نے خطیئاتہم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مراد شرک ہے۔ فَأَذْخُلُوا نَارًا انہیں غرق کرنے کے بعد آگ میں داخل کر دیا گیا۔ قشیری نے کہا: یہ آیت عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔ عذاب قبر کے منکرین یہ کہتے ہیں: وہ آگ میں داخل ہونے کے مستحق بن چکے ہیں یا جہنم میں ان کی جو جگہ ہے اسے ان پر پیش کیا گیا جس طرح فرمایا: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (غافر: 46) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ایک روایت میں ہے: الْبَحْرُ نَارٌ نَارٌ سَمْدٌ رُبُّهَا جَهَنَّمُ میں ایک آگ ہے۔ ابوروق نے ضحاک سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: أَعْرِضُوا نَارًا کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا گیا جبکہ انہیں دنیا میں غرق کیا گیا تھا۔ یہ ایک ہی حالت میں ہیں۔ وہ ایک جانب میں غرق ہوتے تھے اور پانی میں ایک جانب سے جلتے تھے (1)؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابوالقاسم جببی، ابوسعید احمد بن محمد بن ریح سے وہ ابوبکر بن انباری سے یہ اشعار نقل کرتے ہیں:

الخلق مجتمع طَوْرًا ومفتَرِقٍ والحادثات فُتُونٌ ذاتُ أطوارٍ

لا تعجبَنَّ لأضدادٍ إِنْ اجتمعتُ فاللهُ يجمع بين الباء والنارِ

مخلوق کسی مرحلہ میں جمع ہوتی ہے اور کسی مرحلہ میں جدا ہو جاتی ہے۔ حادثات مختلف انداز کے ہیں اور کئی مراحل میں واقع ہوتے ہیں۔ اگر اضداد جمع ہو جائیں تو تو تعجب نہ کر، اللہ تعالیٰ پانی اور آگ کو جمع فرما دیتا ہے۔

قَلَّمَ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝ وہ کوئی ایسی ذات نہیں پائیں گے جو ان سے عذاب کو دور کر دے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْنَاهُمْ

يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَا جِرًا كَفَّارًا ۝

”اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں

کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنس گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔“



اس میں چار مسائل ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے کب بددعا کی

**مسئلہ نمبر 1**۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے بارے میں اس وقت بددعا کی جب آپ مایوس ہو گئے کہ وہ لوگ آپ کی اتباع کریں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے بعد بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی اِنَّهٗ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کی امت کو غرق کر دیا۔ یہ بھی اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللّٰهُمَّ مَنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَذَلِّزْلْهُمْ (1) اے اللہ! اے کتاب کو نازل فرمانے والے، اے جلد حساب لینے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے! انہیں شکست دے دے اور ان میں زلزلہ برپا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی بددعا کا سبب یہ بنا کہ آپ کی قوم کا ایک آدمی اپنے چھوٹے بچے کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا (2)۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور اپنے بچے سے کہا: اس سے بچ کر رہنا یہ تجھے گمراہ کر دے گا۔ اس بچے نے کہا: اے میرے ابا! مجھے نیچے اتارنا! اس کے باپ نے اسے نیچے اتارا۔ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر مارا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور لوگوں کے خلاف بددعا کی۔

محمد بن کعب، مقاتل، ربیع، عطیہ اور ابن زید نے کہا: اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں سے نکال لیا تھا اور عذاب سے ستر سال پہلے ان کی عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں کو بانجھ کر دیا تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا تھا: چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا۔ قتادہ نے کہا: عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے بچوں کو بھی ہلاک کر دیتا تو یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب ہوتا اور ان میں عدل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بچوں اور ان کی اولادوں کو عذاب کے بغیر ہلاک کر دیا، پھر عذاب کے ساتھ ان کو ہلاک کر دیا (4)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ قَوْمٌ لُّوْجٌ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَعْرِضْنٰهُمْ (الفرقان: 37)

کن لوگوں کے خلاف دعا جائز ہے

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے خلاف بددعا کی (5) اور نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف بددعا کی جنہوں نے مومنوں کے خلاف اکٹھا کیا تھا۔ فی الجملہ یہ بھی کافروں کے خلاف ہی دعا تھی جہاں تک معین کافر کا تعلق ہے تو اس کا خاتمہ معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے خلاف بددعا نہیں کی جاتی کیونکہ اس کا انجام ہمارے نزدیک مجہول

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ، جلد 1، صفحہ 410

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 201

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 460

5۔ اکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861

ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا خاتمہ سعادت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عتبہ، شیبہ اور ان دونوں کے ساتھیوں کے بارے میں بددعا کی کیونکہ ان کے انجام کا آپ کو علم تھا اور ان کے حال کے بارے میں پردے کو ہٹا دیا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ سورہ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بددعا کی وجہ بیان کرنا

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف دعا کو آخرت میں مخلوق کی شفاعت سے توقف کا سبب کیوں بنایا ہے (1)؟ ہم عرض کریں گے: لوگوں نے اس بارے میں دو وجہیں ذکر کی ہیں۔ (1) وہ دعا غضب اور سختی کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ شفاعت تورضا اور نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں اس پر عتاب نہ ہو اور یہ نہ کہا جائے تو نے کل (دنیا میں) کفار کے خلاف بددعا کی اور آج ان کے حق میں شفاعت کرتے ہو۔ (2) انہوں نے نص اور واضح اجازت کے بغیر ناراضگی کے عالم میں بددعا کی تھی تو قیامت کے روز اس پر وبال کا خوف محسوس ہوا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اِنِّی قَتَلْتُ نَفْسَیْ اَوْ مَرَبَقْتُلَهَا میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کہا: میں بھی یہی قول کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ بددعا کرنے کا صریح حکم نہیں تھا تاہم آپ کو یہ کہا گیا تھا: اِنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36) اس نے آپ کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف ہلاکت کی بددعا کی جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے شیبہ، عتبہ اور ان جیسے لوگوں کے خلاف بددعا کی اور یہ الفاظ کہے: اللہم علیک بہم جب ان کے انجام کا علم ہو گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں بددعا کرنے کے امر کا معنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** دَيَّارًا ۝ اِنَّکَ اِنْ تَدْرُسْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاٰجِرًا کَفَّارًا ۝ یعنی جو گھروں میں رہتا ہے (2)؛ یہ سری کا قول ہے۔ اصل میں یہ دیوار تھا۔ یہ فیعال کا وزن ہے۔ یہ دار، یدور سے مشتق ہے، واؤ کو یاء سے بدل دیا اور ان میں سے ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا جس طرح قیام، اصل میں یہ قیوام تھا۔ اگر یہ فعال کا وزن ہوتا تو یہ ددار ہوتا۔ قبی نے کہا: اصل میں یہ دار ہے یعنی گھر میں فروکش ہونے والا یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بالدار دیار یعنی کوئی بھی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدیار سے مراد گھر والا ہے۔

رَبِّ اَغْفِرْ لِّیْ وَلِوَالِدَیْ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۝ وَلَا

تَزِدِ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

”میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا

اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو، اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے۔“

رَبِّ اَغْفِرْ لِّیْ وَلِوَالِدَیْ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے دعا کی۔ وہ دونوں مومن



تھے۔ لمک بن متوشلح وٹخی بنت انوش؛ قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے آپ کی والدہ کا نام منجل بتایا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: والدیہ سے انہوں نے باپ اور دادا مراد لیا ہے۔ سعید بن جبیر نے لوالدی دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ واحد کا صیغہ ہے۔ کلبی نے کہا: ان کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں۔ سب کے سب مومن تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کسی فرد (والد) نے کفر نہیں کیا۔ وَلَمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا بَيْت سے مراد مسجد، مصلیٰ ہے، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہو۔ انبیاء کے گھروں میں وہی داخل ہوتا جو ان میں سے مومن ہوتا تو مسجد کو مغفرت کی دعا کا سبب بنا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ مَا لَمْ يَحْدِثْ فِيهِ تَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارحمه (2) فرشتے تم میں سے ہر ایک کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اس مجلس میں رہے جس میں اس نے نماز پڑھی ہو جب تک اسے حدت لاحق نہ ہو۔ اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بَيْتِي سے مراد میری مسجد ہے (3)؛ ثعلبی نے یہی حکایت بیان کی ہے؛ اور ضحاک نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: جو میرے دین میں داخل ہوا۔ یہاں بیت، دین کے معنی میں ہے۔ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی ہے اور جو میرے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: میرا وہ دوست جو میرے گھر میں داخل ہو (4)؛ ماوردی نے اس کی حکایت بیان کی ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيْتِي سے مراد میرا گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد میری کشتی ہے۔

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ قِيَامَتِ تَمَّتْ مَوْمِنُونَ اور مومنات کو عام ہے (6)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے مومنین اور مومنات مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی قوم کے مومنین اور مومنات مراد ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ ظَالِمِينَ سے مراد کافر ہیں (7)۔ إِلَّا تَبَارَكَا ۖ مگر ہلاکت۔ یہ ہر کافر اور مشرک کو عام ہے (8)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی قوم کے مشرک مراد ہیں۔ تبارک کا معنی ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خسران مراد ہے (9)؛ دونوں معانی سدی نے بیان کیے ہیں؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ مَا هُمْ فِيهِ (اعراف: 139) ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبارک کا معنی دمار یعنی ہلاک کر دینا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ وہی صحیح امر کو جاننے کی توفیق دینے والا ہے۔

الحمد لله أولًا وآخرًا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1816

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 106

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً

6۔ ایضاً

7۔ ایضاً

8۔ ایضاً

9۔ ایضاً



پاکستان کی سب سے بہترین آن لائن لائبریری

**Pakistan Virtual Library**

**PDFBOOKSFREE.PK**

